راہ اور رہنما کی پہچان

مولف:
آیۃ اللہ مصباح یزدی

ناشر: مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

فہرست

حرف اول ۷
مقدمہ ۱۷
حسی اور عقلی ادراک ۱۸
اہم بات ۲۳
نبوت قرآن کی نگاہ میں ۲۹
بعثت انبیاء علیہم السلام کے مقاصد ۳۱
تشریعی ہدایت (الٰہی رہنمائی) ۳۱
لوگوں کی تعلیم ۳۸
تحریفات کی اصلاح ۳۸
دینی اختلافات کا بر طرف کر نا ۳۹
قضاوت ٤۳
حکومت ٤۳
یاددہانی ٤٦
ڈرانا اور خو شخبری دینا ٤۷
ظلم اور برائی سے مقابلہ ٤۸
لوگوں کو توحید اور معاد کی طرف متوجہ کرنا ٤۹
پیغمبرونکا بشر ہونا ٥۳
معجزہ ٦٥
معجزہ کی ضرورت ٦٥
معجزہ کی حقیقت ٦٦
کچھ سوالوں کے جوابات ٦۸
۱.کیا معجزہ نبوت کے دعوے سے وابستہ ہے یا نہیں؟ ٦۸
۲.معجزہ عقلی طور پر ممکن ہے یا نہیں ؟ ٦۹
۳.کیا انبیاء علیہم السلام کا صاحب اعجاز ہو نا ضروری ہے ؟ ۷۳
٤.کیا تمام انبیاء صاحب معجزہ تھے یا معجزہ بعض انبیا ء سے مخصوص تھا؟ ۷٦
معجزہ قرآن کی روشنی میں ۸۱
قرآن میں کلمۂ "آیت" کے استعمال کے مقامات ۸۲
انبیاء علیہم السلام کے معجزات ۹۱
معجزہ کی کیفیت ۹۳
معجزہ کا دائرئہ حدود ۱۰۳
حضر ت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ۱۰٥
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ۱۰۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات ۱۰۸
حضرت زکریا علیہ السلام کی کرامت ۱۱۰
حضرت مر یم علیہا السلام کی کرامت ۱۱۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانکی کرامت ۱۱۳
طالوت کی کرا مت ۱۱۳
ارمیا اور حضرت یونس علیہ السلام کے معجزے ۱۱٤
حضرت دائود علیہ السلام کی کرامات ۱۱٥
حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرامات ۱۱٦

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اصحاب کہف ۱۱۹
عقلی نکتہ ۱۱۹
نتیجہ ۱۲۰
دائمی اعجاز ۱۲۱
اہل کتاب کے نز دیک پیغمبر اسلامؐ کی نشانیاں ۱۲۲
چیلنج قر آن کے معجزہ ہو نے کا ثبوت ۱۲٤
قرآن کریم معجزہ کیوں ہے؟ ۱۳۰
۱۔صرف و انصراف ۱۳۰
۲۔بلاغت ۱۳۰
۳۔اختلاف نہ ہونا ۱۳۳
٤۔پیغمبر امّی کی جانب سے ہے ۱۳٤
٥۔جامعیت ۱۳٦
٦۔علمی نکات کا اظہار ۱۳٦
۷۔غیبی خبریں ۱۳۷
(۱)ایرانیوں پر رومیوں کا غلبہ ۱۳۷
(۲)فتح مکہ ۱۳۷
پیغمبر اسلامؐ کے بقیہ تمام معجزات ۱۳۹
شق القمر ۱۳۹
لوگوں کے ادراک میں تصرف ۱٤۱
القاء رعب اور نزول سکینہ ۱٤٤
عصمت ۱٥۱
ملائکہ کی عصمت ۱٥۳
عصمت انبیاء علیہم السلام(وحی سمجھنے میں) ۱٥٥
کیا انبیا ء علیہم السلام وحی میں کسی چیز کا اضافہ کر سکتے ہیں ؟ ۱٥٦
مقام عمل میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت ۱٥۹
مقام عمل میں انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہو نے پر کیا کو ئی دلیل ہے ؟ ۱٦۱
کیا عصمت " جبر " ہے ؟ ۱٦٤
عصمت انبیاء علیہم السلام سے متعلق شکوک و شبہات ۱٦۷
حضرت آدم علیہ السلام ۱٦۸
حضرت ابرا ہیم و یو سف علیہما السلام ۱۷۰
حضرت یو نس علیہ السلام ۱۷۳
حضرت مو سیٰ علیہ السلام ۱۷٤
حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام ۱۷٦
حضرت محمد مصطفیؐ ۱۷۷
پہلی آیت ۱۷۷
دوسری آیت ۱۸۱
تیسری آیت ۱۸٥
چو تھی آیت ۱۸۸
پا نچویں آیت ۱۹۲
غیر انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ۱۹۷
ائمہ علیہم السلام کی عصمت ۲۰۰
ائمہ علیہم السلام کی عصمت پر قرآنی دلیل ۲۰۱
اولی الا مر کی شان کیا ہے ؟ ۲۱۱

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اہل بیت علیہم السلام کون ہیں ؟ ۲۰۹
ادیان کا اشتراک اور امتیاز ۲۱۱
اسلام ،دعوت انبیاء علیہم السلام کی روح ۲۱۱
تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھنا ضروری ہے ۲۱٤
ادیان کے اختلاف کی وجہیں ۲۲۲
۱۔بغاوت و سرکشی ۲۲۲
۲۔ تحریف ۲۲۷
احکام کے جزئیات میں ادیان یکسانںہیں ہیں ۲۲۹
رہنماکی پہچان
انبیاء علیہم السلام ۲۳۵
قرآن میں تاریخی مباحث کا محور ۲۳۵
قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام سے متعلق آیات کی تقسیم ۲۳٦
قرآ ن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے اوصاف ۲۳۹
رسول،نبی اور نذیر ۲۳۹
رسول اور نبی کا فرق ۲٤۰
انبیاء علیہم السلام کی تعداد ۲٤۳
کلمۂ امت کی وضا حت ۲٤۳
انبیاء علیہم السلام کی کثرت ۲٤۵
انبیاء علیہم السلام کی جنس ۲٤۸
اپنی قوم کا ہم زبان ہو نا ۲٤۹
دعوت تو حید ۲۵۰
معا شرہ میں رائج برا ئیوں اور بد عنوا نیوں سے جنگ ۲۵۰
فضیلت کے اعتبار سے مرا تب کا فرق ۲۵۱
اجر طلب کرنے سے پر ہیز ۲۵۲
اولو االعزم انبیاء علیہم السلام ۲۵۷
کیا انبیائے اولوالعزم ہی صا حبان کتاب و شریعت ہیں ؟ ۲۵۸
صا حبان کتاب اولواالعزم انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا دا ئرہ ۲۵۹
ادیا ن الٰہی ایک ہیں یا کئی ؟ ۲٦۰
دین کے اندر اختلاف ۲٦۳
عالمی رسالت کا مفہوم ۲٦۵
تمام الٰہی انبیا ء علیہم السلام پر ایمان ضروری ہے ۲٦٦
انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا عالمی ہو نا ۲۷۰
پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کا عالمی ہو نا ۲۷۱
مخا لفین کی دلیلوں پر ایک نظر ۲۷٤
تبلیغ اسلام کے تئیں جنوں کا کر دار ۲۷۷
ظہور اسلام کے بعد بقیہ تمام ادیان کا غیر معتبر ہونا ۲۷۸
انبیاء علیہم السلام کی امتیں ۲۸۱
موجودہ بحث کا علو م سما جیت و نفسیات سے رابطہ ۲۸۲
خود امتوں کے ذریعہ انبیا ء علیہم السلام کی تکذیب ۲۸۳
ا نبیا ء علیہم السلام سے جنگ کر نے والے سر داروں کی پہچان ۲۸۷
انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کے نفسیاتی اسباب ۲۸۸
استکبار ۲۹۰
احساس برتری ۲۹۳

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ظلم ۲۹۳
نفسانی خواہشات ۲۹٤
گناہ میں آلودہ ہونا ۲۹٥
بے نیاز ی(بے فکری) کا احساس ۲۹٦
انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کے چند نمونے ۲۹۷
مستکبر اور مستضعف قر آن کی نگاہ میں ۳۰۱
استکبار اور استضعاف کے لغوی معنی ۳۰۱
مستکبروں اور مستضعفوں کی گفتگو ۳۰۳
قرآ ن میں مستکبر اور مستضعف کا مطلب ۳۰٦
مستضعفین سے متعلق آیات کا ایک جا ئزہ ۳۰۸
نتیجۂ بحث ۳۱٤
استکبار اور استضعاف کی اہمیت ۳۱٥
عوام کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بر تاؤ ۳۱۹
مذاق اڑانا ۳۲۰
تہمت ۳۲۲
بہانہ تلاش کر نا ۳۲۷
ڈرانا دھمکانا ۳۳۳
امتوں کے ساتھ خدا کاطریقہ(الٰہی سنتیں) ۳۳۷
مشکلات کے ذریعہ ہدایت ۳٤۱
املا اور استدراج کی روش ۳٤۲
الٰہی جال اور اخلاقی اقدار کی ہم آہنگی ۳٤٤
سنت عذاب ۳٤٦
خدا کی سنتونکا ایک دو سرے میں مؤثرہو نا ۳٤۸
حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ۳٥٦
حضرت ہود علیہ السلام کی قوم (عاد) ۳٥۷
حضرت صالح علیہ السلام کی قوم(ثمود) ۳٥۷
حضرت لوط علیہ السلا م کی قوم ۳٥۸
حضر ت ابرا ہیم علیہ السلام کی قوم ۳٥۸
حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ۳٥۸
حضرت مو سیٰ کی قوم (آل فر عون) ۳٥۹
اصحاب سبت ۳٦۰
قوم سبأ ۳٦۰
اصحاب رس ۳٦۰
اصحاب فیل ۳٦۱
عذاب استیصال کا کا فروں سے مخصوص ہو نا ۳٦۱
مستضعفین کا حا کم ہو نا ۳٦۳
الٰہی امدادآنا ۳٦٥
شکران نعمت سے اضافہ اور کفران سے نعمت سے کمی ۳٦٦
انبیاء علیہم السلام کے اختلاف کی سنت ۳۷۰
وحی کی حقیقت ۳۷۲
سما جیات میناسلامی طرز تفکر سے متعلق چند نکات ۳۷٥
چندنفسیاتی پہلو ۳۸٦
فلسفۂ تا ریخ کے بارے میں ایک نکتہ ۳۹۱

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خا تمیت ۳۹۳
خا تمیت سے متعلق شکوک کا جا ئزہ ۳۹۶
اختتام نبوت کی وجہیں ۳۹۹
انبیاء علیہم السلام کے دو سرے منصب ٤٠٤
وحی کی توضیح و تفسیر ٤٠٧
قضا وت اور فیصلے کرنا ٤٠٨
حکو مت ٤١٠
پیغمبر اسلامؐکے عہدے ٤١١
الف)وحی کی تفسیر کا منصب ٤١٢
ب)پیغمبر اسلامؐاور قضاوت کا عہدہ ٤١٣
ج)پیغمبر اسلامؐکی حکو مت کا منصب ٤١٦
معصوم اماموں کے منصب ٤١٧

راہ اور رہنما کی پہچان
مولف: آیۃ اللہ مصباح یزدی
مترجم : سید ضرغام حیدر نقوی
مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفیؐغار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلامؐکی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیروؤں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں،یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔
(عالمی اہل بیت کونسل) مجمع جہانی اہل بیت نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت عصمت و طہارت کے پیروں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن وعترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خون خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔
ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، آیۃ اللہ مصباح یزدی کی گرانقدر کتاب راہ اور رہنما کی پہچان کو فاضل جلیل مولاناسیدضرغام حیدر نقوی نے اردو زبان میناپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام
مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

راہ اور رہنما کی پہچان

مقد مہ

قرآنی تعلیما ت کے ذیل میں کی گئی گذشتہ بحثو ں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ خد ا و ند عا لم نے ا پنے ذاتی صفا ت کے تقا ضو ں اور اپنی فیا ضیت اور ر حما نیت کی بنیاد پر ا س دنیا کو پیدا کیا ہے اور جیسا کہ بعض آ یا ت شریفہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ماد ی د نیا کی تخلیق انسا ن کی خلقت کا مقد مہ ہے اسی وجہ سے انسا ن اشرف مخلو قات اور خداوند عا لم کی بارگا ہ میں مکر م ہے او ر و ہ خصوصیت جس کی بنا پر انسا ن، مخلو قا ت کے سب سے بلند در جہ پر فا ئز ہوسکتا ہے وہ انسا ن کا "مختا ر "ہو نا ا ور اس کے مقد مات فر ا ہم کر نا ہیں۔
یعنی چو نکہ انسا ن "خدا وند عا لم کی عطا کر دہ قو ت و تو ا نائی کی بنیا د پر "ایک ایسی مخلو ق ہے جو مختلف راستوں میں سے اپنی پسند کے کسی بھی راستے کا انتخا ب کر سکتا ہے اور اس پر خدا کی طر ف سے فر ائض عائد کئے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جاسکتے ہیں ا ور اگر خدا و ند عا لم کے معین کر دہ فرائض پر گا مز ن ہو تو کما ل کے سب سے ا و نچے در جہ پر فا ئز ہو کر د ائمی سعا د تو ں اور لذتوں کو حا صل کر سکتا ہے ۔
پس انسان کی سب سے اہم خصو صیت اسکا اختیا ر و انتخا ب کا حا صل ہو نا ہے اور جس ر اہ پر وہ چل رہا ہے انسان نے آ زا دا نہ طو ر پر خود منتخب کی ہے ۔
اسی طر ح ہم اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ د نیا وی ز ند گی آ خر ت کی ز ند گی کا مقد مہ ہے۔یعنی ز ند گی کے اس مر حلہ میں انسان ا پنے اختیا ر ا و ر انتخا ب کے ذ ر یعہ ا پنی ر اہ منتخب کر تا او ر ا پنی سر نو شت تحر یر کر تا ہے ا و ر زند گی کے اس مر حلہ کے بعد ا بد ی زند گی کا مر حلہ آ نا ہے جس میں وہ ا س د نیا میں انجا م دیئے گئے اعما ل کے نتیجو نسے بہر ہ مند ہو تا ہے ۔
ا نسا ن ا پنی ز ند گی کے لئے صحیح ر ا ستہ منتخب کرسکے اس کے لئے تو ا ر اد ہ ،فیصلے کی قو ت اور ا س ر جحا ن کے علا وہ ہو جو خد ا و ند عا لم نے ا س کی فطرت میں قر ا ر دئے ا و ر ا فعال کو پایۂ تکمیل تک پہنچا نے کے وسا ئل مہیا کئے ہیں ایک ا و ر اہم شر ط بھی ضرو ر ی ہے ا و رو ہ صحیح را ستہ کی پہچا ن ہے ۔ در حقیقت آزاد انہ انتخاب اس وقت ممکن ہے کہ جب ا نسا ن مختلف را ستو ں کی پہچا ن رکھتا ہو ا و ر ان کے نتا ئج سے بھی آ گا ہ ہو ۔
ہم ا نسا ن شنا سی کی بحث میں اس بات کی طر ف اشا رہ کر چکے ہیں کہ ا نسا ن کے لئے مختلف قسم کی پہچانیں ممکن ہیں جو چیز تما م انسا نو ں میں عا م ہیں حو اس خمسہ ا و ر عقل کی راہنمائی میں حا صل شدہ پہچان ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا خد ا و ند عا لم نے یہ دو وسیلے جو تما م انسا نو ں کے اختیا ر میں دئیے ہیں صحیح ر استہ کے انتخا ب کے لئے ضرور ی معلوما ت اور پہچا ن حا صل کر نے کے لئے کا فی بھی ہیں یا نہیں ؟ دو سر ے الفا ظ میں جو ا نسان اپنا ہر قد م یہ سوچ کر اٹھا تا ہو کہ اسے ا بد ی سعا دت کی ر اہ ہمو ا ر کر نا او ر آ خری منزل کما ل تک پہنچنا ہے تو اس کو اپنا ہر قدم اٹھا نے کے لئے کچھ چیز وں سے آگا ہ ہونا پڑے گا ۔ توکیا جن معلومات کی انسان کو اپنی زند گی کے ہر مر حلہ اور ہر قد م پر ضرورت پڑ تی ہے وہ حو ا س و عقل کے راستہ سے حا صل ہو تی ہیں یا نہیں ؟
دو طر یقو ں سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ز ند گی کا راستہ منتخب کر نے کے لئے حس و عقل کافی نہینہیں ان دو نو ں طر یقو نکو بیان کرنے سے پہلے ہم حو اس اور عقل کے ادراک او ر ان کے دائرہ کار کی وضا حت کر د ینا ضروری سمجھتے ہیں :

حسی او ر عقلی اد را ک

احسا سا ت کا دا ئرہ

یہ ادرا ک ظا ہری حوا س یعنی آنکھ ناک کان وغیر ہ کے ساتھ ما د ی د نیا کے ار تبا ط تعلق سے حا صل ہو تا ہے ۔ اس اد ر ا ک کا دائرہ بہت ز یا دہ محد و د ہے صر ف وہ چیز یں ہم سے تعلق پید ا کر تی ہیں (وہ بھی اپنے را بطہ کی حد تک او ر جب تک یہ ر ابطہ بر قر ا ر ر ہتا ہے) احسا س کے دائر ے میں آتی ہیں دکھا ئی دینے اور سنائی دینے و ا لی چیزیں مختصر یہ کہ جو معلو مات ہم محسو سات کے ذر یعہ حا صل کر تے ہیں وہ یقینا ہما ری ز ند گی کے لئے مفید اور ضر وری ہیں لیکن سوا ل یہ ہے کہ آ خر ی ہد ف تک پہنچنے کے لئے یہ کس حد تک مؤثر ہو سکتی ہیں ؟ یہ تو صر ف کسی حد تک ہما ر ی ما د ی ز ند گی سے متعلق کچھ را بطو ں کی تو جیہ کر سکتی ہیں کہ ہم کیا کھا ئیں کیا پئیں کیا کیا پہنیں بو لیں اور کس سے کس طرح گفتگو کر یں ۔
محسو سات کا دائرئہ کا ر محدود ہو نے کی وجہ سے اس سے یہ تو قع نہیں رکھی جا سکتی کہ ہم اس کے ذریعہ ز ند گی کی صحیح ر اہ اس کے تما م پہلوئوں کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں ۔

عقل کا د ائرہ
عقل ،خود اپنی جگہ (بیرو نی تجر بو ں سے قطع نظر) جو کچھ بھی سمجھتی ہے کچھ کلیا ت ہیں اور بس یعنی عقل صرف بنیا دی حقیقتوں یا بد یہیات ا و لیہ کو درک کر تی ہے اور اس پہچا ن کی کیفیت میں پا ئے جا نیوا لے ا ختلاف نظر کے با وجو د اس مسئلہ میں کو ئی اختلا ف نہیں ہے کہ عقل فقط کچھ اصو ل او ر کلیا ت مفا ہیم او ر ان کے ما بین ار تبا ط کو بیان کر سکتی ہے او ر یہ کلیات بذ ا ت خو د زند گی کی ر ا ہ معین و مشخص کر نے میں کوئی خا ص کر دا ر ا د ا نہیں کر تے ۔مثا ل کے طور پر آ پ(اجتما ع نقیضین محا ل ہے) یا(ہر معلول علت کا محتاج ہو تا ہے) یا اسی طر ح مشہو ر و

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معرو ف مثال کہ کل جز ء سے بڑ ا ہو تا ہے کو مد نظر رکھئے تو اس طر ح کے تمام عقلی اصو ل اور کلیات بذ ا ت خو دزند گی کی ر اہ جا ننے پہچاننے یا معین کر نے میں کو ئی کر د ار ادا نہیں کر تے ۔ اس طر ح کی معلو ما ت کا ز یا دہ سے زیا دہ یہ فا ئدہ ہے کہ خالص فلسفی قسم کے مسا ئل (جیسے خد اوند عا لم کے و جو د) کو ثا بت کر سکتی ہیں۔
ا لبتہ ا در ا ک کی د و سری قسمیں بھی پائی جا تی ہیں جو حو اس و عقل کی با ہمی مد د سے حا صل ہو تی ہیں ۔جن کو ہم (تجر بات)کا نام دے سکتے ہیں یعنی ہما ر ے حو اس ا یک چیز کو محسوس کرتے ہیں ا ور ہما ر ی عقل ا ن پر کا م کر تی ہے ا یک چیز کو د وسرے سے الگ کر تی ،ہر ا یک کو شا مل کر تی ہے، تجز یہ و تحلیل کر تی ا ور ان سے نئے نتا ئج نکا لتی ہے۔ ہما ری دنیا وی ز ندگی کیلئے ان سب کا ہو نا ضر و ری ہے ہم ا ن سے فا ئدہ بھی اٹھا تے ہیں لیکن مو جو دات کی مخصوص علتیں حوا س ا و ر عقل کے ذ ریعہ پہچا نی جا تی ہیں ہمیں حس سے کا م لینا چا ہیے عقل بھی محسو سا ت سے فا ئد ہ اٹھائے او ر ان کاتجزیہ کر ے تا کہ ان کی روشنی میں آ خر کا ر ہم کسی علمی نتیجے تک پہنچیں چنا نچہ مر و جہ اصطلا ح میں علمی قوانین و اصو ل یعنی علو م تجر بی اسی طر یقہ سے حا صل ہوتے ہیں ۔
یہ تھی حو ا س او ر عقل اور ان کی باہمی(مدد) سے حا صل ہو نے والے نتیجہ کے با ر ے میں مختصر تو ضیح جو ہم نے قلمبند کر دی ۔
اب ہم یہ دیکھنا چا ہیں گے کہ کیا یہ معلو مات جو صر ف حوا س یا صر ف عقل یا ان دو نو ں کی با ہمی مدد سے حاصل ہو تی ہیں زند گی کی صحیح ر اہ تمام پہلوئوں اور شعبوں کے ساتھ تمام ز مان و مکان میں سمجھا نے کے لئے کا فی ہے یا نہیں؟
جیسا کہ ہم نے عر ض کیا دو طریقو ں سے اس چیز کا اثبا ت کر سکتے ہیں کہ یہ معلو ما ت صحیح راہ کی پہچا ن کے لئے کا فی نہیں ہیں ۔

تجر بہ کی ر ا ہ
یعنی اس نا تو ا نی کو تجر بہ کے ذ ر یعہ اورحو ا س و عقل کی مد د سے ہم اس تفصیل کے ساتھ ثا بت کر سکتے ہیں کہ ہز ا ر وں سا ل ہو گئے کہ ا نسا ن روئے ز مین پر پیدا ہو ا اور زند گی بسر کر رہا ہے ۔ بہت زیا دہ قد یم ز ما نہ سے کو ئی دقیق ا طلا ع دستیا ب نہیں ہے لیکن تقریبا دو ہزا ر پا نچ سو سال پہلے تک انسا نی ہا تھو ں کی مر تب کر دہ تا ریخ اور افکا ر و نظر یات کتا بی شکلو ں میں مو جو د ہیں جو اس با ت کی نشا ند ہی کر تی ہیں کہ دا نش وروں نے بڑ ی زحمتو ں اور کو ششو ں سے کا م لیکر اپنے حوا س اور عقل سے استفا د ہ کر تے ہو ئے مختلف مسائل کو سمجھا ہے اور ان کو علمی مسا ئل ، حقوق و فرائض کے قو انین ،اخلا قی اصول اور اسی طرح کے دو سر ے مسائل کی صور ت میں بیا ن کیا ہے سا ئنسی علو م کے میدان میں روز بہ روز کا فی تر قی ہو ئی ہے اورآج ان ہی دانش وروں کی تحقیقا ت کے سایہ میں مادی دنیا کے بہت سے لا معلو م حقا ئق ہما رے لئے کشف ہو چکے ہیں اور ہم آسا نی سے ان کو پہچا ن سکتے ہیں اور ا ن میں اکثر مسا ئل اتنے واضح روشن اور قا بل فہم ہیں کہ ان مسا ئل میں بہت کم اختلا ف واقع ہو تا ہے لیکن عملی مسا ئل میں "زند گی بسر کرنے کے طور طر یقہ" معیا ر و اقدا ر اور ما دی دنیا سے ما فوق متا فیز یک یاالٰہیا ت کے مسا ئل میں مسئلہ اسکے برعکس ہے بہت سے انسا نی معا شروں میں بے پنا ہ مبہم مسا ئل مو جو د ہیں اور شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ آ ج کے اکثر علمی حلقے مادیت سے ما فوق ' الٰہیا ت کے مسائل کو کو ئی اہمیت نہیں دیتے کیو نکہ وہ ان کو حل کر نے سے عا جز ہیں ۔
لیکن ہما ری بحث کی ا ساس وبنیاد ان علوم پر قا ئم ہے جو رو ش و ر فتا ر اور اخلا قی اقدا ر و معیا را ت سے تعلق رکھتے ہینکہ انسا ن کو اپنی زند گی میں کس طرح کام کر نا چا ہئے اور وہ د وسر ے انسا نوں کے سا تھ ا پنے روا بط کس طرح استو ار کرے ؟ و غیر ہ ---
یہ مسا ئل انسانوں کے در میان ہمیشہ موضو ع بحث رہتے ہیں اور ان مسا ئل کو حل کر نے میں بہت زیا دہ فکری تو ا نا ئیا ں صر ف کی گئی ہیں لیکن جیسا کہ ہما ر ے علم میں ہے تا ر یخ کے کسی بھی مر حلہ میں دانشمند وں کے افکا ر ان مسا ئل میں نہ صر ف متحد اور یکسا ں نہیں ہو سکے بلکہ ان میں روز بہ روز اختلاف بڑھتا ہی گیا ہے آج جبکہ انسان علم ودانش کے بہت سے علمی مدارج طے کر چکا ہے صاف دکھا ئی دیتا ہے کہ ماہرین ہمیشہ زند گی بسر کر نے کے کچھ قوانین بنا تے ہیں لیکن جلد ہی معمو لی غور و فکر کے بعد ان قوانین کی خرابی ان پر ظاہر ہو جا تی ہے اور وہ ان قوانین میں ردو بدل اور اصلاح میں لگ جا تے ہیں ۔ جو بھی قانون بنتا ہے اس پر پہلے کچھ تر میمی نو ٹ لگتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد اس قا نو ن کو ہی کلی طور پرختم کرد یا جا تا ہے ۔اعمال، رفتار اور اقد ارو معیارات کے با رے میں انسانی افکار کا مطالعہ کر نے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسان اپنے علم ودانش کی طویل تاریخ میں ابتک ان مسائل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو حل نہیں کر سکا ہے اور یہ تجربہ اس طرح کے مسائل حل کر نے میں حوا س وعقل کی نا توا نی کا وا ضح نمو نہ ہے ۔ عقل و ہوش کی ناتوا نی کے اثبا ت کی یہ تجر باتی راہ ہے لیکن یہ راہ بہت زیاد ہ اطمینان بخش اور یقینی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس میں یہ احتما ل مو جو د ہے کہ شا ید آ ئندہ صد یو ں میں ہزا ر دو ہزار سال بعد انسان اس میدان میں اتنی ترقی کر لے اور کسی یقینی علم تک پہنچ جائے ۔

۲۔دو سرا طریقہ یہ ہے کہ حواس و عقل کا جا ئزہ لیں اور ان کی کار کردگی کی کیفیت کو دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ کیا حواس وعقل کی مدد سے زند گی کے تمام مسائل کو حل کر سکتے ہیں یانہیں ؟

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حواس کے ذریعہ ہم چیزوں کے ظاہر کو و ہ بھی مخصوص زمانہ اور جگہ پر محدود حالات کے ساتھ ہی دیکھ پا تے ہیں بنا بریں حوا س کسی بھی صورت میں خود اپنی جگہ اقدار ومعیار کے حا مل مسائل کو "خاص طور سے انسان کے عمل ورفتار کا آخرت کے نتیجو ں سے کیا رابطہ ہے" بیان کرنے کی قدرت وصلاحیت نہیں رکھتا ۔ عقل بھی تن تنہا اس طرح کے مسائل بیان کر نے سے عاجز ہے عقل کے نزدیک ثابت شدہ مسلّمات کی تعداد بھی بہت زیادہ محدود ہے ہرروز بلکہ ہر گھنٹے مختلف انسانونکے سا تھ اپنے ساتھ ،خداوند عالم کے ساتھ ،اپنے اہل ِخاندان اور معاشرہ والوں کے ساتھ سیکڑوں طرح کے تعلقات پیش آتے ہیں جن میں سے ہر ایک کیلئے ایک مستقل حکم ہو نا چاہئے ۔ مسلما ت عقلیہ بہت محد و د ہیں اور ان تما م تعلقات اور مسائل کے احکام کو بیان نہیں کر سکتے۔

اسی طرح عقل و حواس کی باہمی مدد سے اگر چہ انسان کی معلومات کا دائرہ وسیع ہوجاتا ہے لیکن اس کا دائرہ بھی انسان کے تجربہ کی حد تک ہی محدود ہے ہم مادی مو جودات کے سلسلے میں تجربہ کرسکتے ہیں ان کی مادی علتوں کی شناخت کر سکتے ہیں لیکن مادی پہلوئوں سے مافوق چیزوں کو تجربہ اور آزما ئش میں نہیں لا سکتے کہ ہم مادہ کے ساتھ غیر ماد ی چیز وں کے تعلقات کو بھی تجربہ کے ذریعہ ثابت کرسکیں اور ایک آخری بات جو ان سب سے زیادہ اہم ہے (اور ہماری گفتگو کی بنیاد بھی وہی ہے) اس دنیا سے ابدی دنیا کے رشتے کو سمجھنا ہے ۔ہمارے پاس آخرت کی موجودات کی معرفت کا کوئی راستہ نہیں ہے آخرت میں ظا ہر وآشکا رہو نے والی موجو دات کی تن تنہا حواس کے ذریعہ پہچان کی جاسکتی ہے نہ عقل کے ذریعہ اور نہ ہی ان دونوں کی مدد سے اس دنیا کے حقا ئق ہم پر روشن ہو سکتے ہیں اور جب تک ہم یہ نہ جان لیں کہ ہماری یہ زندگی آخرت کی زند گی میں کس طرح مؤثر ہو سکتی ہے اور آخرت کی سعادت کے ساتھ ہمارے کن اعمال کا رابطہ مثبت اور کن اعمال کا رابطہ منفی ہے اس وقت ہم اپنی زندگی صحیح طریقہ سے نہیں گذار سکتے اور نہ ہی اپنی زند گی بسر کرنے کے لئے صحیح منصوبہ بندی کر سکتے ہیں یہ سب منصوبہ بندی اور اقدار و معیارات عمل اور اسکے نتیجہ کے در میان رشتے کا تعین ہونے کے بعد ہی طے ہو سکتے ہیں اور جب تک ہم اس رابطہ کو نہ سمجھ لیں اس وقت تک یہ نہیں کہہ سکتے کہ (یہ کام کرنا چاہئے اور وہ کام نہیں کرنا چاہئے) ہم اس بحث کو اپنے مقا م پر عر ض کر چکے ہینکہ (یہ چاہئے اور وہ نہیں چاہئے) یہ باتینکسی کام اور اسکے نتیجے کے در میان رابطہ کے ذریعہ ہی معلوم ہوتی ہیں جب تک ہم نتیجہ نہ جا نیں اور نتیجہ کے وجود میں اس کام کی تاثیر کا تجربہ نہ کر لیں اسوقت تک ان کے بارے میں کو ئی حکم نہیں جاری کرسکتے اور مجمو عی طور پر چونکہ آخرت کی دنیااور اس دنیا سے اس کے روابط حواس اورعقل کے دائرے سے خارج ہیں ہم ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہینکر سکتے اور نہ ہی اس دنیا وی زندگی کے لئے کو ئی منصو بہ اور پروگرام ترتیب دے سکتے۔

اب جبکہ ہم سمجھ گئے کہ تنہا عقل و حواس زند گی کیلئے کسی ایسی دقیق منصوبہ بندی سے عا جز ہیں کہ (جس کے تحت آخرت کی کامیابی اور ابدی کمال وسعادت حاصل ہو سکے)تو اب ہم اس میں ایک اور مقد مہ کا اضا فہ کرتے ہیں اور وہ یہ :

جس خدا نے انسان کو اِن محدود عقل وفہم اورر خصو صیات کے ساتھ پیدا کیا ہے کہ جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں اُسی نے اِس کے لئے ابدی سعادت تک خود اپنے اختیاری اعمال کے ذریعہ پہنچنے کا فیصلہ بھی کیاہے اب اگر وہ اس کے لئے لازم علم و شناخت اس کے اختیار میں نہ دے تو اس کا فعل لغو اور عبث کہا جائیگا ۔

ہم گذشتہ بحثو نسے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ خداوند عالم نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا کہ وہ اپنے اختیاری عمل و رفتار کے ذریعہ اپنا ابدی انجام تحریر کرے اور اختیاری اعمال صحیح پہچان اور معرفت پر منحصرہیں جبکہ عام حالات میں اسطرح کی معرفت اور پہچان انسانی عقل وفہم کے ذریعہ حاصل نہینہو سکتی دو سرے لفظو ں میں خدا نے ایک طرف تو انسان کو انتخاب کی قوت دی تاکہ وہ اپنے علم و معرفت کے ذریعہ اپنا راستہ خود منتخب کر لے اور دو سری طرف صحیح راستہ منتخب کر نے کے لئے ضروری پہچانیں اسکے اختیار میں نہیں دی ہیں ۔

ایک آسان مثال کے ذریعہ مطلب یو ں سمجھئے کہ:اگر کوئی کسی کو اپنے گھر پر مہمان کرے اور بہت زیادہ اصرار کے ساتھ کہے کہ آپ کو ہر حال میں آنا ہے یہاں تک کہ اس کو دھمکی بھی دے کہ اگر نہ آئے تو آپ کو جواب دینا پڑے گا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن اسکو اپنے گھر کا راستہ نہ بتا ئے ایڈ ریس نہ دے اور کہدے کہ گھر آپ خود تلاش کر لیجئے گا کہ یہ مکان کس شہرمیں ہے ؟وہاں جانے کے لئے کس سواری کی ضرورت پڑے گی ؟کچھ مشخص ومعین نہیں ہے کہ کس شخص سے سوال کر نا ہے؟میں یہ سب کچھ نہیں جانتا لیکن آپ کو دعوت میں ضرور آنا ہے تو یہ دعوت ایک احمقانہ دعوت کہی جائے گی اگر انسان کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس مقصد تک اس کو خود اپنے علم واختیار کے ساتھ پہنچنا ضروری ہے تو ضروری نشانیاں بھی اس کے اختیار میں دیا جانا لازم ہے ۔آپ کو بہشت میں پہنچنا ہے آپ کو ہم نے جنت کے لئے آخرت کی بے انتہا رحمتوں کیلئے خلق کیا ہے ہمارا ہدف و مقصد یہی ہے لیکن ہم وہا نتک پہنچنے کے راستے کی کوئی نشان دہی نہیں کریں گے آیا میں اگر خود غورو فکر کرو ں تو سمجھ جائو نگا؟جی نہیں کیا میں کسی سے پو چھوں تو بتا سکتا ہے ؟ جی نہیں ہم صرف اتنا جانتے ہیں کے تمھیں وہاں تک پہنچنا ہے اس طرح کا فعل عبث اور احمقا نہ ہے ۔

بنا بر این حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ ضروری علم بہ شناخت تمام انسانوں کیلئے فراہم کر دے کوئی راستہ معین کردے کہ انسان اس راستہ کی بنیاد پر ہدف اور اس تک پہنچنے کی کیفیت جان لے اور یہ راستہ وحی اور نبوت کے علاوہ اور کوئی ر ا ستہ نہیں ہو سکتا ۔پس اس تفصیل کی بنیا د پر ایک ایسی راہ کی ضرورت ہے جو عام افراد کی پہنچ سے با ہر ہے ثابت ہوجا تی ہے ۔

اب سوال یہ ہے کہ خدا نے کیا یہ راستہ سب کے اختیار میں قرار دیدیا ؟جی نہیناس لئے کہ اگر یہ راستہ سب کے اختیار مینقرار دیدیا جاتا تو ہم اور آپ بھی اس سے بے خبر نہ ہوتے ۔ جس وقت بھی چا ہتے عالم بالا کیلئے ایک ٹیلیگراف کرکے معلوم کر لیا کر تے کہ ہمینکیا کرنا چاہئے ؟لیکن ہم کو معلوم ہے کہ انسانوں کی استعداد میں کمی کی وجہ سے اس طرح کا رابطہ تمام انسانوں کیلئے میسر نہیں ہے۔لہٰذا حکمت الٰہی خود تقاضا کر تی ہے کہ انسانوں کو اس طرح خلق کرے کہ ان کے درمیان کچھ ا فراد ایسے ہو ں کہ ا ن کے ذریعہ خداوند عالم لوگوں کو حقائق سے آگاہ کرکے زندگی بسر کر نے کا دستورالعمل معین ومشخص کر دے ۔

اہم بات

ہم نے انسانی عقل وفہم کی کوتا ہی کے جن دو راستوں کا تذکرہ کیا نتیجہ کے اعتبار سے فرق کرتے ہیں ۔اگر صرف پہلا راستہ ہوتا تو ہم اس سے قطعی طور پر جو نتیجہ اخذ کر سکتے تھے یہ تھا کہ خدا وند عالم نے چونکہ تمام انسانوں کو سعادت کے لئے پیدا کیا ہے اور انسان ہزا رو ں سال سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور تجربہ بتاتا ہے کہ عام ادراک کے ذریعہ اس باریک راستہ کو نہیں پہچانا جاسکا ۔پس خدا کی حکمت تقاضا کر تی ہے کہ ابتک ان انسانوں کے لئے کوئی دوسری راہ مقرر کر دی ہو لیکن بعد کے لئے کیا ہوگا ؟کیو نکہ یہ احتمال پا یا جاتا ہے کہ بعد میں انسان کی عقل کامل ہوجائے اور وہ آہستہ آہستہ خود ہی راستہ کو سمجھ لے اور یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کے مستقبل کے لئے نبوت کی ضرورت کو قطعی دلیل کے ذریعہ ثابت نہیں کر سکتے ۔ہم اسی حد تک نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اب تک انسان کی عقل ناقص تھی اور یہ محال ہے کہ خدا وند عالم اربو نانسانو ں کو جنہیں اس نے تاریخ کے طویل دور میں ابتک پیدا کیا ہے کسی رہنما کے بغیر چھو ڑ دے ۔یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے لیکن بعد کے لئے کیا ہو ؟کیا اب اس دلیل میں کوئی کشش نہیں رہ گئی ؟ کیو نکہ گذشتہ تجربہ کی بنیاد پر مستقبل کے لئے یقین کے ساتھ پیشینگوئی نہیں کی جاسکتی کہ مستقبل میں بھی انسانونکی عقل کما ل تک نہیں پہنچ پائے گی کہ لو گ زند گی کیلئے کو ئی دقیق منصو بہ بندی حا صل کر سکیں ۔اس مقام پر ایک شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ ممکن ہے ایک زمانہ میں انسان کی عقل کامل ہوجا ئے جیساکہ بعض لوگوں نے پیغمبر اسلامؐکی خاتمیت اور اسلام کے نا سخ ہونے کے بارے میں کہا ہے:چھٹی صدی عیسوی تک انسان کی عقل ناقص تھی وہ ا س بچہ کے مانند تھا جس کو ہاتھ پکڑ کر قدم قدم چلایا جائے اور حقیقت میں وہی اس بچہ کی پرورش کر نے والی دایہ کے مانند تھے جن کا کام مدد کر نا تھا تا کہ وہ زند گی کے مر حلے قدم بہ قدم طے کر سکے لیکن چھٹی صدی عیسوی میں انسان کی عقل کامل ہوگئی اور اس کے بعد وحی کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لہٰذا اس کو حکم دیا گیاکہ اپنے پیروں پر خود کھڑے ہوجائو اب تمہیں اپنی زندگی کی راہ خود مشخص و معین کر نا چاہئے اس وجہ سے اب کسی نئے پیغمبر کے آنے کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے ۔

جی ہاں اگر ہم اس طرح استدلال کریں کہ ابتک چونکہ انسان کی عقل کامل نہیں ہوئی تھی تو یہ احتمال مستقبل کے لئے دیا جا سکتا تھا البتہ اس طرح کا نتیجہ حتی اس مقد مہ کے ساتھ اخذ کر نا بھی صحیح نہیں ہے کیو نکہ چھٹی صدی عیسوی سے آج تک جب چودہ صدیاں گذر چکی ہیں اب بھی عقل کی ناتوانی اور نا رسائی واضح ہے اور بہت سے شکوک و شبہات (سوائے ان کے کہ جنھوں نے نوراور وحی سے راہ زند گی حاصل کی ہے) انسان کے لئے پہلے کی طرح اب بھی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

موجود ہیں ۔بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ گروہ اور زیادہ ضلالت و گمراہی میں ڈوب چکے ہیں یہاں تک کہ اخلاق اور قدروں کے لحاظ سے سابقین کی بہ نسبت تنزل کا شکار ہو چکے ہیں اورر اگر زوال نہیں کیا ہے تو کوئی نمایاں ترقی بھی نہیں کر سکے ہیں۔ بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہانتک تاریخ بتاتی ہے انسان کی عقل زندگی کی صحیح منصوبہ بندی کے لئے ہمیشہ ناتواں اور ناکافی رہی ہے بس حکمت الہٰی اقتضا ء کر تی ہے کہ ان تمام ادوار میں وحی کے ذریعہ انسان کی رہنمائی کرے ۔

لیکن کسی بھی حال میں آئندہ کے لئے اس برہانِ تجربی کی اساس پر نہیں کہا جاسکتا کہ یقینی طور پر مستقبل میں بھی انسان کی عقل کامل نہیں ہوسکے گی شاید سو صدیوں بعد کے لئے کوئی شخص یہ احتمال دے کہ میرے خیال میں انسان کی عقل کامل ہو جائیگی اور وہ زند گی کے مسائل درک کر لے گا اور اختلافات ختم ہوجائینگے لیکن ہم مستقبل کی سو صد یوں بعد کے لئے پیشین گو ئی نہیں کر سکتے ۔ لہٰذا اس احتمال کی وجہ سے ہم آئندہ کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے ۔ اگرچہ ہم کو مستقبل میں کسی نئے نبی کی آمد اور وحی کے نازل ہو نے کی ضرورت نہ ہو اور یہی آسمانی کتاب جس کو خداوند عالم نے آخری نبی پر نازل فرمایا ہے قیامت تک انسانوں کی ہدایت کے لئے کافی ہو لیکن اس احتمال کا نقصان یہ ہے کہ اُس کے تحت ممکن ہے ایک انسان کی عقل کامل ہو جائے اور وہ تعبّد کی مد دکے بغیر اپنی راہ کا بذات خود انتخاب کرسکے ۔

لیکن ہم نے انسانی ادراک سے استفا دے کی جس دو سری روش کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے تحت ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ انسان کبھی بھی نہ تو وحی سے بے نیاز تھا اور نہ ہی آئندہ بے نیاز ہوسکے گا کیونکہ زند گی صحیح طور پر گزار نے کی منصو بہ بندی اس شرط پر مو قو ف ہے کہ ہم اپنے اختیاری اعمال کا رابطہ آخرت میں ان کے نتیجوں کے ساتھ جانتے ہوں اورعقل و حواس کبھی بھی ان رابطو ں کو صحیح طور پر کشف نہیں کر سکتے ۔ اسلئے کہ یہ انسانی تجر بہ کی دسترس سے باہر ہے ۔ پس عقل وفہم کی ناتوانی معلو م کر نے کی راہ کی بنیاد پر پورے یقین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے (چاہے وہ ماضی کی بات ہو یا حال یا مستقبل کی) یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اگر وحی کا وسیلہ نہ ہو اور اس کے نتائج انسان کے اختیا ر میں نہ ہوں تو خدا وند عالم کا فعل یعنی انسان کی تخلیق لغو اور بے کار ہو جائیگی ۔

حقیقت میں یہ سب سے یقینی اور قطعی دلیل ہے جو نبوت کی ضرورت پر قائم کی جاسکتی ہے ۔ فلاسفہ اور اسلامی متکلّمین نے دوسری دلیلیں بھی نقل کی ہیں جو ان کی کتابوں میں درج ہیں چونکہ ہماری نظر میں یہ دلیل سب سے زیادہ محکم اور قابل یقین ہے لہٰذا ہم اسی دلیل پر اکتفا ء کر تے ہوئے دوسری دلیلوں کے بیان سے قطع نظر کرتے ہیں ۔

قرآن کریم میں رسولوں کے مبعوث ہو نے اور کتابوں کے نازل کر نے کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے ان سے نتیجہ اخذ کر تے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سے بھی اسی دلیل کا استنباط ہوتا ہے منجملہ یہ دلیل :

(رُسُلاًمُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّایَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلیٰ اللهِ حُجَّة بَعْدَالرُّسُلِ)(۱)

ہم نے بشارت اور ڈ رانے والے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تاکہ اُس کے بعد لوگونکے لئے خدا کے مقابل کوئی حجت باقی نہ رہ جائے " ۔

یعنی اگر پیغمبر مبعوث نہ کئے گئے ہوتے تولوگ یہ احتجاج کر سکتے تھے کہ ہمارے گمراہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہم خدا وند عالم کے احکام سے نا واقف تھے لیکن انبیا ء علیہم السلام کے آنے کے بعد اُن پر حجت تمام ہو گئی۔

اورہم اس آیت سے اسی دلیل کا استنباط کر تے ہیں:

اگر عقل و حواس اور ان دونوں کی با ہمی کار کر دگی صحیح راستہ کو پہچا ننے میں کا فی ہو تی تو جب لوگ احتجاج کرتے

.....

۱۔سورئہ نساء آیت۱۶۵۔

ہوئے کہتے :

"ہم نہیںجانتے تھے کہ وہ راستہ غلط اور یہ راستہ صحیح تھا "۔

خدا یہ فرما سکتا تھا کہ " میں نے تو عقل اور صحیح راستہ کومنتخب کرنے کے وسائل تمہارے اختیار میںدیئے تھے"۔

تو اُن کے لئے یہ کہنے کا امکان ہوتا : ہم سب کو تحقیق وجستجو کا موقع نہیں مل سکا ۔

اور پھر اُن کو جواب دیا جاتا : جس طرح بعض دانشمندوںنے مادی امور میں تحقیق کی اور دوسروں نے انُ کی تحقیقات سے استفادہ کیا تم بھی صحیح راستہ کی شناخت کے لئے بہتر کام کر سکتے تھے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ خدا وند عالم فر ماتا ہے :"جب تک ہم پیغمبر کو نہ بھیج دیں حجت تمام نہیں ہو سکتی "
خود یہ جملہ اس بات کا شاہد ہے کہ قرآ ن کی رو سے انسان کا فہم وادراک عام حالات میں زندگی کے صحیح راستہ کو پہچاننے کے لئے کافی نہیں ہے ۔
دوسری آیات میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے منجملہ یہ کہ:ہم نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا، کتابوں کو نازل کیا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ دیں :
قرآن کریم میں ارشاد ہو تا ہے:
(لَولَاْ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلاًفَنَتَّبِعَ آیَا تِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَیٰ)(۱)
" اگر رسو لو ں کو ہم نہ بھیجتے اور کتا بیں نازل نہ کرتے لوگ احتجاج میں کہہ سکتے تھے خدا یا تو نے کوئی نبی کیو ں نہ بھیجا ؟ اگر بھیجا ہوتا تو ہم اس ذلت و خواری میں مبتلا نہ ہوتے"۔
د ر حقیقت یہ حکمت الٰہی کے خلا ف احتجاج ہے یعنی تونے جو ہم کو پیدا کیا تیرا ہد ف یہ تھا کہ ہم اس ذلت ورسوائی میں پڑ جا ئیں ؟ یہ تو حکمت کے خلاف ہے ۔تو اگر نہیں چاہتا تھا کہ ہم زبر دستی ذلت ورسوائی میں گر فتار ہوں تو تجھ کو معلوم تھاکہ ہماری عقل راستہ کی شناخت کیلئے کافی نہیں ہے ۔پس تونے پیغمبر کیوں نہ بھیجا جو ہم کو اس بد بختی سے چھٹکارا دلاتا ۔قرآن کامل طور پر اس احتجاج سے واقف تھا لہٰذا قرآن کریم کہتا ہے کہ ہم نے پیغمبر کو مبعو ث کیا تا کہ تم اس طرح کی باتیں نہ بناسکو یعنی اگر پیغمبر نہ بھیجتے تو تم کو اس طرح کی باتیں بنانے کا حق تھا ۔یہ حق ہونا کس صورت میں ممکن ہے ؟ اسی صو رت میں کہ جب انسان کی سمجھ عام حالات میں شناخت کے لئے کا فی نہ ہو۔
پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی رو سے انسان کے حواس اور عقل زندگی کی راہ کا صحیح تعیین کرنے کیلئے کافی نہیں ہیں اور صرف وحی اور نبوت کے ذریعہ انسان کی زندگی سے اس کمی اور نقص کو رفع کیا جاسکتا ہے اور اسی صورت میں تخلیق کی الٰہی غرض و غایت پوری ہوسکتی ہے۔
چونکہ اس رسالے میں ہم "راہ کی شناخت "پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں ۔لہٰذا ہمار ے لئے وحی ونبوت اور اُن کے متعلقات کے بارے میں تفصیلی بحث ضروری ہے کیونکہ صحیح راستہ کی شناخت صرف"وحی "کے ذریعہ ممکن ہے کسی بھی اور راہ سے اس کاامکان ہے۔

.....

۱۔سورئہ طہ آیت ۱۳٤۔

راہ اور رہنما کی پہچان

نبوّت قرآن کی نگاہ میں

قرآن کریم میں نبوت اور اس سے متعلّق مسائل کے بارے میں بہت سی آیتیں ہیں ظاہر ہے ہم ان تمام آیتوں پر تحقیقی بحث نہیں کر سکتے لہٰذ ا ان آیا ت میں کی گئی اہم بحثوں کا ہی ہم نے انتخاب کیاہے اورحسب ضرورت ان مباحث سے متعلق آیات کی وضاحت کریں گے تو آئیے سب سے پہلے بعثت انبیاء علیہم السلام کے اہداف و مقاصد پر گفتگو کرتے ہیں۔

بعثت انبیاء علیہم السلام کے مقاصد

تشریعی ہدایت (الٰہی رہنمائی)

در اصل قرآن کریم میں نبوّت کا مسئلہ انسان کی خلقت کے ساتھ ہی بحث میں آیا ہے کیو نکہ اس دنیا میں انسان کی زند گی کی بنیاد الٰہی (اور مذہبی) رہنمائی پر قائم ہوئی ہے ۔اس دنیا میں انسا ن کی خلقت کے مقصد کو دیکھتے ہوئے اس بات کو قبول کر نا واضح ہے ۔جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ انسان کو عالمِ مادہ میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اس کی اپنی پسند کا ایک راستہ اسکے سامنے ہو اور وہ اپنے پورے اختیار سے اپنی تقدیر کی بِنا رکھے تو ظاہر ہے خدا کی جانب سے ہی اس کے سامنے ایک ایسا راستہ ہو نا چاہئے کہ جس کے دو پہلو ہوں ایک پہلو کمال کا ہو اور دوسرا پہلو نقص کا ایک کی انتہا ء کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میابی و نجات پر ہو اور دوسرے کا اختتام ناکامی و بد بختی پر تا کہ اپنے آزادانہ انتخاب کے ذریعہ انسان اُن میں سے ایک کو چُن لے ۔
قرآ ن کی بعض آیا ت سے پتہ چلتاہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جس وقت زمین پر آئے اسی وقت ان پر وحی ہوئی کہ جب خدا کی جانب سے تمہاری رہنمائی ہو تو اس کو قبول کرنا ۔اگر قبول کیا اور ا س پر عمل کیا تونجات مل جائے گی اور اگر مخالفت کی تو بد بخت ہو جائو گے قرآ نِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے :
(قُلنَااھْبِطُوْامِنھَا جَمِیْعاً فَاِمّایَاتِیَنَّکُم مِنِّیْ ھُدًی---)(۱)
"اور جب آدم سے کہا کہ بہشت سے نکلو (تو سا تھ میں یہ بھی کہہ د یاتھا)کہ اگر تمہا رے پاس میری طرف
.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۳۸۔

سے ہدایت آئے تو (اُس کی پیروی کر نا) " ۔
کیونکہ اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو پیروی کر کے نجات پا جائو یا مخا لفت کر کے بد بخت ہو جائو۔
(فَمَن تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوف عَلَیْھِم وَلَاھُمْ یَحْزَنُونَ۔ وَالَّذِینَ کَفَرُوْاوَ کَذَّ بُوْابِاٰیٰتِنَااُولٰئِکَ اَصحَابُ النَّارِھُمْ فِیھَا خَالِدُونَ)(۱)
"جو لو گ میری ہدایت پر چلیں گے اُن پر (قیا مت میں)نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے اور جن لوگو ں نے انکار کیا اور ہماری آ یتو ں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہینگے" ۔
یعنی زمین پر آدم کی آمد کے آغاز سے ہی اُن پر یہ بات روشن کر دی گئی تھی کہ آپ کے سامنے دو راستے ہوں گے اور خداکی طرف سے رہنمائی کی جا ئیگی ۔
اسی سے ملتی جُلتی یہ آیت بھی ہے :
(قَا لَ اھْبِطَامِنْھَاجَمِیْعاً)
"(آدم و حوّا سے خطاب ہے)کہ دونوں جنّت کو چھوڑ دو اور زمین پر چلے جائو "۔
اور ممکن ہے یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس سے ہو کیونکہ اِس کے بعد ارشاد ہو تا ہے : (بَعضُکُم لِبَعْضٍ عَدُوّفَاِمَّا یَا تِیَنَّکُم مِنِّیْ ھُدًی فَمَنِ اتّبَعَ ھُدَا یَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی)(۲)
" تم میں سے ایک ایک کا دشمن ہے پھر اگر تمہا رے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (تم اس کی پیروی کرنا کیونکہ)جو شخص میری ہدایت پر چلے گا نہ تو وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پھنسے گا "۔
اسی طرح سورئہ اعراف میں ارشاد ہو تا ہے :
(یٰبَنِیْ آدَمَ اِمَّایَاتِیَنَّکُم رُسُل مِنکُم یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُم آیَاتِی فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَاخَوْف عَلَیْھِم وَلَاھُمْ یَحْزَ نُوْ نَ۔وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوابِاٰیٰتِنَاوَاسْتَکْبَرُوْاعَنْھَااُولٰئِکَ اَصْحَابُ النَّارِھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ)(۳)
"اے اولادِ آدم جب تم میں سے ہی (ہمارے) پیغمبر آئیں اور تم سے ہمارے احکام بیان کریں (تو ان کی اطاعت کرنا کیونکہ)جو لوگ پرہیز گار بن گئے اور نیک کام کیا ان کے لئے قیامت میں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ آزردہ
.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۳۸۔۳۹۔
۲۔سورئہ طہٰ آیت۱۲۳۔
۳۔سورئہ اعراف آیت۳۵،۳۶۔

خاطر ہونگے اور جن لوگو ننے ہماری آیت کو جھٹلا دیا اور اُن سے سرتابی کر بیٹھے وہی لوگ جہنمی ہیں اور اُس میں ہمیشہ رہینگے "۔
خطاب تمام انسانو ں سے ہے اس آیت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سو چ لے کہ مذ کو رہ خطاب صرف آدم و حوّا یا ابلیس سے مخصوص تھا ۔دوسرے لوگوں سے اسکا کوئی تعلّق نہیں ہے یہاں خطاب اولاد آدم سے ہے۔ سو رئہ بقرہ میں "فَمَنْ تَبِعَ " آیاتھا 'سو رئہ طہٰ اور سورئہ نور میں (فَمَنِ اتَّبَعَ)تھا ۔یہاناسکامصداق"فَمَنِ اتّقی وَاَصْلَحَ"بیان کیا جا رہا ہے ۔
لہٰذا وحی ونبوّت کے ذریعہ الٰہی ہدایت کا مسئلہ ایک ایسی چیز ہے جو خلقت میں مضمر اور شامل ہے اور اسکے بغیر روئے زمین پر انسان کی رہائش ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسا ہونا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے ۔اس چیز کے پیشِ نظر خدا نے ہر آبادی اور ہر قوم کے لئے ایک پیغمبر بھیجا :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلّا خَلَاْ فِيْهَاْ نَذِ يْر)(١)
تو اب اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں بھی یا جس شہر میں بھی کچھ لوگ آباد ہوں وہاں ایک پیغمبر ہو نا چاہئے یا یہ کہ ہر زمانہ میں ایک پیغمبر ہونا ضروری ہے تا کہ زمانی اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ایک دوسرے سے متصل رہے یا اس کی کوئی اور صورت ہے ؟ قرآ ن نے اس بارے میں صاف صاف کچھ نہیں کہا ہے صرف لفظِ امت کا استعمال ہوا ہے ۔قرآن میں لفظِ امت کے بہت وسیع معنی ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظِ امت اپنے علمی معنی میں معاشرے کے مترادف ہے لیکن ایسا نہیں ہے قرآن میں لفظِ امت اس کے قطع نظر کہ اس جگہ صرف ایک فرد کے لئے استعمال ہوا ہے اورکبھی وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جن موارد میں اسکا انسانوں کی ایک جماعت پر اطلاق ہوا ہے اس کے موارد استعمال کے لحا ظ سے قدر ِ مشترک صرف جماعت اور گروہ کا مفہوم ہے ۔مثال کے طور پر قرآن تمام انبیاء علیہم السلام کو ایک امت شمار کر تا ہے(اِنَّ اُمَّتَكُمْ اُمَّةً وَّا حِدَةً) جبکہ ان سب کے درمیان وقت ،مقام نیز اقتصادی اور سیاسی تعلّقات کے لحاظ سے اشتراک نہیں پایا جا تا ۔
بہر حال قرآن میں امت گروہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ ہر امت کے لئے ایک پیغمبر ضروری ہے مطلب کیا ہے ؟(٢)
.....

١۔سورئہ فا طر آیت ٢٤۔
٢۔مزید معلومات کے لئے ملا حظہ فر ما ئیں:معا شرہ اور تا ریخ قر آن کی نظر میں۔

ہم دقیق طور پر اسکے معنی معین نہیں کر سکتے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ا س سے مراد انسانوں کا ہر وہ گروہ ہے جو دوسرے انسانو ں سے جدا ہوا اور ان کے روابط اسطرح کے نہ ہونکہ اِن کی معلومات اُ ن تک منتقل ہو سکے ایسے میں ظاہر ہے اُن مینسے ہر گروہ الگ الگ رہنما کا محتاج ہوگا لیکن اگر لاکھوں انسان دسیوں صدی کے دوران ایسے تعلقات کے حامل ہونکہ ان کی معلومات ایک دوسرے تک منتقل ہوں ان پر اگر کوئی کتاب نازل ہو اور اُن کے درمیان باقی رہے تو یہ سب امّت ِ واحدہ شمار ہوں گے اس آیت میں بھی جو کہا گیا ہے:
(وَ اِنْ مِنْ اُمَّة اِلّا خَلَا فِيْها نَذِيْر)(١)
"کوئی امّت ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نبی نہ ہو "۔
بہ ظاہر یہی معنی مراد لئے گئے ہیں لیکن یہ کہ ہم مبعوث ہو نے والے تمام انبیاء علیہم السلام کو نہینپہچانتے اس میں کوئی حرج نہیں ہے ۔
بعض روا یات میں آیاہے کہ انبیاء علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں اب روا یات کے معتبر ہونے یا نہ ہو نے سے یہا ں ہم کو کوئی مطلب نہیں ہے۔بہر حال ایک بڑی تعداد میں انبیاء علیہم السلام مبعو ث ہوئے ہیں اور قر آن ِ مجید میں تقریباًپچیس انبیاء علیہم السلام کا نام ذکر ہوا ہے باقی انبیاء معروف نہیں یہاں تک کہ اُن کے نام بھی معلوم نہیں ہیں۔سورئہ فاطر کی اِس آیت کے مطابق ہم اجمالی طور پر یہ بات جانتے ہیں کہ مذکورہ معنی میں ہر امت میں ایک نبی رہا ہے ہم نے نبوّت کی ضرورت پر جو دلیل پیش کی تھی اور عرض کیا تھا کہ اُس دلیل کو قرآن کی تائید حاصل ہے اس سے نبوت کی ضرورت اور اسی کے ضمن میں انبیاء علیہم السلام کا مقصد معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح سے ہم نے ثابت کر دیاکہ انسان کو چونکہ خود ہی آزادانہ طور پر سعادت یا شقاوت کا راستہ اختیار کر نا ہے اسلئے اُ س کے لئے دونوں راستوں کی شناخت ضروری ہے اور انسان کی عقل اور حواس صحیح یا غلط کی شناخت کے لئے کافی نہیں ہے لہٰذا ایک اور راہ جس کا نام ہم نے وحی رکھا ہے ہو ناچا ہئے ورنہ انسا ن صحیح راستہ نہیں پہچان سکے گا اور پھر ظاہر ہے اس با رے میں جواب دِہ نہیں ہوگا اورچونکہ خدا نے ا نسان کو اس لئے خلق فر مایا کہ وہ ذمہ داری قبول کرے یعنی خود انتخاب کرے تاکہ اپنے اعمال کے نتیجہ تک پہنچ سکے اس لئے خدا نے شناخت کی کوئی راہ بھی ضرور معیّن کی ہو گی ۔ چنانچہ اس دلیل کے مطا بق پہلا مقصدیہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسانوں کو صحیح اور غلط کی شناخت ہو نا چاہئے تاکہ جو بھی
.....

١۔سورئہ فاطر آیت ٢٤ ۔

جس راستہ کاانتخاب کرے سمجھ بوجھ کر انتخاب کر ے دوسرے الفاظ میں اُس پر حجت تمام ہو چکی ہو ۔اس سلسلہ میں قرآ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نِ کریم میں بہت سی آیات پائی جاتی ہیں منجملہ یہ آیت:
(رُسُلاًمُبَشِّرِیْنَ ومُنْذِ رِیْنَ لِئَلَّایَکُوْ نَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَا نَ اللہُ عَزِیْزاً حَکِیْماً)(۱)
"اور ہم نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تاکہ خدا کے سامنے لوگوں کے پاس کوئی حجت نہ رہ جائے اور خدا توبڑا ہی عزیز و حکیم ہے"۔
خا ص طور سے آیت کے ذیل میں خداوند عالم نے جو فرمایا ہے: (وَکَا نَ اللہُ عَزِیْزاً حَکِیْماً) اس سے واضح ہوتاہے کہ اتمام حجت حکمت الٰہی کا لازمہ ہے یہ تقر یباً وہی بات ہے جس کا ہم نے اپنے استد لال میں ذکر کیا تھا کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ نبوت کا راستہ انسان کے لئے کھلا رہے ۔ا سی سے ملتی جلتی ایک اور آیت ہے(البتہ یہ آیت جن کا ہم ذکر کررہے ہیں بعض میں مخاطب ایک مخصوص قوم ہے یا کہیں کہیں اہل کتاب سے خطاب ہے یا مشرکین مکہ مخاطب ہیںلیکن مضمون سب کا ایک ہی ہے)
(اَنْ تَقُوْلُوْااِنَّمَااُنْزِلَ الْکِتَا بُ عَلَیٰ طَائِفَتَےْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ کُنَّاعَنْ دِ رَاسَتِھِمْ لَغٰفِلِیْنَ۔اَوْتَقُوْلُوْالَوْاَنَّااُنْزِلَ عَلَیْنَاالْکِتَابُ لَکُنَّااَھْدَیٰ مِنْھُمْ --)(۲)
ہم نے نبی کو کتاب کے ساتھ بھیجا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب خدا تو بس صرف دو ہی گرو ہوں (یہودو نصاری) پر جو تم سے پہلے تھے نازل ہوئی ہے اور ہم تو ان کے پڑھنے (پڑھانے) سے بے خبرتھے یا یہ نہ کہنے لگوکہ اگر ہم پر بھی کتاب (خدا) نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں سے بہتر طور پر راہ راست طے کرتے"۔
اگر ہم نے تمہارے لئے پیغمبر نہ بھیجا ہوتا توتم کہہ سکتے تھے کہ خدا نے یہودیوں کے لئے پیغمبر بھیجا اور انھوں نے راہ حق کو جان لیا تھا اگرچہ ان میں سے اکثر گمراہ ہو گئے عیسائیو ں کا بھی یہی حال ہوا اگر خدا نے ہمارے لئے پیغمبر بھیجا ہوتا تو ہم اس سے بہتر طور پر راہ حق کی پیروی کرتے اسی لئے ہم نے تمہارے لئے بھی پیغمبر بھیجاتا کہ تمہارا بھی امتحان لیا جاسکے ۔
.....

۱۔سورئہ نساء ، آیت ۱۶۵ ۔
۲۔سورئہ انعام آیت ۱۵۶ و۱۵۷ ۔

دلچسب بات یہ ہے کہ قرآ ن میں ایک اور جگہ ارشاد ہو تا ہے کہ لوگو ں نے پیغمبر کی بعثت سے پہلے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر خدا ہمارے لئے کوئی پیغمبر بھیجے تو ہم اس کی پیروی کرینگے اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوجائیں گے :
(وَاَقْسَمُوْابِاللہِ جَھْدَ اَ یْمَا نِھِمْ)
معلوم ہواکہ وہ لوگ پہلے سے خدا پر عقیدہ رکھتے تھے اور انھو ں نے بہت بھاری بھاری قسمیں کھا رکھی تھیں :
(وَاَقْسَمُوْابِاللہِ جَھْدَ اَیْمَا نِھِمْ)
اور انھوننے بڑی سختی سے قسمیں کھا رکھی تھیں:
(لَئِنْ جَا ئَ ھُمْ نَذِ یْر لَیَکُوْ نُنَّ اَھْدَیٰ مِنْ اِحْدَ ی الْاُمَمِ)
" کہ اگر ان کے درمیان کو ئی ڈرانیوالا (پیغمبر) آئیگا تو وہ دوسری تمام امتو ں سے زیا دہ ہدایت یا فتہ ہونگے"۔
(فَلَمَّاجَائَھُمْ نَذِیْرمَّازَادَھُمْ اِ لَّانُفُوْراً)(۱)
"پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا (رسول) بھیج دیا تو اس کی اتباع اورحمایت کے بجائے اور زیادہ اس سے دور بھاگنے لگے "۔
پس معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک مقصد لوگوں پر حجت تمام کرنا رہا ہے ایک اور آیت میں اہل کتاب سے خطاب ہے :
(یَاَھْلَ الْکِتَابِ قَدْجَائَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلَیٰ فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْامَاجَائَ نَامِنْ بَشِیْرٍوَّلانَذِیْرٍفَقَدْجَاْ ئَکُمْ بَشِیْر وَّ نَذِ یْروَاللّٰہُ عَلَیٰ کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر)(۲)
" اے اہل کتاب جس وقت پیغمبروں کی آمد رکی ہوئی تھی ہمارا رسول تمہارے پاس آیاکہ تم پر حق آشکار کردے اور تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے درمیان کوئی خو شنجری دینے والا یا عذاب خدا سے ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا ہے تمہارے درمیان خوشنجری دینے والا اور ڈ رانے والا (پیغمبر) آچکا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے "۔
البتہ اہل کتاب خود کو ایک نبی کا پیروسمجھتے تھے لیکن اس انتظار میں تھے کہ ایک اور پیغمبر آجائے شاید اس وحی کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بنیاد پر ان کا یہ انتظار تھا جو پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہو چکی تھی اور ان کو آخری نبی کی بشارت دی جا چکی تھی :

.....

۱۔سورئہ فا طر آیت ٤٢ ۔
۲۔سورئہ ما ئدہ آیت۱۹۔

(بِرَسُوْلٍ یَا تِیْ مِنْ بَعْدِیْ اسْمُہُ اَحْمَدُ)(۱)
" ایک پیغمبر کی کہ جن کا نام احمد ہو گا اور میرے بعد آئیں گے "۔
میں تم کو بشارت دیتا ہوں بہر حال یہ لوگ اس بات کے منتظر تھے کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے اور یہ اسلئے تھا کہ تمہارے پاس یہ کہنے کا بہانہ نہ رہے چونکہ پیغمبر نہیں آیا اسلئے ہم گمراہ ہو گئے اس لئے کہ کتاب میں تحریف ہو چکی تھی یا گذشتہ انبیا ء علیہم السلام کی تعلیمات ہم تک نہیں پہنچی تھیں ۔ایک اور نبی کی ضرورت تھی یا یہ کہ چونکہ ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اس لئے ہم اس کے منتظر تھے اور جب وہ نہ آیا تو ہم شک میں پڑ گئے تم ایسی با تیں نہ کر سکو اس لئے : (فَقَدْ جَائَکُمْ بَشِیْر وَنَذِیْر)
"تمہارے در میان ایک ڈرانے والااوربشارت دینے والا(رسول)آچکا ہے"۔
دوسری آیت میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَ لَوْاَ نَّااَھْلَکْنٰھُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِہٖ لَقَالُوْارَبَّنَالَوْلَا اَرسَلْتَ اِلَیْنَارَسُوْلاً فَنَتَّبِعَ ئَ ایَا تِکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَذِ لَّ وَنَخْزَیٰ)(۲)
"اور اگر ہم ان کو رسول کے آنے سے پہلے ہی عذابِ ہلاکت میں مبتلا کر دیتے تو ضرور کہتے کہ اے ہمارے پالنے والے تونے ہمارے پاس (اپنا) رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اپنے ذلیل و رسوا ہو نے سے پہلے ہی آیتو ں کی پیروی کر لیتے "۔
خدا نے لوگوں کو اس لئے خلق فرما یا تھا کہ وہ اپنے اختیار کے ذریعہ صحیح راستہ یا غلط راستہ کا انتخاب کریناور اگرغلط راستہ کو انتخاب کیا تو اپنے اعمال کی سزا پائینپس غلط راستہ انتخاب کر نے والوں پر عذاب تو نازل ہو نا ہے لیکن اگر ہم پیغمبر بھیجنے سے پہلے ہی اُن پر عذاب نا ز ل کرتے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اچھے اور برے راستہ کو نہیں پہچان سکے تو نے پیغمبر کیو ں نہیں بھیجا ؟ کہ وہ ہماری ہدایت کرتا ؟یا ہم غفلت میں مبتلا تھے تو تونے کسی کو کیوں نہیں بھیجا کہ وہ ہم کو غفلت سے بیدار کر تا ؟لہٰذا اس طرح کے بہانو ں کے سدّ باب کے لئے انبیاء علیہم السلام کا بھیجا جانا ضروری ہے ۔
ایک اور آیت میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَمَاْکُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتَّیٰ نَبْعَثَ رَسُوْلاً)(۳)

.....

۱۔سورئہ صف آیت٦۔
۲۔سورئہ طہٰ آیت١٣٤۔
۳۔سورئہ اسراء آیت١٥ ۔

"اور ہم جب تک کسی رسول کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر دیں کسی پر عذاب نہیں کیا کرتے "۔
یہ آ یات اس بات کی تا ئید کر تی ہیں کہ نبوت کا ایک مقصد کم سے کم اتمام حجت کر کے عذر کی راہیں بند کر نا ہے ۔

لوگوں کی تعلیم
اسی طرح دوسری آ یات بھی ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ پیغمبر کو بھیجا گیا کہ وہ لوگو ں کو اُن چیزوں کی تعلیم دیں جو وہ نہیں جانتے اور اسکا نتیجہ بھی تقریبا یہی ہے یعنی جس چیز کو خود لوگ اچھا سمجھتے ہیں اُس پر عمل کریں چاہے کوئی پیغمبر مبعوث نہ بھی ہوا ہو ۔اسی لئے حتی جن محرومین تک پیغمبروں کی دعوت تبلیغ نہپنہچی ہے وہ بھی اپنی عقل کے مطابق جواب دہ ہیں ۔بہر حا ل نبوت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگ جن باتوں کو نہیں جانتے یا خود نہیں سمجھ سکتے ان کو سکھایا جائے ارشاد ہو تا ہے :
(وَ یُعَلِّمُکُمْ مَاْ لَمْ تَکُوْ نُوْا تَعْلَمُوْنَ)(۱)
"اور تم کو وہ باتیں بتائے جن کی تمہیں (پہلے سے)خبر (بھی) نہ تھی "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور سورئہ نساء میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَ عَلَّمَکَ مَاْ لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ)(۲)
"اور جو باتیں تم نہیں جانتے تھے تمہیں سکھا دیں "۔
یہ آیتیں بھی تقریباًاسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں ۔

.....

۱۔سو رئہ بقرہ آیت ۱۵۱ ۔
۲۔سورئہ نساء آیت۱۱۳۔

تحریفات کی اصلاح

بعض آیات سے کچھ دوسرے مطالب بھی معلوم ہوتے ہیں جوشاید تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے نہ ہو ں شاید اصل بحث میں وارد ہونے سے پہلے تمہید کے طور پر ان کا ذکر نامناسب نہ ہو فرض کیجئے کہ خدا نے ایک پیغمبر بھیجا اور کچھ لوگو ں کو راہ حق کی ہدایت کی پھر کچھ زمانہ گزرنے یاکسی اور وجہ سے اس پیغمبر کی تعلیمات میں تحریف کردی گئی اور جو چیز لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھی اب ممکن ہے وہی گمراہی کا باعث ہو اور ہم نے تو خو د اپنے زمانے میں بہت سے
ایسے نمو نہ دیکھے ہیں ۔وہ انجیل جو خدا کی طرف سے جناب عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی آج اس کاکوئی ایک حصہ بھی اصل شکل میں موجود نہینہے۔شایددنیا کے تمام کتب خانو ں میں انجیل کا ایک بھی اصل نسخہ نہ مل سکے ۔جو کچھ ہے وہ ان لوگوں کی تحریر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کے نام سے جانے جا تے ہیں جبکہ اُن افراد کی طرف مو جو دہ انجیلوں کی نسبت بھی یقینی نہیں ہے ۔ان مختلف انجیلوں کا لہجہ اور طرز تحریر کسی تاریخی کتاب کی طرح ہے مثلاً فلاں دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگر دوں کے در میان آ ئے اور یہ کہا اور انھوں نے سوال کیا اور آپ نے یہ جواب دیا وغیرہ وغیرہ ۔
ظاہر سی بات ہے کہ یہ وہ کتاب نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اسی کتاب میں ایسے مطالب ہیں جو عقل کے بھی خلاف ہیں اور آسمانی شریعتوں کا جن باتوں پر اتفاق ہے اسکے بھی خلاف ہیں اس میں شر ک کی باتیں بھی ہیں اور آسمانی کتابوں کے متفقہ احکام میں تحریف بھی ہوئی ہے لہٰذا یہ وہ بات ہے جسکا امکان موجود ہے (ادل دلیل علی امکان الشی وقوعہ) (یعنی کسی شئی کے ممکن ہو نے کی محکم ترین دلیل اُسکا واقع ہو نا ہے)لہٰذا ممکن ہے خدا کسی پیغمبر کو بھیجے اُ ن لوگوں کو حق کا راستہ بھی بتادے اُن پر کوئی کتاب بھی نازل کر دے اور بعد میں اُس کتاب میں تحریف ہو جا ئے ۔ایسی حالت میں بھی یہ لوگ اُن لوگوں کی طرح ہیں کہ جن کے درمیان کوئی پیغمبر اور کتاب نہ آئی ہو ۔ضرورت ہے کہ کوئی پیغمبر آئے اور کم سے کم اُن تحریفات کی اصلاح کرے ۔اب چاہے نئی شریعتیں آئیں یا نہ آئیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن لو گو ں کو انحراف و گمراہی سے نکال کر حق کی طرف دعوت دینا خود اپنی جگہ نئے نبی کی آمد کی ایک معقول وجہ ہے ۔

دینی اختلاف کا بر طرف کرنا
بعض آیات اس مطلب کی طرف اشارہ کر تی ہیں کہ اہل کتاب کے علما ء نے کچھ مطالب لوگوں سے چھپا رکھے تھے اور لوگوں سے نہیں بیان کر تے تھے یہ وہ اختلافات تھے جو علمائے اہل کتاب نے خود اپنے مفادات کی خاطر ایجاد کئے تھے یہ چیز بھی سبب بنتی کہ خدا کوئی پیغمبر بھیجتاتاکہ وہ ان اختلافات کو رفع دفع کر کے لوگوں کے سامنے حق کی نشا ندہی کرے سورئہ ما ئدہ میں ارشادہو تا ہے :
(یَاَهْلَ الْکِتَابِ قَدْجَائَکُمْ رَسُوْلُنَایُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْراًمِمّا تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَعْفُوْاعَنْ کَثِیْرٍ---)(۱)

.....

۱۔سورئہ مائدہ (آ یت ۱۵ ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"اے اہل کتاب تمہا رے پاس ہما را پیغمبر آ چکا ہے تا کہ(کتاب خدا) کی بہت سی اُن باتوں کو جنہیں تم چھپایا کر تے تھے تمہا رے سامنے صاف صاف بیا ن کر دے اور تمہاری بہت سی خطائوں کو در گذر کر دے "۔
تم نے آ سمانی کتاب کے بہت سے مطالب چھپا رکھے تھے واضح ہے کہ اُن میں ایسے علماء موجود تھے جو جانتے تھے اور لوگونکو نہیں بتا تے تھے البتہ دوسری آیات بھی ہیں جو دلالت کرتی ہیں یہ لوگ کچھ چیزیں خود لکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ خدا کی جانب سے ہے ۔قر آن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :
(فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْ نَ هٰذَامِنْ عِنْدِاللّٰهِ)(١)
"پس وائے ہوان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں لوگوں سے کہتے پھر تے ہیں کہ یہ خدا کے یہاں سے آئی ہے "۔
اور سورئہ نساء میں ارشاد ہوتا ہے :
(يُحَرِّفُوْ نَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ)(٢)
"یہ لوگ کلام کو ان کے اصل مقام سے ادھر ادھرکر دیتے ہیں "۔
اہلِ کتاب کے بہت سے علماء کا یہی کام تھا وہ یہی کیا کر تے تھے ۔قرآن فرماتا ہے پیغمبر اسلئے آ ئے ہیں کہ اُن حقائق کو آشکار کریں جن کو تم نے چھپا رکھا تھا خدا وند عالم فر ما تا ہے :
(كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعْثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِ رِيْنَ وَاَنزَلَ مَعهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَااخْتَلَفُوْافِيْهِ وَمَااخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّاالَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَاجَائَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْياً بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ ء اٰمَنُوْالِمَااخْتَلَفُوْافِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْ نِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَشَآئُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)(٣)
"لوگ ایک امت کی شکل میں تھے پس خدا نے (نجات کی) خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا اور اُن پیغمبروں پر برحق کتاب بھی نازل کی تا کہ جن باتوں میں لوگ جھگڑ تے تھے (کتاب خدا اسکا فیصلہ کر دے)لیکن سوائے اُن لوگوں کے کہ جن کو کتاب دی گئی تھی اورجن پر حجت آشکار ہو چکی تھی
.....

١۔سورئہ بقرہ آیت٧٩۔
٢۔سورہ نساء آیت ٤٦۔
٣۔سورئہ بقرہ آیت٢١٣۔

صرف آ پس میں حسد کے سبب (اُ ن کے بارے میں اختلاف کیا) ورنہ کسی اور نے ان میں اختلاف نہیں کیا اور خدا نے اپنی مہر بانی سے ایمان داروں کو وہ راہ حق دکھا دی کہ جن میں ان لوگوں نے اختلاف کر رکھا تھا اور خدا جس کوچاہتا ہے راہ راست کی ہدایت کر دیتا ہے "۔
اس آیۂ شریفہ میں بہت زیا دہ بحث کی گنجا ئش ہے بہت سے ایسے نکتہ ہیں جو پہلی نگاہ میں مبہم نظر آتے ہیں کہ ا ن کے بار ے میں بحث کی ضرورت ہے منجملہ(كَا نَ النّاسُ امَّةً وَاحِدَةً) مینایسے زمانے کی طرف اشارہ ہے کہ جب لوگ ایک امت تھے ۔یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ امت واحد سے کیا مراد ہے ؟کیا اعتقا د کے لحاظ سے لو گ ایک تھے یا کسی اور لحاظ سے ؟مثلاً جگہ اور مقام کے اعتبار سے ،یا ایسے لوگ تھے کہ جن کی زندگی میں سادگی اور یکسانیت پائی جاتی تھی اور اگر مراد وحد تِ عقیدہ ہے تو آیا وہ لوگ حق پر تھے یا اُن کے اعتقاد باطل تھے ؟
علّا مہ طبا طبائی طاب ثراہ نے بعد کے جملہ کو قرینہ قرار دیکر اس جملہ کے بارے میں یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ لوگ ایک سیدھی سادی یکساں زندگی بسر کرتے تھے جناب آدم علیہ السلام کے روئے زمین پر بسنے کے ابتدائی ایّا م میں ہی کچھ لوگ ایسے تھے جن کی اولا دیں بھی تھیں اور وہ با لکل سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے پیچیدہ قسم کے معاشرتی مسائل نہیں پائے جاتے تھے کہ اختلا ف کا سبب بنتے اور اگراختلا ف تھے بھی تو شخصی اختلا ف تھے ۔
بہر حال علا مہ طبا طبا ئی(رضو ا ن االله علیہ) نے اس طرح کا خیال ظا ہر کیا ہے لیکن احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ سب لو گ عقیدہ کے لحا ظ سے ایک عقیدہ حق پر قائم رہے ہوں یعنی ایک ایسا زمانہ گذرا ہو کہ جب سب موحد ہوں اور اپنے انبیاء علیہم السلام اور پیغمبر منجملہ حضرت آدم علیہ السلام کی باتوں پر عمل کرتے رہے ہوں اب اگر کچھ لوگ مخالفت کرتے بھی رہے ہوں گے تویہ مخالفت برامت میں ہوتی ہے لیکن مسلک میں اختلاف نہ رہاہوگا ایک توحیدی مسلک تھا جو حضرت آدم انسانوں کے لئے لائے تھے اور معاشرے کا مسلک ومذہب وہی تھا پھر یہ زمانہ ختم ہوگیا مختلف مذاہب ومسالک وجود میں آئے شرک آلود مسالک ، مختلف مذا ہب وجو د میں آجا نے کے بعد جب معا شرہ میں حق گم ہو گیا تو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس بات کی ضرو رت پیش آئی کہ دو سرے پیغمبر مبعو ث ہو ں خود حضرت آدم نبی تھے لیکن ایک مد ت گزر گئی مثلاً ایک ہزا ر سال ، اس وقت ایک ہزا ر سال بھی کچھ نہیں تھے روا یت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر تقر یباًنوسو سال تھی ۔ ایک نسل گزر گئی اور لوگ بھی حضرت آدم علیہ السلام کے دین پر رہے پھر اس کے بعد مثلاً دوسرے ہزا رے میں جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا سے تشر یف لے گئے تو لو گو ں میں کچھ اختلا فات پیش آئے اور شرک آلو د مذا ہب وجو د میں آ گئے : فَبَعْثَ االلهُ النَّبِيِّيْنَ "خدا نے حضرت آ دم علیہ السلام پر اکتفا ء نہ کی اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا شرو ع کر دیا :

"ثُمَّ اَرْسَلْنَارُسُلَنَا تَتْرَا "۔(۱)

"خدا نے یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا تا کہ لو گو ں کے در میان پیش آ نے والے اختلا فات بر طرف ہوجا ئیں "۔

(فَبَعْثَ االلهُ النَبِيِّيْنَ مُبَشَّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعْهُمُ الْكِتَابَ۔۔)(۲)

"پھر االله نے بشارت دینے اور ڈرا نے وا لے نبیو ں کو بھیجا اور ان کے سا تھ بر حق کتا ب نا زل کی "۔

شاید اس آیت کی بنا ء پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آ دم علیہ السلام کو کتاب نہیں ملی تھی بلکہ زبا نی تبلیغ کیا کرتے تھے اور لو گو ں کے درمیا ن کو ئی مدوّن کتاب نہیں تھی ۔ اس کے بعد کے دور میں جب لو گو ں کے درمیا ن اختلا فات وجو د میں آ ئے تو خدا نے انبیا ء علیہم السلام کو بھیجا اور ان پر کتاب نا زل فر ما ئی یعنی وحی شدہ متن جو لوگونکے درمیا ن محفو ظ رہا ۔ یہ بات کہ جناب آ دم پر الہا م ہو اکہ لو گو ں کو حج پر جا نے کیلئے کہئے (کیو نکہ نہج البلاغہ میں ہے کہ حج خلقتِ آ دم علیہ السلام کے آ غاز سے تھا) او ر لوگ چو نکہ جا نتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام پیغمبر ہیں اور ان پر وحی ہو تی ہے لہٰذا عمل کر تے تھے لیکن بعد میں جب اختلا فا ت وجو د میں آئے تو ایک ایسے متن کی ضرورت پیش آئی جو لوگو ں کے در میان محفو ظ رہے نو شتے کی صو رت میں ہو یا کسی اور صورت میں اور اس کی عبارتیں محفو ظ رہیں کتاب کیوں نازل کی ؟ خدا وند عالم فر ما تا ہے :

(لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَااخْتَلَفُوْافِيْهِ)

"تا کہ جن با تو ں مینلوگ جھگڑاکرتے تھے کتاب خدا اُن کے اختلافا ت ختم کر دے اور اپنا فیصلہ سنادے"۔

(وَمَااخْتَلَفَ فِيهِ اِ لَّا الَّذِ ينَ اُوْتُوْهُ)

" لو گوں میں اختلاف کے علاوہ خود کتاب کے بارے میں بھی اختلاف رونماہوا ، کن لوگوں نے اختلاف کیا؟ اُن لوگوں نے جو عمداً کتاب میں تحریف کیا کرتے تھے : (بَغياًبَيْنَهُمْ) ظلم و ستم اور سر کشی کی بنیاد پر دین خدا میں اختلافات ایجاد کیا کرتے تھے ۔ ظاہر ہے وہ اپنے مفاوات کی خاطر ایسا کیا کرتے تھے ۔

(فَهَدَى اللهُ الَّذِ يْنَ آمَنُواَلَمَااخْتَلَفُوْافِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهِ وَاللهُ يَهدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلَىٰ صراطٍ مُستَقِيم)

"تب خدا نے ایمان داروں کو راہ حق دکھادی جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا اور خدا جس کو چاہے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے "۔

اس آیت کو شاہد قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ جب خدا کے دین میں اختلا ف ہوا تو یہ اختلا فات کی موجودگی اس بات کا سبب بنی کہ کو ئی دو سرا پیغمبر مبعو ث کیا جا ئے جو اس اختلا ف کو بر طرف کر دے وہ اختلاف جو ایک پیغمبر کے چلے جا نے اور امت کے درمیا ن مو جو د نہ رہنے کی بناء پر وجو د میں آ تا تھا ۔اگر چہ یہ اختلاف سر کشی کا نتیجہ تھا اور کچھ لوگ یہ کام عمد اً کیا کر تے تھے لیکن خدا دو سرا پیغمبر اپنے لطف و کرم کی بنا ء پر بھیج دیتا کہ بعد کی نسلیں گمراہ نہ ہوں ۔

انبیاء علیہم السلام کے وجو د کے سلسلہ میں قر آ ن کریم سے اور بھی حکمتو ں اور مصلحتو ں کا پتہ چلتا ہے چنانچہ عقل کی بنیا د پر ان میں سے کچھ (حکمتو ں کا) پتہ چلا یا جا سکتا ہے ۔اب ہم قر آ ن مجید سے معلو م ہو نے وا لی بعض حکمتیں بیا ن کر تے ہیں :

....

۱سو رئہ مو منون آیت ٤٤۔
۲سورئہ بقرہ آیت۲۱۳۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

راہ اور رہنما کی پہچان

قضا وت

جیسا کہ خود قر آ ن کریم سے پتہ چلتا ہے انبیا ء کے وجود کا ایک فا ئدہ یہ تھا کہ وہ اصل حکم اور قانون پہنچانے کے علا وہ اس حکم کے مصا دیق بھی معین فر ما دیتے تھے اور لو گو ں کے درمیا ن رو نما ہو نے وا لے اختلا فات کے فیصلے فرما تے تھے (اب سوا ل یہ ہے کہ تمام انبیا ء علیہم السلام اسی طرح کے تھے یا بعض انبیا ء علیہم السلام ایسے تھے) حضرت دا ؤد علیہ السلام ان ہی انبیا ء علیہم السلا م میں سے ہیں جو منصب کے اعتبار سے خدا کی جا نب سے لو گو ں کے ما بین اختلا ف کے فیصلے کے لئے مبعوث ہو ئے تھے ۔

اور بظا ہر یہ کام بعض انبیا ء علیہم السلام سے ہی مخصو ص رہا ہے۔ ارشا د ہوتا ہے :

(یٰدَاوُوْدُاِنَّاجَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِیْ الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ)(۱)

"اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں(اپنا)خلیفہ قرار دیا پس تم لو گو ں کے در میا ن حق کی بنیا د پر ٹھیک فیصلے کیا کرو " ۔

پیغمبر اکرمؐ کے با رے میں ارشاد ہو تا ہے :

(اِنَّاَنْزَلْنَااِلَیْکَ الْکِتَا بَ بِا لْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّا سِ بِمَا اَ رَاکَ اللّٰہُ وَ لَا تَکُنْ لِلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْماً)(۲)

.....

۱۔سور ئہ ص آیت ۲۶ ۔
۲۔سورئہ نساء آیت۱۰۵۔

"ہم نے اس کتا ب کو تم پر بر حق طو ر پر اس لئے نا زل کیا ہے کہ جس طرح خدا نے تمہا ری ہدا یت کی ہے اسی طرح لو گو ں کے در میا ن فیصلہ کرو اور خیا نت کر نے وا لو ں کے طر فدار نہ بنو "۔

واضح ہے کہ یہا ں پر حکو مت اور فیصلہ سے مراد اختلا فات کے سلسلہ میں لو گو ں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔

حکو مت

بعض انبیا ء علیہم السلام منصف اور قا ضی کی حیثیت سے او نچا مقام رکھتے تھے یعنی با قا عدہ طور پر معا شرہ اور حکومت کے سر براہ تھے اور لو گو ں پر ان کی اطا عت کر نا فرض تھا ۔ قر آن کی ایک آیت میں مجمو عی طور پر کہا گیا ہے کہ ہم نے ہر پیغمبر کو لو گو ں کے درمیا ن اس لئے بھیجا کہ لوگ ان کی اطا عت کریں ۔ لہٰذا جو پیغمبربھی جس چیز کے لئے دعوی ٰ کرے کہ یہ خدا کی جا نب سے ہے اور اس پر عمل کا حکم دے لو گو ں پر اس کی با ت ما ننا ضروری ہے۔ اگر وہ لوگونسے کہے

کہ میں انصاف کر نے کے لئے بھیجا گیا ہو ں تو لو گو ں کے لئے قبو ل کر نا ضرو ری ہے ۔اگر وہ کہے کہ میں لو گو ں کے حا کم کے عنوا ن سے آ یا ہو ں سیاسی اور معاشرتی امور میں میری پیر و ی کرو تو لو گو ں پر اس کی پیر وی ضروری ہے مجموعی طور پر ہر پیغمبر جس آبا دی میں بھیجا گیا ہو (اس کی نبوت ثابت ہو جا نے کے بعد) خدا کی طرف سے بس جو بھی دعو یٰ کرے لو گو ں پر اس کا قبو ل کر نا لا زم ہے :

(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ)(۱)

"اور ہم نے کو ئی رسول نہیں بھیجا مگر اس و اسطے کہ خدا کے حکم سے لو گ ا س کی اطا عت کریں "۔

اگر ایسا ہو کہ لوگ خود فیصلہ کریں کہ نبی کی کو نسی با ت خدا کی طرف سے ہے اور کو نسی با ت اپنی طر ف سے ہے اور اس کے یہا ں بعض حالا ت میں یہ احتما ل ہو کہ وہ جھوٹ بھی بو ل سکتا ہے تو یہ امر مقصد کے خلا ف ہو گا اور اس پر اعتما د نہیں رہے گا ۔

لہٰذا جب نبی کی نبو ت ثا بت ہو جا ئے تو لا محا لہ طور پر بے چو ن و چرا اس کی اطاعت کر نی چا ہئے مگر یہ کہ وہ خود یہ کہے کہ میں یہ بات اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں ،اب اگر وہ یہ دعو یٰ کرے کہ اس کو خدا کی طرف سے کو ئی منصب دیا گیا ہے تو لو گو ں کو اس کی با ت بہر حال ما ننا چا ہئے ۔

یقیناً بعض مقا ما ت پر بعض انبیا ء علیہم السلام نے خود حکو مت اپنے ہا تھ میں نہیں لی ہے بلکہ خدا کی جا نب سے انھو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ں نے کسی اور شخص کی حکو مت کی تا ئید کر دی ہے ۔ چنا نچہ روا یا ت کی روشنی میں بنی اسرا ئیل کے کچھ افراد اپنے

.....

۱۔سورۂ نسا ء آیت ٦٤۔

نبی صمو ئیل کے پاس آئے اور آ کر کہا :
(اِبْعَثْ لَنَا مَلِکاً نُقَا تِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)(۱)
"ہما رے واسطے ایک باد شا ہ مقر ر کیجئے تا کہ ہم را ہِ خدا میں جہاد کریں "۔
ظا ہر ہے خود صمو ئیل نبی با دشاہ نہیں تھے ۔ور نہ لو گ ان سے یہ نہ کہتے کہ خد ا سے در خوا ست کیجئے کہ وہ ہمارے لئے ایک با دشا ہ مقرر کر دے ، معلو م ہو ا کہ ہر پیغمبر خدا کی طرف سے حکو مت کا حا مل نہیں ہو تا ،البتہ یہ یقین کے سا تھ کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ خدا کی طرف سے حکو مت کے حا مل تھے اسی طرح گذ شتہ انبیا ء علیہم السلام میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام منجملہ حضرت سلیمان حکو مت کے حا مل تھے۔ قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ ہم نے ان کو ملک عطا کیا ۔ رسو لِ خداؐ کے با رے میں بہت سی دلیلیں ہیں خود قرآن کریم میں یہ جملہ مو جو د ہے:
(اَلنَّبِیُّ اَوْ لَیٰ بِا لْمُوْمِنِیْنَ)(۲)
"یعنی نبی مو منین کی جا نو ں پر ان سے زیا دہ حق رکھتے ہیں "۔
اس کے علا وہ بھی کئی مقا ما ت ہیں مگر فی الحال ان کا بیان بحث سے خا رج ہے ۔ لہٰذا نبو ت کے ثا نوی مقا صد میں سے ایک مقصد جو بعض نبو تو ں میں محقق ہو ا یہ تھا کہ زمین پر ایک حکومت حقہ قا ئم کریں کہ جس کے سا یہ میں لو گو ں کی دنیا اور آ خرت دو نو ں کی اصلا ح ہو جا ئے ۔
انبیا ء علیہم السلام کی رسا لت کے ذیل میں جو سیاسی مقا صد مدنظر قرار دیئے گئے ہیں ان کی ایک مثال جناب موسیٰ کا وا قعہ ہے کہ جہاں انھو ں نے فر عون کو عبا دت الٰہی کی دعوت دی اور ضمنی طور پر فر ما یا: (فَاَرْسِلْ مَعِی بَنِیْ اِسْرَا ئِیْلَ)یہ آپ کے اغراض و مقا صد میں سے ایک امر تھا جس کی آپ نے فر عون سے پہلی ہی ملاقات میں وضاحت کرتے ہو ئے کہہ دیا :اے فر عون میں تیری طرف خدا کا رسول بن کر آ یا ہو ں۔ (فَاَرْسِلْ مَعِی بَنِیْ اِسْرَا ئِیْلَ)
"بنی اسرا ئیل کو میرے ہمراہ کر دے "۔
لو گو ں کو آ زادانہ زند گی بسر کر نے کے لئے ایک ظالم حکمراں کے تسلط سے نکا ل کر دوسری سر زمین پرلیجا نا ایک سیا سی اور اجتما عی کا م ہے اور یہ حضرت مو سیٰ علیہ السلا م کی رسالت کے مقا صد کا ایک حصہ تھا اور قر آن کریم کی آیات سے مکمل طو ر پر یہ بات واضح ہے:

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۲٤٦۔
۲۔سورئہ احزاب آیت ٦۔

(وَقَالَ مُوْسٰی یَافِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌمِّنْ رَّبِّ الْعٰا لَمِیْنَ.حَقِیْقٌعَلٰی اَنْ لَّآ اَقُوْ لَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ مِّنْ رَبِّکُمْ فَاَ رْسِلْ مَعِیَ بَنِیْ اِسْرَآئِ یْلَ)(۱)
"اور مو سیٰ نے (فر عون) سے کہا اے فر عون میں یقیناًپر ور دگا ر عا لم کی جا نب سے رسو ل ہو ں مجھ پر واجب ہے کہ خدا کے با رے میں سچ کے سوا (کو ئی با ت)نہ کہو ں میں تمہا رے پر ور دگا ر کی طرف سے وا ضح و رو شن معجزہ لیکر آ یا ہو ں پس بنی اسرا ئیل کو میرے ہمراہ کر دے "۔

یاد دہا نی
قرآن کریم سے نبو ت کے جن فو ائد بلکہ اغراض و مقاصد کاپتہ چلتا ہے ان میں سے ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ لوگ جن چیز و ں کوسمجھ سکتے ہیں یا وہ جن با توں کو مبہم انداز میں سہی تھو ڑا بہت سمجھتے ہیں ان کو یا د دہانی کے لئے ایک توجہ دلا نے یا سمجھا نے وا لے کی ضرورت ہے جو ان کو ادھوری یا نامفہو م بات پوری طرح سمجھا سکے اور قر آن کریم کے الفاظ میں لوگ غفلت سے نکل کر با خبر وآگاہ ہو جا ئیں ۔
قر آن کریم میں خود قرآن کریم کے لئے اور بہت سی دو سری آ سمانی کتا بو ں کے لئے جو ذکر ،ذکریٰ، تذکرہ، اور مذکر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کی ما نند الفا ظ استعمال ہو ئے ہیں ،اسی مو ضو ع کی طرف اشارہ کر تے ہیں ۔
ذکر، یا د دہانی کو کہتے ہیں یعنی وہ بات جس کو انسان جانتا ہے لیکن مکمل طور پر یا اس کا ایک حصہ بھول گیا ہے یا بے تو جہ ہو گیا ہے اس کو یا د دلا نا اورظا ہر ہے انتخاب میں علم اسی وقت مؤثر یا مفید ہو تا ہے جب اس کی طرف انسان متو جہ ہو ممکن ہے معا شرہ کچھ ایسے حا لات کا شکا ر ہو جا ئے کہ جس کے سبب یہ غفلت عام ہو جا ئے اور معا شرہ کی فضا ایسی شکل اختیار کر لے کہ انسان کے ذہن سے یہ مسا ئل با لکل نکل گئے ہو ں اور لو گو ں کا اپنے آپ ان کی طرف متوجہ ہو نا بھی میسر نہ ہو ۔ ایسے مقام پر انبیائعلیہم السلام کا کام لو گو ں کو اس غفلت سے نکا لنا ہے ۔ اسی با رے میں نہج البلاغہ کے اس مشہو ر و معروف جملہ میں اشا رہ ہے:
(لِیَسْتَادُوْ ھُمْ میْثَاقَ فِطْرَتِہِ وَ یُذَ کِّرُوْ ھُمْ مَنْسِیَّ نِعْمَتِہِ)(۲)
"ان سے فطرت کے عہد و پیمان پو رے کرا ئیں اور انہیں بھو لی ہو ئی اﷲکی نعمتیں یا ددلا ئیں"۔
....

۱سو رئہ اعراف آیت ۱۰٤۔۱۰۵۔
۲نہج البلاغہ خطبہ اول در ذکر اختیا ر الانبیاء علیہم السلام۔

خدا کی معرفت اور خدا کی بندگی ایک فطری امر ہے لیکن لو گ اس سے غا فل ہو جا تے ہیں بہت سی چیزو ں کو لو گو ں کی عقل درک کر تی ہے لیکن یہ عقل ڈھیروں خو ا ہشات نفسا نی کے اندر دفن ہو کر رہ جا تی ہے۔ انبیاء کا کام یہ ہے کہ ان مد فون عقلو ں کو ابھا ر کر سا منے لا ئیں :
(وَ یَحْتَجُّوْا عَلَیْھِمْ بِالتَّبْلِیغِ وَ یُثِیْرُوْا لَھُمْ دَفَا ئِنَ الْعَقُوْلَ)(۱)
"اور تبلیغ یعنی رسا لت الٰہی کے ذریعہ لو گو نپر حجت تمام کریں اور ان کی مد فون عقلو ں کو با ہر نکا لیں "۔
اور یہ وہ مسئلہ ہے جس کی طرف ہم متو جہ کر نا چا ہتے ہیں یعنی الٰہی رسالت اور تبلیغ کے ذریعہ لو گو ں پر حجت تمام کیا جانا نبوت کے اہداف میں شا مل ہے معلو م ہو ا یا د دہا نی یعنی لو گو ں کو غفلت سے نکا لنا ،اور فطری طور پر لوگ جن چیز و ں کو درک کر تے ہیں یا جن چیز و ں کی وہ اپنی عقل کے ذریعہ شنا خت پیدا کر تے ہیں اُن کی طرف تو جہ دلانا انبیا ء علیہم السلام کے فر ائض میں ہے اور انبیا ء کے وجود سے ہی یہ تمام فو ائد وا بستہ ہیں ۔

ڈرانا اور خو شخبری دینا
قرآنی آیات سے ایک اور یہ نکتہ سمجھ میں آتاہے کہ کبھی کبھی انسان کسی چیز کو جا نتا ہے یہا نتک کہ اس کی طرف تو جہ بھی ہو تی ہے لیکن عمل کا جذ بہ نہیں ہو تا ۔اس صو رت میں انسان کو کسی محرک کی ضرورت ہو تی ہے اور انبیاء علیہم السلام "منذر "(ڈرا نے وا لے)اور مبشِّر (بشا رت دینے وا لے) کے عنوان سے یہ کام انجام دیتے ہیں اور لوگوں کو ا بھا ر تے اور جذ بہ پیدا کر تے ہیں اور ان کی سو ئی ہو ئی خو ا ہشو ں کو بیدار کر تے ہیں ۔ ہر انسان عذا ب سے ڈرتا ہے یہا ں تک کہ اس کا معمو لی ترین احتما ل بھی مؤ ثر ہے اگر چہ عملی طور پر لو گو ں میں اس کا اثر دکھا ئی نہیں دیتا لیکن جب پیغمبر آ کر آخرت کے عذا بو ں کی تفصیل بیا ن کر تا ، اور بہشت کی نعمتو ں کا شما ر کرا تا ہے یہ ڈرانا اور بشارت دینا لو گو ں کے ،خو ا ہشات کو عملی اور علم کو آگا ہی میں بدل دیتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیا ن کیا تھا انسان کی روح میں دو کا ر خا نے کام کر تے ہیں : ایک عقل و بصیرت او ر دو سرے خو ا ہش و رغبت ۔ انبیا ء علیہم السلام خو ف اور بشا رت یعنی خدا وند عالم کی نعمتو ں کی خو شخبری اور اس کے عذاب کی طرف سے خبر دار کر کے انسا ن کی خو اہشات و رجحانا ت کو مہمیز کر تے ہیں ۔
اگر آ پ قر آ ن کریم کی تحقیق و مطالعہ کریں تو آ پ کو معلو م ہو گا کہ آ یات کا ایک بڑا حصہ چا ہے وہ پیغمبر اسلاؐ
....

۱نہج البلاغہ خطبہ اول در ذکر اختیار الانبیاء علیہم السلام ۔

کی زبا نی ہو یا پچھلے انبیاء علیہم السلام کی زبا ن سے نقل کئے ہو ئے ہو ں سب انذار و بشارت سے متعلق ہیں یعنی ان میں آخرت کے عذاب اور آخرت کی نعمتو ں کا ذکر ہے قرآن کریم میں یہ مسائل اتنی اہمیت کے حا مل ہیں کہ پیغمبر کو (نذیر)کہا گیا ہے سورئہ فاطر میں ارشا د ہو تا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَ اِنْ مِنْ اُ مَّةٍ اِ لَّا خَلَا فِيْهَا نَذِ يْر)(۱)
"کو ئی امت نہیں ہے مگر یہ کہ ان کے درمیان ڈرا نے والا "نذیر"ضرور آ یا ہے "۔
یہ نبی کی سب سے نما یاں صفت ہے اور مکمل طور پر اس کی ضرورت کا احساس کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ معاشرہ میں کو ئی ایسا ہو نا چا ہئے جو لو گو ں کو مستقبل کے خطر وں سے آ گا ہ کر تا رہے ۔ مختصر یہ کہ آ پ نے مذ کو رہ آیات میں مشا بہ کیا کہ ان میں مبشّر اور منذر کی صفت بار بار دہرا ئی گئی ہے :
(رُسُلاً مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِ رِیْنَ ---)اور (فَبَعَثَ اللهُ النَّبِیِّیْنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ)۔
قر آ ن کریم میں خود چند مقا مات پر پیغمبر اکرمؐ کے او صاف میں بھی "بشیر "اور "نذیر " آ یا ہے پس معلو م ہو ا کہ یہ بھی نبو ت کا ایک ہدف ہے ۔

ظلم اور برائی سے مقا بلہ
انبیا ء علیہم السلام کی بعثت کے سلسلہ میں جن اغراض و مقاصد کا پتہ چلتا ہے ، علمی طو ر پر اس ظلم اور برائی سے مقابلہ بھی ہے جو ان کے زما نہ میں رائج رہے ہیں ۔ قر آ ن کریم سے جیسا کہ پتہ چلتا ہے کہ جس قو م کے در میا ن بھی کو ئی پیغمبر مبعو ث ہو ا ہے ان کے درمیان ضرور کو ئی بد عنوا نی یا مخصوص برائیا ں را ئج رہی ہیں اگر چہ کسی استثناء کے بغیر تمام انبیا ء کا ایک بنیا دی ہدف لو گو ں کو خدا ئے وا حد کی بند گی کی طرف دعوت دینا رہا ہے ۔ خدا وند عالم ارشا د فرماتا ہے :
(وَلَقَدْ بَعَثْنَافِیْ کُلِّ اُمَّةٍرَسُوْلاً اَنِ اعْبُدُ وْااللّٰهَ وَاْجْتَنِبُوْاالطَّاغُوْت)(۲)
یعنی"اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول ضرور بھیجا کہ خدا کی عبا دت کرو اور طا غوت سے بچے رہو "۔
لیکن اس معمو لی ہد ف کے ساتھ کہ جس کا ایک کلی عنوان خدا کی عبا دت اور اس کے تمام احکام "کرو اور نہ کرو " کے سا منے سر تسلیم خم کر نا ہے ہر پیغمبر نے اپنے زمانہ میں رائج برائیوں کی اصلاح کوبنیاد قراردیاہے مثال کے طورپرجہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ کاذکرہے وہیں:
.....

۱۔سو رئہ فا طر آیت ۲٤۔
۲۔سورئہ نحل آیت ۳٦۔

(وَزِنُوْابِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ)(۱)
"اورجب کچھ(تولنا ہوتو) بالکل صحیح ترازوسے تولاکر و"۔
اور(وَلَاتَبْخَسُوْااللَّاسَ اَشْیَایَ هُمْ)(۲)
"اور لوگوں کوان کی(خریدی ہوئی)چیزیں کم نہ دیا کرو "کابھی ذکر اس کے ساتھ موجود ہے یاجب حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تو ان کے زمانہ میں ایک خاص برائی رائج تھی جس کا انھوں نے مقابلہ کیا،قرآن کریم میں اس طرح کے نمونہ بہت ہیں یہ اس چیز کی علامت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اہداف میں سے ایک ہدف اپنے زمانہ کی برائیوں سے مقابلہ کرنا بھی رہاہے۔

لوگوں کو توحید اور معاد کی طرف متوجہّ کرنا
ہم نے اس بحث کے آغاز میں اس بنیاد پر ضرورت نبوت کی دلیل قائم کی تھی کہ انسان اپنے اختیار کے ساتھ کمال وارتقاء کے لئے پیدا کیاگیا ہے اور وہ اس دنیا میں اپنے اچھے اور برے اعمال کے ذریعہ آخرت میں اپنے لئے سعادت یاشقاوت فراہم کرتا ہے پس اس کو اس دنیا میں انجام دئے جانے والے اپنے افعال کے اخروی نتائج کے ساتھ رابطے سے آگاہ ہوناچاہئے تاکہ وہ اچھے یا برے اعمال آزادانہ طورپر اختیار کرسکے دوسرے لفظونمیں اس کیلئے اس چیزکا جاننا ضروری ہے کہ کون سے کام اچھے ہیں کہ ان کوانجام دے سکے اور کونسے کام برے ہیں کہ ان کو انجام نہ دے اور چونکہ انسان کی عقل دقیق طورپر ان رابطوں کو معلوم نہیں کرسکتی لہٰذا حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ وہ بشرکیلئے اس علم تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ مقررفرمائے اور وہ راہ وہی وحی اور نبوت کی راہ ہے ۔
اس کے بعد کی بحث میں ہم نے عرض کیا تھاکہ قرآن کی آیات کریمہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر خدا انبیاء علیہم السلام کو نہ بھیجتا تو لوگوں پر حجت تمام نہ ہوتی اور ہم نے اس ذیل میں کہا تھا چونکہ انسان کی عقل ،خیروشرکی شناخت کیلئے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کافی نہیں ہے اور وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم یہ نہیں جانتے تھے کہ ہمیں کون سے کام نہینانجام دینا چاہئیں اور کون سے کام انجام نہیں دینا چاہئیں ۔
بحث کے ضمن میں ہی ایک اور نکتہ بھی واضح ہوگیا جس کی بنیادپر ہم"نبوت کی ضرورت"پر دوسری دلیل قائم کرسکتے ہیں اور وہ نکتہ یہ ہے کہ :کبھی کبھی انسان حتّیٰ ان مسائل میں کہ جہاں انسان کی عقل اس کودرک کرنے کے لئے

.....

۱۔سورئہ اسراء آیت ۳۵۔
۲۔سورئہ اعراف آیت۸۵۔

کافی ہے۔بعض عوامل کی وجہ سے غفلت کاشکار ہوجاتاہے مثال کے طورپر وجود خدااورتوحید کے اثبات کے لئے انسان کی عقل کافی ہے لیکن کبھی کبھی سماجی حالات ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اپنی عقل کے استعمال سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یعنی معا شرہ کی فضاء وہ شکل اختیا ر کر لیتی ہے کہ انسان اس حقیقت سے غا فل ہو جا تا ہے اور اپنی عقل اس با رے میں کہ تو حید حق ہے یا نہیں، استعمال نہیں کر تا ۔یہ وہ حقیقت ہے جس کو کم و بیش سبھی افراد ما نتے ہیں ۔ فرض کر لیجئے کہ کسی گھرا نے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہو کہ جس نے جب سے اپنی آ نکھیں کھو لیں اپنے ماں باپ کو بتو ں کی پر ستش کرتے دیکھا اور جب مدر سہ میں دا خل ہوا تو وہاں بھی اس کو شر ک آ میز تعلیم دی گئی ۔ ظا ہر سی با ت ہے کہ کوئی مذہب اپنے مذ ہب کی حقا نیت کی دلیل کے لئے بہت سی غلط با تیں بیا ن کر سکتا ہے اور ان غلط با تو ں سے بچہ کا ذہن جب ما نوس ہو گیا ہو اور معا شرہ کی فضا نے بھی اس کی مدد کی ہو او ر تو حید و خدا پرستی کی بحث بھی با لکل اس کے کان سے نہ ٹکرائی ہو ، تو ان تمام حا لات میں ایک انسان کا مشرک ہو جانا انہو نی بات نہیں ہے اس کے ذہن میں ممکن ہے یہ سوال ہی پیدا نہ ہو کہ کیا یہ راستہ حق کا ہے یا باطل ؟
اسی طرح ہم نے معاد کے با رے میں بھی عرض کیا تھا کہ عام طور سے معاد یا قیا مت کے اثبات کیلئے انسان کی عقل کا فی ہے لیکن اگر کو ئی شخص ایسے ما حو ل میں زند گی بسر کر رہا ہو کہ آ خرت کی زند گی کے نا م سے با لکل اس کے کان آ شنا نہ ہو ں اور وہ اس مسئلہ کی طرف متو جہ ہی نہ ہو ا ہو ، جو کچھ بھی اس نے دیکھا ، سُنا ،اور پڑھا ہو وہ سب محض دنیا ی زند گی اور اس کی لذ تو ں سے مر بو ط ہو ، یا وہ عقل کو عام طور پر اپنی معا شی حا لت سد ھا ر نے اور اجتماعی امو ر کو انجا م دینے میں لگا ئے رہا ہو تو ظا ہر ہے ایسے شخص کو خود بخود عالم آخرت کی فکر نہیں ہو گی اور اگر کبھی خیال آ یا بھی تو ممکن ہے اس کے ذہن میں اس قدر شکو ک پیدا کر دیئے جا ئیں کہ وہ اس پر یقین ہی نہ کر سکے پس یہاں تک کہ ان امو ر میں بھی کہ جہاں انسان اپنی عقل سے بذات خود دلیل قا ئم کر کے حقیقت کو سمجھ سکتا ہے ۔ کبھی کبھی حالات اس طرح کے ہو جا تے ہیں کہ انسان کی عقل کا فا ئدہ با قی نہیں رہتا اور ہم یہ جا نتے ہیں کہ یہ دو مسئلے یعنی تو حید اور معاد (اللہاور قیا مت پر ایمان) اد یان کے سب سے اہم مسا ئل ہیں ۔اگر کسی کے لئے حل نہ ہو پا ئیں تو وہ مجمو عی طو ر پر آخرت کی کا میابی کے لئے کو ئی راستہ نہیں نکال سکے گا اور اس طرح کے مسا ئل میں ہمارا مشا ہدہ یہی ہے کہ کبھی کبھی معا شرہ کے حا لات کی وجہ سے انسا ن ان سے غا فل ہو جا تا ہے ۔
اس بناء پر جس اللہنے انسان کو آخرت کی کا میابی کے لئے پیدا کیا ہے ،(وہ کا میابی جو اللہ اور آخرت پر ایمان کے ذریعے ملتی ہے)اس کو یہ بھی علم ہے کہ انسا نو ں کے سا منے کچھ ایسے حا لات پیش آ جا تے ہیں کہ وہ اُن مسائل کو کلی طور پر بُھلا دیتا ہے لہٰذا اس طرح کے حا لات میں حکمت الٰہی کا یہ تقا ضا ہے کہ کچھ ایسے مصلحین اور تعلیم دینے وا لے اور یاد دہا نی کرا نے وا لے افراد بھیجے جولو گو ں کو اُن با تو ں کی طرف متوجہ کریں جن کی فطرت گو اہی دیتی ہے اور عقل جن با توں پر دلا لت کر تی ہے اگر چہ وہ ان با تو ں سے غا فل ہی کیو ں نہ ہو گئے ہو ں ۔
مو لا ئے کا ئنا ت کے کلام میں یہ جملے "یُذَکِّرُوْھُمْ مَنْسِیَّ نِعْمَتِہٖ""انھیں اللہکی بھو لی ہو ئی نعمتیں یا د دلائیں "، وَ یُثِیْرُوْا لَھُمْ دَ فَا ئِنَ الْعُقُوْل""اور ان کی مد فو ن عقلو ں کو با ہر نکا لیں"ممکن ہے اسی با ت کی نشاندہی کر رہے ہوں یعنی کبھی کبھی انسا نو ں کی عقلیں خو ا ہشات ، شکوک و شبہات اور معا شرتی ما حول کے پر دوں میں دفن ہوجا تی ہیں اور کسی کا م کی نہیں رہ جا تیں ۔ اس طرح کی عقل کا وجود یا عدم کو ئی فرق نہیں کر تا وہ عقل رکھتے ہیں لیکن اُن کی عقل ان کو نور نہیں بخشتی ایسے حا لات میں بھی لا زم ہے کہ خدا اپنی حکمت متعا لیہ کی بنیا د پر پیغمبروں کو مبعوث فرمائے تا کہ وہ لو گو ں کو اس غفلت سے نجا ت دلا ئیں اور ان پر یہ مسئلہ وا ضح کر دیں کہ خدا ایک اور اکیلا ہے تم اپنی عقلوں کی طرف رجو ع کرو اور اس با رے میں غور و فکر سے کام لو یا اگر لوگ شکوک و شبہا ت میں مبتلا ہو ں تو اُن کے شبہا ت دور کر دیں ہم اس طریقہ سے بھی نبوت کی ضرورت پر دلیل قا ئم کر سکتے ہیں اس دلیل کا پہلی دلیل سے فرق یہ ہے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ پہلی دلیل میں اس با ت پر زور دیا گیا تھا کہ کچھ با تیں انسان کو جا ننا چا ہئے تھا لیکن جا ن نہیں سکتا تھا لیکن یہاں اس چیز پر زور دیا گیا ہے کہ لو گو ں کو ان با تو ں کی طرف متو جہ ہو نا چا ہئے کہ جن سے وہ غا فل ہیں۔
جب ہم قر آ ن کریم کی آیات کا مطا لعہ کر تے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ انبیا ء علیہم السلام کی بعثت کے اہد اف و مقا صد میں ان دو چیزو ں پر زور دیا گیا ہے ہم نے انبیاء علیہم السلام کو اس لئے مبعوث کیا کہ وہ لو گو ں کو توحید کی دعوت دیں حا لانکہ تو حید خود عقل کے ذریعہ ثا بت ہو تی ہے اور قرآن نے بھی تو حید پر عقلی دلیلیں دی ہیں ۔ پھر بھی خدا وند عالم فر ما تا ہے کہ انبیا ء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد لو گو ں کو تو حید کی دعوت دینا ہے اور اسی طرح دو سرے مقام پر فر ما تا ہے کہ انبیا ء علیہم السلام کی بعثت کا ہدف و مقصد لو گو ں کو معا د کی طرف توجہ دلا نا تھا ۔ ہم اس سلسلہ میں بھی قر آن کریم کی بعض آ یتو ں کی طرف اشا رہ کر تے ہیں ۔
(وَلَقَدْ بَعَثْنَافِیْ کُلِّ اُ مَّةٍ رَسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوْااللهَ وَاجْتَنِبُوْاالطَّا غُوْ ت)(۱)
"اور ہم نے ہر امت میں ایک (نہ ایک)رسو ل اس با ت کے لئے ضرور بھیجا کہ خدا کی عبا دت کرو اور طاغوت سے دور رہو "۔
ایک اور مقام پر ارشاد فرما تا ہے :
.....

۱۔سورئہ نحل آیت ۳۶۔

(وَمَااَرْسَلْنَاَ مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ اِ لَّا نُ ُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہُ لَااِلٰہَ اِ لَّا اَنَافَاعْبُدُوْنِ)(۱)
"اور (اے رسول) ہم نے تم سے پہلے کو ئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس پر وحی کر دی کہ بس میں ہی اللہ ہوں پس تم میری ہی عبا دت کرو "۔
ان آیا ت سے بخو بی یہ بات روشن ہو جا تی ہے کہ لو گو ں کو اللہ کی عبا دت کی دعوت دینا انبیاء علیہم السلام کے اہم فر ائض میں سے تھا قر آن کریم نے بہت سے مسا ئل میں انبیا ء علیہم السلام کے وا قعات ذکر کئے ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں سر فہرست اسی مسئلۂ تو حید کو قرار دیا گیا ہے کہ صرف اور صرف خدا ئے وحدہ لا شریک کی عبادت کیا کرو : مَا لَکُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہُ"۔
اسی بات کو بیان کر نامقصود ہے کہ عقیدئہ توحید اگر چہ فطری ہے اور اس پر عقل بھی دلالت کر تی ہے پھر بھی انسان اپنے مخصو ص (معا شرتی) حا لات میں گھر جا نے کے بعد اس سے غافل ہو جا تے ہیں اسی لئے ضروری ہے کہ انبیا ء علیہم السلام بھیجے جا ئیں تا کہ وہ لو گو ں کو ان کا یہ بھو لا ہو ا سبق یاد دلا ئیں معا د یا قیامت سے متعلق بھی بہت سی آ یا ت ہیں منجملہ یہ آیت:
(یُلْقِیْ الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہِ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہِ لِیُنْذِرَیَوْمَ التَّلاَ قِ(۲)
"خدا اپنے نبیو ں میں سے جس پر چا ہتا ہے روح کو نا زل کر تا ہے تا کہ وہ پیغمبر (لو گوں کو)قیامت کے دن سے ڈ را ئے "۔
بہر حال قیامت اور عا لم آخرت کے متو قع خطروں کی طرف لو گو ں کو متو جہ کر نا بھی پیغمبرونکے اہداف میں شا مل رہا ہے۔
.....

۱۔سورئہ انبیاء آیت ۲۵۔
۲۔سورئہ مو من(غافر) آیت ۱۵۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پیغمبروں کا بشر ہو نا
نبوت کی ضرورت کی دلیل اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ (عقلی راستہ کے علاوہ جو سب کی دسترس میں ہے) کوئی ایسی راہ ہو جو ابدی سعادت اور شقاوت تک پہنچنے کا راستہ بتائے لیکن یہ راہ دوسری تمام خصوصیات کو بیان نہیں کرتی یعنی یہ دلیل نبوت اور وحی کی کیفیت بیان نہیں کرتی کہ کیا ہر فرد پر وحی ہوسکتی ہے ؟ کیا نبی کو بھی ہر حال میں انسانوں کی ایک فرد ہونا چاہئے ؟ کیا ہر معاشرے یا ہر شہر میں ایک پیغمبر ہونا ضروری ہے ؟ یہ دلیل ان جزئیا ت کی وضاحت نہیں کرتی البتہ خارجی قرائن کے ذریعہ یہ چیز یں سمجھی جاسکتی ہیں لیکن دقیق طور پر یہ جزئیات خود اس دلیل سے حاصل نہیں ہوسکتے تھے ۔
قرآن کریم نے ان مسائل کے بارے میں بحث کی ہے منجملہ قرآ ن کریم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نبی کو ہر حال میں بشر ہونا چاہئے اور ضمنی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان براہ راست خداوندعالم سے رابطہ بر قرار کرکے خیر و شر کا علم اس سے حاصل نہینکر سکتاایک طرف تو یہ کہ تمام انسان نبی نہیں ہوسکتے اور دوسری طرف نبی کو انسانوں کے درمیان سے ہی مبعوث ہونا چاہئے ۔یہ بات عام طور پر لوگوں کی بہانہ باز یوں کے جواب میں بیان کی گئی ہے یعنی قرآن کریم فرماتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے تھے تو لوگ ان کی دعوت قبول نہ کرنے کیلئے بہانے کیا کرتے تھے منجملہ کہا کرتے تھے کہ "اگر خدا ہماری راہنمائی ہی کرنا چاہتا ہے تو اچھا ہوتا کہ وہ ہماری راہنمائی کے لئے کسی فرشتہ کو بھیج دیتا" یاوہ کہا کرتے تھے :جب تک ہم خدا کو نہ دیکھ لیں گے ایمان نہیں لائینگے۔یا یہ کہا کرتے تھے : اگر خدا ہماری ہدایت کرنا چاہتا ہے تووہ نبی کے ہمراہ کسی فرشتہ کو بھی بھیجتا کہ ہم بھی اس فرشتہ کا دیدار کرتے اور اسی طرح کی باتیں، اسی طرح قرآن کلی طور پر فرماتا ہے : تمام قومیں انبیاء علیہم السلام سے کہا کرتی تھیں : آپ بھی ہمارے ہی جیسے بشر ہیں اور ہم اپنے ہی جیسے بشر کی پیروی نہیں کرسکتے اور یہی وہ مقام ہے جہاں قرآ ن کریم فرماتا ہے : (پیغمبر کو ہر حال میں انسان ہی ہونا چاہئے) اور یہ خداوند عالم کی سنت ہے کہ وہ ہمیشہ انسانوں کے درمیان سے کسی کو رسالت کیلئے منتخب کرتاہے۔فرشتہ عام انسانوں کے سامنے ظاہر نہیں ہوسکتا ہاں ایک وقت ہے جب تمام انسان ملک کادیدار کرسکتے ہیں لیکن یہ و ہ وقت ہے کہ جب انسان کا آخری وقت آجاتا ہے یعنی اس پر موت کی نشانیاں ظاہر ہوجاتی ہیں اور وہ عالم ملکوت کی طرف کوچ کرنے لگتا ہے ۔
ان آیات سے ہم یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ نبوت منتخب انسانوں کو ہی ملنا چاہئے ورنہ تمام انسانوں پروحی نازل نہیں ہو سکتی ۔اس لئے کہ ان کی روح اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ رابطہ قائم کرسکیں لیکن اگر خدا کی طرف سے انسانو ں کے درمیان کوئی ایسی شخصیت نہ ہوتو حکمت خدا باطل ہو جائیگی اور انسان کی خلقت کا ہدف پورا نہیں ہو سکے گا ۔معلوم ہوا خداوند عالم کو خلقت کی شرطوں کو اس طرح فراہم کرنا چاہئے کہ ا نسانو نکے درمیان کوئی اس قابل ہوکہ جس پر اپنی و حی نازل کرکے دوسروں تک پہنچا سکے ۔
قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :
(وَقَالُوْالَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَک)(۱)
" لوگ کہتے کہ اس (نبی) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا "۔
یقیناپیغمبر پر فرشتہ اور ملک نازل ہوتے تھے لیکن ان قومو نکا مقصد یہ تھا کہ فرشتے اس طرح کیو ں نہیں نازل ہوتے کہ ہم بھی ان کو دیکھ سکیں ۔
قرآن کریم ان کے جواب میں فرماتا ہے :
(وَ لَوْاَ نْزَلْنَا مَلَکاً لَقُضِیَ الْاَمْرُثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ)(۲)
"حالا نکہ اگر ہم فرشتہ بھیج د یتے تو (انکا)کام ہی تمام ہوجاتا (اور)پھر انھیں (اس طرح کے سوال کرنے کی) مہلت ہی نہ ملتی "۔
یعنی لوگوں کی زندگی اور فرشتوں کے دیدار کے درمیان ایک تکونیی رابطہ موجود تھا عام لوگ زندگی کے عام حالات میں فرشتہ کا دیدار نہیں کرسکتے فقط موت کی صورت میں ہی انکا دیدار ممکن ہے اگر ہم فرشتہ کو اس طرح نازل کرتے کہ یہ لوگ بھی اس کو دیکھیں توان کو موت آجا تی اور انکا قصہ ہی تمام ہوجاتااور پھر بعثت اور ہدایت کا ہدف باطل ہوجاتا چونکہ ہمارا مقصد ان کو راہ و راستہ سے آشنا کرانا تھا کہ وہ راستہ پہچان لیں اور اسکے بعد اپنے انتخاب کے مطابق عمل کریں ۔اگر یہ قرار ہوتا کہ فرشتہ نازل ہو اور یہ لوگ اس کو دیکھ کر مرجائیں تو اس صورت میں بعثت کا ہدف

.....

۱۔سورئہ انعام آیت ۸۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲سورئہ النعام آیت۸۔

ختم ہوجاتا اور ان کے نزول کی ضرورت پوری نہ ہوتی ۔
اس کے بعد قرآن کریم فرماتا ہے :اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ لوگ اس حالت میں فرشتہ کا دیدار چا ہتے ہیں تو یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں مجسم ہوکر سامنے آ ئے لیکن اگر فرشتہ انسانی شکل وصورت میں ان کے سامنے ظاہر ہوتا تو یہ لوگ یہی کہتے کہ تم بھی ہماری طرح کے انسان ہو معلو م ہوا یہ لوگ فرشتوں کو ان کی حقیقی صورتو ں میں دیکھنا چاہتے تھے اور یہ فی الحال ان کیلئے ممکن نہیں تھا ۔دوسرے لفظوں میں قرآن فرماتاہے کہ اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں : اول یہ کہ تم فرشتہ کو اس کی حقیقی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو جس کی تم میں فی الحال قا بلیت نہیں پائی جاتی کیو نکہ اگر تم اس کو دیکھ لو گے توتمہارا دم نکل جائیگا اور اگر انسان کی شکل وصورت میں دیکھو گے توتمہاری دل کی مراد پوری نہیں ہو گی لہٰذا فرشتہ کا دیدار ہونا ممکن نہیں ہے ۔ البتہ بعض مخصوص انسان اپنی قابلیت کے تحت وحی کے واسطہ سے فرشتہ سے رابطہ قائم کرسکتے ہینکہ جس کی تم میں قابلیت نہیں پائی جاتی ۔
اس کے بعد کی آیت میں قرآن کریم اعلان کرتا ہے :
(وَلَوْجَعَلْنَا ہُ مَلَکاً لَجَعَلْنَا ہُ رَجُلاً وَلَلَبَسْنَاْ عَلَیْھِمْ مَاْیَلْبِسُوْنَ)(۱)
"اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو (آخر)اس کو بھی انسانی صورت میں بھیجتے تو گویا ہم بھی ان کو اسی شبہ میں مبتلا کر دیتے کہ جس کے یہ مرتکب ہوئے ہیں"۔
اور دوسرے مقام پر قرآ ن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :
(قَالَتْ رُسُلُھُمْ اَ فِی اللّٰہِ شَک فَا طِرِالسَّمٰوٰتِ وَالْاَ رْضِ)(۲)
"ان کے پیغمبروں نے (ان سے) کہا کہ خدا کے بارے میں کہ جس نے سارے آسمان وزمین کو پیدا کیا شک کیا جا سکتا ہے ؟" ۔
ان کے جواب میں لوگ کہتے تھے:(قَا لُوْااِنْ اَنْتُمْ اِلّاَبَشَرمِثْلُنَا)
"تم بھی تو بس ہمارے ہی جیسے آدمی ہو "۔

....

۱سورئہ انعام آیت۹۔
۲سورئہ ابرا ہیم آیت۱۰۔

(لَومَاتَاْتِیْنَابِالْمَلَٰئِکَۃِ اِ نْ کُنْتَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ)(۱)
"اگر تم اپنے دعوے میں سچّے ہو تو فرشتو ں کو ہما رے سامنے کیوں نہیں لا کر کھڑ ا کرتے "۔
یعنی فرشتو ں سے ہماری ملا قات کیو ں نہیں کرا تے ؟
خدا وند عالم ان کے جواب میں فر ماتا ہے :
(مَا نُنَزِّلُ المَلَا ئِکۃَ اِلّاَ بِالْحَقِّ وَمَاکاَنُوْااِذاًمُّنْظَرِیْنَ)(۲)
"ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کر تے مگر یہ کہ حق کے ساتھ اور اس وقت اُن کو (ہدایت ہو تی ہے) کہ (جان بچانے کی)مہلت بھی نہ دیں "۔
ملا ئکہ کا نازل کرنا کوئی کھیل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے کچھ شرطوں کا ہو نا ضروری ہے اگر ہم فرشتو ں کو ان کی نگا ہو ں کے سامنے کھڑ ا کر دیں تو پھر وہ اس دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتے اور ان کو اس دنیا میں رہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔
قرآ ن کریم مینارشاد ہو تا ہے:
(وَمَامَنَعَ النَّاسَ انْ یُؤْمِنُوْااِذْجَائَ ھُمُ الھُدَیٰ اِلَّااَنْ قَالُوْااَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَراًرَسُوْلًا) (۳)
"اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ چکی تو اُن کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کسی چیز نے نہ روکا کہ وہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے آ دمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے"۔
خدا وند عالم ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے :
(قُلْ لَوْکاَنَ فی ٰالْاَرْضِ مَلَائِکَۃ یَمْشُوْنَ مُطمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَاعَلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآئِ مَلَکاً رَسُوْلاً)(٤)
"اے رسول تم کہدو کہ ا گر زمین پر فرشتے (بسے ہوئے)ہو تے جو اطمینان سے چلتے پھر تے نظر آتے تو ہم ان لوگوں

کے پاس فرشتہ ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے "
ایک دو سرے مقام پر کفار کا قول قر آن نقل کرتا ہے :

.....

۱۔سورئہ حجر آیت ۷۔
۲۔سورئہ حجر آیت ۸۔
۳۔سورئہ اسراء آیت ۹٤۔
٤۔سورئہ اسراء آیت ۹۵۔

(وَقَالُوْامَالِ هٰذَ اَالرَّسُوْلِ يَاكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِیْ فِی الاَسْوَاقِ لَوْلَااُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَک فَيَكُوْنَ مَعَهُ نَذِيْراً) (۱)
"اوران لو گو ننے (یہ بھی) کہا کہ یہ کیسارسو ل ہے جو کھانا کھا تا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتاہے اس کے پاس کو ئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہو ا تا کہ وہ بھی اس کے ساتھ (خدا کے عذاب سے) ڈرائے " ۔
یہ سب (لو تا تینا با لملائکہ)کی ما نند ہے یعنی نبی کے ساتھ ایک فرشتہ آئے کہ جس کو دیکھ سکیں البتّہ اسکے علا وہ بھی وہ بہت با تیں کیا کر تے تھے جو ہماری بحث سے تعلق نہیں رکھتیں ۔
خد ا وند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے :
(وَمَااَرْسَلنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ وَجَعَلْنَاَ بَعضَكُم لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّکَ بَصِيْراً)(۲)
"اور (اے رسول)ہم نے آ پ سے پہلے پیغمبر نہیں بھیجے مگر یہ کہ سب کے سب ہی آ پ کی ہی ما نند کھا نے کھا تے تھے اور با زا رو ں میں چلتے پھر تے تھے اور ہم نے آ پ میں سے بعض کو بعض کے لئے سببِ آ زمائش بنایا کہ خدا کی طاعت میں آ یا آپ لوگ صبر کر تے ہیں (یا نہیں) اور آ پ کا پر ور دگار بڑا دیکھنے والا ہے"۔
انسان اس دنیا میں امتحان کے لئے پیدا کیا گیا ہے جب اس کے لئے کسی چیز کا حق ہو ناثا بت ہو جا ئے تو اس کا امتحان اس طرح ہو تا ہے کہ کیا وہ حق کو قبول کر تا ہے یا خوا ہشاتِ نفسانی کی وجہ سے قبول نہیں کرتا ؟
ہم نے پیغمبروں کو بھیج کر اپنی حجت تمام کردی ،لوگو ں کے لئے ان کا پیغمبر ہو نا ثابت ہو جا تا ہے تو اس وقت ان کا امتحان ہو تا ہے کہ وہ اپنی ہی جنس کے ایک انسان کی اطاعت کر تے ہیں یا اُن کاجذ بۂ تکبران کو اطاعت سے روک دیتا ہے (وَجَعَلنَا بَعْضَكُم لِبَعْضٍ فِتْنَةً)آ پ تمام لوگ انسان ہیں لیکن بعض انسانو ں کا بعض انسانوں کے ذریعہ امتحان ہو تا ہے پیغمبروں کا امتحان بھی اس طرح ہو تا ہے کہ جب لوگ ان کی دعو تِ تبلیغ کو نہیں مانتے تو وہ آیا تبلیغ سے دست بر دار ہو جا تے ہیں؟ یا تبلیغ کو جا ری رکھتے ہیں ۔اور صبر کر تے ہیں :(اَ تَصبِرُونَ وَكَانَ رَبُّکَ بَصِيْراً)۔
ارشاد خدا وندی ہے :

.....

۱۔سو رئہ فرقان آیت ۸.۷ ۔
۲۔سورئہ فر قان آیت ۲۰۔

(وَمَااَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّارِجَالاً نُوْحِیْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْمَلُوْ نَ)(۱)
"اور (اے رسول) ہم نے آ پ سے پہلے بھی آد میوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا کہ ان کے پاس وحی بھیجا کر تے تھے تو اگر تم لوگ خود نہیں جا نتے ہو تو عالموں سے پوچھ لو"۔
یہو د و نصا ریٰ اور دو سری قوموں سے سوال کرو کہ ان کے انبیاء علیہم السلام انسان تھے یا نہیں؟ اہل خبرہ اور امت کے دانشوروں سے سوال کرو تو وہ تم کو بتلائیں گے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام بھی انسان تھے ۔
سورئہ انبیاء میں ارشادفر ماتا ہے :
(وَمَاجَعَلنَاهُم جَسَداً لا يَاكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَاكَانُواخَالِدِينَ)(۲)
"اور ہم نے ان (پیغمبروں)کے بدن بیجان نہیں بنا ئے تھے کہ انھیں کھا نے پینے کی احتیا ج نہ ہو اور نہ وہ (بدن سے آزاد روح تھے) کہ ہمیشہ زندہ رہیں "۔
سورئہ فرقان میں ارشاد ہو تا ہے:
(وَقَالَ الَّذِيْنَ لَايَرجُو نَ لِقائَنَالَولَا اُنْزِلَ عَلَيْنَاالْمَلَائِكَةُ اَوْنَرَیٰ رَبَّنَالَقَدِ اسْتَكْبَرُوافِی اَنفُسِهِم وَعَتَوْعُتُوّاًكَبِيْراًيَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَلَا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بُشْرَىٰ يَومَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَحْجُوْرًا)(٣)
"اور جو لوگ (قیامت میں)ہماری ملا قات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ آخر فرشتے ہمارے پاس کیوں نہیں آتے ؟پروردگار کو(کیوں نہیں) دیکھتے ؟ان لوگوں نے دراصل اپنے کو(بہت) بڑا سمجھ لیا اور بڑی سرکشی پر اتر آئے (حالا نکہ)جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگارونکوکچھ خوشی نہ ہوگی وہ فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے دوررہو "۔
(ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتْ تَاَ تِیْھِمْ رُ سُلُھُمْ بِالْبَیِّنَا تِ فَقَالُوْا اَبَشَر یَھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوْاوَاسْتَغْنَی اللّٰہُ وَاللّٰہُ غَنِیّ حَمِیْد)(٤)
"یہ اس وجہ سے ہے کہ جب ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے معجز ے لیکر آ ئے تھے تو کہتے تھے کہ کیا (ہمارے جیسے) آدمی ہمارے رہبر بنیں گے ؟ پس (یہ کہہ کر) کا فر ہوگئے اور منھ پھیر بیٹھے توخدا نے بھی (ان کی) پروانہ کی اور

.....

١۔سو رئہ انبیاء آیت ٧۔
٢۔سورئہ انبیاء آیت ٨۔
٣۔سورئہ فر قان آیت ٢١۔٢٣۔
٤۔سو رئہ تغابن آیت٦ ۔

خدا تو ہر اک سے بے نیاز اورسزاو ا ر حمد ہے " ۔
یہا ں قر آ ن نے کلی طو ر پر تمام قو مو ں کا حال نقل کیا ہے کہ جب انکے درمیا ن انبیاء علیہم السلاممبعو ث کئے جا تے تھے تو وہ کہا کر تے تھے :(اَبَشَر یَھْدُونَنَا)کیا بشر ہماری ہدایت کرے گا؟
(فَکَفَرُواوَتَوَلّوا)وہ (نبیوں) کا انکار کر تے اور رو گر دانی اختیار کر لیتے تھے جبکہ (خود) خدا ان سب سے بے نیاز ہے ۔حکمت ِخدا کا تقا ضا بس اتنا ہی ہے کہ وہ ان کے درمیان انبیاء علیہم السلام مبعو ث کر کے ان پر اپنی حجت تمام کر دے۔خدا کو اس بات پر اصرار نہیں ہے کہ ان کو ہر حال میں انبیاء علیہم السلام کی اتباع کر نی ہو گی (کیونکہ)خدا کو ان کی کو ئی ضرورت نہیں ہے (وَاسْتَغْنَی اللّٰہُ وَاللّٰہُ غَنِیّ حَمِید)حکمتِ خدا کا تقا ضا بس اس قدر ہے کہ ان کے لئے راستہ کی وضاحت کردے تاکہ وہ اپنے اختیار اور خواہش سے راہِ حق یا راہِ باطل کو منتخب کر لیں۔
یہا نتک کہ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے آیات کلی طو ر پر تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تھیں لیکن بہت سے مقا مات پر ہر نبی کے لئے الگ الگ بھی مطلب بیا ن ہو ئے ہیں کہ ان کی قوم والو ں نے اس نبی کے مقابل اسی طرح کی باتیں کہی ہیں منجملہ حضرت نوح علیہ السلام کے سلسلہ مینخدا وند عالم ار شاد فر ماتا ہے :
(فقَالَ الْمَلَاءُ الَّذِ یْنَ کَفَرُوْامِنْ قَوْمِہٖ مَاھٰذَآ اِلَّابَشَر مِّثْلُکُمْ یُرِ یْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ وَلَوْشَاءَ اللّٰہُ لَاَنْزَلَ مَلٰئِکَۃً مَاسَمِعْنَابِھٰذَافِیْ آبَائِنَاالْاَوَّلِیْنَ)(١)
"ان کی قوم کے سرداروں نے جو کا فر تھے کہا کہ یہ بھی تو بس تمہارے ہی جیسا انسان ہے (مگر) اس کی خواہش ہے کہ تم پر برتری حاصل کرلے (ورنہ) اگر خدا (پیغمبر نبی بھیجنا چا ہتا) تو فرشتو ں کو نازل کرتا ہم نے تو (کبھی) ایسی بات اپنے باپ دادائو ں کے سا منے نہیں سنی تھی "۔
قو م نو ح علیہ السلام اس سلسلہ میں شاید سچ کہتی چونکہ حضرت آ دم علیہ السلام سے لیکر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک اتنا فاصلہ ہو گیا تھا کہ لوگو ں کو ما سبق انبیاء علیہم السلام کی کوئی دقیق خبر نہیں تھی لیکن بعد کی قو موں کے لئے یہ باتیں با لکل صحیح نہیں تھیں اور ایسا نقل بھی نہیں ہو ا ہے کہ بعد والی قو مو ں نے یہ کہا ہو کہ ہم نے اس طر ح کی با تیں نہیں سنی ہیں ۔اسی طرح قو مِ نوح کے سر دار قوم والو ں سے کہتے تھے :
(اِنْ ھُوَ اِلَّا رَجُل بِہٖ جِنَّۃ فَتَرَبَّصُوْا بِہٖ حَتّٰی حِیْن)(٢)

.....

١۔سورئہ مو منون آیت٢٤۔
٢۔سور ئہ مو منون آیت ٢٥۔

"در حقیقت اس آدمی (حضرت نوح) پر جنو ن طا ری ہے لہٰذ ا کچھ دن حالات کا انتظا ر کر لو" ۔
دوسری آیت میں ایک اور پیغمبر کی زبا نی (البتہ اس پیغمبر کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے) قر آن نقل فر ماتا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَقَالَ الْمَلَأُ مِنَ قَوْمِہ الذین کَفَرُوْا وَکَذَّ بُوْابِلِقَایِ الآخِرَۃِ وَاَ تْرَفْنٰھُمْ فی الحَیٰوۃِ الدُّ نْیَامَاھٰذا اِلّابَشَرمِّثْلُکُمْ یَأکُلُ مِمَّا تَأکُلُوْنَ مِنْہُ وَیَشْرِبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِن اَطَعْتُمْ بَشَراً مِّثْلَکُمْ اِ نَّکُمْ اِذاً لَخٰسِرُوْنَ)(۱)

"اور ان کی قوم کے چند سرداروں نے جوکافر تھے اور (روز)آخرت کی حاضر ی کو بھی جھٹلا تے تھے اور دنیا کی (چند روزہ) زند گی میں ہم نے انھیں عیش اور نعمت بھی دے رکھی تھی (قوم والو ں سے) کہہ دیا یہ تو بس تمہا رے ہی جیسا آدمی ہے جو چیزیں تم کھا تے ہو یہ بھی کھا تا ہے اور جو چیزیں تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم لوگو ں نے اپنے ہی جیسے آد می کی اطا عت کر لی تو تم ضرور گھا ٹے میں رہو گے"۔

حضرت صالح علیہ السلام کے با رے میں قر آن کریم فرماتا ہے کہ ان کی قوم نے اُن سے کہا :

(قَالُوْااِنَّمَآاَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ مَااَنْتَ اِلَّابَشَر مِثْلُنَا)(۲)

"وہ لوگ بولے کہ تم پر تو بس جادو کر دیا گیا ہے (کہ ایسی باتیں کر تے ہو)تم بھی تو آخر ہما رے ہی ایسے آدمی ہو "۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں بھی اسی طرح کی باتیں ملتی ہیں کہ ان کی قو م نے اُن سے کہا :

(قَالُوْااِنَّمَآاَنْتَ مِنَ المُسَحَّرِیْنَ۔وَمَااَنْتَ اِلَّابَشَرمِثْلُنَا وَاِن نَظُنُّکَ لَمِنَ الکَاذِبِینَ)(۳)

"وہ لوگ کہنے لگے تم پر تو بس جادو کردیا گیا ہے (کہ ایسی باتیں کر تے ہو) اور تم بھی تو ہما رے ہی ایسے آدمی ہو اور ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ تم جھو ٹ بول رہے ہو "۔

خدا وند عالم قرآنِ کریم کے سورئہ یس میں ایک واقعہ اس طرح نقل فرماتا ہے :

(وَاَضْرِبْ لَھُم مَثَلاً اَصحَا بَ القَرْ یَۃِ اِذْجَآئَ ھَااَلْمُرْسَلُوْنَ۔ اِذْاَرسَلْنَااِلَیھِمُ اَثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْھُمَافَعَزَّزْنَابِثَا لِثٍ فَقَالُوااِنَّآاِ لَیکُم مُرسَلُونَ۔ قَالُوْامَااَنْتُمْ اِلَّا بَشَرمِثْلُنَا ۔)(٤)

.....

۱۔سورئہ مو منون آیت ۳۳،۳٤۔
۲۔سو رئہ شعراء آیت ۱۵۳ ۔۱۵٤۔
۳۔سو رئہ شعراء آیت ۱۸۵ و۱۸٦ ۔
٤۔سورئہ یس آیت ۱۳۔۱٤۔۱۵۔

"اور (اے رسول)تم (ان سے)مثال کے طور پر ایک آبادی کا قصہ بیان کرو کہ جب وہاں (ہمارے) پیغمبر آئے اس طرح کہ پہلے ہم نے ان کے پاس دو پیغمبر بھیجے تو ان لوگو ں نے دو نو ں کو جھٹلا یا ،تب ہم نے ایک تیسرے (پیغمبر) کو (ان دونوں کی) مدد کے لئے بھیجا تو ان تینوں نے کہا ہم تمہا رے پاس (خدا کے) بھیجے ہو ئے (آئے) ہیں تو وہ لوگ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو بس ہما رے ہی جیسے آدمی ہو اور خدا نے کچھ نازل نہیں کیا ہے تم سب کے سب با لکل جھو ٹے ہو "۔

روایات میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ملک شام کے شہر انطاکیہ میں پیش آیا جو اَ ب تر کی میں ہے۔

بہر حال، قرآنِ کریم میں ہے :

(اِذْجَائَ تْھُمُ الرُّسُلُ مِن بَینِ اَیدِ یھِمْ وَ مِن خَلْفِھِم اَلَّاتَعْبُدُ وْااِلَّااللّٰہَ)(۱)

"کہ ہم نے ان کے پاس ان کے سامنے اوران کے بعد (مختلف صورتوں سے مختلف شہروں میں) انبیاء بھیجے جو (یہ خبر لے کر) آ ئے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو "۔

تو لوگو ں نے ان کے جواب میں کیا کہا ؟

(قَالُوْالَوْشَائَ رَبُّنَالَاَنْزَلَ مَلٰئِکَۃً فَاِنَّابِمَآاُرْسِلْتُمْ بِہٖ کَافِرُوْنَ)

"کہنے لگے اگر ہمارا پرور دگار چا ہتا تو فرشتے نازل کرتا پس جس بات پر تم لوگ مبعوث کئے گئے ہو ہم اسے نہیں مانتے "۔

قرآ ن کریم کا ان سے سوال ہے :

(ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَا تِیَھُمُ اللّٰہُ فِی ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰئِکَۃُ وَقُضِیَ الْاَمْرُوَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ اْلاُ مُورُ)(۲)

"کیا وہ لوگ اسکے منتظر ہیں کہ سفید ابر کے سا ئبا نوں (کی آڑ) میں خدا (عذاب کے فرشتوں کے ساتھ) ان پر ظاہر ہو اور سب جھگڑ ے تمام کر دے حالا نکہ کل امر خدا کی ہی طرف پلٹتے ہیں "۔

.....

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۱۔سو رئہ فصلت آیت ۱٤۔
۲۔سو رئہ بقرہ آیت ۲۱۰۔

جی ہاں !اس طرح کا انتظار حقیقتا موجو د تھا جیسا کہ اس سے قبل کی آیات میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان کا کہنا تھا :جب تک ہم خدا کو نہ دیکھ لیں گے ایمان نہیں لا ئیں گے او ر ہم پر ملا ئکہ کیو ں نہیں نازل ہو تے ؟! قر آ ن کریم نے اسی کا ذکر کیا ہے :

(هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّااَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ اَويَا تِيَ بَعضُ آيَا تِ رَبِّکَ يَوْ مَ يَاْتِى بَعْضُ آيَا تِ رَبِّکَ لَا يَنْفَعُ نَفْساًاِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبلُ اَوْكَسَبَتْ فِى اِيمَانِهَاخَيْراً قُلِ انْتَظِرُوْااِنَّامُنْتَظِرُوْنَ)(۱)

" آیا یہ لوگ صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا اس سے بالا تر خود پرور دگار کی آمد کے منتظر ہیں ؟پرور دگار کی کچھ نشانیاں دیکھنا چا ہتے ہیں (آخر کیو نکر سمجھا یا جائے) حالانکہ جس دن تمہا رے پروردگار کی بعض نشانیا ں آ جا ئینگی---"۔

"یقینا اللہکی نشانیاں تکو ینی ہوں یا تشریعی کا ئنات کی تخلیق اور کتاب و نبوّت کی صورت میں معجزے کے طور پر بہت زیا دہ ہیں لیکن وہ لوگ ان کے خواہاں نہ تھے بلکہ وہ ایسی نشانیاں چاہتے تھے جو دنیا کو بدل ڈالے اور دنیا میں کوئی بنیا دی اثر رو نما ہو جائے "۔

(یَومَ یَا تِی بَعْضُ آ یَاتِ رَبِّکَ لَا یَنفَع---) تو جس دن خدا وند عا لم کی بعض ایسی نشانیاں ظا ہر ہونگی اس دن جو ایمان نہیں لا ئے ہیں ان کا ایمان لا نا ان کیلئے کو ئی فائدہ نہ پہنچا ئے گا مثال کے طور پر اگر عذاب ہو نے لگے اور وہ لوگ عذاب نا زل ہو تے وقت ایمان لا ئیں تو کیا فائدہ ؟! جیسے فر عو ن نے غر ق ہو تے وقت کہا تھا: (آ مَنتُ بِمَا آ مَنَتْ بہِ بَنُوا اِسرَا ئِیل)فر عو ن کو جواب دیا گیا :اب ؟اب ایمان لا نے کا کو ئی فائدہ نہیں ہے؟ (یَو مَ یَا تِی بَعضُ آیَاتِ ربِّکَ ۔) اگر اس طرح کی نشا نیاں ظاہر ہو نے لگیں تو لوگو ں سے اختیار سلب ہو جائے گا اور پھر زبر دستی کا ایمان کس کام کا ہو گا ؟اسی طرح اگر کار ِخیر انجام نہ دیا جا ئے اور اس طرح کی صو رت دیکھنے کے بعد کار خیر انجام دیں تو اسکا کو ئی فا ئدہ نہیں۔

(اَوکَسَبَت فِی اِیمَانِهَاخَیرا) اس کے بعد فر ما تا ہے (قُلِ انتَظَرُوا)"کہد یجئے اپنے نشہ میں پڑے رہو اور انتظار کرو ہم بھی انتظار کر تے ہیں "۔

قر آنِ کریم میں ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے :

.....

۱۔سورئہ انعام آیت۱۵۸۔

(هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَأْوِيْلَهُ يَوْمَ يَا تِىْ تَاْوِيْلُهُ يَقُوْلُ الَّذِ يْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَائَتْ رُسُلُ رَبِّنَابِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَامِنْ شُفَعَائَ فَيَشْفَعُوْالَنَآاَوْنُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِ ىْ كُنَّا نَعْمَلُ قَدْخَسِرُوْااَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَاكَانُوْايَفْتَرُوْنَ)(۱)

اس آیت میں ایک اور تعبیر ہے !کیا وہ تاویل قرآ ن کے ظاہر ہو نے کے علا وہ کسی اور چیز کے منتظر ہیں ؟ ہم نے تا ویل ِقر آ ن کی بحث میں پہلے عرض کیا تھا کہ اس آیت اور اس کے مشابہ آیات میں تا ویل قرآ ن کے حقیقی مصادیق وہ مطالب ہیں جو قر آن میں بیا ن ہو ئے ہیں توکیا وہ حقیقت ِ قرآن کے ظہو ر کے منتظر ہینیعنی جب قرآن فر ماتا ہے کہ قیا مت ہے ،عالمِ آخرت ہے ، ملائکہ ہیں تو کیا یہ لوگ خود قیامت یا ملائکہ کو دیکھ کر ان پر ایمان لانا چا ہتے ہیں ؟جبکہ جس دن قر آ ن کی بیان کر دہ یہ حقیقت ظا ہر ہو گی اور ان مطا لب کے مصا دیق محقّق ہو ں گے کسی کے لئے ایمان لا نے کاوقت باقی نہ رہ جائے گا ۔

اس وقت جو لوگ ان حقائق کو بھو لے ہو ئے تھے اور ایمان نہیں لا ئے تھے وہ کہیں گے: (قدجَا ئت رُسُلُ رَبِّنَابِالحَقِّ) ہاں پیغمبر جو کچھ فر ما تے وہ بالکل سچ فر ما تے تھے اب ہم کیا کریں! (فَهَلْ لَنَا مِن شفعا ء فَيَشْفَعُوالَنَا اَو نُرَدُّ فَنَعمَل غَيرَالَذِى كُنَّا نَعمَل)

ظا ہر ہے ان کی موت کے وقت تا ویل قر آ ن ظاہر ہو گی وہ کہیں گے کہ کیا ہم کو دنیا میں وا پس پلٹا یا جا سکتا ہے پتہ چلا جس دن تا ویل قرآ ن ظاہر ہو گی وہ ان کی موت کا دن ہو گا یہی وہ دن ہو گا کہ جب وہ حقا ئق کہ جن کا وعدہ کیا گیا ہے او ر جو لو گو ں کی آ نکھو ں سے غا ئب رہی ہیں ظا ہر ہو نگی اور وہ خود ان کا مشا ہدہ کریں گے اور کہیں گے (قَد خَسِرُوا اَنفُسَهم)ہم اپنے جی سے ہار چکے ہیں اب ہما رے ہا تھ میں کچھ نہیں رہا ہم نے اپنی زندگی کھو دی ، بہت نقصان اٹھا یا (وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَاكَا نُوْا يَفتَرُوْنَ) انھوں نے جن کو خدا کا شریک قرار دیا تھا ، اور خدا پر افتراء و بہتان با ندھے تھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور کہا کرتے تھے کہ یہ ہما ری شفاعت کریں گے ہم کو خدا کے عذاب سے بچالیں گے اب وہ خو د مشا ہدہ کریں گے کہ یہاں کسی بت کا کو ئی نشان نہیں ہے کسی کا کو ئی بس نہیں چلتا۔خدا کا حکم ہے جو نازل ہو رہا ہے اور اس سے بھا گنے کی کو ئی جگہ بھی نہیں ہے ۔
قر آ نِ کریم مینایک جگہ اور ارشاد ہو تا ہے :
(هَلْ يَنظُرُونَ اِلَّآاَن تَاتِيَهُمُ المَلٰئِكَةُ اَوْيَاتِيَ اَمرُرَبِّکَ كَذَا لِکَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
.....

۱سو رئہ اعراف آیت ۵۳.

وَمَاظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلٰكِنْ كَانُوْااَنفُسَهُم يَظْلِمُوْنَ)(۱)
"کیا یہ (اہل مکہ)اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے (قبض روح کے لئے) آجا ئیں یاتمہارے پر ور دگار کا حکم آ پہنچے جو لوگ ان سے پہلے گذ رے ہیں وہ بھی ایسی با تینکر تے تھے اور خدا نے ان پر (ذرا بھی)ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود (کفر کی وجہ سے) اپنے او پر ظلم کر تے رہے "۔
پس نتیجۂ بحث یہ نکلا کہ : خد وند عالم کی حکمت اگرچہ تقا ضا کر تی ہے کہ وہ عقل کے علا وہ کسی دو سرے طریقہ سے انسانو ں کی ہدا یت کرے لیکن ہدایت کی یہ راہ بعض ایسے انسانو ں کی استعداد اور قا بلیت پر منحصر ہے کہ (جن کو خدا پہچا نتا ہے)خدا ان افراد کو بھیجے کہ لو گ ہدایت یافتہ ہو جا ئیں ۔
(وَاللهاَعلَمُ حَيثُ يَجعَلُ رِسَالَتَہُ) (خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں قرار دے)۔
.....

۱سو رئہ نحل آ یت۳۳.

راہ اور رہنما کی پہچان

معجزہ

معجزہ کی ضرورت
یہ ثابت ہو جا نے کے بعد کہ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے حواس وعقل کے ذریعہ جو معلومات حاصل کرتا ہے اس سے زیادہ معلومات اس کو حاصل ہوتو اب یہ معلومات لا محالہ کسی غیرمعمولی طریقہ یعنی وحی اور نبوت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہیں اور یہ ثابت ہوجانے کے بعد تمام انسان حامل وحی ہونے کی صلاحیت و استعداد بھی نہیں رکھتے مجبورا کچھ ہی افراد پر وحی نازل ہوگی اور دوسرے افراد با واسطہ طور پر ان سے استفادہ کریں گے اب یہ مسئلہ در پیش ہے کہ ہم کو یہ کیسے معلوم ہو کہ کس شخص پر وحی ہو ئی ہے ؟کیونکہ وحی کوئی قابل محسوس چیز نہیں ہے کہ جب کسی پر نازل ہوتو دوسرے افراد بھی اس کا مشاہدہ کریں اور سمجھ لیں کہ فلاں شخص پیغمبر ہے لہٰذا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے کہ جس سے ہم سمجھ جائینکہ یہ شخص دوسروں سے ممتاز ہے اور حامل وحی ہونے کی استعداد رکھتا ہے اور خدا نے بھی اس پر وحی نازل کی ہے ۔یہاں جوجواب دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر خدا کی کوئی نشانی ہو نی چاہئے یعنی اس شخص کے رفتار وکردار واعمال اس چیز کی نشاندہی کرتے ہوں کہ وہ خدا سے رابطہ رکھتا ہے تو اس وقت قاعدہ (حکم الا مثال فیما یجوزوفیمالا یجوز واحد)کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح وہ اس سلسلے میں خدا سے رابطہ رکھتا ہے اس کے مثل دوسرے تمام امور میں بھی رابطہ رکھتا ہوگا ۔مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے پاس کوئی معجزہ ہونا چاہئے جس سے لوگ سمجھ سکیں کہ پیغمبر خدا سے ربطہ خاص کے تحت وہ افعال انجام دے سکتا ہے جو دوسرے انسان انجام نہیں دے سکتے اور یہ معجزہ اس کوخداوند عالم نے عطا کیا ہے ۔اس وقت ان کی سمجھ میں آجائے گا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ یہ شخص خدا سے رابطہ رکھتا ہے اور وہ اس (پیغمبر)کی باتوں کو قبول کر لیں گے ۔
اس بارے میں کچھ مسائل زیر بحث آتے ہیں :
۱۔ معجزہ کیا ہے ؟
۲۔کیا معجزہ عقلاً ممکن ہے ؟
۳۔کیا معجزہ قانون علت کے ساتھ سازگار ہے ؟یا میل کھاتا ہے؟
٤۔کیا پیغمبر کے لئے صاحب معجزہ ہونا ضروری ہے یا پیغمبر پر خدا کا محض ایک فضل ہے ؟
٥۔کیاتمام انبیاء صاحب معجزہ تھے یا معجزہ بعض انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص تھا ؟
٦۔کیاصاحب معجزہ انبیاء علیہم السلام ابتدا سے ہی معجزہ دکھلا تے تھے یا جب ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا جاتا تھا تو معجزہ دکھلا تے تھے ؟
۷۔کیا معجزہ نبوت کی قطعی دلیل ہے یا عوام الناس کو قانع کرنے کے لئے ہے ؟
۸۔کیا انبیاء علیہم السلام معجزہ دکھلا نے کے سلسلے میں لوگوں کا ہر مطالبہ قبول کرلیا کر تے تھے یا بعض مطالبوں کو قبول کرتے تھے اور بعض کورد فرمادیا کرتے تھے اور اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے ؟
۹۔کیا انبیاء علیہم السلام کے علا وہ کو ئی اور صاحبِ معجزہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟
۱۰۔ انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء کے معجزات کے با رے میں قر آ ن کے بیانات (اگر غیر انبیاء کے لئے صا حبِ معجزہ ہو نا قبول کر لیا جائے) یہ وہ مسائل ہیں جن کا الگ الگ ایک سر سری جا ئزہ لینے کی ضرو رت ہے :

معجزہ کی حقیقت
بغیر کسی شک و شبہ کے معجزہ ایک غیر معمو لی عمل ہے جو عادت کے خلا ف ظاہر ہو تا ہے چا ہے یہ کام خار جی دنیا سے تعلّق رکھتا ہو یا خبر کی صو رت میں سامنے آ ئے خبر دینا بھی ممکن ہے دنیا کے عام دستور کے خلا ف غیر معمو لی ذرائع سے ہو۔
لیکن معجزہ کی حقیقی تعریف میں صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کیو نکہ انبیاء علیہم السلام کے علا وہ بھی بہت سے افراد مل سکتے ہیں کہ جنھو ں نے غیر معمو لی کام انجام دیئے ہیناور ا ب بھی مو جو د ہیں جیسے ریاضت کش مرتا ض اور جادو گر وغیرہ جو غیر معمو لی کام انجام دیتے ہیں لیکن ان کے یہ افعال معجزہ نہیں ہیں ۔ اس لئے معجزہ کی تعریف میں یہ بھی بڑھا نا چا ہئے کہ وہ غیر معمو لی کام کہ جوعادت کے خلا ف ظہو ر ہو خدا کی طرف سے ہو نا چا ہئے اور چو نکہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ کو نسا عمل خدا کی طرف سے ہے اور کو نسا عمل خدا کی طرف سے نہیں ہے ۔معجز ہ کے لئے کچھ علا متیں مدّ نظر رکھی گئی ہیں:
۱۔معجزہ کسی بھی بڑی طا قت سے مغلو ب نہیں ہو تا ،عالمِ طبیعت یعنی دنیا میں بہت زیا دہ علّت و معلو ل یا اسباب و اور مسبّب مو جود ہیں۔ایک علّت کسی شئے کے وجود میں ممکن ہے موئثر ہو لیکن اس سے زیادہ قوی کو ئی دوسری علّت کمزو ر علّت پر غالب آکر اس کے اثر کو روک سکتی ہے۔مثال کے طور پر آگ کاغذ کو جلا دیتی ہے لیکن اگر آگ پر پانی ڈالا جائے تو خود آگ بجھ جاتی ہے اس مقام پر ایک علّت ِمادی دو سری علّت پر غالب آجاتی ہے۔ عالمِ فطرت میں ایسے سیکڑوں بلکہ ہزاروں اسباب ومسبّبات ہیں جو دوسرے اسباب سے مغلو ب ہو جا تے ہینلیکن معجزہ وہ ہے جس پر کو ئی بھی علّت غالب نہیں آسکتی نہ تو کو ئی دنیا وی چیز اس کو با طل کر سکتی ،نہ اسکے اثر کو زائل کر سکتی اور نہ ہی اس کو رو ک سکتی اور نہ ہی کوئی مادیّت سے ما وراء عمل اس میں کو ئی خلل اندازی کر سکتا فرض کیجئے کو ئی مرتاض یا جادو گر بہت زیادہ ریا ضت و مشقّت کے ذریعہ ایسی طاقت پیدا کر لے کہ وہ غیر معمو لی کام انجام دینے لگے مثال کے طور پر ہا تھ کے اشا رے سے چلتی ٹرین (ریل) روک دینے کی قوّت رکھتا ہو تو بھی اس طرح کی طاقتیں کبھی معجزہ کے سامنے ٹک نہیں سکتیں۔ کو ئی بھی مادّی یا ما دّیت سے ما وراء انسانی طا قت نہ معجزہ کے اثر کو بے کار کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کی راہ میں رکا وٹ بن سکتی ہے ۔ یہ امارات میں سے ہے کہ یہ کام، خدا کا کام ہے ۔ ایک جا دو گر ہاتھ کے اشا رے سے چلتی ہو ئی ریل کو روک سکتا ہے لیکن ممکن ہے دوسرا اس سے بڑا جادوگر اس جادوگرکے جادوکو توڑ کرایک اشارہ سے ریل گاڑی کو چلا دے یا شروع میں ہی جب وہ ریل کو روکنا چاہتاہویہ اسکے اس جادو کو باطل کردے اور ایساہونا محال نہیں ہے کیو نکہ جس کی طاقت زیادہ ہوتی ہے وہ غالب آجاتا ہے اور کمزور کو مغلوب کر دیتا ہے لیکن معجزہ میں کوئی بھی بڑی سے بڑی طاقت معجزہ کے عمل میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ کیونکہ وہ طاقتیں اگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور ہیں تو وہ خداوند عالم کی قدرت اور ارادہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اوراگر بالفرض کوئی اور پیغمبر اس میں خلل اندازی کرنا چاہے گا تو یہ بھی اللہکے ا مر کو توڑنے کے مترادف ہوگا اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لئے کہ جب خدا اپنی حکمت کے ذریعہ کسی پیغمبر کے یہاں معجزہ ظاہر کرنا چاہے گا تو کسی نہ کسی حکمت کے تحت ہوگا وہ حکمت کے بغیر معجزہ ظاہر نہیں کرتا اب اگر کوئی دوسرا پیغمبر آکر اس پیغمبر کے معجزہ کو روکنا چاہے تو اس سے خود خدا کے منشاء کی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو ایک نبی کے لئے بعید ہے نتیجتاً معجزہ کبھی بھی کسی عامل سے مغلوب نہیں ہوسکتا۔

۲۔معجزہ سیکھا اور سکھایا نہیں جاسکتا،معجزہ کوئی سیکھنے کی چیز نہیں ہے کہ کوئی پڑھکر یاد کرلے اور نہ ہی معجزہ میں ریاضت اور مشقت کی ضرورت ہے کہ کوئی زحمتیں اٹھاکر صاحب معجزہ بن جائے بلکہ یہ ایک الہٰی عطیہ ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے لیکن دوسرے غیر معمولی کام جو بعض افراد انجام دیتے ہیں وہ سیکھے اور سکھائے جاسکتے ہیں اور جب تک وہ افراد ریاضت کرتے رہیں گے ان سے نتیجہ حاصل کرتے رہیں گے ۔یہ سب اپنی ریاضت سے اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ا ن کے کام خدائی کام نہیں ہیں اس کے بر عکس (تعلیم وتعلّم یاد نیوی اسباب سے مغلوب ہوئے بغیر) معجزہ کاظہور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ امر خدا کے حکم سے ہے ۔اسی بناء پر اگر اس طرح کے کسی انسان کا تعارف کرایا جائے اور لوگ اس کی زندگی سے واقف ہوں کہ ا س نے اس کام کے لئے نہ کوئی ریاضت کی ہے نہ کسی سے پڑھا ہے اور نہ ہی کسی استاد سے سیکھا ہے اور وہ معجزہ دکھلائے تو لوگ آسانی سے قبول کرلیتے ہیں کیونکہ یہ قدرت الہٰی سے رونما ہوا ہے ۔بر فرض لوگوں کے درمیان کوئی نا آشنا پیغمبر ہو (کیونکہ پیغمبر ہمیشہ اپنی ہی قوم کے درمیان سے مبعوث کئے جاتے تھے اور لوگ ان کو اچھی طرح پہچا نتے ہوتے تھے اور ان کی پوری زندگی لوگوں پر آشکار ہوا کرتی تھی پھر بھی فرض کر لیجئے کہ) لوگ نہیں جانتے کہ اس پیغمبر نے کسی سے سیکھا اور پڑ ھا لکھا ہے یا نہیں تو لوگ اس کے معجزہ کا توڑ کرنے والونسے مدد حاصل کرکے مقابلے کرسکتے ہیں کہ کوئی اس پر غالب آسکتا ہے یا نہیناگر کوئی غالب آجائے تو معجزہ معجزہ نہیں ہوسکتا جیسے حضرت موسی ٰ علیہ السلام کا معجزہ فرعون کے جادوگر جس کے مقابلہ پر آگئے تھے اور انھوں نے دیکھ لیا کہ وہ سب مغلوب اور بے بس ہیں ۔یہ سب اس بات کی نشانی ہے کہ یہ انسان کا کام نہینہے بلکہ انسان کے بس سے باہر ہے ۔

لہٰذا مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں : (معجزہ وہ غیرمعمو لی فعل ہے جو قدرت الہٰی کے پر تو میں انجام دیا جاتا ہے اور معجزہ کی دو علامتیں ہیں :

۱۔کسی سے سیکھ کر یا سکھاکر حاصل نہ ہوا ہو۔

۲۔ کسی بھی دوسری قوت سے مغلوب نہ ہو ۔

کچھ سوالوں کے جوابات

۱۔سوال : کیا معجزہ نبوت کے دعوے سے وابستہ ہے یا نہیں ؟

یہ انبیا ء علیہم السلام سے مخصوص نہیں ہے ،انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے افراد بھی معجزہ دکھلاسکتے ہیں؟ یقینا ہم اس موضوع پر بعد میں تفصیلی بحث کریں گے لیکن یہاں اجمالی طور پر اتنا عرض کردینا چاہتے ہیں کہ معجزہ کے لئے دو اصطلاحیں ہیں : اگر چہ لفظ معجزہ قرآنی اصطلا حوں میں سے نہیں ہے بلکہ معجزہ کا لفظ علما ئے اصول دین کے درمیان رائج رہا ہے لیکن انکے درمیان بھی معجزہ کے لئے دو اصطلا حیں رائج رہی ہیں۔

۱۔معجزہ کی وہ شکل جو خاص معنی میں ا نبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے اور نبوّت کے دعوے سے وابستہ ہے ۔

۲۔معجزہ کی وہ شکل جو عام معنی میں ہے اور جس کی ہم ائمہ علیہم السلام کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ وہ اگرچہ پیغمبر نہیں تھے لیکن وہ خدا کی اجا زت سے معجزے انجام دیا کر تے تھے۔

ظاہر ہے کہ غیر نبی کی طرف سے معجزہ کی نسبت ادّعا ئے نبوّت کے ساتھ برابر نہیں ہے اس بناء پر جب ہم معجزہ کو نبوّت کی دلیل کے عنوان سے پیش کر تے ہیں تو اس کی خاص اصطلا ح مدّ نظر ہو تی ہے یعنی جو کچھ پیغمبر اپنی نبوّت کی دلیل کے عنوان سے پیش کر تا ہے اور جب ہم اس کو غیر انبیاء سے منسوب کرتے ہیں تو اس کے عام معنی مراد ہو تے ہیں یعنی ہر وہ غیر معمو لی کام جو قدرت الٰہی کے پر تو میں (الٰہی منصب) نبوّت یا امامت کو ثابت کر نے کے لئے انجام دیا جاتا ہے چا ہے وہ فعل کسی نبی کے ذریعہ انجام پائے یا کسی غیر نبی کے ذریعہ انجام دیا جائے ۔

۲۔کیامعجزہ عقلی طور پر ممکن ہے یا نہیں ؟

کچھ افراد کہتے ہیں کہ معجزہ عقلی طور پر ممکن نہیں ہے کیو نکہ یہ قانو ن علیت کے خلا ف ہے یعنی یہ مسئلہ دوچیزوں میں منحصر ہو جاتا ہے کہ یا تو ہم قانو ن علّیت کو تسلیم کریں اور معجزہ کا انکار کر دیں یا معجزہ کو قبو ل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کریں اور قانون علیت کو تسلیم نہ کریں ۔یہ افراد کہتے ہینکہ قانون علیت کو تسلیم کر نے کا مطلب یہ ہے کہ ہر معلو ل کی مخصوص علّت ہوتی ہے جو اس کے وجو د یا ظہور کا سر چشمہ قرار پاتی ہے مثلاً حرارت کا سر چشمہ آگ ہے ۔اس بناء پر یہ کہنا درست نہیں ہو گا کہ حرارت یا (گرمی) برف سے پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح گھاس کا اگنا ،خود زندگی کا وجود ، انسان کا زندہ ہونا ،مرنا ، بیمار ہونا اور شفا پانا ان تمام عوارض یا معلو لوں کا سر چشمہ ان کی مخصوص علّتیں ہو تی ہیں ۔اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ کوئی چیز علت و معلول کے اس قانون کے بغیر وجود پاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہو ا کہ ہم قا نو نِ علّیت کو تسلیم نہ کریں اس سلسلہ میں سادہ اندیشی کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں جو بحث کے قابل نہیں ہیں ۔مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ ایک استثنائی مسئلہ ہے یعنی ہم قانون علیت کو قبول کرتے ہیں لیکن یہ اس سے آزاد اور مستثنیٰ ہے یہ ایک عامیانہ سی بات ہے کیونکہ اگر قانون علیت ایک عقلی قانون ہے تو اس میں استثناء کا سوال نہیں پیدا ہوتا ۔اس لئے ہم اس طرح کے جوابوں سے قطع نظر کرتے ہیں ۔ ان جوابات کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے ۔

پس معترض کا کہنا یہ ہے کہ آپ نے جو معجزہ کی تعریف کی ہے اس سے قانون علیت کا ٹوٹنا لازم آتا ہے اور قانون علیت کا ٹوٹ جانا اس کے معتبر نہ ہونے کے برابر ہے یعنی اگر ایک جگہ بھی استثنا ء یا جدا گا نہ مسئلہ کی بات کی گئی تو اس سے ثابت ہوگا کہ علیت و معلولیت کا وجود ضروری ہی نہیں ہے جبکہ قانون علیت کے کچھ فروعات ہیں (اور منجملہ ان کے ایک فرع کا لازم و ضروری ہونا بھی ہے) یعنی کسی معلول کا اپنی علت تامّہ کے بغیر متحقق ہونا محال ہے تو اب آپ جو کہتے ہیں کہ ایک جگہ آگ گلزار بن گئی یعنی بغیر پانی کے آگ بجھ گئی اور آگ کی جگہ بغیر بیج ڈالے گلستان تیار ہوگیا تو اس کا مطلوب یہ ہوگا کہ قانون علیت ٹوٹ گیا اور آگ کے اندر سے بھی پھولوں کا کھلنا ممکن ہے اور اس سے قانون علّیت سے کسی مسئلہ کے استثناء کا مطلوب قانون علّت کی ضرورت کا انکار ہے۔یعنی اپنی علّت تامّہ کے بغیر پھول کھل اٹھیں یا دوسری جانب آگ کی علّت تامّہ جلا ناہے لیکن وہ نہیں جلاتی یعنی وہ اپنی علت تامّہ سے منفک (جدا)ہوجاتی ہے ۔اس کا صاف سا مطلب قانون علّیت کا انکار ہے ۔

شاید اسی وجہ سے (اشاعرہ)نے قانون علّیت کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا :(جس چیز کو ہم علّت سمجھتے ہیں۔خدا کی سنّت ہے ہم یہ جو دیکھتے ہیں کہ چراغ کے جلتے ہی کمرہ میں روشنی ہوجاتی ہے تو چراغ جلنے اور کمرہ میں روشنی ہونے کے درمیان کسی طرح کا رابطہ نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی سنّت ہے جو اس طور پر جاری ہے کہ جب آپ چراغ جلائیں گے توکمرہ میں روشنی کرے گا)لہٰذا معجزات اور غیر معمو لی امور کے بارے میں اشاعرہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں :کسی طرح کی علّیت کا وجود نہیں ہے بلکہ ایک فعل خدا کی سنّت کے خلاف انجام پایا ہے اور خلاف سنت کام انجام پا نا محال نہیں ہے ،اب تک خدا کی سنت رہی ہے کہ اس طرح کی رفتار اپنا ئے لیکن بعض مواقع پر وہ سنّت کے خلا ف بھی عمل کر تا ہے ۔

بنا بر این اشا عرہ نے اس اعتراض کے جواب میں اس قضیہ کی دو شقو ں میں سے ایک شق کو قبول کر لیا اور وہ علیت حقیقی کا انکار ہے ۔ان کے مقابل کچھ افراد قانون علیت کو قبول کر تے ہیں اور معجزات کا انکار کر تے ہیں یعنی قرآن میں بیان ہو نے والے معجزات کی مختلف طریقو ں سے تا ویل کیا کر تے ہیں (چنانچہ مختلف بحثو ں کے ضمن میں ہم نے ان کے طریقۂ کار کے با رے میں اشارہ کیا ہے)مثال کے طور پر انھو ں نے بنی اسرائیل کے دریا سے پار ہو جا نے کی دریا ئے نیل کے جزر و مد سے تاویل کی ہے اور اسی طرح سے دوسری چیزیں بھی بیان کی ہیں ان لوگوں نے بھی ان دو شقو ں میں سے اس کو قبول کیا ہے کہ معجزہ کو ئی چیز نہیں ہے اور قرآ ن کر یم میں جو کچھ اس بارے میں بیان ہوا ہے وہ مجاز اور استعا رہ کے طور پر بیان ہوا ہے اور معجزہ کا عقیدہ رکھنا در اصل خرا فات ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

صحیح جواب کیا ہے؟!

صحیح جواب یہ ہے کہ قانون علیت اپنی جگہ باقی ہے اور استثناء کی بھی گنجائش نہیں ہے ۔معجزہ بھی ایک ایسی حقیقت ہے جو قانون علیت سے منافات نہیں رکھتا اس کو یوں سمجھئے :

قرآن (جیسا کہ ہم نے توحید کی بحث میں بیان کیا ہے)قانون علیت کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے ۔ اس طور پر کہ نہ تو دو سری چیزوں کے طول میں خدا کی فاعلیت کا انکار کرتا اور نہ ہی اس سے معجزات اور خلا ف عادی افعال کی نفی لا زم آتی ۔ہم یہاں مجمل طور پر اشارہ کر دیں کہ قانون علیت کے دو معنی ہیں :

۱۔کو ئی بھی معلول علت کے بغیر وجود میں نہیں آتا ہر معلول علت کا محتاج ہے۔قدر متیقن علت فاعلی کا محتاج ہو تا ہے اور اگر معلول مادی ہو تو علت ما دی اور صوری کا بھی محتاج ہے اور اگر کام کر نے والا کو ئی حکیم ہے تو علت غائی بھی ضروری ہے۔بہر حال بحث علت فاعلی سے ہے اور ہر معلول کے لئے علت فاعلی ضرو ری ہے اس قانون کو کو ئی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

توڑ نہیں سکتا اس کے ایک بدیہی معنی ہیں کہ اگر ایک چیز اپنے آ پ وجود میں نہیں آ تی تو لا محالہ کسی اور نے اس کو وجود بخشا ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام چیزیں عام اسباب یا علتو ں کے ذریعہ ہی وجود پا ئیں بلکہ یہ قا نون صرف اتنا کہتا ہے کہ ہم ہر معلول کے لئے ایک علّت کے قا ئل ہو ں اور اسی طریقہ سے ہم اس پو ری دنیا کے وجو د سے خدا کے وجو د کا یقین حاصل کر تے ہیں ۔علیّت خدا اس لئے ہے کہ دنیا معلول ہے دنیا کا وجود محتاج ہے اور بغیر علّت کے وجود نہیں پا سکتا ۔

۲۔قانون علیت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم معلول کی ایک خاص علت بیان کر یں کہ اس معلول کے وجود کے لئے اس علت کا ہونا حتمی اور ضروری ہے یقینا کلی طور پر علت ومعلول کے درمیان سنخیت پائی جاتی ہے لیکن عقل بغیر تجربہ کے کبھی بھی ایک وجود کے لئے کوئی ایک ایسی علت مقرر نہیں کرسکتی کہ جس پر وہ وجود منحصر ہوعام طور پر اشیاء کی مخصوص علتیں تجربوں کے ذریعہ معین کی جاتی ہیں ۔

عام طور پر اس لئے کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کوئی غیب کے ذریعہ سمجھ لے)اور تجربہ بھی کسی وجود کی مخصوص منحصر علت کو ہرگز تمام زمانوں میں ہر جگہ ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ انسان کا تجربہ محدود ہے ہم سیکڑوں اور ہزاروں تجربے بھی کر ڈالیں تب بھی عقل کہتی ہے کہ ممکن ہے یہ وجود کسی اور ایسے طریقہ سے بھی حاصل ہوجائے کہ جس کا علم ہم نہیں رکھتے شاید ہزاروں سال تک انسان یہ سوچتا رہا کہ حرارت آگ کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتی اور شاید آگ کے کشف ہونے سے پہلے وہ اس فکرمیں رہا ہو کہ آ فتاب کے علا وہ کسی اور چیز سے حرارت حاصل نہیں ہوسکتی لیکن جب آگ کا انکشاف ہوا تو معلوم ہوا کہ اس سے بھی حرارت حاصل ہو تی ہے اور آج دوسرے متعدد طریقو ں سے حرارت پیدا کی جا رہی ہے۔بہت سے کیمیائی عمل ورد عمل سے حرارت پیدا کر دیتے ہیں ۔ دو چیزوں کے ٹکرا نے یا رگڑ نے یا حر کت دینے سے حرارت پیدا ہو تی ہے اور ممکن ہے اس کے علاوہ دوسرے طریقہ سے بھی حرارت پیدا ہو تی ہو جس کوہم نہیں جا نتے۔معلو م ہوا تجر بہ کبھی بھی ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے علت منحصرہ کا اثبات نہیں کر تا ۔اب اگر لوگ خیال کر تے ہوں کہ ایک فرشتہ کے وجود کی ایک مخصوص علّت ہے اور پھر اسکی کو ئی اور نئی علّت معلو م ہو جائے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قا نون علّیت ٹوٹ گیا ؟ایک وجود کے لئے کو ئی نہ کوئی علّت ہو نے کا قا نون تو بدیہی تھا لیکن کسی مخصوص علّت کی نشاندہی نہیں کر رہا تھا ۔صرف اتنا بتا رہا تھا کہ کوئی معلول بغیر علّت کے وجود میں نہیں آسکتا لیکن وہ علّت کیا ہے قا نو ن علّیت نے نہیں بتا یا تھا ؟جب ایک نئی علّت پتہ چلی تو ہم سمجھ گئے کہ پہلے والی علّت (علّت منحصرہ) نہیں تھی بلکہ اس معلول کے لئے اس علّت کی جگہ اُس علّت سے بھی استفا دہ کیا جا سکتا ہے ۔

اب اگرہم یہ تسلیم کر لیں کہ بیمار ہمیشہ دوا کھا نے سے ہی صحتیاب نہیں ہوتا بلکہ اس کے دوسرے طریقہ بھی ہو سکتے ہیں تو اس سے قانو ن علّیت نہیں ٹوٹتا ۔ایک بے جان پیکر کے جاندار جسم میں بدلنے کا ایک فطری طریقہ یہ ہے کہ وہ جاندار کے جسم کا حصّہ بن جا ئے اور نطفہ یا بیج کی شکل اختیار کرے اور پھر ایک جاندار میں تبدیل ہو جائے ۔ اب اگر کو ئی اور طریقہ بھی ہو کہ جس سے ایک بیجان وجود جاندار میں تبدیل ہو جائے تو اس سے قا نون علیت نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کوایک نئی علّت کا انکشاف کہا جا ئے گا ایسی صورت میں نئی علّت کی دو صو رتیں ہیں :ایک تو یہ کہ وہ علّت علمی انکشافات کی ما نند صرف مادی ہو جو مثلاًآواز اور تصویر کی منتقلی کے طریقوں کی صورت میں رو نما ہوا کر تی ہے اور ہر ایک اس سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔یہ وہ مادی اور قدرتی علّتیں ہیں جن کا علم پہلے نہیں تھا اور اب ان کی شناخت ہو ئی ہے لیکن کبھی کبھی علّتیں تحصیل کے قابل ہو تی ہیں اور کچھ لوگ ان کو حاصل بھی کر لیتے ہیں لیکن وہ علّتیں مادّ ی علّتو ں کے مثل نہیں ہوتیں ۔جیسے وہ نفسانی قوّتیں جو اہل ریاضت حاصل کر تے ہیں وہ بھی عالم ما دیّت میں ایک وجو د کی پیدائش کے لئے ایک علّت اور سبب ہے لیکن خود علّت کو ئی مادی وجود نہیں رکھتی بلکہ ایک غیر مر ئی نفسیاتی عمل ہے اور اس سے بھی قا نو ن علّیت کا ٹوٹنا لا زم نہیں آ تا بلکہ ایک نئی علّت کا انکشاف ہے ۔ہاں بس ایک مادی وجود کے لئے ایک غیر مادی علّت ہے ۔ ان سب سے بالا تر ایک معنوی علّت ہے جو قابل تحصیل اور سیکھنے سکھا نے کی چیز نہیں ہے بلکہ خالص الٰہی عطیہ ہے وہ بھی ایک طرح کی علت ہی ہے چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک پیغمبر نے مردہ کو زندہ کردیا تو اس کا مطلب ہے کہ خداوند عالم نے ایک قوت اس پیغمبر کو عطا کی تھی اور پیغمبر نے خدا کے اذن سے اس قدرت کا استعمال کیا تھا یہی قدرت ایک علت ہے کیو نکہ ایک نئی چیز کے وجود ،مردہ کے زندہ ہونے اور مریض کے صحتیاب ہونے میں موثر ہوئی ہے ۔

پیغمبر نے خداوند عالم کی عطا کردہ اس نفسانی قوت کااستعمال کیا ہے جو خدا نے اس کو عطا کی ہے لیکن وہ سیکھنے سکھانے کی چیز نہیں ہے اور نہ ہی دوسروں کی اس تک رسائی ہوسکتی ہے لیکن بہر حال وہ ایک علت ہے لہٰذا خلاصئہ جواب یہ ہوا :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معجزہ کا تسلیم کرنا قانون علیت کا نقض نہیں ہے بلکہ مادی موجودات کے لئے ایسی علت کا تسلیم کرنا ہے جو مادی علتوں کی جنس سے نہیں ہے بلکہ ایک معنوی علت ہے جو پروردگار نے اپنے لطف کے تحت عطیہ کے طور پر پیغمبر کی ذات میں ودیعت کی ہے اور وہ قابل تعلیم و تعلم بھی نہیں ہے ۔

۳۔کیا انبیاء علیہم السلام کا صاحب اعجاز ہونا ضروری ہے ؟
یہ بات تو واضح ہوگئی کہ معجزہ کسے کہتے ہیں اور یہ کہ معجزہ قانون علیت سے کوئی تنا قض نہیں رکھتا اور اعجاز آمیز امور کا ظہورمحال نہیں ہے نہ محال ذاتی ہے اور نہ محال وقوعی، محال ذاتی اس لئے نہیں ہے کہ اس فرض سے تنا قض لازم نہیں آتا اور محال وقوعی اس لئے نہیں ہے کہ اس کی علت کا متحقق ہونا ممکن ہے چنانچہ معجزہ کے فرض کرنے کا مطلب کسی علت کے بغیر معلول کا فرض کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسے معلول کے وجود کو ہم نے تسلیم کیا ہے کہ جس کی علت سے ہم واقف نہیں ہیں اور یہ عقلا محال نہیں ہے ۔
اب سوال پیش آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا صاحب اعجاز ہونا ضروری ہے یا نہیں ؟اگر خدا تمام انبیاء کو معجزہ کے بغیر ہی بھیج دیتا تو نہ کوئی اعتراض کرتا اور نہ ہی الہٰی غرض فوت ہوتی اور نہ ہی حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ۔
جی ہاں بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ جب انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق ہے اور ان کی تعلیمات انسان کی عقل اور فطرت کے موافق ہے تو ایسی صورت میں جیسے ہی وہ لوگوں کے درمیان سے مبعوث کئے گئے اور انھوں نے حق باتیں بیان کیں لوگوں کو قبول کرلیناچاہئے اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کہ لوگ محسوس کریں کہ یہ باتیں غیب کے ذریعہ غیر معمولی ذرائع سے پہنچی ہیں۔فرض کیجئے کہ کوئی شخص پیغمبر کی نبوت پر اعتقادنہیں رکھتا لیکن اس کی تعلیمات کے مطالب کو تسلیم کر تا ہے ۔
پیغمبر کہتا ہے : سچ بو لو
وہ کہتا ہے : ہاں سچ بو لنا اچھی بات ہے ہم یہ بسر و چشم قبو ل کر تے ہیں ہمیشہ سچ بو لیں گے۔
پیغمبر نے کہا : اپنی لڑ کیوں کو قتل نہ کرو ۔
وہ کہتا ہے :ہاں صحیح ہے ۔اپنے بچو ں کو قتل نہیں کر نا چا ہئے ۔
پیغمبر کہتا ہے : خدا کے سا منے سر جھکا ئو ۔
وہ کہتا ہے : با لکل ٹھیک ہے ۔خدا وند عالم نے ہم سب کو پیدا کیا ہے اس کے بدلے ہم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے ہم اس کی پرستش کر نے کو تیار ہیں ۔
پیغمبر نے کہا :روزہ رکھو ۔
وہ کہتا ہے :ہاں روزہ صحت و تند رستی کے لئے مفید ہے ۔پوری رضا و رغبت کے ساتھ ہم روزہ رکھیں گے ۔
بنا بر این چونکہ انبیاء علیہم السلام کے تمام دستو رات و احکامات عقل اور فطرت کے مطابق ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر تے ہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام کو لو گو ں کے سامنے غیر معمو لی افعال انجام دینے کی ضرور ت کیا ہے ؟
گویا معترض یہ کہنا چا ہتا ہے کہ با لفرض معجزہ کا امکان پایا بھی جاتا ہو تو اس کی ضرورت کیا ہے؟ معجزہ ممکن ہونے کی صورت میں خدا نے کسی کو معجزہ دیدیا ہوتو یہ اس پر خداوند عالم کا فضل واحسان ہے ورنہ اتمام حجت معجزہ پر موقوف نہیں ہے ۔
جواب : اس طرح سے سوچنا صحیح نہیں ہے کیو نکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ا نبیاء علیہم السلام کی دعوت عقل وفطرت کے موافق ہے لیکن کیا تمام انسان تمام صورتوں میں اس مطابقت کو سمجھتے یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ؟ اگر تمام صورتوں میں تمام انسان اس قدر آسانی سے عقل وفطرت کی تعلیمات کو سمجھ لیا کرتے تو پھر پیغمبر کو مبعوث کر نے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی لوگوں کی ہدایت کے لئے عقل ہی کافی ہوتی ہاں کچھ کلیات ہیں مستقلات عقلیہ جو عقل کے نزدیک مسلمات میں شمار ہوتے ہیں اور اس سے ملتی جلتی چیزیں موجود ہیں جن کو آسان دلیلوں کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے اور کسی حدتک عقل درک کرتی ہے جیسے :
(وَزِ نُوْا بِالْقِسْطَا سِ الْمُسْتَقِيْمِ ذَ الِکَ خَيْرٌوَاَحْسَنُ تَاوِيْلاً)
"اور جب کچھ بیچنا ہوتو بالکل صحیح ترازو سے تو لا کرو (ہر گز کم نہ تولنا)یہی(طریقہ)بہتر ہے اورانجام (بھی اسکا)اچھا ہے" ۔
اس کو توتمام لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ تبلیغ میں سب کچھ اس کے مثل نہیں ہے در اصل نبیونکو مبعوث کر نے کی ضرورت بھی اس لئے پیش آئی کہ جن چیزوں کو عقل نہیں سمجھتی انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کو انسانوں کو سمجھائیں اللہ کے احکام کا فطرت کے مطابق ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام انسان اس مطابقت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو خود درک کر لیں گے مثال کے طور پرکیا تمام لوگ بذات خودیہ سمجھ سکتے ہیں کہ صبح کی نماز دو رکعت کیوں ہے ؟نہیں ایسا نہیں ہے اگر ہم ساٹھ سال تک بھی اپنے ذہن پر زور ڈالتے رہیں آخر تک ہم نہیں سمجھ سکتے کہ صبح کی نماز کیوں دو رکعت ہے ؟ اور کس دلیل کے تحت صبح کی تین رکعت نماز پڑھنا باطل ہے ؟اور اس کے بر عکس مغرب کی نماز تین رکعت کیوں ہے ؟ اس چیز کو عقل نہیں سمجھ سکتی اس بنا پر انبیاء علیہم السلام کی ہر بات کو تمام لوگ عقلی طور پر نہیں سمجھ سکتے لہٰذا ان کو لا محالہ حکم خدا کے طور پر سمجھنا ہوگا انبیاء علیہم السلام کی دعوت تبلیغ میں بہت سی باتیں جو سمائی ہوئی ہیں اسی طرح کی ہیناور انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کی اصل ضرورت یہی تھی کہ جن چیزوں کو لوگوں کی عقل درک نہیں کرتی وہ آکر ان کو سمجھائیں۔اس طرح کی چیزوں کو تمام لوگ اپنی عقل کی روشنی میں کیسے تسلیم کرسکتے ہیں؟ ہاں ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کے ہماری عقل اس چیز کومحسوس کرتی ہے کہ اگر اس نے انبیاء علیہم السلام کے حکم پر عمل کیا تو اس کے بدلے میں جو انھوں نے وعدہ کئے ہیں اور ثواب وعذاب کے جو احتمالات ہیں ان میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے لیکن احتیاط کا مسئلہ اس سے الگ ہے کہ عقل اس کے وجود کو اس طر ح سمجھ لے کہ صحیح معنی میں اس کے لئے حجت تمام ہوجائے کہ اگر یہ کام انجام نہ دیا تو یقینا مواخذہ کیا جائے گا اس کو عقل نہیں سمجھ سکتی ۔

بنا بر این تمام لوگوں پر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ خدا کی حجت تمام ہو جانے کے لئے خدا کی ایک ایسی نشانی کا ہونا ضروری ہے اگر وہ نشانی نہ ہو تو تمام لوگوں پر خدا کی حجت تمام نہ ہو۔کیونکہ بہت سے مسائل ایسے ہینکہ جن کا صحیح ہونا عقل بشر درک نہیں کرسکتی اور اس کے لئے خدا کی حجت تمام نہیں ہوتی ۔

نتیجہ کے طور پرانبیاء علیہم السلام کی تمام دعوت ِتبلیغ لوگوں کے لئے ثابت اور لازم ہونے اور ان پر حجت تمام ہوجانے کے لئے ضروری ہے کہ پیغمبر کی نبوت کووہ سمجھ لیں اور پیغمبر کوسمجھنا اس چیز پر موقوف ہے کہ ان کے پاس نبوت کی کوئی نشانی ہو اور وہ نشانی خداکی طرف سے ہو جو عام طور پر لو گوں میں نظر نہ آتی ہو۔جب لوگ پیغمبر کے پاس اس طرح کی کسی نشانی کا مشاہدہ کریں گے تو فو راً سمجھ جائیں گے کہ جس وحی کا یہ پیغمبر ادّعا کررہا ہے و ہ بھی خدا کی طرف سے ہی ہو جیسے تمام عقلا ء اپنی زندگی میں اپنی نشانیاں کام میں لاتے ہیں ۔اگر کو ئی شخص آپ کے پاس آکر یہ کہے کہ (میں آپ کے پاس فلاں شخص کا یہ پیغام لیکر حاضر ہوا ہوں کہ آپ فلاں چیز مجھکو دیدیجئے) توآپ اس سے یہی سوا ل کریں گے کہ :آپ کے پاس فلاں شخص کے پاس سے آنے کا کیا ثبوت ہے ؟

اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا کو ئی خط یا کو ئی نشانی ہونا چاہئے یا وہ کوئی ایسی چیز جانتا ہو جسکا اس شخص کے علاوہ او ر کسی کو علم نہ ہو یا اس پیغام رساں کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز ہو جو فلاں شخص سے مخصوص ہو اگر اس طرح کا کو ئی ثبوت پیغام بر کے پاس مل جا ئے تو ظاہر ہے کہ اس کا فلاں شخص سے رابطہ ثابت ہو جا ئیگا ۔ بہر حال نشانی طلب کرنے کا مقصد پیغام کی صداقت کا پتہ چلا نا ہے لیکن اگر پیغام بر کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو تو پیغام رساں کے پیغام کو قبول کر نا لازم نہیں ہے حتی کہ اگر آ پ نے امانت اس کے سپر د کر دی تو خود اس کے ذمہ دار ہو ں گے ۔خدا جب پیغمبر کو لو گوں کے در میان مبعوث کر تا ہے تو وہ لو گوں سے جان، مال ،افکار ،عقائد اور ایک لفظ میں پوری ہستی کا طالب ہو تا ہے ۔ یہ سب خدا کے اموال ہیں جو انسانو ں کے پاس امانت کے طور پر ہیں اب اگر کو ئی شخص آ کر یہ کہے کہ یہ سب کچھ مجھے دیدو اپنی جان فلاں جگہ قر بان کر دو اپنا مال فلا ں جگہ خرچ کر دو کیو نکہ یہ سب خدا کی امانتیں ہیں تو جب تک ہم یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ شخص خدا کا پیغمبر ہے ہم اس کو یہ چیزیں دینے کا حق نہیں رکھتے ۔ اسی لئے نبی کے پاس کو ئی الٰہی نشانی ہو نا چاہئے اور یہ ایک فطری امر بھی ہے اور اسی لئے قر آ ن کریم میں بہت سی قو موں سے نقل ہوا ہے کہ جب ان کے در میان انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جا تے تھے تو وہ ان سے نبوّت کی نشانی کا مطالبہ کیا کرتے تھے :

(فَأْتِ بِآيَةٍإِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ)(١)

"اگر آ پ سچّے ہیں اور خد ا کے نبی ہیں تو آ پ کے پاس کو ئی نشا نی ہو نا چا ہئے "۔

اس بنا ء پر انبیاء علیہم السلام کا صاحب اعجاز ہو نا ضرو ری ہے 'جب تک ان کے پاس نبوّت کی نشانی نہ ہواسوقت تک لوگونپرحجت تمام نہیںہوسکتی ؟

٤۔ اب سوال یہ ہے کہ: کیا تمام انبیاء علیہم السلام صاحب معجزہ تھے یا معجزہ بعض انبیاء علیہم السلام سے مخصوص تھا ؟

تو یہ سوال پیش آتا ہے کہ پھر تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ِتبلیغ کیسے قابل تسلیم ہو گی اور لو گو ں پر کیسے حجت تمام ہوگی؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہمیں ان سوالات کا کہیں عقلی اعتبا ر سے اور کہیں قرآ ن کریم کی آ یات کی روشنی میں جا ئزہ لینا چا ہئے ۔
ابتک ہماری بحث عقلی تھی ۔ہم اجمالی طور پر پہلے عرض کئے دیتے ہیں کہ کوئی ایسی آ یت کہ جس میں صاف طور پر یہ بیان کیا گیا ہو کہ ہر پیغمبر صاحب معجزہ تھا ہم کو قرآ ن ِکریم میں نہیں مل سکی اس صورت میں یہ سوال پیدا ہو تا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام صا حب اعجاز نہیں تھے اس لئے کہ (دلیل کا نہ ملنا وجود کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے) ۲٤ یا ۲۵ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بقیہ انبیاء علیہم السلام کے نام کا قرآن میں کوئی تذکرہ نہیں ہے جبکہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں تو بقیہ انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی کا قرآن میں ذکر کیوں نہیںآیا ؟اس سے بڑھکر یہ کہ قرآن کریم میں جن انبیاء کا ذکر ہے ان کی تمام خصوصیات کا بیان ہوا ہو، لازم نہیں ہے ۔کچھ کو صاحب ِمعجزہ کہا ہے اور کچھ کے بارے میں صاحبِ اعجاز ہونے کا بیان نہیں ہے ۔ معلوم ہوا کہ صرف قرآن کا بیان نہ کرنا ان کے صاحب معجزہ نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ عقلی طور پر ہر پیغمبر کا صاحب اعجا ز ہو نا ثابت کرسکتے ہیں ؟ یا نہیں ۔ ممکن ہے، کچھ انبیاء علیہم السلام صاحب معجزہ نہ ہوں اور اس میں عقلی طو ر پر کو ئی حرج بھی نہ ہو ، نبوّت کی ضرو رت پر ہما ری دلیل یہ تھی کہ اگر معجزہ نہ ہو گا تولو گو ں پر حجت تمام نہیں ہو گی۔یہ دلیل آیا تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے یا نہیں ؟ فرض کیجئے کہ ایک نبی آ یا اور معجزہ بھی ساتھ لا یا اور ثابت ہو گیا کہ وہ نبی ہے اب اپنے بعد وا لے پیغمبر کا وہ تعا رف کر ائے اور کہے کہ میں دنیا سے جا نے والا ہوں میرے بعد فلاں شخص نبی ہے، توکیا اس آنے والے

.....

۱سو رئہ شعراء آیت ۱۵٤۔

پیغمبر کے لئے بھی معجزہ پیش کر نے کی ضرو رت ہے؟ بظاہر اس کو معجزہ دکھا نے کی کو ئی ضرورت نہیں کیو نکہ جس طرح اس سے پہلے نبی کی نبوّت ثابت ہو ئی تھی جو کچھ بھی وہ خدا کی طرف سے بھیجے جا نے کا ادّ عا کرے گا اس کا صحیح ہو نا ثابت ہو گا اگر نبی ہو نا، جو کچھ اس پر وحی ہو ئی ہے خدا کی طرف سے قبول کئے بغیر ہو تو معجزہ کا کو ئی فائدہ نہ ہوگا۔اس لئے کہ معجزہ جو کچھ خدا وند عالم نے اس پر نازل کیاہے اس کی حقّانیت کی نشانی کے طور پر ہی پیش کیا جاتا ہے (اب اگر فرض کیجئے کہ بعض چیزیں وہ اپنی طرف سے بیان کر تا ہے تو ان کا اتّباع ضرو ری ہے یا نہیں؟ یہ دوسرا مسئلہ ہے لیکن اس حد تک یقینی ہے کہ جو با تیں وہ خدا کی طرف سے ہو نے کا ادّ عا کر رہا ہے ان کو تسلیم کرنا چاہئے اور حجت تمام ہے ور نہ ہر لفظ کے لئے تو معجزہ پیش نہیں کیا جا سکتا ۔مثال کے طور پر اگر ایک پیغمبر خدا کی طرف سے معجزے لیکر آئے اور وہ یہ اعلان کرے کہ میں خدا کی طرف سے تمہا رے درمیان بھیجا گیا ہوں اور لوگ بھی سمجھ جائیں کہ اس کا خداوند عالم سے ارتباط ہے تو اس صورت میں اگر وہ پیغمبر اگلے دن کہتا ہے کہ فلاں حکم خدا کی طرف سے نا زل ہو ا ہے تو اس کو مان لینا چاہئے اب ہر حکم کے لئے تو وہ معجزہ پیش نہیں کرے گا اسی طرح اگر اپنے بعد خدا کی طر ف سے آ نے والے کسی پیغمبر کا تعارف کرائے تو کیا عقل کی رو سے بعد میں آ نے والے پیغمبر کا بھی صاحب معجزہ ہو نا ضرو ری ہے ؟
معلوم ہو ا کہ بعض حالات میں بغیر معجزہ کے بھی لو گو ں کے لئے حجت تمام ہو جانا ممکن ہے اگرچہ یہ حجت بھی در اصل کسی سابقہ معجزہ پر ہی قا ئم ہے کیو نکہ اس سے پہلے کے نبی کی نبوّت معجزہ کے ذریعہ ثابت تھی اور اسی کے توسّط سے دو سرے انبیاء علیہم السلام کی نبوّت کا اثبات ممکن ہوا ہے یا ایک ہی وقت میں کئی انبیاء علیہم السلام ہی ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا صا حب معجزہ ہو نا کا فی ہے اب وہی اگر دو سرے انبیاء علیہم السلام کی بھی تصدیق فرمادے تو ان کی نبوّ ت ثابت ہو جا ئیگی ۔ حضرت لو ط اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ایک ہی زمانہ میں تھے اور دونوں پیغمبر بھی تھے جب حضرت ابراہیم کی نبوّت ثابت ہو گئی اگر آ پ یہ فرما دیں کہ حضرت لو ط علیہ السلام بھی پیغمبر ہیں تو لو کوں پر حجت تمام ہوجائیگی اور الگ سے ان کو معجزہ دکھلا نے کی ضرورت نہ ہو گی ۔یا یہ آیت جس میں خدا فر ما تا ہے :
(اِ ذْاَرْسَلْنَا اِلَیْھِمُ اثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْ ھُمَا...)(۱)
"اس طرح کہ ہم نے دو رسو لوں کو بھیجا تو ان لو گوں نے جھٹلادیا "۔
توجیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ان دو آد میو ں کو حضرت عیسی بن مر یم نے بھیجا تھا چنانچہ حضرت عیسیٰ کی نبوّ ت ہی دلیل کے لئے کا فی تھی اور آ یت میں بھی یہ نہیں ہے کہ ان دو نوں نے کو ئی معجزہ پیش کیا ہو البتّہ یہ ان کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ یس آیت ۱٤۔

صاحب اعجاز نہ ہو نے کی دلیل نہیں ہے ۔ ممکن ہے وہ معجزہ لیکر آئے ہو ں لیکن آیت میں بیان نہ کیا گیا ہو لیکن اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوّت ثابت تھی اور آ پ ہی نے ان دونوں حضرات کا پیغمبر کے عنوان سے تعارف کرا یا تھا تو ان کی نبوّت بھی (کو ئی مخصوص معجزہ پیش کئے بغیر) ثابت ہو جا ئیگی اور لو گو ں پر حتی آئندہ نسلوں کے لئے بھی حجت تمام ہو جائیگی یعنی جب گزشتہ انبیاء علیہم السلام اپنے بعد آنے والے کسی نبی کا اس طرح تعارف کرا ئیں کہ مثلاًسو سال بعد ایک نبی آ ئیگا اور اس کی خصو صیات کو اس طرح بیان فر ما دیں کہ کسی شک و شبہ کی کو ئی گنجائش نہ رہ جائے تو کیا پھر بھی اس نبی کو معجزہ پیش کر نے کی کو ئی ضرو رت ہے ؟جی نہیں !اگر گزشتہ نبی کی نبوّت ثابت ہو چکی تھی اور جن افراد کے در میان اس کوبھیجا جا نا تھا ان تک یہ خبر پہنچ چکی تھی اور اس کے خصو صیات بھی اس طرح بیان کردئے گئے تھے کہ ان میں کسی شک و شبہ کی کو ئی گنجائش با قی نہ رہ گئی تھی تو پھر اس آ نے والے نبی کے لئے اپنی نبوّت کی دلیل میں معجزہ دکھلا نے کی ضرورت نہیں رہ جا ئیگی ہاں اگر وہ ان افراد کے درمیان بھیجا گیا ہو کہ جن پر گزشتہ نبی کی نبوّت ثابت نہ ہو اور اس کا معجزہ اور اس کی خبر ان تک نہ پہنچی ہو تو یہ لوگ معجزے کے مطالبہ کا حق رکھتے ہیں ، جیسا کہ حضرت مو سیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ نے حضرت محمّدمصطفےٰ ؐکے آنے کی خبر پہلے سے دیدی تھی۔چنانچہ قرآ ن کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐکی خصوصیات انھو ننے اس طرح بیان کر دی تھیں :

(یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبنائَھُمْ) (۱)

"وہ جس طرح اپنے بچو ں کو پہچانتے تھے (اسی طرح)وہ پیغمبر کو بھی جانتے اور پہچانتے تھے"۔

(وَکَانُوْامِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا)(۲)

"اور ان کے مبعوث ہو نے سے پہلے بشارت دیا کر تے تھے کہ یہ پیغمبر آنے والا ہے اور ہما رے دین کی تائید کر نے والا ہے "۔

تو کیا اس طرح کے لو گو ں کو حق ہے کہ وہ پیغمبر اسلا مؐکی نبوّت ثابت نہ ہو نے اور ان پر حجت تمام نہ ہو نے کی بات کریں ؟ ہاں جن لو گو ں کے لئے حضرت مو سیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوّت ثا بت نہیں تھی تو ظاہرہے حضرت رسو ل خدا کی نبوّت بھی ثابت نہیں ہو گی یا گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے جو بشارتیں دی تھیں ان تک نہ پہنچی ہو ں تو ان کے لئے حجت تمام نہ ہو گی ۔جہاں تک یہو دیو ں اور عیسا ئیوں کا سوال ہے (خاص طور پر جو آپ کے

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت۱٤٦۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت ۸۹۔

اوصاف سے پو ری وضاحت کے ساتھ آگاہ تھے) حجت تمام ہو چکی تھی اور نبی اکرمؐکو ان کے سامنے معجزہ پیش کر نے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

معلوم ہوا لو گو ں کے لئے کسی نبی کی نبوّ ت معجزہ کے بغیر بھی صرف دوسرے انبیا ء علیہم السلام کی بشارتو ں اور پیشین گو ئیوں کے ذریعہ ثابت ہو جا نا ممکن ہے۔لہٰذا ہر پیغمبر کے لئے یقینی طور پر معجزہ ہو نے پر کو ئی عقلی دلیل نہیں پائی جاتی ۔عقل صرف اتنا کہتی ہے کہ جہاں (تمام حجت معجزہ پر ہی مو قو ف ہو معجزہ کا پیش کر نا ضروری ہے لیکن اس کو تمام انبیا ء علیہم السلام کے لئے کلیہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معجزہ قرآن کی روشنی میں

ہم اس سے پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عقلی طور پر یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ لو گو ں پر حجت تمام کر نے کے لئے انبیا ء علیہم السلام کے پاس خدا کی طرف سے کو ئی نشانی ہو نی چاہئے اسی لئے کہتے ہیں کہ پیغمبر کے لئے صاحبِ معجزہ ہو نا ضروری ہے ،جب تک اتمام حجت معجزہ پر مو قوف ہو پیغمبر کا صاحبِ اعجاز ہو نا یقینا ضرو ری ہے لیکن اگر اتمام حجت معجزہ پر مو قو ف نہ ہو تو پھر معجزہ کی ضرورت پر کو ئی عقلی دلیل نہیں ہے لہٰذا اجمالی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء کوصاحبِ اعجاز ہو نا چا ہیے۔آئیے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ معجزہ کے با رے میں قر آن کیا فر ماتا ہے ؟

سب سے پہلی بات تو یہ کہ جس معنی میں ہم لفظ معجزہ کا استعمال کرتے ہیں قرآ ن میں استعمال نہیں ہوا ہے ، قرآ ن مینلفظ معجزہ یقینی طور پر کہیں نہیں آیا ہے لیکن اس سے ملتے جلتے الفاظ مثلاًلفظ (معجز) آیا ہے لیکن جس معنی میں ہم استعمال کرتے ہیں اس سے وہ معنی مراد نہیں، قرآن میں معجزہ کے بجائے کلمہ (آیت) استعمال ہوا ہے یعنی قرآن مینبہت سے مقامات پر کلمہ (آیت)سے مراد معجزہ ہے۔قرآنی مفہوم سے آشنائی اور لفظ (آیت) کے استعمال کی جگہ جاننے کے لئے کہ کن مقامات پر کلمہ (آیت)معجزہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ہم قرآن میں لفظ آیت کے استعمال کے با رے میں تھوڑی سی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں:

آیت

لغت مینآیت علامت پہچان اور نشانی کو کہتے ہینخواہ وہ نشانی قابلِ مشاہدہ ہو یعنی آنکھوں میں سما جانے والی ،پرُ کشش اور جاذب نظر ہو اور کسی بات کی علامت یا نشانی ہو خواہ وہ نشانی عقلی ہو۔قرآن کی زبان میں دنیا کے تمام موجودات االله کی نشا نیا ں ہیں۔یعنی ان کے بارے میں غور وفکر کرنے سے انسان خداوند عالم کی ذات اور اس کے صفات علم ، قد رت،حکمت اور عظمت وغیر ہ کی طرف متو جّہ ہوجاتا ہے اور ایک ذرا سی گہری نظر کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ ہر چیز کاوجود "آیت" ہے۔ کیونکہ وجود ایک رابطہ ہے اور اگر اس کوصحیح طور سے محسوس کیا جائے تو اس کے پرتو میں واجب الوجود خدا کا وجود مشاہدہ کیا جاسکتا ہے دوسرے لفظوں میں چونکہ تمام مخلوقات میں خدا کا جلوہ ہے جو لوگ باطنی بصیرت کے حامل ہیں اور جن کی نگاہوں میں معرفت کی روشنی ہے ان جلووں کے پس منظر میں متجلّی صاحبِ جلوہ کا دیدار کر سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے سب کی آنکھوں میں اتنا دم کہاں ہو سکتا ہے، حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

(مارأیتُ شیئاالا ورایت االله قبلہ)

" میں نے کوئی شئے نہیں دیکھی مگر یہ کہ اس سے پہلے االله کا نظارہ کرلیا " ۔

قرآن میں کلمہ آیت کے استعمال کے مقامات

آیت کے اس گہرے عرفانی مفہوم سے قطع نظر" آیت " کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ انسان اس کے بارے میں سو چتا ہے، اس میں ایک اور وجود کا مشاہدہ کرتا ہے کہ یہ اسی کی ایک نشانی ہے۔ قرآن کہتا ہے :

(وَکَأَیِّنْ مِّنْ آیَةٍ فِیْ السَّمٰوٰتِ وَا لْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَاوَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ)(۱)

"آسمانوں اور زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں جن سے یہ لوگ گذر تے ہیں اور ان سے منھ پھیر ے رہتے ہیں "۔

یعنی اگر ان موجودات میں ایک ایک کے بارے میں غوروفکر کریں تو خدا کے وجود اور اس کی صفات تک پہنچ جائینگے لیکن توجّہ نہیں کرتے، منھ موڑ کر گذر جاتے ہیں۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

(وَجَعَلْنَا السَّمَائَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آیَا تِهَا مُعْرِضُوْنَ)(۲)

"اور ہم ہی نے آسمان کوایک محفوظ چھت بنایا پھر بھی یہ (کافر)لوگ اس کی نشانیوں سے منھ پھیرے ہوئے ہیں)"۔

یعنی کائنات اور اس کی فضائوں میں پھیلی موجودات کے بارے میں غورو خوض نہیں کرتے کہ ا ن موجو دات کے پرتو میں ان کو پیدا کرنے اور قائم وباقی رکھنے والے پروردگار کو دیکھ سکیں اور اس کی معرفت حاصل کریں ۔

اسی طرح بہت سی آیات میں خداوند عالم نے کائنات کی موجو دات کا ذکر کیا ہے اور ان آیات کے ذیل میں

.....

۱۔سورئہ یوسف آیت ۱۰۵۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔سورئہ انبیاء آیت ۳۲۔

کہا ہے :
(اِ نَّ فِیْ ذَ ا لِکَ لَآ یَا تٍ لِقَوْ مٍ یَتَفَکَّرُ وْ نَ(،یعَ ْقِلُ ْون َ،یُوْ مِنُوْ نَ))
"یعنی اہل فکر،اہل عقل اور اہل ایمان کے لئے ان میں (االلہکی)نشانیاں ہیں "۔
لہٰذا اس معنی میں لفظ آیت کا تمام موجودات اور مخلوقاتِ خدا پر اطلاق ہوتا ہے ۔
کبھی قرآن نے ان میں سے موجودات کو خاص طور پر توجہ کا مرکز قرار دیا ہے اور لوگوں کوان پر غوروفکر کرنے کی دعوت دی ہے اور ان سے مخصوص نتائج نکالے اور پیش کئے ہیں چنانچہ سو رئہ یس میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَآیَۃ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَۃُ اَحْیَیْنَا ھَاوَاَخْرَجْنَاھَامِنْھَاحَبّاًفَمِنْہُ یَاکُلُوْنَ)(۱)
"او ر ہما ری قدر ت کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم مر دہ زمین زندہ کر دیتے اور اس سے دانہ اُگا تے ہینپس اسے یہ لوگ کھایا کر تے ہیں "۔
اسی سور ے کی ایک اور آیت میں ار شاد ہو تا ہے :
(وآیَۃ لَّھُمُ اللَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْہُ النَّھَارَ فَاِذَاھُمْ مُّظْلِمُوْنَ)(۲)
"اور ان کے لئے ایک اور دلیل رات ہے جس سے ہم دن (کا اُجالا) کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت یہ لوگ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں "۔
پھر ایک اور آیت میں خدا وند عالم ارشاد فر ماتا ہے:
(وَآیَۃ لَّھُمْ اَنَّاحَمَلْنَاذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ) (۳)
" اور ان کے لئے (میری قدرت کی)ایک اور دلیل یہ ہے کہ ان کے بچوں کو (انبار سے) لدی ہو ئی کشتی میں سوار کر دیا"
یا سورئہ روم میں مخصوص مو جو دات کو بنیاد قرار دیتے ہو ئے فر ماتا ہے :
(وَمن آیاتہ کَذَا ۰۰۰وَمن آیا تہ کَذَا ---) (٤)
.....

۱۔سورئہ یس آیت۳۳۔
۲۔سورئہ یس آیت ۳۷ ۔
۳۔سورئہ یس آیت۴۱۔
٤۔ سورئہ روم آیت۲۴،۲۱۔

وہ مو جو دات کہ جن کے با رے میں اگر انسان فکر کرے تو فو راً پر ور دگار عالم کی طرف متو جہ ہو جاتا ہے ۔ معلو م ہو ا کہ مندر جہ بالا تمام آیات میں جو لفظ "آیت " یا "آیات "کا استعمال ہوا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ کا ئنات کی یہ تمام مو جو دات خدا وند عالم کی نشاندہی کر تی ہیں یا یہ کہ وہ خدا کی نشانی ہیں ۔
"آیت "کے مصادیق میں آیات تشریعی (یعنی قرآنی آیات)کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اُن میں فرق نہیں ہے کیو نکہ دو نو ں کے ایک ہی معنی "نشانی "ہیں ۔جی ہا ں جو با تیں انبیا ء علیہم السلام پر خدا وند عالم کی جانب سے وحی کی صورت میں نازل ہو ئی ہیں ان کو بھی قر آن نے آیت کہا ہے اس لئے کہ کلام متکلم کی نشاند ہی کر تا ہے ۔کلا م کی خصو صیتیں متکلم کی خصو صیات بتا تی ہیں یہی وجہ ہے اس نے انبیاء علیہم السلام پر جو با تیں وحی فر ما ئی ہیں ان کو اپنی آیات کہا ہے ۔قرآن میں ارشاد خدا وندی ہے :
(ھُوَالّذی اَنزَلَ عَلَیکَ الکتَا بَ منہُ آیات مُّحکَمَات ھُنّ ّ اُمُّ الکتَابَ وَاُخَرُ مُتَشَابِھَا ت)(۱)
"(اے رسول)وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی اس میں کی بعض آیتیں محکما ت (صاف و صریح) ہیں جو تمام آیات کے لئے اصل و بنیا د ہیں او ر بقیہ (آیتیں) متشابہ ہیں "۔
ظاہر ہے یہاں آیت سے مراد موجو داتِ عالم نہیں ہیں بلکہ قر آ ن کریم کی یہی تلا وت کی جا نے والی آیات مراد ہیں ۔
سو رئہ بقرہ (آیت۲۵۲) اور سورئہ آل عمران(آیت ۱۰۸)میں اسی کی طرف اشارہ ہے:
(تِلْکَ آیَاتُ اللَّہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ) (۲)
"اے رسول) یہ خدا کی آ یتیں ہیں جو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلا وت کر رہے ہیں "۔
یہ آ یت مکمل طور پر دلا لت کر تی ہیں کہ (آیت) سے مراد کو ئی تلاوت کی جا نے وا لی چیز ہے اور ایسے بہت سے مقا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مات ہیں جہاں قرآ ن کے جملوں کو آیت کہا گیا ہے ۔ سو رئہ یو سف کی پہلی اور سو رئہ شعراء نیز سورئہ قصص کی دوسری آ یت میں آ یا ہے :
(تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْمُبِیْنِ)(۳)
.....

۱۔سورئہ آل عمران آیت ۷۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت ۲۵۲۔اورسورئہ آل عمران آیت۱۰۸۔
۳۔سورئہ یوسف آیت۱۔

"کتاب خدا کی آ یتیں ہیں جو حقا ئق کو آشکار کرتی ہیں "۔
اور (وَکَذَ الِکَ اَنزَلْنَاہُ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ)
"اور ہم نے اس (قر آن) کو یو نہی روشنی بخش آیات کی صورت میں نازل کیا "۔
قرآ ن میں اس طرح کی تعبیریں بہت زیا دہ ہیں اور سیکڑو ں مقامات ایسے ہیں کہ جہاں پر قرآ ن کے بعض ٹکڑ وں کو آ یت یا آیات سے تعبیر کیا گیا ہے ۔
قر آ ن کریم میں لفظ آیت کے ان دو نوں طرح کے استعمال کے پیش نظر قر آ ن کریم میں ذکر (آیات الٰہی) کو دو حصّو ں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :
۱۔تکوینی یا قدرتی آیات ۔
۲۔تشریعی یا قرآ نی آیات ۔
تشریعی آیات سے مراد خدا وند عالم کا کلام ہے اور تکوینی آیات سے مراد خدا وند عالم کی مخلو قات ہیں لیکن بعض مقا مات پر لفظ آیت خاص معنی میں استعمال ہوا ہے اور وہ ان مخلو قات کے لئے ہے جو عام علل و اسباب کے ذریعہ وجو د میں نہیں آئی ہیں کیو نکہ وہ اپنے پیدا کر نے والے پر ذرا واضح انداز میں دلالت کر تی ہیں ،مو جو دات عام علل وا سباب کے ذریعہ وجو د پاتے ہیں انسان ان سے بہت زیا دہ ما نو س ہو جا نے کی وجہ سے ان کے پیدا کرنے والے کی طرف تو جہ نہیں دیتا لیکن جب کو ئی وجود غیر معمولی طریقہ سے وجود پاتا ہے تو وہ سب کی نظروں کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے ۔اس وقت ذہن اپنی عام کیفیت سے نکل آتا ہے اور ایک جھٹکا سا محسوس کرتا ہے ۔معلوم ہوا یہ معنای مخصوص یا خاص مقامات غیر معمولی مخلوقات کی تخلیق یا واقعات سے تعلق رکھتے ہیں ۔اس بارے میں ہم قرآن سے نمونہ کے طور پر چند مقامات بیان کر دیتے ہیں :
حضرت طالوت کی داستان میں جس وقت بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنے پیغمبر سے بھیمطالبہ کیا کہ ان کے لئے ایک فرشتہ معین کریں اور انھوں نے خدا کی طرف سے حضرت طالوت کو معین فرمادیا تو انھوں نے کہا :
(اَنَّی یَکُوْنُ لَہُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا)(۱)
"یہ ہم پر حکومت کی لیاقت نہیں رکھتے "۔
.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت۲۴۷۔

ان کا حسب ونسب ہماری طرح نہیں ہے ،ان کے پاس ہماری طرح دولت بھی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ اور خدا کے نبی نے ان کے جواب میں اس آیت کی تلا وت فر ما ئی :
(اِنَّ آیَۃَ مُلْکِہِ اَنْ یَأْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیہِ سَکِیْنَۃ مِّنْ رَبِّکُمْ وَبَقِیَّۃ مِمَّا تَرَکَ آلُ مُوْسَیٰ وَآلُ ھٰرُوْنَ تَحْمِلُہُ الْمَلٰئِکَۃُ)(۱)
"اس کے بادشاہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجا ئیگا جس میں تمہارے پرور دگار کی طرف سے تسکین کی چیزیں اور وہ تبّر کات ہوں گے جو موسی اور ہارون کی اولاد چھوڑگئی ہے اور صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوں گے "۔
یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے لشکر روانہ ہو تا ہے اور ایک صندوق خود بخود ان کے آگے آگے چلنے لگتا ہے تو یہ اس چیز کی علامت ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہے اور خداوند عالم نے ملائکہ کے ذریعہ اس کام کو انجام دیا ہے ۔
اسی طرح ایک اور پیغمبر کی داستان میں خدا وند عالم ارشاد فر ما تا ہے :
(اَوْکَاالَّذِیْ مَرَّعَلٰی قَرْیَۃٍ وَھِیَ خَاوِیَۃعَلٰی عُرُوْشِھَاقَالَ اَنّٰی یُحْیِ ھٰذِ ہِ اللّٰہُ بَعدَ مَوْتِھَافَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِأْئَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہُ قَالَ کَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

يَوْماًاَوْبَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِاَئَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلَیٰ طَعَا مِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّہْ واَنْظُرْ اِلیٰ حِمارکَ و لِنَجْعَلَکَ ء ایَةً لِلّنَاسِ وَانْظُرْ اِلیَ العِظَامِ کَیفَ نُنْشِزُ ھَاثُمَّ نَکْسُو ھَا لَحْماً فَلَمَّاتَبَیَّنَ لَہُ قَالَ اَعلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ قَدِیْر)(۲)

"یا اس بندے کی مانند جو ایک گائو ں سے گذرا اور وہ گائوں ایسا اجڑا تھا کہ اس کی چھتیں اپنی بنیاد سے ڈھ گئی تھیں یہ دیکھ کر وہ بندہ کہنے لگا اللہ اب اس آبا دی کو ان کی موت کے بعد کیو نکر زندہ کرے گا خدا نے اُس (بندہ) کو سو سال تک موت کی نیند سُلا دیا اور پھر انکو زندہ کر دیا (تب) پوچھا کتنی دیر یہاں پڑ ے رہے ؟عرض کی ایک دن یا ایک دن سے بھی کم (خدا نے) فرمایا نہیں تم سو سال سے یہاں پڑے ہو ذرا اپنے کھانے پینے (کی چیزوں) کو تو دیکھو با لکل نہیں بد لی ہیں اور اپنے گدھے پر نظر ڈالو (کہ اس کی ہڈیاں ڈھیر ہو گئی ہیں)ہم چاہتے ہیں کہ لو گو ں کے لئے تمہیں عبرت کا نمو نہ بنا ئیں اور (اب اس گدھے کی)ہڈیو ں کو دیکھتے ہو کہ ہم کیونکر ان کو جوڑ کر ڈھا نچا بنا تے اور پھر ان پر گوشت چڑھا تے ہیں پس جب ان پر خدا کی قدرت ظاہر ہو گئی تو بول اٹھے کہ میں جانتا ہونکہ بیشک خدا

....

۱سورئہ بقرہ آیت ۲٤۸.
۲سو رئہ بقرہ آیت۲۵۹.

ہرچیز پر قادر ہے "۔

سو سال تک مردہ رہے دوبارہ زندہ ہو ئے ان کی سواری کا گدھا بھی ہلا ک ہو گیا اور خدا نے اس کو دوبا رہ زندہ کیا اور خدا وند عالم واقعے کے ذیل میں فرماتا ہے :

(وَلِنَجْعَلَکَ آیَةً لِلنَّاسِ)

"اور اللہ تم کو لو گو ں کے لئے نشانی یا نمونہ بنا نا چاہتا ہے"۔

یقینا تمام چیزیں اللہ کی نشانیاں ہیں لیکن غیر معمو لی چیزو ں کا ظاہر ہو نا اپنی طرف زیادہ توجہ مر کوز کر لیتا ہے ، اس وجہ سے اسکو خاص طور پر (آیت) کہا گیا ہے ،اور اسی طرح کے مقامات پر لفظ آیت کا اطلاق اسی لئے ہے کہ اس کی دلالت زیادہ واضح ہے اور اپنی طرف لو گو ں کی توجہ زیادہ کھینچتی ہے۔

اسی طرح بنی اسرائیل کے دستر خوان کی داستان ہے ، جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ خدا وند عالم سے کہئے :

ہما رے لئے نعمتو ں سے بھراخوان نازل کرے تو اسوقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان کی طرف ہاتھوں کو اٹھا کرعرض کی تھی :

(اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآاَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَآئِ تَکُونُ لَنَاعِیْدًا لِاَوَّلِنَاوَآخِرِنَاوَآیَةً مِّنْکَ)(۱)

"اے ہما رے پالنے والے ہم پر آسمان سے ایک خوان (نعمت) نازل فرما کہ وہ ہم لو گو ں کے لئے ہمارے اگلوں او ر پچھلو ں کے لئے بھی عیدی قرار پا ئے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو"۔

چو نکہ یہ ایک غیر معمو لی واقعہ ہے لہٰذا آیت اور نشانی ہے خدا وند عالم نے بھی دعا مستجاب کر تے ہو ئے فرمایا جو شخص بھی اس آ یت کے نازل ہو نے کے بعد فرمان الٰہی سے گریز کرے گا اس پر عذاب نا زل ہو گا علا وہ ازیں جن مقا مات پر انبیاء علیہم السلام نے اپنی نبوت کی نشانی کے طور پر معجزات پیش کئے ہیں وہاں پر بھی لفظ "آیت " استعمال کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام نے پہا ڑ کے دامن سے نا قہ نکا لا ہے، فر ما یا تھا :

(ھذہ نَاَقَةُ اللہ آیَة)(۲)

"یہ اللہ کا ناقہ تمہا رے لئے واضح دلیل ہے "۔

....

۱سورئہ مائدہ آیت ۱۱٤ .
۲سورئہ اعراف۷۳.

اسی طرح حضرت عیسیٰ کی ولا دت بھی ایک غیر معمو لی واقعہ تھا لہٰذا خدا وند عالم نے فرمایا :

(وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَر یَمَ وَاُمَّہُ آ یَةً)(۱)

"اور ہم نے مریم کے بیٹے اور ان کی ماں کو آیت قرار دیا "۔

ظاہر ہے یہاں پر لفظ آیت عام مخلو قات کے لئے استعمال کئے گئے لفظ آ یت سے الگ ہے یہ مقام ایک خصوصیت رکھتا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہے۔کیو نکہ عام طریقہ سے الگ یہ ایک غیر معمو لی واقعہ ہے اور خدا وند عالم نے معجزہ کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ہے لہٰذا اسکو (آیت) قرار دیا ہے ۔
انبیاء علیہم السلام کے اور تمام معجزات کے با رے میں بھی لفظ آیات اور آیت کا استعمال ہو ا ہے مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے با رے میں خدا وند عالم فر ما تا ہے :
(وَلَقَد آ تَینَا مُوسیٰ تِسْعَ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ)(۲)
" ہم نے موسی کو نو معجزے با لکل واضح و آشکار عطا کر دیئے "۔
البتہ حضرت مو سیٰ علیہ السلام کو ان کے علا وہ بھی معجزات اور کرا مات عطا کی گئیں تھیں لیکن یہ معجزے نبو ت کی نشانی اور دلیل کے طور پر تھے ۔وہ سب وہ کرا مات تھیں جو آ پ کی زند گی میں متعددمر تبہ بنی اسرائیل کے سا منے رو نما ہو ئیں اور وہ سب بھی ایک معنی میں معجزات ہی تھے لیکن جو چیزیں نبوت کی دلیل کے عنوان سے ابتداء میں آپ کو ملیں دو چیزیں تھیں ایک عصا اور دوسرے ید بیضاء اس کے بعد دو سرے سات معجزے ملے اور یہ سب حضرت مو سیٰ علیہ السلام کو خدا وند عالم کی طرف سے نبوت کی دلیل کے طور پر عطا کئے گئے تھے ۔
حضرت رسو ل خداؐاور قرآن کے با رے میں بھی لفظ آیت کا استعمال ملتا ہے۔چنا نچہ خدا وند عا لم کا ارشاد ہو تا ہے :
(اَوَلَم یَکُن لَّھُمْ آیَۃ اَن یَعلَمَہُ عُلَمَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ)(۳)
"کیا یہ پہچان ان کے لئے کا فی نہیں ہے کہ بنی اسرا ئیل کے علماء ان سے با خبر ہیں "۔
البتّہ یہاں پر لفظ " آیت " معجزہ کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیاہے بلکہ وہ نشانی اور پہچان ہے جولوگو ں پر حجت تمام کر تی ہے ۔ جب ان کو معلوم تھا کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام نے ایک ایسے آ نے والے نبی کی خبر دی ہے۔ تو وہ

.....

۱۔سورئہ مو منو ن آیت ۵۰۔
۲۔سورئہ اسراء آیت ۱۰۱ ۔
۳۔سورئہ شعراء آیت ۱۹۷۔

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی پیشینگو ئیاں اور علماء بنی اسرائیل کا با خبر ہو نا، صداقت کی نشانی اور پہچان ہے ۔ پیغمبر اکرمؐ کے زمانہ میں بہت سے ایسے واقعات بھی رو نما ہو ئے کہ ان کے با رے میں بھی کلمۂ آیت کا استعمال ہو ا ہے :
(قَدْ کَانَ لَکُمْ آیَۃ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَافِئَۃ تُقَاتِلُ فی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاُخْرٰی کَافِرَۃ یَرَوْنَھُمْ مِثْلَیْھِمْ رَأْیَ العَیْنِ---)(۱)
"ان دونو ں (کافر ومومن)جما عتو ں میں یقینا تمہا رے لئے عبرت اور نشانی تھی جو آپس میں گتھ گئیں تھیں ایک جما عت خدا کی راہ میں جہاد کر رہی تھی اور دوسرا کا فروں کا گروہ تھا جن کی نگا ہو ں میں (مو منو ں کا لشکر) دو گُنا نظر آرہا تھا "۔
جب سپا ہ اسلا م کفار سے رو برو ہو ئی تو اسوقت کرا مات ظاہر ہو ئیں منجملہ یہ کہ کفّار مسلمانو نکو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اسی وجہ سے ان کے دل میں ڈر پیدا ہو گیا تھا اور ان کا جذ بہ کمزور پڑ گیا تھا جس نے ان کی شکست میں مدد کی یہ بھی ایک الہٰی (آیت)ہے ۔
گزشتہ قو مو ں پر خدا وند عالم کی جا نب سے نا زل ہو نے والے عذاب کو بھی آ یا ت سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ استعمال بھی دو طرح کے ہیں : کبھی عذاب کا جو اثر باقی رہ جا یا کرتا تھا اس اثر کو قر آ ن نے "آیت " قرار دیا ہے اور کبھی خود واقعہ کو قر آ ن نے "آیت "کہا ہے ۔ فر عون کے با رے میں قرآن فر ما تا ہے :
(فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَ نِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ آیَۃً)(۲)
"پس آج تیرے بدن کو ہم (تہ نشین ہو نے سے) بچائیں گے تا کہ تو اپنے بعد والو ں کے لئے عبرت بن جائے "۔
فرعو ن کا دریا میں غرق ہو نا بنی اسرائیل کے لئے االلہکی مدد تھی لیکن خدا وند عالم نے اس کے بعد فر عو ن کے بدن کو دریا کے با ہر پھینک دیا تا کہ آیندہ آ نے والی نسلو ں کے لئے یہ بدن با قی رہے اور اس چیز کی نشاندہی کرا ئے کہ خدا وند عالم اپنے دشمنو ں کو کس طرح نیست و نا بو د کر تا ہے :
(لِتَکُوْ نَ لمَن خلْفَکَ آیۃً)
"تاکہ تو اپنے بعد والو ں کے لئے عبرت بن جا ئے "۔
اسی طرح قرآن کریم میں جناب نوح اور ان کی قوم کے با رے میں فر ما تا ہے :

.....

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۱سورئہ آل عمران آیت ۱۳ ۔
۲سو رئہ یونس آیت ۹۲ ۔

(فَاَنجَیْناَهُ وَاَصْحَابَ السَّفِیْنَۃِوَجَعَلْنَاھَا آیَۃً لِلْعَالَمِیْنَ)(۱)
"ہم نے ان کو اور کشتی میں سوار ان کے ساتھیو ں کو نجات عطا کردی اور اس کشتی کو دنیا والو ں کے لئے نشان عبرت بنا دیا"۔
اور اس آیت میں فر ما تاہے :
(وَلَقَد تَرَکناَھَا آیَۃ فَھَل مِنْ مُدَّکِرٍ)(۲)
"بیشک ہم نے اس (کشتی)کو نشانی بنا دیا ہے آیا کو ئی نصیحت لینے والا ہے ؟"۔
اور قوم لو ط کے با رے میںارشاد فر ماتا ہے :
(وَتَرَکناَ فیھَا آیۃ لِلَّذ ینَ یَخا فُو نَ العَذابَ الالیمَ)(۳)
"اور اس سر زمین پر درد ناک عذاب سے ڈرنے والو ں کے لئے ایک نشانی چھو ڑ دی "۔
اسی طرح سورئہ شعراء میں آٹھ مقامات پر گزشتہ قو موں پر نازل ہو نے والے عذاب کے واقعات نقل ہوئے ہیں اور ان سب کے ذیل میں قرآن فر ماتا ہے :
(اِنَّ فیِ ذاَلِکَ لَآیَۃ وَمَا کانَ اَکثَرھُم مُومِنِیْنَ)
"اس میں ہما ری ایک نشانی ہے اور ان میں زیا دہ تر لوگ مو من نہیں تھے "۔
یہ آٹھ کے آٹھ مقا مات ان انتہائی پریشان کن عذاب کے با رے میں ہیں جو گزشتہ قو مو ں پر نا زل ہو ئے ہیں ۔
مندر جہ بالا تمام مقا ما ت پر لفظ "آیت "کے استعمال میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وقت قر آن نے ایک غیر معمولی واقعہ کو بنیا د بنا کر اسے ایک" آیت " قرار دیا ہے اور یہی چیز ہماری بحث سے مر بوط ہے یعنی قر آ ن کریم میں لفظ" آیت" کا معجزات کے لئے استعمال ہو ا ہے اب اگر لفظ "آیت" مشترک معنوی بھی ہو تو بھی لفظ "آیت" کے محل استعمال میں سے ایک اس کاخاص طور سے معجزات کے معنی میں استعمال ہو نا ہے۔معلوم ہوا کہ قرآ ن میں "معجزہ "کی لفظ نہیں آئی ہے معجزہ کی جگہ مخصوص طور پر لفظ "آیت" کا استعمال ہو ا ہے یہ سب کچھ ہم نے معجزہ کے مفہوم
....

۱۔ عنکبوت آیت ۱۵۔
۲سورئہ قمر آیت ۱۵۔
۳سورئہ ذاریات آیت۳۷۔

کی وضا حت کے لئے عرض کر دیاکہ قر آن میںلفظ معجزہ کی جگہ مخصوص طور پر لفظ "آیت" کا استعمال ہو ا ہے البتہ ایسا ہر گز نہیں ہے کہ جہاں بھی لفظ "آیت" استعمال ہو ا ہو اس کامطلب معجزہ ہی ہو ۔بلکہ مخصوص مقامات پر لفظ آیت معجزہ کے معنی میں بھی استعمال ہو ا ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات
کیا انبیاء علیہم السلام صاحب معجزہ تھے ؟قر آ ن اس با رے میں کیا فر ماتا ہے ؟
بلا شبہ قر آ ن نے بہت سے مقامات پر کہا ہے کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو معجزے عطا کئے ہیں ۔
البتہ بعض مقا مات پر ظاہر بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جب انبیا ء علیہم السلاممبعوث ہو تے تھے اور اپنی قوم میں تبلیغ شرو ع کرتے تھے تو دعوت کے ابتدائی مرا حل میں ہی اپنے معجزہ کی نشاندہی کر دیاکر تے تھے اور بعض مقامات پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ انبیاء علیہم السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا کر تے تھے تو وہ اس وقت اپنے معجزے پیش کیا کر تے تھے ۔
منجملہ جن مقامات سے صاف طور پرپتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ابتدائے تبلیغ میں خود ہی اپنے صاحب معجزہ ہو نے کا اعلا ن کر دیتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مر یم کا واقعہ ہے جن کے لئے اعلان ہو رہا ہے :
(وَرَسُولا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ)(۱)
"ہم نے حضرت عیسیٰ کو رسو ل کی حیثیت سے بنی اسرائیل میں بھیجا "۔
اور پھر انھو ں نے کہا :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُم بآ یَۃٍ مِنْ رَّبِّکُم اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ)(۲)
"میں معجزہ کے ساتھ تمہا رے پر ور دگار کی طرف سے تمہا رے در میان آیا ہو ںتمہا رے سا منے مٹی سے پرندہ جیسی چیز بنا ئو ںگا "۔
....

۱۔آل عمران آیت۴۹۔
۲۔ سورہ آل عمران آیت۴۹۔

اس آیت سے ظا ہری (بلکہ صریحی)طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ابتداء دعوت سے ہی لو گو ں کے سامنے فر مایا کر تے تھے کہ میں نشانی لیکر آ یا ہوں ۔
لیکن بعض مقا مات پر قرآن کی آ یتیں اس بات پر دلا لت کر تی ہیں کہ گو یا انبیاء علیہم السلاممبعوث ہو تے تھے اور اپنی دعوت کا اعلان کر تے تھے اور لو گو ں کے مطالبے پر اُن کو معجزہ دکھلا تے تھے ۔چنانچہ حضرت مو سی ' علیہ السلام کے متعلق قرآ ن فرماتا ہے کہ جب حضرت مو سیٰ علیہ السلا م نے فر عو ن اور فر عو ن والو ں کو دعوت دی اور ان کے سامنے اپنی رسالت کا اظہار کیا توفر عون نے کہا:
(اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِآیَۃٍ فَا تِ بِھَا اِنْ کُنْتَ مِنَ ا لصَّا دِ قِیْنَ)(۱)
"اگر خدا کی طرف سے کو ئی نشانی تمہا رے پاس ہے تو پیش کرو اگر تم سچّو ں میں سے ہو "۔
اس وقت حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا چھو ڑا جو اژدھا بن گیا ۔اس آ یت سے بظاہر لگتا ہے کہ اس وقت تک حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے ان کے سا منے معجزہ پیش نہیں کیا تھا ۔
حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ ان کی قوم (قو م ثمود)نے عرض کی :
(مَااَنْتَ الاّبَشَرمِّثْلُنَافَاتِ بآیَۃٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصَّادِ قِیْنَ قَالَ ھٰذِہِ نَاقَۃ لَھَا شِرْب وَلَکُم شِرْبُ یَوْمٍ مَعلُوْمٍ)(۲)
"تم بھی ہما رے جیسے انسان ہو (ورنہ) اگر سچّے ہو تو نشانی دکھا ئو حضرت صالح نے فر مایا :یہ اونٹنی ہے ،چشمے سے پانی پینے کا حق ایک دن اس کو حاصل ہو گا اور ایک دن تم کواور آ پ نے تاکید کے ساتھ فر ما یا:
(وَلا تَمَسُّوْھَا بِسُوْئٍ فَیَا خُذَ کُم عَذَابُ یَو مٍ عَظِیمٍ)(۳)
"اس کو تکلیف نہ پہنچانا (ورنہ)روز عظیم (قیامت)کا عذاب تم کو گھیر لے گا " ۔
گو یا آیت میں اس سوال کا جواب بھی دیدیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام اپنی نبو ت کے آغاز میں ہی معجزہ پیش
....

۱۔سورہ اعراف۱۰۶۔
۲۔سورئہ شعراء آیت ۱۵۴۔۱۵۶ ۔
۳۔ سورئہ شعراء آیت ۱۵۶۔

کر دیتے تھے یا لو گوں کی در خواست کے بعد معجزہ دکھلا یا کر تے تھے ۔
بظاہر بلکہ صاف طور پر آیات شریفہ کا جواب یہ ہے کہ انبیا ء علیہم السلا م کبھی اپنی نبوت کے آغاز میں ہی اور کبھی لوگوں کے مطالبہ کے بعد معجزے دکھلایا کر تے تھے ۔
علا وہ ازین یہ بھی معلو م ہو گیا کہ قر آن، کلی طور پر انبیاء علیہم السلام کے لئے معجزہ کا قائل ہے حتی آخر کی آیتوں کے لہجہ سے اس با ت کا بھی اندازہ ہو تا ہے کہ لو گو ں کو انبیاء علیہم السلام سے معجزہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔
جس وقت فر عون نے کہا اگر آ پ کے پاس کو ئی نشانی ہے تو پیش کیجئے حضرت مو سی ' علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا البتہ خدا وند عالم نے حضرت مو سیٰ علیہ السلام کو یہ دو بر ہان پہلے سے عطا کر دیئے تھے :
(ھٰذَان بُرْھَانَانِ مِنْ رَّبِّکُم)
" یہ تمہا رے پر ور دگار کی طرف سے دو دلیلیں ہیں "۔
حضرت مو سیٰ علیہ السلام معجزہ پیش کر نے کے لئے آ ما دہ تھے لیکن جب فر عون نے مطالبہ کیا توپیش کردیایہی حال حضرت صالح علیہ السلام کا ہے جیسا کہ مذ کو رہ آ یت کے ذیل میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

معجزہ کی کیفیت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اب بحث یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کس وقت معجزات پیش کیا کر تے تھے ؟کیا وہ ہر وقت اور ہر شخص کے مطالبے پر معجزہ پیش کر دیا کر تے تھے یا ایسا نہیں تھا ؟اور یہ کہ کیا معجزہ اس لئے تھا کہ لوگ قبو ل کرنے پر مجبو ر ہوجائیں یا صرف اتمام حجت کے لئے تھا ؟

اس سلسلہ میں بہت سی آیات بتا تی ہیں کہ لوگ کبھی کبھی معجزات کا مطالبہ کیا کر تے تھے اور مخصوص خواہشپیش کر تے تھے لیکن انبیاء علیہم السلام ان کا کو ئی جواب نہیں دیتے تھے ۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ معجزہ اس لئے نہیں ہے کہ لوگ مجبور ہو کر دین حق کو قبول کر لیں بلکہ اس کا مقصد لو گو ں پر حجت تمام کرنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر ان کے پاس ایک دلیل مو جود ہو ۔چنانچہ کبھی کبھی خداوند عالم اپنے لطف کی وجہ سے کسی پیغمبر کو دو ،تین ، پانچ ،یا دس دس معجزے عطا کر دیتا ہے یایہ کہ اس کی نبو ت ثابت ہو نے کے بعد اس کے ذریعہ کچھ کرا متیں بھی ظا ہر ہو جاتی ہیں ۔یہ سب خدا وند عالم کا فضل ہے ورنہ انبیاء کو معجزہ دینے کی بنیاد اتمام حجت کرنا ہے اور بس، اس سے آگے محض خدا وند عالم کی مصلحت ہے جس کو خدا بہتر جانتا ہے۔اگر مصلحت ہو ئی تو خدا دوسرا معجزہ دیدیتا ہے اور اگر مصلحت نہیں ہو تی تو پہلے معجزہ پر اتمام حجت کر دیتا ہے۔جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا وند عالم نے حضرت مو سیٰ کو نبوت کے آغاز ہی سے دو معجزے عطا کر رکھے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے پاس کئی معجزے تھے۔مٹی سے پرندے بنادینا مردوں کو زندہ کرنا اندھوں کو بینائی عطا کرنا بر ص کے مریضو ں کو شفاء دینا اور اسی طرح غیب کی خبریں دینا وغیرہ۔

(وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاکُلُوْنَ وَمَا تَدَّ خِرُوْنَ فِیْ بُیُوْ تِکُمْ ---)(١)

"اور تم کو اس بات کی خبر دونگا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا گھر میں ذخیرہ کرتے ہو "۔

یہ سب خداوند عالم کی مصلحت سے وابستہ ہے کہ وہ کب کسی پیغمبرکو ایک معجزہ عطا کرتا ہے اور کب ایک سے زیادہ ،اس کا کوئی اصول اور فار مولا ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ ہی ہم کو اس کا علم دیا گیا ہے اجمالی طور پر قرآن نے بیان کردیا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام ایک سے زیادہ معجزہ رکھتے تھے لیکن ایسا نہیں تھا کہ لوگ جس کا بھی مطالبہ کر تے وہ انجام دید یتے تھے قرآن نے کچھ ایسے مقامات بھی بیان کئے ہینجہاں لو گوں نے کسی مخصوص معجزہ کا مطالبہ کیا اور انبیاء علیہم السلام نے اسے رد کردیا ۔پہلے کلی طور پر کہتا ہے کہ جس نبی کو بھی معجزہ پیش کر نا ہو خدا کے اذن سے پیش کرنا چاہئے ایسا نہیں ہے کہ معجزہ کے سلسلے میں نبی خود مختار ہو بلکہ خدا کی اجازت سے ہی" معجزہ "پیش کرے گا ۔ خداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے :

(وَمَاکَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَا تِیَ بِاٰیَةٍاِلَّا بِاذْنِ اللّٰہِ)(٢)

"اور کسی پیغمبر کے بس میں نہیں کہ خدا کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ دکھائے"۔

کچھ مقامات پر خاص طور سے فرماتا ہے کہ لوگوں نے معجزات کی فرمائشیں کیں لیکن انبیاء نے معجزہ نہیں پیش کیا ۔ حتی بعض آیات کے لہجہ سے اگر دوسری آیات نہ ہو تیں تو یہ وہم پیدا ہو جاتا کہ انبیاء علیہم السلام کو سرے سے معجزہ دیا ہی نہیں گیا تھا اور یہ معجزہ کا انکار کر نے وا لو ں کے لئے ایک دستاویز بن جاتی لیکن ان کے مقابل انبیاء علیہم السلام کے صاحب اعجاز ہو نے پر صاف و صریح آیات مو جو د ہیں اور ان آ یتو ں پر ذرا سی تو جّہ سے اُ ن آ یات کا ابہام دور ہو جاتا ہے کہ جن سے بظا ہر یہ وہم ہو تا تھاکہ انبیاء علیہم السلام سرے سے معجزہ دکھا نے سے انکار کرتے تھے یعنی وہ اتمام حجت کے بعد، معجزہ دکھلا نے کی فر مائش قبول نہیں کر تے تھے یا یہ کہہ لیجئے کہ نا معقول قسم کے خلا فِ مصلحت مطالبے پو رے کر نے سے پر ہیز کر تے تھے مثال کے طو رپر اگر اس طرح کی در خواست کی جاتی کہ جس سے

.....

١۔سورئہ آل عمران ٤٩۔
٢۔سوررئہ مومن آیت ٧٨۔

لو گوں کے سا منے اختیار کا راستہ بند ہو جاتا تو ایسا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف تھا اور اصل غرض فوت ہوجاتی ہے معجزہ اس لئے ہو نا چاہئے کہ لو گو ں کو معلوم ہو جا ئے کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے اور لوگ پو رے اختیا ر کے ساتھ اس کی اطاعت کریں۔ اب اگر معجزہ ایسا ہو کہ جس سے لو گو ں کا اختیار ان سے سلب ہو جائے تو اس سے خلقت کا مقصد ہی ختم ہوجاتا ۔معلو م ہو ا کہ انبیاء علیہم السلام اس طرح کی فر ما ئشیں قبول نہیں کر تے تھے اور اسی طرح جو مطالبے لوگ حرص و ہوس کے تحت کر تے تھے اور جن کو پورا کر نے کے لئے نبی کو صبح سے شام تک چو کا لگاکر بیٹھنا پڑے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ جو شخص جو بھی مطالبہ کرے اس کو نبی انجام دیتا رہے اس طرح کے تمام مطالبو ں سے انبیاء علیہم السلام صرف نظر کر تے تھے۔چونکہ یہ سب غرض خلقت اور حکمت الہٰی کے خلا ف ہے نبی کو ایک مر تبہ لو گو ں کے سامنے اپنی نبوت ثابت کر دینا چاہئے کہ ان پر حجت تمام ہو جا ئے اور بس لیکن اگر ایک شخص نبی سے آ کر کہے کہ اس پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دیجئے دو سرا شخص کہے کہ اس در یا کو خشک کر دیجئے تیسرا کہے اس طر ح کیجئے اور چو تھاکہے اس طرح کیجئے تو انبیاء علیہم السلام اس طرح کی چیزو ں کو قبول نہیں فر ما تے تھے یا لوگ طرح طرح کے بہانے کیا کرتے تھے مثال کے طور پر کہا کرتے تھے کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ کے پاس ایک باغ نہ ہو اور اس میں نہریں اور محل نہ ہو ں تو اس مینمصلحت نہیں پائی جاتی یا یہ کہ آسمان سے سو نے کے کنگن آئیں اور آپ کے ہاتھ میں چلے جائیں یااسی طرح کی دوسری باتیں انبیاء علیہم السلام قبول نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ مصلحت صرف اتنا چاہتی تھی کہ لوگوں پر حجت تمام ہوجائے اور ان کی نبوت ثابت ہوجائے۔ بعض آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی انبیا ء علیہم السلام پر لوگوں کی طرف سے بہت زیادہ دبائو ڈالا جاتا تھا کہ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو فلاں کام انجام دیجئے لیکن اس میں خدا کی مصلحت نہیں ہوتی تھی ،جب لوگوں پر حجت تمام ہوجاتی تو پھر معجزے کے لئے ان کی دوسری در خواستوں پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔لوگ اصرار کرتے اور نبی پر دبائو بڑھ جاتا تھا بلکہ بعض او قات تواگر ان کو خداوند عا لم کی تا ئید حاصل نہ ہوتی تووہ دبائوکے تحت ان کے مطالبوں کو جامہ عمل پہنا دیتے۔

لیکن پیغمبر معصو م ہو تے ہیں خدا ن کی خودحفا ظت کرتا ہے اور وہ مصلحت ِحق کے خلاف ارادہ نہیں کرتے لیکن حالات ان کو سخت دبائو میں مبتلا کر دیتے تھے اور با لآ خر ان کو جواب دینا پڑتا تھا کہ ہماری رسالت تو یہی ہے جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو خداوند عالم نے ہم کو جو امر دیا تھا وہ ہم نے تم تک پہنچا دیا اب تم ایمان لائو یا نہ لائو مختلف قسم کی باتیں اس سلسلے میں کیا کر تے تھے چنانچہ پیغمبر اکرمؐکے بارے میں آیات سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرم پر لوگوں کا دبائو اس قدر بڑھا ہواتھا کہ خداوند عالم کو وحی کرنا پڑتی تھی کہ اے ہمارے نبی مصلحت نہیں ہے آپ ان کے اس طرح کے مطالبے قبول نہ کیجئے گا :

(وَقَالُوْا لَولَا نُزِّلَ عَلَیْہِ آیَۃ مِنْ رَبِّہِ)

"نبی پر ان کے پر ور دگار کی طرف سے کیا کو ی معجز ہ نازل نہیں ہوتا "۔

یہ تو ایسی با ت ہے گو یا نبی اکرمؐنے ابتک کو ئی معجزہ نہ پیش کیا ہو اور ان کی نبوت کے لئے کوئی دلیل مو جود نہ ہو ،کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐپر کوئی آیت یعنی معجز ہ کیوں نازل نہیں ہوا ؟ ظاہر ہے ان تمام دلایل اور معجزات پیش کرنے کے باوجود اس طرح کی باتیں محض بہا نہ تلاش کرنا ہے ۔ لہٰذا خدا وند عالم نے ان کے جواب میں فرمایا (اے ہمارے نبی!)

(قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرعَلٰی اَنْ یُّنَزِّلَ آیَۃً وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعلَمُوْنَ)(۱)

"(آپ ان سے) کہدینکہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ (خدا کی مصلحتو ں کو) نہیں جانتے "۔

بعض آیات بتاتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐبہت زیادہ دبائو میں تھے۔قرآن کا بیان ہے :

(فَلَعَلَّکَ تَارِک بَعْضَ مَایُوْحَیٰ اِلَیْکَ وَضَائِق بِہِ صَدْرُکَ اَنْ یَقُوْلُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیہِ کَنْز اَوْجَائَ مَعْہُ مَلَک...)(۲)

"توکیا آپ وہی کے ذریعہ بھیجی گئی بعض باتیں صرف اس خیال سے چھو ڑدیں گے کہ آپ کا دل اس طرح کی باتوں سے بھرگیاہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل کیا گیا یا تصدیق کے لئے ساتھ میں کوئی فرشتہ کیو ں نہیں آیا "۔

شاید ہم کلمہ (لعلّ) کے با رے مینکہیں بیان کرچکے ہیں :

قرآن میں لعلّ کبھی بولنے والے کے لحاظ سے ،کبھی سننے والے کے لحاظ سے اور کبھی مقام اور حالات کے تقاضے و لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔لعلّ، ترجّی یعنی (شاید)کے معنی میں ہے لیکن اس کے محل ا ستعمال میں فرق ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ شاید فلاں کام ہوجائے یعنی یہ شاید مخاطب کے یہاں پائی جانے والی امید کے لحاظ سے اور کبھی یہ شاید خود متکلم کی تو قّع کو بیان کرتاہے لیکن بعض وقت یہ شاید دونوں میں سے کسی ایک کی بھی توقع اورامیدسے تعلق نہیں

.....

۱۔سورئہ انعام آیت ۳۷۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔سورئہ ہود آیت۱۲۔

رکھتابلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ مقام اور حالات اسی چیز کا تقاضا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی جب خداوند عالم یہ فرماتا ہے :
(فَلَعَلَّکَ تَارِک بَعْضَ...)ظاہر ہے ایک نبی کے ذہن اقدس میں اپنے فریضۂ رسالت کے چھوڑنے کا تصورپیدا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی خدا اپنے نبی کے بارے میں اس طرح کی توقع رکھتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس وقت حالات اتنے سخت ہوچکے تھے کہ ایک عام انسان، انسان ہونے کے نا طے یہ کہنے پر مجبور ہوتا کہ اب میں رسالت کا یہ فریضہ چھوڑ کر اپنے کامو ں میں مشغول ہوجاتا ہوں۔
پس یہ جملہ (فَلَعَلَّکَ تَارِک بَعْضَ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ)حالت کے اعتبار سے استعمال ہوا ہے خود پیغمبر کے اعتبار سے استعمال نہیں ہوا ہے۔(وضائق بہ صدرک)اور آپ کا سینہ بہت زیادہ تنگ آچکا ہے ؟ کس بات سے ؟ اس بات سے کہ کفار کہتے ہیں :
(اَنْ یَقُولُوا لَولَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ کَنْز اَوْجَائَ مَعَہُ مَلَک)
"ان پر کو ئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہو تا یا ان کے ساتھ فرشتہ کیو ں نہیں آیا ؟تو آپ کا دل تنگ ہے کہ ان کو کیا جواب دے ؟(اِنَّمَااَنْتَ نَذِیروَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ وَکِیْلٍ)
"آپ تو صرف (عذاب سے) ڈرا نے والے ہیں اور خدا ہر چیز کا ذمہ دار ہے "۔
آپ اس کے ذمہ دار نہیں کہ کون ایمان لا تا ہے اور کون ایمان نہیں لا تا:
(وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ وَکِیلٍ)"خدا ہر چیز کا ذمہ دار ہے"۔
آپ صرف اپنا فریضہ انجام دیجئے اس سے زیا دہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ خدا اپنے بندوں کی ہدایت کرتا ہے، چاہیں تو قبول کریناور چاہیں تو قبول نہ کریں ،آپ سے ان کے افعال کے با رے میں سوال نہیں ہو گا ۔
اسی طرح خدا وند عالم کا یہ فرمان(وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ)(۱)اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ پر بہت سخت تھا کہ میں بشر کی نجات کے لئے حق کے ایسے پیغامات لیکر آیا ہوں لیکن یہ پھر بھی مجھ سے رو گردانی کر تے ہیں چنانچہ نبی اکرمؐ سے خطاب کر کے خداوند عالم فرماتا ہے :
(وَاِنْ کَانَ کَبُرَعَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًافِی الْاَرْضِ اَوْسُلَّمًافِی السَّمَآئِ فَتَأْتِیَھُمْ بِآیَۃٍ)(۲)

.....

۱۔سو رئہ انعام آیت ۳۵ ۔
۲۔سورئہ انعام آیت۳۵۔

"اگر ان لوگوں کی روگردانی آپ پر اس قدر سخت ہے تو جائیے اگر ہوسکے تو زمین کی تہو ں میں کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالئے یا آسمان پہ چڑھنے کے لئے سیڑھی لگا لیجئے اور کوئی ایسی نشانی لاکر دکھا دیجئے (کہ یہ لوگ قبول کرلیں اور ایمان لے آئیں "۔
یعنی خدا کبھی ایسے کام انجام نہیں دیگا اس کے کام لوگوں کی خواہشات کے تابع نہیں ہوتے اور آپ بھی اس طرح کے کام انجام نہیں دیں گے اور دے بھی نہیں سکتے۔کیونکہ خدا اس کی اجازت نہیں دے گا۔(پھر بھی) اگر انجام دے سکتے ہوں تو انجام دیجئے ۔اس کے بعد خدا فرماتا ہے :
(وَلَوْشَائَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی)
"اگر خدا چا ہتا کہ سب کے سب حتمی طور پر ایمان لے آئیں تو وہ عاجز نہیں تھا ایک کام ایسا کردیتا کہ وہ سب کے سب ایمان لے آتے لیکن خدا کی حکمت اس کی اجازت نہیں دیتی۔اس کا تقاضا ہے کہ انسان راہ حق کو خود اختیار کرے خدا تو صرف اختیار کے استعمال کی زمین فراہم کردیتاہے۔ وہ لوگوں کو مجبور نہیں کرتا کہ سب کے سب راہ حق کو منتخب کر لیں خدا کا یہ مقصد نہیں ہے۔خدا کسی سیاست داں کی مانند نہینہے کہ وہ ہر روز ایک نئی چال سے لوگوں کو ایک خاص راستہ کی طرف لگادے اور جب ایک طریقہ سے کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرلے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ خدا کی سنت یہ ہے کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کردیتا ہے کہ وہ صحیح راہ سے واقف ہو جائیں :
اب آگے انسان کو خودصاحب اختیار ہے۔خدا وند عالم فرماتا ہے :
(فَمَنْ شَائَ فَلْیُؤْمِنْ وَمَنْ شَائَ فَلْیَکْفُرْ)(۱)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کا فر ہوجائے"۔
خدا وند عالم کا ارشاد ہو تا ہے:
(وَلَوشَاءَ اللهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ)(٢)
"(نادانی نہ کرو)اگر چاہے سب کو ہدایت پر جمع کردیتا (مگر وہ نہیں چاہتا کہ سب مجبور ہو کرایمان لے آئیں)پس آپ اپنا شمار نادانوں میں نہ ہونے دیں "۔
ایک مقام پر خدا ارشاد فرماتا ہے:
.....

١۔سورئہ کہف آیت ٢٩۔
٢۔سورئہ انعام٣٥۔

(لَعَلَّکَ بٰخِعنَفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُوْمِنِیْنَ۔ اِنْ نَشَأْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَآءِ آیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَاخَاضِعِیْنَ)(١)
"شاید (اس فکر میں آپ)اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ کفار ایمان کیو ں نہیں لاتے اگر ہم چاہتے کہ ہر قیمت پر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان لوگوں پر آسمان سے کوئی ایسا معجزہ نازل کردیتے کہ ان لوگوں کی گر دنیں اسکے سامنے جھک جاتیں"۔
ان سے ملتی جلتی دوسری تعبیر یں بھی ہیں لیکن بہ ظاہر ان کے دوسرے معنی ہیں۔ بعض مقامات پر ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ آیت کیوں نازل نہیں ہوتی ؟شاید پہلی نظر میں یہ خیال آئے کہ وہ کہتے تھے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں یعنی کبھی کبھی وحی نازل ہوئے کئی دن ہوجایا کرتے تھے اس وقت منافقین یا کفّار کہا کرتے تھے کہ ان کا جبرئیل کہاں ہے ؟کوئی آیت کیوں نازل نہیں ہوتی ؟کبھی کبھی توہین آمیز الفاظ استعمال کیا کرتے مذاق اڑانے کے لئے کہا کرتے تھے :جائو کہیں سے ایک آدھ گڑھ لائو ۔ پیغمبر اکرمؐ کو ان سب کے یہ طعن وطنز برداشت کرنے پڑتے تھے ۔
سورئہ اعراف میں اس کی طرف اشارہ ہے :
(وَاِذَالَمْ تَأْتِهِمْ بِآیَةٍ قَالُوْا لَوْلَااجْتَبَیْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَایُوْحَیٰ اِلَیَّ مِنْ رَبِّیْ---)(٢)
"اور جب آپ ان کے پاس کو ئی آیت نہ پیش کرتے توکہتے آپ نے اسے کیوں نہیں بنا لیا (اے رسول) آپ کہد یجئے کہ میں تو بس اسی وحی کا پا بند ہوں جو میرے پر ور دگا ر کی طرف سے میرے پاس آتی ہے"۔
لولا اجتبیھا (اجتبائ)"یعنی طول دینا کہیں سے اپنی طرف جذب کر نا"بہ ظاہر اس سے یہ مراد ہے کہ اگر رسول پر کوئی آیت نازل نہ ہوتی، اور وحی میں دیر ہوجاتی تو کہتے آپ ادھر ادھر کہیں سے خود کیوں نہیں بنالیتے ان سے جواب میں کہدیں میں تو بس خدا کی وحی کا پابند ہو ں جب وہ مجھ پر وحی کر ے گا میں پہنچا دونگا اور جب وحی نہ کرے گا تو میں اپنی طرف سے کچھ نہیں پیش کرسکتا ۔
(قُل انَّمَا ا تَّبِعُ مایُوحیٰ الیَّ مِنْ رَبّیْ) بظاہر اس آیت میں "بآیةٍ "سے مراد قر آن کی آیت ہے ۔
اسی مضمون سے ملتی جلتی دوسری آیت بھی ہے اس کے با رے میں بھی یہی احتمال پایا جاتا ہے:
.....

١۔سورئہ شعرا ء آیت٤.٣۔
٢۔سورئہ اعراف آیت ٢٠٣۔

(وَ یَقُوْلُوْنَ لَوْلَاأُنْزِ لَ عَلَیْهِ آیَة مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ اِنَّمَا الغَیْبُ لِلّٰهِ فَا نْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِنَ المُنْتَظِرِیْنَ)(١)
"اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کو ئی آیت کیوں نہیں نازل ہو تی تو (اے رسول) کہد یجئے کہ غیب کا علم تو صرف خدا کے واسطے ہے انتظار کرو اور میں (بھی)تمہا رے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہو ں "۔
یہاں بھی احتمال ہے کہ آیت سے مراد قر آنی آیات کے نازل ہو نے کا مطالبہ ہو ارشاد ہو تا ہے کہ علم غیب خدا سے مخصوص ہے۔آیات الٰہی غیب سے تعلق رکھتی ہیناور میرے ہا تھ میں نہیں ہیں،جب خدا چاہتا ہے نازل کرتا ہے میں بھی انتظار کر رہا ہوں جب خدا وحی کرے گا میں تمہارے سامنے بیان کردو نگا ۔
ا لبتہ ایک دوسرا احتمال یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر کوئی دوسرا معجزہ کیوں نہیں لاتے ۔
اور پھر ارشاد ہوتا ہے :(انّما الغیب للّٰہ) یعنی معجزہ کا تعلق بھی غیب سے ہے اور وہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی طرح قرآن نے بعض اہل کتاب کا قول نقل کیا ہے :
(اَلَّذِیْنَ قَالُوْااِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَا اَ لَّانُوْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاتِیَنَابِقُرْبَانٍ تَاکُلُہُ النَّارُ۔۔۔)
" وہ کہتے تھے کہ خدا نے ہم سے عہد لیا ہے کہ جب تک کوئی رسول ایک قربانی نہ کرے اور اس کو (آ سمانی) آگ خاکستر نہ بنا دے اس وقت تک ہم اس پر ا یمان نہ لا ئے "۔
اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو یہ کام انجام دید یجئے پیغمبر اسلامؐ کو حکم ملتاہے کہ جواب میں کہد یجئے :
(قُلْ قَدْ جَائَکُمْ رُسُل مِنْ قبَ ْلِی بِا لَبیِّنَاتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ)(۲)
"(اے رسول) کہد یجئے کہ اگر تم اپنے قول میں سچّے ہو کہ اس طرح کا عمل انجام پانے کے بعد تم ایمان لے آئو گے تو بتائو مجھ سے پہلے کے نبیوں نے جب یہ کام کیا تو ان پر ایمان کیوں نہ لائے؟ نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ تم نے انھیں قتل کر دیا ؟"۔

.....

۱۔ سو رئہ یو نس آیت ۲۰۔
۲۔سورئہ آل عمران آیت۱۸۳۔

قرآن ان کے ارادوں کو فاش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور ایمان ہی نہیں لانا چاہتے:
اوّ لاً قرآن اس کی تائیدنہیں کرتاکہ خدانے ایسی کوئی سفارش کی ہو بلکہ قرآن فرماتا ہے : اس سے پہلے پیغمبر آئے واضح اور بیّن دلایل لیکر آئے اس عمل کو بھی انجام دیا توکیوں تم ایمان نہیں لائے اور ان کو قتل کر ڈالا ؟
اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ خداوند عالم لوگوں کی خواہشات نفسانی کا تابع نہیں ہے کہ وہ جو کچھ در خواست کریں خدا اس کو انجام دیدے بلکہ خدا کا کام خود اسی کی اپنی حکمت کی اساس وبنیاد پر ہے جس کو وہ خود جانتا ہے اور صرف جس حد تک اتمام حجت کی ضرورت ہو تی ہے، ضروری جانتا ہے او ر اس سے زیا دہ اس کی مخصوص مصلحتو ں کے تا بع ہے۔
پیغمبر پر کچھ اور معجزات کیو ں نہیں نا زل ہو تے اس کے جوا ب میں قرآ ن فر ما تا ہے :
(وَمَامَنَعْنَا اَنْ نُرْسِلَ بِالآ یَا تِ اِلَّا اَن کَذَّبَ بِھَاالآوَّلُونَ وآ تَیْنَاثَمُوْدَ النَّاقَۃَ مُبْصِرَۃً فَظَلَمُوْابِھَاوَمانُرْسِلَ بِالآیَاتِ اِلَّاتَخْوِیْفاً) (۱)
"اور ہمیں معجزات کے بھیجنے سے بجز اس کے اور کو ئی وجہ مانع نہیں ہے کہ گزشتہ قو مو ں نے انھیں جھٹلا دیا اور ہم نے قو م ثمو د کو کھلے معجزے کے طور پر او نٹنی عطا کی جو (ہما ری قدرت) ظاہر کرتی تھی تو ان لو گو ں نے اس پر ظلم کیا اور ہم تو معجزے صرف ڈ را نے کی غرض سے بھیجا کر تے ہیں "۔
اس مطلب کی ذرا وضاحت ضرو ری ہے آیت کے ظا ہری معنی میں کچھ ابہا م پایا جاتا ہے کہ دو سرو نکی تکذیب معجزہ لا نے میں کیسے مانع ہو سکتی ہے ؟اس کے مختلف طریقو ں سے جواب دیئے گئے ہیں ۔ منجملہ یہ :
چو نکہ پہلے" آ یتو ں" کے بھیجنے سے کو ئی نتیجہ نہ نکل سکا اب اگر اس کے بعد بھی آیتیں بھیجے تو یہ فعل عبث ہو گا اور خدا وند عالم عبث کام انجام نہیں دیتا لیکن اتنا بیان کر دینا بھی کا فی نہیں ہے کیا خدا نہیں جانتا تھا کہ ان معجزو ں کا بھیجنا بے سو د ثابت ہو گا ؟یعنی اگر خدا جا نتا تھاکہ اس سے پہلے بھیجی جا نے والی آیات کا کو ئی فائدہ نہیں ہے تو ان کو نہ
بھیجتا ؟ یہ وجہ جو بیان کی گئی ہے مبہم ہے گو یا خدا کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ اس کا فائدہ ہو گا یا نہیں ہو گا ۔لہٰذا گزشتہ قو مو ں میں بھیج کر امتحان کیا اور جب یہ دیکھ لیا کہ اس کا کو ئی فائدہ نہیں ہے تو کہہ دیا اب نہیں بھیجو ں گا
یقینا یہ بات صحیح نہیں ہے اور یقینا کہنے وا لے کا بھی یہ مقصد نہیں ہے پس ہم اس بیان کی اسطرح تکمیل کر سکتے ہیں :
پہلے جو آیت بھیجی گئی وہ اتمام حجت کے لئے تھی اور خدا بھی جانتا تھا کہ لوگ چا ہے ایمان نہ لا ئیں لیکن اتمام حجت کے لئے آ یت کے بھیجنے میں ہی مصلحت ہے اور یہ کام لغو یا بے فا ئدہ نہیں ہے لیکن اب اگر اتمام حجت کے بعد

.....

۱۔سو رئہ اسراء آیت ۵۹ ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دو بارہ آیت بھیجے تو یہ لغو و بے فائدہ ہو گا۔
بعض دو سرے مفسرین اس آیت کی اس طرح تفسیر کر تے ہیں : اس آیت میں "آیات " سے مراد وہ عذاب ہیں جو گزشتہ قو مو ں پر نازل ہو ئے ۔ گزشتہ قو مو ں پر نا زل ہو نے والے عذاب، عذاب استیصال کی صورت میں نازل ہو ا کر تے تھے ۔یعنی پوری قوم نیست و نا بود ہو جایا کر تی تھی ۔ اس طرح کا واقعہ تاریخ میں متعد د مر تبہ پیش آیا ہے ۔ خدا نے کو ئی نشانی نازل کی لو گو ں نے اس کی تکذیب کی اور ان پر عذاب نازل ہو گیا اگر خدا وند عالم اس اُمت پر بھی اُسی طرح کی آیات نازل کر ے تو یہ بھی عذاب کی مستحق ہو گی لیکن اس امت کے ہلا ک کئے جانے میں مصلحت نہیں ہے اس امت کو تو قیامت تک باقی رہنا ہے لہٰذا اس امت پر تباہ کنندہ عذاب نازل نہیں ہو گا مر حو م علامہ طبا طبائی نے اسی مطلب کی تائید کی ہے۔
بہر حال مجمل طور پر ان آ یتو ں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر پیغمبر سے جو کچھ مطالبہ کیا جا ئے وہ اس کو انجام دیدے ایسا نہیں ہے ،بلکہ ان سے بہت زیا دہ مطالبے کئے جا تے تھے اور ان پر بہت زیا دہ زور دیا جاتا تھا لیکن انبیاء علیہم السلام ان کو قبول نہیں کر تے تھے کیو نکہ مصلحت نہیں تھی اور حجت بھی تمام ہو چکی تھی۔
نتیجتاًقر آ ن بھی اس بات کی تا ئید کر تا ہے کہ معجزہ ،حجت تمام کر نے کے لئے ہے او ر اس سے زیادہ کی کو ئی ضرو رت بھی نہیں ہے اور ان مخصوص مصلحتو ں کی تا بع ہے جو ہر زمانہ میں مو جو د رہی ہے۔

راہ اور رہنما کی پہچان

معجزہ کا دائر ئہ حدود

معجزہ کے سلسلہ میں ایک یہ مسئلہ بیا ن کیا جاتا ہے کہ کیا معجزہ پیغمبر کی نبوّت کے اثبات سے مخصوص ہے یا معجزہ کا دائرہ نبوّت کے اثبات سے عام ہے ؟یعنی وہ غیر معمولی امور کہ جن کو قرآن نے معجزہ کے عنوان سے بیان کیا ہے آیا وہ ان امور سے ہی مخصوص ہے جو کسی پیغمبر کو اس کی نبو ت کے اثبات کے لئے دیا گیا ہے یا ان مقامات سے مخصوص اور منحصر نہیں ہے ؟
قرآن کریم میں معجزہ کے واقعات کی تحقیق وجستجو سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ معجزہ صرف نبوت کے اثبات سے مخصوص نہیں ہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی نبوت کے اثبات کے علاوہ بھی معجزے دکھلائے ہیناور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے خاصان خدا نے بھی خداوند عالم کی عطا کردہ طاقت وقوَت کے ذریعہ معجزات دکھلائے ہیناور دنیا میں ایسے بھی واقعات رو نما ہوئے ہیں جو ایک انسان کے بس کی بات نہیں ہوسکتے لیکن قدرتی اصولوں کے خلاف محض ارادہ الٰہی کے تحت عالم فطرت سے مافوق بنیادوں پر رو نما ہوئے ہیں ۔ منجملہ خود انسان کی پیدائش، قرآن کریم کی رو سے، قوانین فطرت کے مطابق نہیں تھی ۔یعنی ایسا نہیں تھا کہ مادہ نے مخصوص حالات سے گزرنے کے بعد خود بخود انسان کی شکل اختیار کرلی ہو۔قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کا واقعہ ایک غیرمعمولی امر کی صورت میں بیان ہوا ہے اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلقت کا واقعہ اور کچھ دوسرے واقعات بھی ہیں جن کی طرف ہم اشارہ کرینگے۔یہ سب اثبات نبوت کے لئے معجزہ کے عنوان سے بیان نہیں کئے گئے ہیں ۔لہٰذا بنیادی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی خلقت ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔قوانین فطرت کے بر خلاف ہواہے اسی طرح دوسرے انسان با وجودیکہ اپنے سے پہلے انسانوں کے ذریعہ پیدا ہوئے اور بعد میں پیدا ہونے والوں انسانوں کے لئے ایک قانون فطرت فراہم آگیا لیکن پھر بھی کبھی کبھی اسی قانون آفرینش میں بعض غیر معمولی واقعات بھی وجود میں آئے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادی اسباب وعوامل کے بغیر غیر معمولی طور پر خلق ہوئے۔اسی طرح نبوت کی بنیاد بھی ایک غیر معمولی امر ہے یہ کہ ایک انسان پر وحی ہواور اس کو علم عطا کردیا جائے ایک غیر معمولی واقعہ ہے دینوی اسباب اس بات کے متقاضی نہیں ہوتے کہ ایک انسان کسی مافوق ذات سے اس طرح کا رابطہ نبی کے عنوان سے بر قرار کرے۔در حقیقت خود نبوت قوانین فطرت سے الگ ایک غیر معمولی امور کا ایک سلسلہ ہے جو عذاب کی شکل میں مختلف قوموں پر نازل ہوا اور وہ بھی نبوت کے اثبات کے لئے نہیں تھا۔جیسے حضرت نو ح نے ایک

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہزار سال کے بعد خدا وند عالم سے اپنی قوم پر عذاب نا زل کرنے کی دعا فرمائی اور خدا وند عالم نے عذاب نازل کیا اور وہ سب کے سب نیست و نا بود ہو گئے ۔ یہ واقعہ بھی نبوت کے اثبا ت کے لئے معجزہ کی صو رت میں نہیں تھا ۔ بلکہ ایک عذاب الہٰی تھا جو ظا ہراً قدرتی اسباب و عوا مل کے تحت نہیں تھا۔ کیو نکہ اس با رے میں قر آ ن کریم کے لہجے سے لگتا ہے کہ یہ ایک غیر معمو لی واقعہ تھا ۔ اسی طرح قوم عاد،قوم ثمود ،قوم لوط اوردو سری قو مو ں پر جو عذاب نازل ہو ئے یہ سب غیر معمولی انداز میں واقع ہو ئے ہیں یعنی ملائکہ نازل ہو تے عذاب نازل کر تے اور قوم نیست و نا بود ہو جایا کرتی تھی یہ سب واقعات بھی نبو ت کے لئے نہیں تھے۔بلکہ سر کشو ں اور کا فروں کا فیصلہ کر نے کے لئے تھے یہ سب عذاب استیصا ل تھے اوراصو لی طور پر قرآ ن کریم میں عذاب کی جن قسمو ں کو عذاب استیصال کے نام سے بیان کیا گیا ہے وہ سب غیر معمو لی عذاب ہیں جو بہر حال نبو ت کو ثابت کر نے کی غرض سے نہیں تھے۔

اسی طرح جو عذاب تنبیہ کے طور پر کسی قوم یا جماعت پر نازل ہو تے تھے اور وہ سب کے لئے نہیں ہو تے تھے ان کے بھی غیر معمو لی طور پر نازل ہو نے کا امکان پایا جا تا ہے جیسے بنی اسرائیل کے بعض لو گو ں کا بندر اور سُور میں تبدیل ہو نا (وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالخَنَا زیرَ)"اور ان میں سے کسی کو (مسخ کر کے)بندر اور (کسی کو) سور بنا دیا "یہ بھی غیر معمو لی امو ر ہیں جو نبو ت کے اثبات کے لئے نہیں ہیں۔

ان کے علا وہ بھی واقعات ہیں جو قرآ ن کریم میں بہت بڑی تعداد میں مو جو د ہیں جو خاص نو عیت کے غیر معمو لی واقعہ کی نشاندہی کر تے ہینلیکن نبوت کو ثابت کر نے کے لئے نہیں پیش آ ئے ہیں۔حضرت زکریا کا بوڑھاپے میں صاحب او لا د ہو نا ،اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کاصاحب فر زند ہو نا وغیرہ ۔

اس طرح کے امور کبھی کبھی بعض مومنین کے ایمان پختہ کرنے کیلئے ہوتے تھے اور کبھی دوسری مصلحتوں کو مدّ نظر رکھکر انجام پا تے تھے۔

حتی معجزہ کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے افراد نے بھی معجزات دکھائے ہیں ۔قرآن کریم میں بہت سے ایسے غیر معمولی امور کا ذکر ہے جو انبیائے کرام سے مخصوص نہیں ہیں ۔خاص طور سے وہ علوم جو بعض افراد کو عطا کئے گئے یا وہ الہامات جو بعض افراد پر کئے گئے سب غیر عادی رہے ہیں۔

لہٰذا اس سوال کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معجزہ کا دائرہ صرف ایسے غیر معمولی امور سے مخصوص نہیں ہے جو نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انجام دئے جاتے ہیں ۔

اب ہم ان میں سے بعض معجزاتی واقعات بیان کرتے ہیں :

اگر ہم مختلف قوموں پر نازل شدہ عذاب کی تحقیق و جستجو کرنا چاہیں تو بحث طولانی ہوجا ئیگی کیونکہ قرآن کریم میں اس طرح کے مسائل جگہ جگہ تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں کہ کس قوم پر کو نسا عذاب نازل ہوا ہے اور یہ بحث انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تاریخ کے موضوع سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔لہٰذا ہم ان کو یہاں بیان نہیں کرینگے جو مخصوص اشخاص کے لئے قرآن کریم میں بیان ہوئے ہینیا انبیاء علیہم السلام کے ان معجزوں کو بیان کریں گے جو نبوت کے اثبات کے لئے قرآن کریم میں بیان نہیں ہوئے ہیں :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان دو نشانیوں کے علاوہ جو آپ کو اپنی نبوت کے اثبات کیلئے عطا کی گئیں تھیں بنی اسرائیل کے مصرسے نکل جانے اور فرعونیوں کے چنگل سے نجات پانے کے بعد بھی بہت سے معجزے ظاہر ہوئے جن کو قرآن کریم نے نبو ت کی بنیاد بنایا ہے :

الف :ان کا سب سے پہلا مسئلہ دریا کو پار کر نا تھا :قر آن میں ارشاد ہو تا ہے :

(وَجٰوَزْنَابِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الْبَحْرَ---)(۱)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا "۔

جب بنی اسرائیل نے مصر کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا تو رات کے وقت کھلے اور ایک بڑے دریا کے کنا رے پہنچے جس کو انھیں پار کر نا تھا ۔ تو خدا وند عالم نے دریا کو خشک کر دیا اور بنی اسرائیل اس سے گزر گئے اور یہ کام نبوت کے اثبات کے لئے نہیں تھا اس لئے کہ حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی نبوت بنی اسرائیل پر ثابت ہو چکی تھی اور فر عو نیو ں نے آپ کی نبوت کو مانا ہی نہیں تھا ۔ایسی صورت میں معجزہ کی کو ئی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ معجزہ رو نما ہوا اور دریا خشک ہو گیا ۔

ب:بنی اسرائیل طویل راستہ چلنے کی وجہ سے پیاس سے جاں بلب تھے اور پانی میسر نہیں تھا تو حضرت مو سیٰ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سو رئہ اعراف آیت ۳۸ ۱۔

نے خدا وند عالم سے اپنی قوم کیلئے پانی کی درخواست کی تو آواز قدرت آ ئی اے موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا ایک پتھرپر مارو تا کہ اس سے بنی اسرائیل کے نبیو ں کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے جاری ہو ں چنا نچہ اس واقعہ کے بعد سے وہ اس پتھر کو اپنے ساتھ اٹھا کر چلتے تھے جہاں پر بھی ان کو پیاس لگتی تھی اسی عمل کو انجام دیتے تھے ۔اس بارے میں قرآن کریم فر ماتا ہے :

(۔۔وَاَوْحَيْنَا اِلَىٰ مُوسَىٰ اِذِاسْتَسْقٰهُ قَومُهُ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَا کَ الحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَاعَشْرَةَ عَيْناًقَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۔۔) (۱)

"اور جب مو سیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے پا نی مانگا تو ہم نے ان پر وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو (پس) اس پتھر سے (پا نی کے)بارہ چشمے پھو ٹ نکلے اور ہر قبیلہ نے اپنا چشمہ آب پالیا "۔

ج:بنی اسرائیل بیا بان میں گرمی کی شدت سے پریشان تھی تو خدا وند عالم نے ان پر سا یہ کے لئے بادل کے ایک ٹکڑے کو معین فر مادیا کہ وہ ان کو آفتاب کی تمازت سے بچائے۔قرآن کریم میں یہ بات کئی مقامات پر بیا ن ہوئی ہے منجملہ سورئہ بقرہ (آیت ۵۷)میں ہے (وَظَلَّلْنَا عَلَيكُمُ الْغَمَامَ۔) (اور ہم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کیا)اور یہ کوئی عام با ت نہیں تھی بلکہ یہ غیر معمولی کام خدا وند عالم کے خاص ارادہ سے واقع ہوا تھا کہ بنی اسرائیل آفتاب کی تمازت سے پریشان نہ ہوں۔

د: چنانچہ بنی اسرائیل (جیسا کہ روایات میں ہے کہ خود بنی اسرائیل کہا کر تے تھے کیو نکہ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کو دھو کہ باز اور ضدی قوم کے عنوان سے تعارف کرایا ہے۔وہ حضرت مو سیٰ علیہ السلام کے احکام کی ٹھیک سے اطاعت نہیں کر تے تھے اور دین کے احکام کو جیسا چاہئے تھاقبول نہیں کر تے تھے)نے یہ تجویز رکھی کہ واقعاًیہ احکام خدا وند عالم کی طرف سے ہیں تو اس پہا ڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دیجے اور ان کی یہ درخواست قبو ل بھی ہو ئی :

(وَاِذْنَتَقْنَاالْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوْااَنَّهُ وَاقِع بِهِمْ۔۔)(۲)

"جب ہم نے ان (کے سروں)پر پہاڑ کو چھت کی طرح لٹکا دیا اور وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ان پر ابھی گر پڑے گا "۔

البتہ بنی اسرائیل حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کر تے تھے لیکن بہانہ بازی کیا کر تے۔

ر: جس بیا بان میںبنی اسرائیل کچھ مدت تک مقیم رہے وہاں (منّ و سلوی) کا نزول بھی شاید ایک غیر معمولی

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۱۶۰ ۔
۲۔سورئہ اعراف آیت ۱۷۱ ۔

طریقہ تھا (کیو نکہ بیابان میں سکو نت اختیار کر نے کی وجہ بھی خدا وند عالم کے حکم سے نا فر مانی بنی تھی۔خدا نے حکم دیا تھا کہ شہر میں دا خل ہو کر وہاں کے کا فرو ں سے جنگ کریں ایک بنی اسرائیل نے بھی نہیں مانا اور کہنے لگے موسیٰ علیہ السلام تم اور تمہا را خدا جا ئے ان سے جنگ کرے او ر ان کو شہر سے با ہر کر دے ہم اس کے بعد شہر میں داخل ہو نگے:

(فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَا تِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَا عِدُوْنَ)(۱)

"تم اور تمہارا خدا (جا ئے)اور دو نوں (جا کے)لڑو ہم تو یہیں جمے بیٹھے ہیں"۔

خداوند عالم کے اس حکم کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند عالم نے حکم دیدیا کہ چالیس سال تک اسی بیابان میں زندگی بسر کریں ۔

(اربعین سنة یتیھون فی الارض)و ہ چالیس سال تک مصر کے جنگل میں بھٹکتے رہے صبح کے وقت چلنا شروع کرتے اور چلتے رہتے تھے پھر عصر کے وقت یہ دیکھتے تھے کہ جہاں پر صبح کے وقت تھے اب بھی وہیں پرہیں (البتہ قرآن میں اسکا ذکر نہیں ہے) اور حضرت موسی علیہ السلام بھی اسی چالیس سال کی مدّت کے دوران دنیا سے کوچ کر گئے ۔اس دوران انھوں نے جب خشک بیابان میں کھانے کی فرمائش کی تو خداوند عالم نے ان پر منّ وسلوی(۲) نازل کیا ۔

قرآن کریم کے ظاہر کلام سے پتہ چلتا ہے کہ (من و سلوی) کا نزول ایک غیر معمولی چیز تھی، جولوگ معجزوں کے منکر ہیں آسانی سے اس کی تاویل کرسکتے ہیں جیسا کہ کہا بھی ہے : منّ ایک مخصوص گھا س تھی جس سے ایک خاص

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قسم کا عرق نکلتا تھا اور سلوی بھی ایک قسم کا پرندہ تھاجو اسی جگہ پر ہوتا تھا وہ لوگ اسی گھاس اور پرندوہ کو کھایا کرتے تھے لیکن ظاہر قرآن سے لگتا ہے منّ سلوی کا نزول بھی ایک غیر معمولی طریقے سے ہوتا تھا لیکن ہم کو اس بات پرزیادہ اصرار نہیں ہے چونکہ صاف طور پر بیان نہیں ہوا ہے لہٰذا ہم نے احتمال کے طور پر لکھا ہے کہ(منّ سلوی) بھی شاید غیر معمولی طریقہ سے نازل ہوتا تھا ۔
بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ایک سلسلہ ہے جو ان کے ہا تھوں بنی اسرائیل کے لئے ظاہر ہوا ہے حالانکہ آپ کی نبوت ثابت ہوچکی تھی اور اپنی نبوت کو ثابت کرنے کیلئے معجزہ دکھلانے کی ضرورت نہیں تھی ۔

.....

۱۔سورئہ ما ئدہ آیت ۲٤۔

۲۔من و سلوی کے مختلف معنی ہیں لیکن مشہور ومعروف یہ ہیں کہ (منّ) تر نجین کو کہتے ہیں اور (سلوی) بھنا ہوا گو شت یا (تیتر یا بٹیر) کے مانند پرندہ ہوتے تھے جنکا وہ شکار کرتے تھے اور ذبح کر کے کھا جاتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ
اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستر خوان کا وا قعہ ہے جس کا سورئہ ما ئدہ میں ذکر ہے اور اسی مناسبت سے اس سورہ کانام مائدہ (خوان)رکھا گیا ہے اور یہ نبوت کو ثابت کر نے کیلئے نہیں تھا کیونکہ حوار ئین، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کے شاگرد تھے ایک دن ان کے ذہن میں آیا کہ اس طرح کی فرمائش کرنا چاہئے اور انھوں نے کھانے کے لئے حضرت عیسیٰ سے آسمان سے خوان نازل ہونے کی در خواست کردی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہ پیشکش قبول کرلی اور خداوند عالم کے حضور دعا مانگی تو خداوند عالم نے اس طرح کا خوان نازل فرمایا اور سب نے کھا یا ۔ یہ بالکل واضح سی بات ہے یہ ایک غیر معمولی بات تھی حضرت عیسیٰ کی درخواست پر آسمان سے خوان نازل ہوا جبکہ یہ نبوت کے اثبات کیلئے نہیں تھا ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات
الف :حضرت ابراہیم علیہ السلام بو ڑھے ہوچکے تھے اور حالانکہ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی آپ خود بھی بہت بوڑھے ہوگئے تھے اور آپ کی زوجہ (سارہ) بھی با نجھ تھیں۔جس وقت قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کی غرض سے فرشتے نازل ہوئے وہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے چونکہ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے اور آپ کی ہی طرف سے تبلیغ کرتے تھے اور حضرت لوط نبی تھے لیکن حضرت ابراہیم کی (شریعت کی)اتباع کرتے تھے(۱)۔
ملائکہ ابتدا ء میں انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا کہ آپ کے پاس مہمان آئے ہیں آپ نے ان کی مہمانی کیلئے گوسفند ذبح کرکے حاضر کر نے کا حکم دیا جب کھانالگایا گیا تو انھوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا اور عام رواج میں یہ چیز بہت معیوب سمجھی جاتی تھی کہ کسی کے گھر مہمان آئے اور میزبان اس کے سامنے کھانا لگا ئے اور مہمان کھا نا کھانے سے پرہیز کرے اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو دشمنی اور کینہ کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ لوگ کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو پریشان ہوگئے کہ کیا

.....

۱۔بعض انبیاء، رسول اور صاحب شریعت ہیں (اگر چہ تمام رسول بھی صاحب شریعت نہیں ہیں)اور دوسرے انبیاء (چاہے وہ ایسے زمانے میں ہو نیا بعد والے زمانے میں)صاحب شریعت نبی کے تابع ہوتے ہیں چنانچہ حضرت لوط حضرت ابراہیم کی شریعت کے تابع تھے ۔

بات ہے کھانا کیوں نہیں کھاتے ؟ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیرت کو دور کرنے کیلئے کہا کہ ہم خداوند عالم کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور شہر لوط کو زیر وزبر کرنے کیلئے آئے ہیں۔اسی موقع پر انھوننے حضرت ابراہیم کو یہ اطلاع دی کہ خداوند عالم آپ کو دو بیٹے عطا کرے گابعض آیات میں ایک بیٹے کا ذکر ہے اوربعض دوسری آیات میں دوبیٹوں کاتذکرہ ہے لیکن زیادہ تر آیات میں صرف حضرت اسحٰق علیہ السلام کا تذکرہ ہے ۔ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت دی تو آپ کی زوجہ آپ ہی کے پاس تھیں جب انھوں نے سنا:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(فَاَ قْبَلَتِ امْرَاَتُہُ فِی صُّرَّةٍ فَصَکَّتْ وَجْہَہَا وَقَالَتْ عَجُوْز عَقِیْم)
"تو ابراہیم کی بی بی چلاتی ہوئی انکے سامنے آئیں اور اپنا منھ پیٹ لیا اور کہنے لگیں ایک تو (میں) بڑھیا (اس پر) بانجھ لڑکا کیونکر ہوگا "۔
یہ عورتوں کی عادت ہے کہ کسی تعجب خیز واقعے کے وقت وہ گلا پیٹتی ہیں اس آیت میں مکمل طور پر اس کی منظر کشی کردی گئی ہے (فَصَکَّتْ وَجْہُہَا)اپنے گال پیٹ کر کہا میں صاحب اولاد ہونگی؟ ملائکہ نے کہا (کذلک قال ربک)آپ کے رب نے یو نہی فر ما یا ہے آپ صاحب اولا د ہونگی؟ (فَبَشَّرَنَاهَابِاِسحَٰقَ وَ مِنْ وَرَاء اِسْحَٰقَ یَعْقُوْبَ) مقصود یہ ہے کہ یہ بھی ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔سارہ بھی بانجھ تھیں اور خود حضرت ابراہیم بھی بوڑھے ہوچکے تھے شاید اس وقت آپ کی عمر سو سال ہوگی اسی حالت میں خدانے آپ کو صاحب اولاد ہونے کی بشارت دی۔(۱)
ب ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرودیوں کی آگ سے نجات دینے کا واقعہ بھی بہ ظاہرنبوت کے اثبات کے لئے نہیں تھا کیونکہ یہ مسئلہ ثابت ہوچکاتھا اس کے بارے میں بحث کرچکے تھے اورا گرحضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نبوت کے اثبات کے لئے معجزہ دکھانا لازم تھا تو آپ معجزہ دکھلا چکے تھے اوراور حضرت براہیم علیہ السلام کو آگ میںڈالنے کی ضرورت کہ خدا وند عالم حضرت ابرا ہیم کی پیغمبری کے اثبات کے لئے ان کو آگ سے نجات دے
....

۱سورئہ انبیاء آیت ٦٩یہ بشارت کا واقعہ قر آن کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوا ہے منجملہ :سورئہ ہود آیت ۷۳۔۷۱، سورئہ حجر آیت ۵۳۔۵۵، سورئہ والذاریات آیت۲۸۔۳۰۔

نہیں رہ گئی تھی ۔ بظاہر یہ بھی نبوت کو ثابت کر نے کے لئے نہیں تھابلکہ یہ منجانب اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایک کرامت تھی۔اگر چہ یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ خداوند عالم اس کے ذریعہ ان کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیغمبر ہیں۔اس واقعہ کا بھی قرآن کریم میں بہت زیادہ تذکرہ ہے منجملہ ارشاد ہوتا ہے :
(قُلْنَایَانَارُکُوْنِی بَرداًوَسَلَاماً عَلٰی اِبرَاہِیْمَ)(۱)
"تو ہم نے کہا اے آگ تو ابراہیم پر با لکل ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث بن جا (کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے"
ج:حضرت ابراہیم کے ذریعہ پرندوں کے زندہ ہونے کا واقعہ بھی ہے جب آپ نے خداوند عالم سے درخواست کی تھی کہ اے پروردگار :
(رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتَیٰ)(۲)
"اے میرے پروردگار مجھے دکھادے کے تو مردے کو کیونکر زندہ کرتا ہے"۔
حکم ہواابراہیم چارپرندونکوذبح کرکے ان کے گو شت الگ الگ مقام پر رکھدو۔۔اور پھر ان کو آواز دواور جب آپ نے ان کو آواز دی تو وہ زندہ ہوگئےیہ بھی نبوت کے اثبا ت کے لئے نہیں تھا کیونکہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ شاید آپ کے پاس اور کوئی نہیں تھا ایک بیابان میں جہاں آپ کے (اردگرد) دسیوں پہاڑ پھیلے ہوئے تھے آپ نے یہ کام انجام دیا ممکن ہے کسی اور نے دیکھا بھی نہ ہو ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی کرامت
انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہونے والی کرامات میں سے حضرت زکریا کا واقعہ بھی ہے جس کاقرآن کریم نے دو مقامات پر ذکر کیا ہے ارشاد ہے :
(ذِکْرُرَحْمَةِ رَبِّکَ عَبْدَہُ زَکَرِیَّا)(۳)
"یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی کا ذکر ہے جو(اس نے)اپنے بندہ زکریا کے ساتھ کی تھی"۔
حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہوچکے تھے جیسا کہ قرآ ن کریم میں خود جنا ب زکریا کی زبانی آیا ہے :
....

۱سورئہ انبیاء آیت٦٩۔
۲سورئہ بقرہ آیت٢٦٠۔
۳سورئہ مریم آیت ۲۔

(قَالَ رَبِّ اِنِّی وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّی)عرض کی اے میرے پالنے والے میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَاشْتَعْلَ الرَّأسُ شَیْبًا)"اور سر کے بال اور بھویں مکمل طور پر سفید ہوچکی ہیں"۔
(وَکَانَتِ امْرَأَتِیْ عَاقِراً)اور ان کی بیوی بھی اس وقت تک بانجھ تھیں۔پھر بھی انھوں نے خداوندعالم سے فرزند کی دعا کی اور خدا نے بھی آپ کی دعا مستجاب فرمائی اورآپ کو حضرت یحییٰ جیسا فرزند عطا کیا۔
سورئہ آل عمران میں اس بات کا معمولی تمہید کے ساتھ بڑے لطیف انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔یعنی پہلے حضرت مریم علیہا لسلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ آپ کا بیت المقدس میں ایک حجرہ تھا جس میں آپ عبادت میں مشغول رہا کرتی تھیں۔(۱)
حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے تھے آپ بیت المقدس کے منتظم تھے ظاہرہے آپ ہی حضرت مریم علیہا السلام کی خبر گیری رکھتے تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی روز مرہ کی ضروریات پورا کرے لیکن :
(کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَعِنْدَهَارِزْقاً)(۲)
"جب بھی زکر یا ان کے پاس محراب عبادت میں جاتے تو مر یم کے سامنے غذا مو جود پاتے"۔
یہ بھی ایک کرامت تھی جو ایک غیر نبی کے لئے انجام پائی (جن کا ہم نے یہاں پر اپنے مو ضو ع کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے)جناب زکریا علیہ السلام پو چھتے :
(قَالَ یَامَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا)
"اے مریم !یہ (کھا نا)تمہا رے پاس کہاں سے آیا "۔
(قَالَتْ هُوَمِنْ عِنْدِاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَشَآءُ بِغَیْرِحِسَا بٍ)
"تو مریم یہ کہہ دیتی کہ یہ خدا کے یہاں سے (آیا)ہے بیشک خدا جس کو چا ہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے "۔
....

۱۔بنی اسرائیل میں رواج تھا کہ کبھی کبھی اپنی اولاد کو بیت المقدس میں عبادت اور خدمت کے لئے وقف کردیتے تھے حضرت مریم کے باپ نے نذر کی تھی کہ اگر خدا نے ان کو اولاد دی تو وہ اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گے ان کے ذہن میں لڑ کا تھا لیکن جب لڑ کی دیکھی تو کہا (فَلَمَّا۔۔کَالْاُنْثٰی) جب اپنے بچہ کو دیکھا تو کہا پرور دگار یہ تو بچی ہے اور خدا بہتر جانتا ہے اس نے کیا پیدا کیا ہے اور لڑکا لڑکی کے مانند نہیں ہے لیکن جیسا کہ نذر کی تھی حضرت مر یم کوبیت المقدس میں لے گئے اور شاید یہ پہلا مو قع تھا کہ ایک لڑکی بیت المقدس میں خدمت اور عبا دت کے لئے لا ئی گئی تھی ۔
۲۔آل عمران آیت ۳۶۔

ایک دو مر تبہ نہیں بلکہ :(کُلَّمَا دَخَل۔۔۔)جب بھی (زکریا) ان کی محراب عبادت میں جاتے تو مریم کے سا منے غذا مو جو د پا تے ۔یعنی حضرت مریم علیہا لسلام کی روزی آسمان سے نازل ہوا کرتی تھی۔جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا لسلام کے لئے ان چیزو ں کا مشاہدہ کیا کہ خدا اپنے صالح بندوں پر اسی طرح لطف و کرم کرتا ہے تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں بھی اپنے خدا سے ایک فر زند کی خواہش کروں اور آپ نے دعا کی :
(هُنَا لِکَ دَعَاْ زَکَرِیَّا رَبَّهُ)
یہ ماجرا دیکھا اور خدا سے دعا کر بیٹھے بہر حال یہ بھی ایک کرامت ہے جو آپ کو عطا کی گئی تھی ۔

حضرت مریم کی کرامت
(اِذْقَالَتِ الْمَلَائِکَةُ یَامَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُ کِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَیٰ ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهاًفِیْ الدُّ نْیَاوَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ)(۱)
"(جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا اے مریم !خدا تم کو اپنے کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام عیسی ابن مریم ہو گا اور وہ دنیا وآخرت میں آبرو اور خدا کے مقرب بندوں میں ہو گا "۔
جس وقت حضرت مریم اپنے حجرے میں عبا دت میں مشغو ل تھیں تو فرشتے نے آپ پر وحی کی (اب حضرت مریم نے اس وقت کو اپنی آنکھو ں سے دیکھا یا نہیں یہ آیت سے پتہ نہیں چلتا) آپ کے یہاں بیٹا پیدا ہوگا۔
اس کا نام بھی خدا وند عالم نے رکھ دیا ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم ،اور اس کی خصو صیات بھی بیان فر ما دی ہیں کہ وہ بچپن میں لو گو ں سے با تیں کرے گا اور اسکے بعد ایسا ویسا کرے گا :
(وَیُکَلِّمَ النَّاس فِی الْمَهْدِ وکَهلاً وَمِنَ الصَّالِحِیْنَ)
"اور جب وہ جھو لے میں پڑا ہو گا اور بڑی عمر کا ہو جا ئیگا لو گو ں سے با تیں کرے گا اور نیکو کا روں میں ہو گا "
اس وقت حضرت مریم علیہا السلام نے کہا :
(قَالَتْ رَبِّ اَنَّیٰ یَکُوْنُ لِیْ وَلَد وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَر۔۔۔)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"میں کیسے صا حب فر زند ہوں گی جبکہ میں نے شا دی نہیں کی ہے اور کسی مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگا یاہے"۔
فرشتو ننے کہا:(قَالَ کَذَ لِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَایَشَائُ ۔۔)
....

١۔آل عمران آیت ٤٥۔

"خدا کا یہی فیصلہ ہے کہ آپ صا حب ادلا د ہوں"۔
حضر ت مریم علیہا السلام کے صاحب فرزند ہو نے کی بشارت کا واقعہ بھی غیر معمو لی تھااور اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان (اگر چہ پیغمبر نہ ہو)فرشتوں کے ذریعہ خدا وند عالم کے مخاطب بن سکتے ہیں اور ان پر الہام (یا عام معنی میں ان پر وحی کی جا سکتی ہے۔)
اس کے بعد حضرت مر یم علیہا السلام نے نا گہاں ایک انسان کو اپنی مخصوص محراب عبادت میں جہاں حضرت زکریا علیہ السلام کے علا وہ اور کو ئی نہیں آ سکتا تھا دیکھا جو ایک خو بصورت جوان کی شکل میں ظاہر ہو ا تھا حضرت مریم نے کہا :
(قَالَتْ اِنِّي اَعُوذُبِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیّاً)
حضرت مریم علیہا السلام نہیں سمجھ سکیں کہ یہ جوان فرشتہ ہے آ پ نے خیال کیا کہ کو ئی ایسا شخص ہے جوشاید کسی برے قصد سے یہاں پر آیا ہے لہٰذا اس فرشتہ نے کہا :
(قَالَ اِنَّمَااَنَارَسُوْلُ رَبِّکِ لِاَهَبَ لَکِ غُلَاماًزَکِیّاً)
ایک انسان کے سامنے فرشتہ کا ظا ہر ہو نا بھی ایک غیر معمولی بات ہے اور اسکے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا اسباب طبیعی کے بغیر صاحب فر زند ہو نا بھی غیر معمو لی واقعہ ہے جو ایک غیر نبی کے لئے رو نما ہو ا ہے۔

راہ اور رہنما کی پہچان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی کرامت
قرآن کریم میں نبی کے لئے بیان کی جا نیوالی کرا متو ں میں سے ایک حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی ما در گرا می کی داستان ہے: (وَاَوْحَیْنَاَ اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْہِ)(١)
یعنی خدا کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے پاس وحی ہوئی کہ تم اس بچے کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا ئے نیل میں ڈال دو اور یہ خوش خبری بھی دیدی گئی کہ ہم اس کو پھر تمہارے پاس پہنچادیں گے اور اس کو (اپنا رسول)بنائیں گے۔
....

١۔سورئہ قصص آیت٧۔

طا لوت کی کرامت

غیر معمولی واقعات میں سے ایک واقعہ طالوت کے تابوت کا بھی ہے طالوت پیغمبر نہیں تھے لیکن خداوند عالم نے ان کے لئے یہ معجزہ ظاہر کیا تا کہ بنی اسرائیل ان کی حکومت تسلیم کرلیں البتّہ یہ کہاجا سکتا ہے کہ یہ بھی ایک پیغمبر کا معجزہ تھا جن کو روایات میں (صموئیل)کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن قرآن میں آیت کا لہجہ اس طرح نہیں ہے بلکہ قرآن کہتا ہے :
(وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ اَنْ يَاتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُم)(١)
"ان کے (من جانب اللہ)باد شاہ ہونے کی یہ پہچان ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین کی چیزیں ہیں"۔
بہر حال اس میں دو احتمال دیئے جاتے ہیں کہ یاتو یہ صموئیل کیلئے جو نبی تھے معجزہ ہے اگر چہ یہ اثبات نبوت کیلئے نہیں تھا یا پھر یہ طالوت کیلئے کرامت و معجزہ ہے جو خود پیغمبر نہیں تھے۔

ارمیا اور حضرت یونس علیہ السلام کے معجزات
اسی طرح (ارمیا)(یا عزیز)کا واقعہ ہے جو سو سال مردہ رہنے کے بعد دو بارہ زندہ کئے گئے یہ واقعہ بھی نبوت کے اثبات کیلئے نہیں تھا بلکہ پیغمبر کیلئے ایک غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا ۔
اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے شکم سے نجات پاجانے کا واقعہ ہے : جب حضرت یونس اپنی قوم کی اصلاح سے ناامید ہوگئے تو آپ نے دریا کی راہ لی اور کشتی پر سوار ہوگئے اتفاقاًدریا میں تلاطم ہوااور کشتی ڈوبنے لگی ۔اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ جب کو ئی دریائی جانور کشتی پر حملہ کر تا تھا تو اس سے نجات پانے اور کشتی سے دورکر نے کے لئے قر عہ ڈالا جاتا تھا اور اسکے مطابق کشتی میں بیٹھے کسی ایک شخص کو در یائی جانور کے منھ میں ڈال دیا جاتا تھا ، قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کا نا م نکل آیا دوسری اورتیسری مرتبہ بھی آپکا ہی نام نکلا آخر کا ر آ پ کو دریا میں ڈالا گیا ۔
ظاہر ہے کہ اس طرح کے جانور کے منھ میں جا نے کے بعدانسان کے بچنے کا کو ئی سوال باقی نہیں رہ جاتا ۔ مچھلی آپ کو نگل گئی آپ نے مچھلی کے شکم میں یہ کہا :
(فَنَادَىٰ فِيْ الظُّلُمٰتِ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْن۔ فَاسْتَجَبْنَالَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذَالِکَ نُنْجِی الْمُوْمِنِيْنَ)(٢)
.....

١۔سورئہ بقرہ آیت٢٤٨۔
٢۔سورئہ انبیاء آیت٨٧۔٨٨۔

"پس (یو نس نے بطن ما ہی کے)اندھیر ے میں آواز دی کہ (پر ور دگارا !)تیرے سوا کو ئی معبود نہیں تو (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے بیشک میں ظلم کر نے والو ں میں سے ہوں تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انھیں رنج سے نجات دی اور ہم تو ایما ندارو ں کو یو نہی نجات دیا کرتے ہیں" ۔
قر آن کریم میں یہ واقعہ کئی جگہ بیان ہو ا ہے اور بعض جگہو ں پر اس کو تفصیل سے بیا ن کیا گیا ہے کہ مچھلی نے آپ کو در یا کے با ہر اگل دیااور خدا نے آپ پر سایہ کے لئے کدو کا درخت اُگا دیا وغیرہ ---
بہر حال یہ بھی ایک غیر معمولی واقعہ تھا جو اثبات نبوت کیلئے نہیں تھا۔چونکہ آپ کئی سال تک اپنی نبوت کے فرائض انجام دے چکے تھے اور اپنی قوم سے نا امید ہو چکے تھے۔

حضرت دائو د علیہ السلام کے کرامات
قرآن کریم میں حضرت دائود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے با رے مینآیات زیادہ ہیں کہ خداوند عالم نے ان دونوں باپ بیٹے پر اپنا خاص لطف وکرم رکھا ہے منجملہ یہ کہ حضرت دائود کو زرہ بنانے کی صفت سے نوازا اور آپ کے ہاتھ میں لوہے کو موم کی طرح نرم کردیا تھا البتہ یہ بھی ایسا نہیں ہے کہ قابل تاویل نہ ہو چنانچہ معجزہ کا انکار کرنے والوں نے اس کی بھی بڑ ی آسانی سے تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جو قرآن فرماتا ہے :(وَعلَّمَنا ہ صنَعَةَ لبوُسٍ) یہ اس وجہ سے ہے کہ خداوند عالم کی صفت ہے کہ وہ تمام اشیاء کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے چنانچہ یہ ایک توحیدی انداز بیان ہے اور لوہے کو نرم کرنا بھی کو ئی غیر معمولی طریقہ سے نہیں تھا بلکہ خدا وند عالم نے آپ کو تعلیم دیدی تھی کہ مثال کے طور پر لو ہے کو نرم کرنے کی ایک بھٹی بنائو اور آپ نے خود تجربوں سے ان تمام چیزوں کو سیکھ لیا تھا کہ کس طرح لو ہے کو نرم کرکے اس کے حلقے تیار کرکے زرہ بنائی جاتی ہے لیکن اس بارے میں قرآن کا انداز اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ کو یہ سب معجزہ کے عنوان سے عطا کیا گیا تھا اورخدا لوگوں پر احسان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ داوئو د کو زرہ بنانے کی تعلیم ہم نے دی تا کہ :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(لتِ ُحْصِنَكُم مِن بَأسِكُمْ)(۱)
"جنگ کے وقت وہ تمہاری حفاظت کریں" ۔
(اَلَنَّالَہُ الْحَدِیْد) سے بھی نہیں ظاہر ہوتاکہ حضرت داوئو د بھٹی میں لوہا رکھ کر نرم کیا کرتے تھے بلکہ ظاہر
.....

۱۔سورئہ انبیاء آیت ۸۰ ۔

مطلب یہی ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا ۔اسی طرح حضرت داوئو د علیہ السلام زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے آپ کا لحن اتنا اچھا تھا کہ پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ خدا کی تسبیح میں شریک ہوجاتے تھے ۔معجزہ کا انکار کرنے والے اس کی بھی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب حضرت داوئود علیہ السلام پہاڑ کے دامن میں بیٹھ کر زبور کی تلاوت کرتے تھے توآپ کی آواز پہاڑ سے ٹکراتی تھی اور یہ وہی آواز کی گونج تھی جو لوگ سنتے تھے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور کچھ پرندے بھی ایسے ہیں جن کوانسان کی اچھی آواز بہت پسند ہے اور وہ جمع ہوجاتے ہینلیکن قرآن کا لہجہ اس بارے میں کسی عام طرح کے واقعہ کی نشاندہی نہیں کرتا ۔
مثال کی طور پر قرآن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَسَخَّرْنَامَعَ دَاوُوْدَالْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ)(۱)
"اور ہم نے داوئو د کے ہمراہ پہاڑ اور پرندوں کو بھی تسخیر کرلیا کہ (خداکی)تسبیح کریں"۔
کیا یہ تعبیر آواز کے مر تعش ہونے سے میل کھاتی ہے ؟"والطیر"یعنی"وسخرناالطیریُسَبِّحْنَ ، (وَکُنَّافَاعِلِیْنَ)اس بات کی مزید تاکید ہے کہ اس کام کو ہم نے (یعنی خدا نے) انجام دیا۔ اگر یہ ایک عام واقعہ تھا تو (وکنا فا علین)کی ضرورت نہیں تھی۔
دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:
(وَلَقَدْ اٰتَیْنَادَاوُدَمِنَّا فَضْلاً ًیٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہُ وَالطَّیْرَوَاَلَنَّالَہُ الْحَدِ یْدَاَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِی السَّرْدِ---)(۲)
"اور ہم نے یقیناً داود کو اپنی طرف سے بزرگی عنایت کردی کہ اے پہاڑ و ناور اے پرند وں ان کے ہم آواز ہوجائو اور ان کے واسطے لو ہے کو نرم کردیا تھا اور ان کو حکم دیا کہ فراخ وکشادہ زرہیں بنائو اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں اندازہ کا خیال رکھو ---"۔
یہ بھی بہ ظاہر آواز کا قدرتی ارتعاش نہیں ہے البتّہ یہ تمام چیز یں انھیں نبوت ثابت کرنے کیلئے نہیں عطا کی گئی تھیں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے کرامات
۱۔حضرت سلیمان علیہ السلام کوایک معجزہ عطا کیا گیا تھا کہ آپ پرندوں کی باتوں کو سمجھ لیتے تھے:
.....

۱۔سورئہ انبیاء آیت۷۹ ۔
۲۔سورئہ سبا آیت ۱۰ ۔۱۱ ۔

(وَوَرِثَ سُلَیْمٰانُ دَاوُدَ وَقَالَ یَاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِوَاُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْئٍ ---)(۱)
"سلیمان داود کے وارث ہوئے اور کہا لوگوہم کو پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے اور ہمیں (دنیا کی)ہرچیز عطا کی گئی ہے"۔
شاید اس آیت سے یہ مطلب نکالا جاسکتا ہے کہ حضرت داود بھی ایسے ہی تھے کیو نکہ آیت میں (عُلِّمْنَا)کہا گیا ہے جو جمع کا صیغہ ہے اور(عُلِمْتُ)نہیں ہے۔
۲۔اور ان آیات سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ جانوروں کی زبان کا جاننا صرف پرندوں تک محدود نہیں تھا بلکہ دوسرے حیوان بھی شامل ہو جا تے تھے چو نکہ حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹیوں کی آواز بھی سن سکتے تھے:
(یَاَیُّھَاالنَّمْلُ ادْخُلُوْامَسٰکِنَکُمْ) (۲)
"اے چیو نٹیوناپنے اپنے سوراخوں میں گھس جائو"۔
حضرت سلیمان نے اسکو سنا اور سمجھ لیا :
(فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًامِنْ قَوْلِھَا---)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

" پس سلیمان اس کی بات سن کر ہنس پڑے---"۔
۳۔حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ خدا وند عالم نے آ پ کے لئے ہو ا کو مسخّر کر دیا تھاکہ آپ جس جگہ چا ہتے تھے ہو ا آپ کے حکم سے آپ کے تخت کو اٹھا کر لیجاتی تھی لیکن معجزہ کا انکار کر نے والے کہتے ہینکہ یہ ایک طرح کا ہو ائی جہاز تھا جو اس زمانہ میں بنا یا گیا تھا لیکن قر آ ن کریم کے لہجہ سے ایسا نہیں لگتا :
(وَلِسُلَیْمانَ الرِّیْحَ غُدُوُّھَا شَھْروَرَوَاحُھَا شَھْر)(۳)
"اور ہم نے ہوا کو سلیمان کا تابع بنا دیا تھا وہ ایک صبح میں ایک مہینہ کی (مسافت)طے کرلیتے تھے اور رات میں بھی ایک مہینہ کی راہ طے کرتے تھے"۔
اسی سلسلہ کی ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے :
(فَسَخَّرْنَالَہُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِہِ رُخَائً حَیْثُ اَصَابَ)(٤)

.....

۱۔سورئہ نمل آیت ۱٦۔
۲۔سورئہ نمل آیت۱۸۔۱۹۔
۳۔سورئہ سبا آیت ۱۲۔
٤۔سورئہ ص آیت ۳٦۔

"پس تو ہم نے ہوا کو ان کا تابع کردیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے ان کے حکم کے مطابق دھیمی چال سے چلتی تھی"۔
٤۔حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور معجزہ تھا کہ خداوند عالم نے ان کے لئے تا نبے کا ایک چشمہ ظاہر کردیا تھا گویا تانبہ پگھلانے کی صنعت ان کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے :
(وَاَسَلْنَالَہُ عَیْنَ الْقِطْرِ)
"اور ہم نے ان کیلئے تانبے (کو پگھلا کر اس)کا چشمہ جاری کردیا تھا "۔
٥۔اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک اور معجزہ یہ تھا کہ جن اور شیا طین ان کے قبضے میں تھے قرآن کریم فرماتا ہے :
(وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْہِ بِاِذْنِ رَبِّہِ وَمَنْ یَزِغْ مِنْھُمْ عَنْ اَمْرِنَانُذِ قْہُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ)(۱)
"اوردیو کی ایک جماعت ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے کام (کاج)کرتی تھی اور ان میں سے جس کسی نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے"۔
اورپھر اس کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ جنات کیا کیاکام کرتے تھے :
(یَعْمَلُوْنَ لَہُ مَایَشَائُ مِنْ مَحَارِیبَ وَتَمْثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَواب وَقُدُوْرٍ رَاسِیَاتٍ)(۲)
"سلیمان جو کچھ بنوانا چاہتے یہ جنّات او نچے محل اور مجسمے اور حوض کے برابر پیالے اور (بڑی بڑی) دیگے بنادیتے تھے "۔
اس آیت سے بہ ظاہر پتہ چلتا ہے کہ محل وغیرہ کی سجاوٹ کیلئے تصویر وغیرہ ---بنا تے تھے ۔
اسی سلسلہ کی دوسری آیت میں آیا ہے :
(---وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّائٍ وَغَوَّاصٍ۔ وَآخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِیْ الاَصْفَادِ)(۳)
"اور دیو کو ان کمے قابو میں کردیا جو عمارت بنانے والے اور غو طہ لگانے والے تھے اور اس کے علاوہ بھی دوسرے دیوئو ں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑ ے ہوئے تھے"۔

.....

۱۔سورئہ سبا آیت۱۲۔
۲۔سورئہ سبا آیت۱۳۔
۳۔سورئہ ص۳۷۔۳۸۔

اصحاب کہف

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

غیر نبی کیلئے ظاہر ہو نے والی کرامت میں سے ایک اصحاب کہف کا واقعہ بھی ہے جو ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ ان لو گوں کے لئے جو پیغمبر بھی نہیں تھے خداوند عالم نے ان کو تین سو سال گہری نیند سلا دیا اور پھر ان کوبیدارکیاو۔۔۔"۔
اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی غیر معمولی واقعات انسان کے ارادہ کے تابع نہیں ہوتے یعنی ضروری نہیں ہے ہمیشہ غیرمعمولی کام انسان کے ارادے اور اختیار سے ہی انجام پائیں بلکہ ممکن ہے فرشتوں کے ارادہ سے انجام پائیں البتہ اس میں انسان کے ارادہ کی بھی نفی نہیں کی گئی ہے لیکن اصحاب کہف کا واقعہ اس طرح ہے کہ خود انھوں نے تین سو سال سونے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ کچھ دیر آرام کے بعد دوبارہ اپنے راستہ پر آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن خود ان کے یا کسی دوسرے انسان کے چاہے بغیر خداوند عالم نے ان کو تین سو سال سلا ئے رکھا :

عقلی نکتہ
یہاں پر نامناسب نہ ہوگا اگر ایک عقلی نکتے کی طرف اشارہ کردیا جائے :
غیر معمولی واقعات جب کسی انسانی نفس سے منسوب ہوں تو ہم اس وقت یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وجود فلاں موجود کو متا ثر کرنے کرنے یا وجود میں آنے کا ذریعہ بنا ہے اور چونکہ اس کا بدن سے تعلق ہے اس میں مادی شرطیں پائیں جاتی ہینلیکن جب تقریباً کسی غیر مادی علّت سے منسوب ہو تو یہ سوال پیش آتا ہے کے مجرد تام کی نسبت تمام چیزوں اور تمام جگہوں سے ایک ہوتی ہے تو کیسے ایک مجرد تام بہ درجہ کوئی مخصوص مادی واقعہ کسی جگہ ایجاد کر سکتا ہے ؟ یہ وہ اعتراض ہے جن کا فلسفہ اور معجزات کا عقلی تجزیہ کر نے والوں کو سامنے کرنا پڑ تا ہے اس کے جواب میں وہی بات کہدینا کافی ہے جو خود فلسفہ تمام عادی امور میں دیتے ہیں اور وہ یہ ہے :کوئی بھی مادہ جب (وجود کیلئے) تیار ہوجاتا ہے عقل وفعّال کے ذریعے اس کو صورت دی جاتی ہے وقت اور جگہ سے اس کا مخصوص ہونا یہ قابل استعداد پر منحصر ہے فاعل کی تاثیر نہیں ہے۔اصحاب کہف کے اندر یہ استعدادجو پیدا ہوئی تھی اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون سی استعدادتھی لیکن ان کے اندر کچھ ایسے حالات کا پایا جانا کہ جن کا تقا ضا اس طرح کا تھا طے ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا فاعل کسی مجرد تام کو مان لے جو ان موجودا ت کا باعث ہوا ہو لیکن اس کا ان افراداور اس زمان سے مخصوص ہونا خود فا عل کی طرف سے ہو تو ان کے ما بین کوئی منافات نہیں پائی جاتی۔

نتیجہ
اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر معمولی واقعات خواہ وہ علم کی صورت میں ہوں ،خواہ فرشتوں کے تکلّم یا مخصوص افعال کا نتیجہ ہو انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں ہیں اور نہ ہی مقام اور نبوت کے اثبات سے مخصوص ہیں۔عقل کی بنیاد پر جو بات ضروری ہے وہ یہ کہ جب کسی پیغمبرکی نبوت کا اثبات معجزہ پر موقوف ہو تو معجزہ دکھلا یا جانا چاہئے تا کہ حجت تمام ہوجائے لیکن تمام مقامات پر یہ ایک طرح کا خدا کا فضل اور لطف ہے اور جب بھی اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے تو وہ ایک غیرمعمولی کام معجزہ یا کرامت کی صورت میں انجام دیدیتا ہے۔

راہ اور رہنما کی پہچان

دائمی اعجاز
یہ بیا ن کیا جا چکا ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا اثبات معجزہ پر مو قو ف ہو تو حکمت الٰہی تقاضا کرتی ہے کہ وہ ان کو معجزہ عطا کر دے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐکے با رے میں اس کی کیا صورت ہے قر آ ن کریم فر ماتا ہے کہ گذشتہ انبیا ء علیہم السلام نے پیغمبر اسلا مؐکے ظہو ر کی بشارت دی تھی یہا ں تک کہ اہل کتاب پہلے سے آپ کے ظہو ر کے منتظر تھے۔اس بنا ء پر ان کے لئے آنحضرت کی نبو ت ثابت تھی اور اتنے واضح وآشکار قرینے اور نشانیاں مو جود تھیں کہ آنحضرت کی نبوت میں کسی شک وشبہ کی کو ئی گنجائش نہیں تھی ۔ جہاں تک دوسرے لو گو ں کا سوال ہے تو جو بشا رتیں انھیں دی گئیں تھیں اور جن کو وہ بیان کیا کرتے تھے (اور بعد میں متحقق ہو ئیں) ان کی وجہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

سے ان پر بھی حجت تمام ہو چکی تھی لیکن چو نکہ پیغمبر اسلامؐکسی ایک سر زمین اور کسی ایک زمانہ کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے تھے بلکہ جب تک انسان اس رو ئے زمین پر زندہ ہیں اور زندگی بسر کر تے ر ہیں گے ان کو پیغمبر اسلامؐ کا اتباع کر نا ہے ایسی صورت میں حکمت الہٰی کا یہ تقا ضا ہے کہ آنحضرتؐکو ایساجا ودانہ معجزہ عطا کرے جو کسی خاص زمان اور مکان سے مخصوص نہ ہو۔ چو نکہ تمام انبیا ء علیہم السلام کے معجزات صرف اپنے زما نہ والو ں کے لئے جو ان سے ملا قات کر تے تھے ثابت ہو نا کا فی تھا اور اس کے بعد غا ئبین کے لئے حا ضرین کے نقل کر دینے سے ثابت تھا لیکن یہ طریقہ ہمیشہ کے لئے بہت زیا دہ مفید نہ تھا ۔ یعنی اگر صرف دو سروں کے نقل کر نے پر اکتفاء کر لی جاتی تو ہزا روں سال کی مدت میں یہ محض نقل کر نے کا طریقہ آہستہ آہستہ اپنی اہمیت کھو بیٹھتا لہٰذا کو ئی ایسا (دائمی معجزہ) ہو نا چا ہئے تھا کہ جس کے ذریعہ لوگ ہمیشہ پیغمبر اسلامؐکی نبوت کو پہچان سکیں ۔ اسی وجہ سے خداوندعالم نے پیغمبر اسلامؐپر ایسی کتاب نازل فر مائی جو بذات خود بڑا ہی عظیم اور جا ودانہ معجزہ ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک پیغمبر اسلامؐکی نشانیاں

(اَلَّذِیْنَ آتَیْنَا ھُمُ الْکِتَا بَ یَعْرِفُوْ نَہُ کَمَا یَعْرِ فُوْنَ اَبْنَا ئَ ھُمْ) (۱)

"اہل کتاب جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اسی طرح)وہ اس (پیغمبر حضرت محمد)کو بھی پہچانتے ہیں"۔

جس ما حول میں یہ آیت نازل ہو ئی اس کی تحقیق کریں توحقائق کے سمجھنے میں بہت مدد ملے گی خدا وند عالم نے اہل کتاب کے با رے میں پیغمبر اسلامؐسے اس دشمنی کے با وجود جو ان میں سے بعض آپ کے ساتھ رکھتے تھے صاف طور پر فر مایا ہے:

(یَعْرِفُوْنَہُ کَمَا یَعْرِفُوْ نَ اَبْنَا ئَ ھُمْ)

"وہ آپ کو اپنے بچوں کی طرح پہچانتے تھے"۔

اگر اس مسئلہ میں کو ئی شک و شبہ ہو تا تو وہ اتنا پرو پگنڈہ کر تے کہ جس کا تصور نہیں، ایسا نہیں ہے ہم اس پیغمبر کو نہیں پہچانتے ،ہماری کتا بوں میں ان کے بارے مینکچھ بیان نہیں ہوا ہے لیکن قر آن کریم نے دو مرتبہ صاف طور پر کہا ہے کہ وہ اپنے بچو ں کی طرح اِس پیغمبر کو پہچانتے ہیں اور ان کے پاس کہنے کو اس کا کو ئی جواب بھی نہیں تھا ۔

(وکَانُوامِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِ یْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّاجَائَ ھُمْ مَاعَرَفُوْا کَفَرُوْابِہِ فَلَعْنَۃُ اللَّہِ عَلَی الکَافِرِیْنَ)(۲)

"اہل کتاب با وجودیکہ پہلے (آنحضرت کے ظہور کے ذریعے)کافرونپر فتحیاب ہونے کی دعائیں مانگتے تھے پھر بھی ان کے آنے اور پہچان لینے کے بعد بھی انھوں نے انکار کیا (اور ایمان نہیں لائے)پس کافر وں پر خداکی لعنت ہے "۔

پیغمبر اسلامؐکے مبعوث ہونے سے پہلے اہل کتاب مشرکوں کے ساتھ گفتگو کے وقت یہ بشارت دیا کرتے تھے کہ تمہارے درمیان سے ایک پیغمبر مبعوث ہونے والا ہے جو ہماری تصدیق کرے گا اس وقت تم لوگ سمجھو گے کہ ہمارا دین حق ہے اور خدا کی طرف سے ہے اور اس سے ہماری عزت وآبرو بڑھے گی کہ ہمارا دین باطل نہیں تھا یہی لوگ جو مشرکوں سے اس طرح کی گفتگو کیا کرتے تھے جب پیغمبر اسلامؐمبعوث ہوئے تو آپ کو

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۱٤٦ و سورئہ انعام آیت ۲۰۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت ۸۹ ۔

پہچا ننے کے باوجود آپ کے منکر ہوگئے پس کافروں پر خدا لعنت کرے۔

قرآن کلی طور پر فرماتا ہے کہ تورات میں اور انجیل میں بھی اس پیغمبر کے مبعوث ہونے کی بشارت دی گئی تھی :

(اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہُ مَکْتُوْباًعِنْدَھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ)(۱)

"یعنی جو لوگ ہمارے اس رسول سے نبی امّی کے قدم بہ قدم چلتے ہیں کہ جن کا نام انھوں نے اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا دیکھا ہے"۔

مندرجہ بالا آیت میں اہل کتاب کے مومنین کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ اسی پیغمبر کا اتباع کرتے ہیں کہ جس کی بشارت انھوں نے اپنے ہاں توریت وانجیل میں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔

پس قرآن ہم کو یہ سمجھا تا ہے کہ پیغمبر اسلا مؐکے ظہور کی بشارت تورات اور انجیل میں پہلے سے دیدی گئی تھی اور خاص طور سے حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبانی نقل فرماتا ہے کہ انھوں نے پیغمبر اسلام (حضرت محمد مصطفیؐکے ظہور کی بشارت دی تھی اور آپ کا نام (احمد)پہلے سے بتایا تھا:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَمُبَشِّراًبِرَسُوْلٍ یَّاْ تِیْ مِنْ بَعْدِیْ اسْمُہُ اَحْمَدُ)(۲)
"اور ایک پیغمبر جن کا نام احمد ہو گا اور میرے بعد آئینگے ان کی خو شخبری سناتا ہوں "۔
(اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْارَسُوْلَھُمْ فَھُمْ لَہُ مُنْکِرُوْنَ)(۳)
"آیا یہ اپنے رسول کو نہیں پہچانتے جو اس کا انکار کر بیٹھے ہیں "۔
معلوم ہو ا اہل کتاب پیغمبر اسلا مؐسے مکمل طور پر آشنا تھے اور وہ جانتے تھے کہ یہ وہی پیغمبر ہے کہ جس کے ظہور کی بشارت گذ شتہ انبیاء علیہم السلام نے دی تھی پس قرآن کی رو سے اہل کتاب پر حجت تمام ہو چکی تھی لیکن دوسرو ں کی کیا کیفیت ہے ؟یہ بشا رتیں جو اہل کتاب دیا کر تے تھے اور بعض لوگ اس کی تصدیق بھی کیا کر تے تھے اس سے دو سرو ں کے لئے بھی حجت تمام کر دی تھی یعنی جب کچھ لو گو ں نے آکر یہ خبر دی کہ فلا ں زمانہ میں فلاں قبیلہ سے ایک شخص ان خصو صیات کے ساتھ مبعوث ہو گاتو اس وعدہ کا متحقّق ہونا اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ گزشتہ کتا بیںبھی سچی تھیں کہ جن میں سے اس طرح کی خو شخبریاں درج ہیں اور یہ پیغمبر بھی اپنی رسالت کے دعوے میں سچا ہے لہٰذا اہل کتاب جو بشارتیں لو گو ں کے سا منے بیان کر تے تھے اور بعد میں بعض لو گو ں نے بھی اس کی تصدیق کر دی

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۱۵۷ ۔
۲۔سورئہ صف آیت ٦۔
۳۔سورئہ مومنون آیت ٦۹ ۔

تھی اس کے سبب دو سرے لو گو ں کے لئے بھی حجت تمام ہو جاتی ہے اس سلسلہ میں قرآن کریم فر ماتا ہے:
(وَشَھِدَ شَاھِد مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی مِثْلِہِ فَآ مَنَ)(۱)
"بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ (شاید ان کے عالم عبد االلہ سلام کی طرف اشارہ ہے) گوا ہی بھی دے چکا اور ایمان بھی لے آیا کہ یہ وہی پیغمبر ہے کہ جس کی ہم بشارت دیا کر تے تھے "۔
ایک اور آیت شریفہ میں ارشاد ہو تا ہے:
(اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ آیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہُ عُلَمَآئُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ) (۲)
"کیا ان کے لئے یہ نشانی کا فی نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس طرح کے نبی کی بعثت سے با خبر ہیں "۔
معلوم ہو ا گذشتہ کتا بو ں کی بشا رتیں صرف اہل کتاب کے لئے ہی حجت نہیں تھیں بلکہ وہ تمام معا صرین جو ان خو شخبریو ں سے آگاہ تھے اور جنھو ں نے وہ نشانیا ں پیغمبر میں دیکھ لی تھیں ان کے لئے بھی حجت تمام ہو گئی تھی ۔

چیلنج، قر آن کے معجزہ ہو نے کا ثبوت
قا رئین کرام جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں چو نکہ پیغمبر اسلامؐکی رسالت ابدی اور عالم گیر ہے آپ کا معجزہ بھی عالم گیر ہو نا چا ہئے اسی بناء پر قر آن خود معجزہ کی صورت میں نا زل ہوا۔
قر آن کریم میں بہت سے مقا مات پر یہ دعویٰ موجو د ہے کہ یہ کتاب معجزہ ہے اور کو ئی شخص قرآن کا مثل نہیں لا سکتا ۔ہم یہا ں پر اس مو ضوع سے متعلق آیات مختصر طور پر عرض کر تے ہیں :
پیغمبر اسلامؐنے متعدد مقامات پر خد ا وند متعال کی طرف سے لو گو ں کو یہ دعوت دی ہے کہ اگر تم لوگوں کو اس کتاب یا میری رسالت میں شک ہے تو تم بھی اس کے مثل کتاب لے آئو۔اتفاق سے بعض لو گ اس طرح کی باتیں کیا کر تے تھے کہ اگر ہم چا ہیں تو اس طرح کی کتاب لا سکتے ہیں قر آ ن کریم ان کے دعوے کو اس طرح نقل کر تا ہے :
(وَاِذَاتُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُنَاقَالُوْاقَدْ سَمِعْنَالَوْنَشَآئُ لَقُلْنَامِثْلَ ھٰذَآاِنْ ھٰذَآاِلَّااَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ)(۳)
"اور جب ان کے سا منے ہماری آیتیں پڑھی جا تی ہیں تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور اگر چا ہیں تو اس

.....

۱۔سورئہ احقاف آیت ۱۰ ۔
۲۔سورئہ شعراء آیت ۱۹۷ ۔
۳۔سورئہ انفال آیت ۳۱ ۔

طرح کی باتیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں یہ پچھلے لو گو ں کے افسانوں کے سوا ء اور کچھ نہیں ہے "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مقابلہ کی اس دعوت کو چیلنج کہتے ہیں یہ چیلنج قرآن میں کئی طریقہ سے بیان کیا گیا ہے ایک یہ کہ اس قر آن کے مثل لے آئو اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کے جیسی کو ئی کتاب یا اس قر آ ن کے سو روں کے مجموعہ جیسا کو ئی مجموعہ لے آئو قرآن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :

(قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ اَنْ يَاْتُوابِمِثْلِ هٰذَاالْقُرْآنِ لاَ يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْكَانْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْراً)(١)

"اے رسول)کہہ دیجئے کہ اگر دنیا کے تمام آدمی اور جن اکٹھا ہوں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو اس کے جیسا نہیں لا سکتے اگر چہ (اس کو شش میں ایک دو سرے کی مدد بھی کریں"۔

اور قر آ ن کریم میں ارشاد ہو تا ہے:

(فَلْيَاْتُوْابِحَدِيْثٍ مِثْلِهِ اِنْ كَانُوْاصَادِقِيْنَ)(٢)

"اگر یہ لو گ سچے ہیں تو ایسا ہی کو ئی کلام بنا لا ئیں "۔

پس ان دو آیتو ں میں یہ چیلینج کیا گیا ہے کہ اس قر آن کی مانند کو ئی کتاب اور کو ئی کلام اگر لا سکیں تو لے آئیں اور بہ ظاہر مجموعۂ قر آن کا جواب مطلوب ہے لیکن بعض آیات میں پو رے قرآن کی بھی بات نہیں ہے ۔جیسا کہ ایک مقام پر دس سو روں کا اور ایک مقام پر صرف ایک سورہ کا جواب لا نے کا چیلنج کیا گیا ہے جو ظا ہراً قر آن کے چھو ٹے سوروں پر بھی صادق آتا ہے۔یعنی اگر قر آن کے کسی چھو ٹے سورہ کے مثل ایک سطر بھی لے آ تے تو اس آیت کے مطابق پیغمبر اس کو قبو ل کر لیتے اور یہ اس چیز کی نشانی ہو تی کہ یہ کتا ب خدا وند عالم کی کتاب نہیں ہے۔ معلوم ہو ا قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر تمام انسان جمع ہوجائیں تو وہ بھی قرآن کے ایک سطر کے برابر کسی چھوٹے سے سور ہ کا جواب نہینلاسکتے :

(اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْابِعشْرِسُوَرٍمِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوْامَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰادِقِيْنَ)(٣)

.....

١۔سو رئہ اسراء آیت ٨٨۔
٢۔سورئہ طورآیت ٣٤۔
٣۔سورئہ ہودآیت ١٣۔

"یا یہ لوگ کہتے ہیں یہ شخص اپنی طرف سے گڑھ لیتا ہے اور جھوٹ موٹ اسے خدا کی طرف منصوب کردیتاہے تو آپ ان سے صاف صاف کہدیں کہ اگر تم (اپنے دعوے میں)سچّے ہوتو (زیادہ نہیں)ایسے دس سورہ اپنی طرف سے گڑھ کے لے آئو خدا کے سوا جس جس کو تمھیں بلاتے بن پڑے مدد کے واسطے بلالو "۔

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو آپ نے خود گڑھ لیا ہے۔تو ان سے کہدیجئے کہ تم بھی اس قرآن کے دس سوروں کے مثل گڑھ کر لے آئو اور جس کو تم چاہو اپنی مدد کے لئے بھی بلاسکتے ہو۔

نہ صرف یہ کہ تم اس کے مثل نہیں لا سکتے بلکہ دوسروں کی مدد کے ذریعہ بھی چاہے جس کسی کو بھی بلالو ایسا نہیں کر سکتے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :

(فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْااَنَّمَآ اُ نْزِلَ بِعِلْمِ اللهِ ---)(١)

"پس اگر وہ قبول نہ کریں تو سمجھ لیجئے کہ یہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور صرف خدا کے علم کی بنیاد پر نازل کیا گیا ہے ۔"

یعنی مقابلے اور چیلنج کی فضا اس قدر آمادہ وتیار ہے کہ اس پر کوئی بھی عاقل انسان اگر غور کرے تو اسے یہ یقین ہوجائیگا کہ یہ کتاب خداوند عالم کی کتاب ہے ۔

کلام عربی زبان میں (بلسانٍ عربی مبین)صاف عربی زبان میں ہے اور انھیں حروف سے ملکر بنی ہے جس میں تمام لوگ باتیں کیا کرتے ہیں ان ہی الفاظ سے بنی جن کا لوگ اپنے محاوروں میناستعمال کرتے ہیں ، مفردات وہی مفردات ہیں ترکیب نحوی کے لحاظ سے وہی مبتدا خبر، فاعل اور مفعول ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کوئی شخص قرآن کے دس سورں کے مثال نہیں لا سکتا اور چیلنج کا جواب دینے کیلئے بھی بہت سے تقاضے مو جو د ہیں یہ دیکھتے ہوئے کہ کفّارو مشرکین نے پیغمبر اسلامؐ کی تبلیغ کے اثر کو ختم کر نے کیلئے اپنی تمام طاقتوں کو صرف کر ڈالا تھا اگر ایک ایک سطر کے دس سورے لکھنا ان کے لئے ممکن ہوتا تو یقین ہے وہ ضرور ایسا کرتے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو یہ بتاتا ہے کہ ایک عام انسان کا کام نہیں ہے قرآن نے ایک دوسری آیت میں مقابلے کی شرط کو اور ہلکا کردیا ہے ارشاد ہو تا ہے:

(اَ مْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَأْ تُوْابِعشرسُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ)(٢)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سو رئہ ہودآیت ۱٤۔
۲۔سورئہ ہود آیت ۱۳۔

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص جھو ٹ ہی (قرآن کی) خدا کی طرف نسبت دیتا ہے تو آپ (ان سے صاف صاف) کہہ دیجئے کہ اگر تم (اپنے دعوے میں)سچے ہو تو (زیادہ نہیں)صرف ایک سورہ اپنی طرف سے بناکے لے آئو اور خدا کے سوا جس کسی کو تم سے بلا تے بن پڑے مدد کے واسطے بھی بلا لو "
ہم دس سوروں سے صرف نظر کرتے ہیں صرف ایک سورہ کا جواب لے آئو اور یہ ایک سورہ بھی صرف ایک انسان نہیں بلکہ جس کو بھی تم چاہو اپنی مدد کے لئے بلالو اپنی تمام طاقتوں اور افکار کو جمع کرلو اور قرآن کے جیسی ایک سطر بنا کے لے آئو ۔
اور رہا یہ مسئلہ کہ بعض آیات میں دس سوروں اور بعض آیات میں صرف سورہ کا چیلنج کیوں کیا گیا ہے ،تو اس بارے مینعام طور پر مفسّر ین قرآن یہ کہتے ہیں کہ یہ درجہ بدرجہ چیلنج ہے ۔
یعنی پہلے یہ چیلنج کیا گیا کہ پورے قرآن کا جواب لے آئو اس کے بعد فرمایا کیا اگر پورے قرآن کا جواب نہیں لاسکتے تو دس سوروں کا جواب لے آئو اس کے بعد فرمایا اگر دس سوروں کا مثل بھی نہیں لا سکتے ہوتو ایک سورہ کا ہی مثل لے آئو اور یہ مد مقابل کی عاجزی کو ثابت کرنے کا زیاد بلیغ اور بہتر طریقہ ہے ۔
لیکن یہ بات اس صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ آیتیں بھی اسی ترتیب سے نازل ہوئی ہوں یعنی پہلے وہ آیات نازل ہوئی ہوں کہ جن میں پورے قرآن کے جواب کا چیلنج ہو ،اس کے بعد وہ آیت نازل ہوئی ہو جس میں دس سوروں کا مثل لانے کا چیلنج کیا گیا ہو اور اس کے بعدوہ آیت نازل ہوئی ہو جس میں ایک سورہ کا مثل لانے کا چیلنج ہولیکن قرآنی سوروں کے نازل ہونے سے متعلق روایات کے ساتھ یہ بات میل نہیں کھاتی ۔کیونکہ دس سوروں کا مثل لانے کا چیلنج سورئہ ہود میں ہے اور ایک سورہ کا مثل لانے کا چیلنج سورہ یونس وسورہ بقرہ میں ہے اور عام طور پر جن لوگوں نے قرآن کے سوروں کے نازل ہونے کی ترتیب بیان کی ہے وہ سورئہ یونس کا سورئہ ہود سے پہلے نازل ہونا بیان کرتے ہیں اگر چہ ایک قول یہ بھی ہے کہ سورئہ ہود سورئہ یونس سے پہلے نازل ہوا ہے لیکن زیادہ تر اقوال میں سورئہ یونس کا پہلے نازل ہونا بیان ہوا ہے۔اس بناء پر مشہور روایات کے مطابق درجہ بدرجہ چیلنج میں شدّت کا نظریہ سوروں کے نازل ہونے کی ترتیب کے ساتھ میل نہیں کھاتا اب یا تو ہم غیر مشہور روایت کے قول کو قبول کریں یا پھر کوئی اور وجہ بیان ہونی چاہئے۔
صاحب المیزان علّا مہ طبا طبائی نے اس کی ایک دوسری وجہ بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے :
ایک سورہ کا جواب لانے کا چیلنج ایک جہت سے ہے اور دس سوروں کا جواب لانے کا چیلنج دوسری جہت سے ہے ۔پورا قرآن بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے اس کے ایک سورہ یا کئی سوروں کے ما بین کوئی فرق نہیں ہے ۔ لہٰذا اگر قرآن کے جیسا ایک سورہ بھی لے آئیں جس میں قرآن جیسی بلاغت ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ قرآن کریم خداوند عالم کا کلام نہیں ہے لیکن صرف بلاغت ہی کسی کلام کے مفیدو رسا ہونے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ مختلف فنون ہیں اور ہر فن کی ایک خاص خصوصیت ہوتی ہے جب خداوند عالم فرماتا ہے کہ دس سوروں کا جواب لے آئو تو گویا یہ کہنا چاہتا ہے کہ کلام میں حُسن پیدا کرنے کے جتنے بھی طریقے اور انداز ممکن ہوسکتے ہیں ان سب کو قرآن چیلنج کرتا ہے گویا یہ کہنا چاہتا ہے کہ تم کسی بھی اعتبار سے چاہے وہ کلام کا کوئی بھی میدان ہو قرآن کا مثل نہیں لاسکتے ہو۔ قرآن جہاں علوم ومعارف کی بحث ہے تو تم اسکا جواب نہیں لا سکتے ، قرآن جہاں احکام بیان کرتا ہے تم اس کا جواب نہیں لاسکتے قرآن نے جہاں داستانیں اور قصّے بیان کئے ہیں جہاں اخلاق کے موضوع پر باتیں کی ہیں وغیرہ کسی بھی فن میں جن پر قرآن میں گفتگو ہے اگر تم مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو اس کا جواب اسی فن میں لے آئو مثال کے طور پر ایسے دس سورے لے آئو کہ جن میں ہر سورہ کسی خاص روش کا حامل ہو اور کسی خاص فن میں بات ہوئی ہو تمہارے کلام کا قرآن سے اسی وقت مقائسہ کیا جاسکتا ہے کہ جب تم ان تمام فنون میں مقابلہ کرسکو ۔پس ممکن ہے یہ (سورئہ ہود کی) آیت سورئہ یونس کے بعد نا زل ہوئی ہو اور پھر بھی دس سوروں کا جواب لانے کا چیلنج اس میں کیا گیا ہو۔
بہر حال یہ حقیقت ہے کے خداوند عالم نے پو رے قرآن کا بھی، دس سو رہ کا بھی اور ایک سورہ کا بھی مثل لانے کا چیلنج کیا ہے اگر درجہ بہ درجہ چیلنج آیات کے نزول کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہ وجہ سب سے زیادہ واضح اور قابل قبول ہے مند رجہ ذیل آیت مینبھی ایک سورہ کا مثل لانے کا چیلنج کیا گیا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِمَّاَنَزّ لْنَاعَلٰى عَبْدِنَافَاْتُوْابِسُوْرَ ةٍ مِّنْ مِثْلِہِ وَادْعُوْا شُهَدَائَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اﷲِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِ قِيْنَ۔فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْاوَلَنْ تَفْعَلُوْ افَاتَّقُوْاالنَّارَ الَّتِى وَقُوْدُهاَالنَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ)(۱)

"اور اگر تم اس کلام کے با رے میں جو ہم نے اپنے بند ے (محمد)پر نازل کیا ہے شک میں ہو تو اگر تم سچّے ہو تو تم (بھی) ایک ایسا ہی سو رہ بنا لا ئو اور خدا کے سواجو تمہا رے گواہ ہو ں ان سب کو (بھی) بلا لو ،پس اگر تم یہ نہیں کرسکتے ہو اور ہر گز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن بد کار آدمی اور پتھر ہو ں گے اور کا فروں کے لئے تیار کی گئی ہے"۔

تعبیر کے لحاظ سے شاید یہ آیت دوسری آیات سے زیادہ مطلب کو سمجھا سکتی ہو کیو نکہ بحث کے وقت جب دو ....

۱۔سو رئہ بقرہ آیت ۲۳ و ۲٤ ۔

آدمی ایک دوسرے سے بحث کر تے ہیں ایک کہتا ہے کہ اگر تم حق پر ہو تو فلاں کام کر ڈالو زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ وہ اس کام کو انجام نہیں دے سکے گا اور بحث میں ہار جا ئیگا لیکن قرآن اس پر اکتفا ء نہیں کرتا بلکہ ان کو پوری طرح ابھا رتا اور یہ کام انجام دینے کا شوق دلا تا ہے :

(فَاِ نْ لَمْ تَفْعَلُوْاوَلَنْ تَفْعَلُوْافَاتَّقُوْاالنَّا رَ ---)

صرف تمہارا قبول نہ کرنا اور مثال کے طور پر یہ کہنا کہ ہم اس کا جواب تو لا سکتے ہیں لیکن لا نہیں رہے ہیں کافی نہیں ہے بلکہ یا تو یہ ثابت کرو کہ یہ خدا کا کلا م نہیں ہے یا پھر اگر تم ثابت نہیں کر سکتے تو تم کو قبول کر لینا چا ہئے لیکن اگر تم نے نہ ثابت کیا اور نہ ہی قبو ل کیا تو سمجھ لو کہ انجام بہت ہی برا ہو گا اور اﷲ کا ابدی عذاب تمہا را انتظار کررہاہے ۔

کو ئی بھی عاقل اس طرح کی تہدید سے متا ثر ہو ئے بغیر نہیں رہے گا اگر اس کا ضمیر زندہ ہے تو وہ اس طرح کے چیلنج کا کو ئی اطمینا ن بخش جواب ضرور ڈھو نڈ ے گا ۔ اس لئے کہ عقل ہر عا قل انسان کو اس طرح کا کو ئی صحیح جواب تلاش کر نے پر ابھا ر تی ہے یا تو اِس کا مثل لے آنا چا ہئے کہ یہ معلوم ہو جا ئے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے یا کم سے کم خود اپنے اطمینان کے لئے کو ئی دلیل فرا ہم کرے یا (ہار مان کر)اس کو تسلیم کر لینا چا ہئے کہ یہ خدا کا کلام ہے لیکن اگر وہ اس کا مثل نہیں لا سکا تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے خود اس کا جواب لا نا نہیں چا ہا بلکہ پو ری سنجید گی سے کئے گئے اس چیلنج کی موجودگی اس کی عقل کو مندر جہ بالا دو صو ر تو ں میں سے کو ئی ایک صورت کے انتخاب کر لینے پر مجبور کر دیتی ہے در حقیقت یہ آیت تمام آیتو ں سے زیا دہ بلیغ اور رسا ہے جو مدّ مقابل کو فیصلہ کن مقا بلہ کے لئے با لکل تیا ر کر دیتی ہے ۔

(مِثْلِہِ)کی ضمیر کے با رے میں مفسرین کے در میان اختلاف ہے کہ اسکا مر جع کو ن ہے ؟

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ (مِنْ مِثْلِہِ)یعنی (مِنْ مِثْلِ الْقُرْ آن)اور (کلمہ مِنْ)تبعیض کے لئے ہے ۔ اس بنا پر سو رئہ یو نس کی آیت اور اس آیت دو نو ں کا نتیجہ ایک ہی نکلے گا ۔

لیکن بعض دو سرے مفسرین کہتے ہیں کہ (مثلہ)کی ضمیر (عَبْدِنَا)کی طرف پلٹتی ہے یعنی اس طرح کے شخص کے مثل سے اس طرح کا قر آن لا ئواور یہ قر آن کے دو جہتو ں سے معجزہ ہو نے کی طرف اشارہ ہے :

ایک یہ کہ کو ئی بھی شخص قر آن کے مثل ایک سورہ بھی نہیں لا سکتا ۔

دوسرے یہ کہ خیال رہے ایک ایسا شخص اس طرح کا کلا م لیکر آیا ہے کہ جس نے کسی کے سا منے زا نو ئے ادب تہہ نہیں کیا ہے ۔حتیٰ اگر بہ فرض محال دنیا کے دانشمند تنہا یا مل جل کر اس کا مثل لے بھی آئیں تو خیال رہے کہ پیغمبر نہ تو کو ئی دانش ور ہیں اور انھو ں نے کسی سے تعلیم حاصل کی ہے۔جو شخص کسی مدر سہ میں نہ گیا ہو اور جس نے کسی استاد کے سا منے زا نو ئے ادب نہ تہہ کئے ہو ں وہ اس طرح کی ایک کتاب لیکر آیا ہے اور یہ بہتر طریقہ سے اس چیز کی نشا ند ہی کر تا ہے کہ یہ کلا م کلام خدا ہے اور شاید آیت میں یہ وجہ زیا دہ قوی اور درست ہو ۔

قرآن کریم معجزہ کیوں ہے ؟

قرآن کریم کس رخ سے معجزہ ہے اس بارے میں کافی بحثیں ہیں، کتابیں بھی لکھیں گئی ہیں۔ اور ہم اپنی بحث مکمل کرنے کیلئے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی وجہیں اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۱۔صَرف و انصراف

بعض علما علم کلام کہتے ہیں کہ قرآن کریم اپنے مطالب و انداز بیان کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ قرآن کریم "صرف یعنی منصرف کردینے "کی وجہ سے معجزہ ہے ،در حقیقت ایسا نہیں ہے کہ انسان قرآن کی ایک آیت یا سطر کا مثل تیار کرسکے آخر مختلف ترکیبوں سے کام لے کر قرآن کے جیسی ایک سطر کی عبارت تیار کی ہی جاسکتی ہے ۔ بلکہ قرآن تو اس وجہ سے معجزہ ہے کہ خدا لوگونکو اس طرح کا کام کرنے سے منصرف کردیتاہے ۔

یہ علت ظاہر آیات کے ساتھ سازگار نہیں ہے ۔اس لئے کہ قرآن کا کہنا یہ ہے کہ خود قرآن کریم معجزہ ہے اور کوئی اسکا مثل نہیں لاسکتا نہ یہ کہ خداایسا کرنے سے منصرف کردیتا ہے قرآن کریم بلاغت کی اس منزل پرہے کہ خداوند عالم کی اگر تائید نہ ہوعام انسانوں کی طاقتیں اس کی بلاغت کی سطح تک پہنچنے کیلئے کافی نہیں ہیں ۔اب اگر کوئی شخص کوئی کتاب یا کوئی سورئہ قرآن کریم کے مثل لے آئے تو یہ اس چیز کی نشانی ہے کہ خداوند عالم نے اس کی غیب سے مدد کی ہے ۔یعنی قرآن بذات خود معجزہ ہے ۔

۲۔بلاغت:

عام طور پر ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ قرآن کریم بلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے بلاغت یہ ہے کہ "کلام"مقتضائے حال کے مطابق اس طرح بیان کیا جائے کہ متکلم کا مقصد بہترین طریقہ سے ادا ہوجائے ۔ ظاہر ہے ہر کلام کو متکلم کے مقصد اور وقت کے تقاضوں کے تحت پرکھناچاہئے تاکہ اس کے بعدہم یہ مشاہدہ کرسکیں کہ اس کلام میں اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے بہترین طریقہ کا انتخاب کیا گیا ہے یا نہیں بلاغت یہ نہیں ہے کہ صرف الفاظ کی خوبصورتی اور انداز بیان کے لحاظ سے جائزہ لیں بلکہ ان باتوں کے علاوہ متکلم کے مقصد اور مخاطب کے حال کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے چونکہ خداوند متعال اپنے ہدف کو سب سے بہتر جانتاہے اور اپنے بندوں کی حالت کو بھی سب سے بہتر جانتاہے اور الفاظ کی ترکیبوں پر بھی وہ سب سے زیادہ تسلط رکھتا ہے پس وہ مقتضائے حال کی بنیاد پر اپنے ہدف کو سب سے اچھے طریقہ سے بیان کرسکتا ہے لیکن دوسروں کواس طرح کا تسلط حاصل نہیں ہے ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ کلام میں کن کن نکات کی ر عایت ضروری ہے اور تمام مخاطبین کے حال کو کس طرح مد نظر رکھیناور کس طرح اس پیچیدہ فارمولے کی بنیاد پر کلام کریں۔قرآن کریم کا مثل نہ لا سکنے کا راز یہی تمام نکات ہیں کیونکہ انسا ن کتنا بھی ذہین اور دور اندیش ہی کیوں نہ ہو آخر کار اس کاذہن محدود ہے اور وہ چند محدود مطالب کو ہی اپنی نظر میں معین کرسکتا ہے اور تمام جہات پر تسلط نہیں رکھتا توجب اس کلام کا قرآن کریم سے مقائسہ کیا جاتاہے اس وقت ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں وہ نکات پائے جاتے ہیں جو دوسرے کلام میں نہیں پائے جاتے اور یہی چیز قرآن کریم کو اس کلام سے ممتاز کردیتی ہے ۔

اس مقام پر ایک بہت دور کا احتمال یہ ہو سکتا ہے : الفاظ کی ترکیبیں آخرکار محدود ہیں اوران ترکیبوں کے درمیان قرآن کریم سے مشابہ جملے تیار کئے جاسکتے ہیں چونکہ حروف محدود ہیں ان سے بننے والے الفاظ اور جملے بھی محدود ہیں ۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص یہ کام انجام نہیں دے سکتا تودو افراد ایک ساتھ بیٹھ کر غور وفکر کریں دودن میں نہیں کرسکتے تو ایک سال تک باہم کو شش کریں یہ کیسے ممکن ہے کہ چند مخصوص و محدود الفاظ اور حروف سے مر کب جملے اس حد کو پہنچ جائیں کہ کوئی شخص قرآن کریم کا مثل نہ لاسکے ؟چند جملوں کی ترکیبوں سے ایک ایسا خوبصورت جملہ نکالا جاسکتا ہے جو قرآن کی طرح کا ہو ۔یہ کہنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم بلاغت کے اس درجہ پرپہنچاہواہے کہ تاریخ کے طویل دور میں تمام انسان ملکر بھی اس کا مثل نہیں لاسکتے ؟ہاں ہم محسوس کرتے ہیں کہ قرآن کریم دوسرے کلاموں سے زیادہ فصیح و بلیغ کلام ہے اور اپنے اندر پر کشش نکات سموئے ہوئے ہے لیکن قرآن کریم دوسرے تمام کلاموں کے ساتھ لامتناہی فرق نہینرکھتابلکہ ایک محدود فرق پایا جاتاہے اور ممکن ہے کہ کچھ ایسے انسان پیدا ہو جائیں جو اس فاصلے کو بھی پر کر ڈالیں مختصر طور پرحقیقت سے بعید اس تصور کا سر چشمہ یہ ہے کہ ہم صحیح طور پر یہ نہیں سمجھ سکے کہ کیسے قرآن کریم کیلئے یہ غیر معمولی مقام اور درجہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ہا ں اگرچہ شعراء اور ادباء کے کلام سے یقینا بلند درجہ رکھتا ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کے قریب پہنچ ہی نہ سکتاہو۔

یہ ضعیف اور مو ہوم خیال اس لئے وجود میں آتا ہے کہ ہم صحیح طریقہ سے قرآن کی بلاغت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکے لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کی بلاغت کوئی غیر معمولی اور لاجواب چیز نہیں ہے بلکہ اس کا معیاردوسرے کلاموں سے ذرا بہتر اور بلند ہے لیکن کس قدر زیادہ فصیح و بلیغ ہے اسکا اندازہ ہم نہیں کرسکتے ہیں۔

صاحب" تفسیرالمیزان"علامہ طباطبائی [نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے اس مثال سے استفادہ کیا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہم عام طور پر کسی کلام کے ایک دوسرے سے بہتر ہو نے یا ہر با کمال چیز کے لئے دوسری خوبصورت چیز سے کیفیت کے اعتبار سے بہتر ہو نے کا اندازہ اپنے عام پیمانوں سے نہیں لگا سکتے ،ہم دو محدود چیزوں کا ایک دوسرے سے مقا یسہ کریں تو کسی حد تک ان کے فرق کو سمجھ لیتے ہیں ۔ مثال کے طور پر جب ہم ایک سینٹی میٹر کی لا ئن کا مقا ئسہ ایک میٹر والی لائن سے کرتے ہیں ،تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک میٹر والی لائن ایک سینٹی میٹر والی لائن کے سو گنا بڑی ہے۔تو ہم اس کا تو اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن اسی طرح ہم کیفیات کا ایک دو سرے سے مقا ئسہ نہیں کرسکتے ۔لہٰذا ہم آجکل کے دور میں یہ مشا ہدہ کر تے ہیں کہ سائنس میں تمام مسائل کو کمّی(تعداد)طریقہ سے بیان کر تے ہیں ۔ اس لئے کہ انسان کا ذہن علم حساب کے اعداد اور فا رمو لوں کو جلدی اخذ کر لیتا ہے ۔ مثال کے طور پر آپ ایک خوبصورت منظر کا دوسرے معمولی منظر سے مقا یسہ کریں تو ملا حظہ کریں گے کہ آسانی سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ منظر اس منظرسے کتنا خوبصورت ہے ۔مثلاًجب ایک خوبصورت پھول کا اس سے کچھ کم حسین پھول سے مقا یسہ کرتے ہیں تو اس صورت میں انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ پہلا پھول دو سرے پھول سے کتنا خو بصورت ہے ۔

شروع میں تو انسان یہ خیال کر تا ہے کہ یہ پھول اس پھول سے ایک درجہ بہتر ہے لیکن جب ان کے پاس واسطہ کی صورت میں تیسرا پھول لاکر رکھدیاجا ئے تو فوراً آپ یہ کہیں گے کہ ایک درجہ نہیں بلکہ دو درجہ بہتر ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔مرحوم علامہ طبا طبا ئی [فر ما تے ہیں کہ میں جب کتابت کی مشق کرتا تھا حالانکہ میری کتا بت بری بھی نہیں تھی۔ میں پہلے ایک " ن "لکھتا تھا اس کے بعد (میر) کی کتابت سے اس کاموازنہ کر تا تھا کہ ان کی کتابت مجھ سے کتنی اچھی ہے ؟تو میں اس کو نہیں سمجھ پاتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ ان کی تحریر میری کتابت سے ایک دو درجہ بہتر ہے ۔ اس کے بعد بطور مثال میں سو عدد " ن "لکھتا تھا جس میں ہر ایک دوسرے سے بہتر ہو تا تھا ۔یعنی سو واں "ن "پہلے "ن " سے سوگنا بہتر ہو تا تھا۔ اس کے بعد پھراس آخری تحریر سے (میر) کی کتابت کاموازنہ کر تا تھا تو پھر بھی میں اتنا ہی فرق محسوس کر تا تھا جتنا کہ پہلی مرتبہ میں ،میں خیال کر تا تھا کہ (میر)کی کتابت میری کتابت سے ایک دو درجہ بہتر ہے حالانکہ میں نے اِس وقت پہلے سے سو برابر اچھا لکھا تھا تب بھی میں ایک دو درجہ کا فرق ہی محسوس کر تا تھا ۔

یہ مثال ہم نے اس لئے پیش کی ہے تا کہ انسان یہ سمجھ جا ئے کہ وہ کیفیات میں صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا ۔ یہ مثال بہت اچھی ہے۔(ہم نے استاد محترم کا شکر یہ ادا کر نے اور ان کی یاد کو تا زہ کر نے کی خا طر اس مثال سے استفادہ کیا ہے)بہر حال انسان کا ذہن کیفیات کا موازنہ کر نے اور ان کے درمیا ن فیصلے کر نے کی بہت کم توا نا ئی رکھتا ہے۔بہت ہی مشکل سے آہستہ آہستہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں کے ما بین کتنا فرق ہے ۔

یہی قا عدہ وقا نون حسن اعمال (اچھے اعمال) میں بھی جا ری ہو تا ہے ۔ مثال کے طور پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کا عمل بہت خالص ہے (یعنی بڑے ہی خلوص کے ساتھ صرف اور صرف اللہ کے لئے عمل انجام دیتا ہے) توچونکہ اس کا عمل خالص ہے تولہٰذااس کے عمل کی بھی اتنی ہی اہمیت ہو گی لیکن اس کے عمل کی اہمیت کتنی زیادہ ہے ؟ اس کے لئے کیفیت کو کمیت (تعداد) میں بدل کر مثال کے طور پر یہ کہہ سکتے ہینکہ :اگر خالص عمل انجام دینے والے شخص کا جنت میں ایک درخت ہے توزیادہ خلوص کے ساتھ عمل انجام دینے والے کے دو درخت ہیں یعنی اس کے فرق کو دو گنا تصور کر تے ہیں ۔ لیکن اگر کو ئی دقیق معیار ہو جس کے ذریعہ اس فرق کو سمجھا جا سکے تو اس وقت معلوم ہو تا ہے کہ اخلاص کے ان دو مر تبوں کے درمیان زمین سے آسمان تک کا فاصلہ ہے ہم بھی نماز پڑھتے ہیں اور بالکل خلوص کے ساتھ نماز پڑ ھتے ہیں ریا کے لئے نماز نہیں پڑھتے لیکن اس نماز اور حضرت امیر المو منین یا دوسرے تمام ائمہ علیہم السلام کی نمازوں کے درمیان کتنا فرق ہے ؟ اتنا فرق ہے کہ اگر ہم ساری عمر بیٹھکر اس کا حساب کریں کہ ان کی نماز ہماری نماز سے کتنا بلند درجہ رکھتی ہے تو ہر گز ممکن نہیں ہے ۔

محسوسات کے اندرخاص طور سے معنویات والی چیزونمینجہاں معنویت کو سمجھنابھی ضروری ہے یہ مسائل اتنے دقیق و ظریف ہیں کہ انکوعدد کے معیا روں کی کسوٹی پر نہیں پرکھاجا سکتا ۔

آپ نہج البلاغہ کے کسی حصہ کا ایک بہت بڑے شاعر کے کلام سے مقا ئسہ کر یں تو یہ ملا حظہ کرینگے کہ نہج البلاغہ کا کلام بہت ہی زیبا ہے لیکن کتنا زیبا ہے ؟اس کو ہم دقیق طور پر معین نہیں کر سکتے اور یہ فکر کریں گے کہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن اگر نہج البلاغہ کے کلام کا قر آن مجید سے مقائسہ کر تے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جتنا فرق شاعر اور قرآن کے کلام میں پایا جاتا ہے اتنا ہی فرق قرآن اور نہج البلاغہ کے درمیان پایا جاتا ہے ۔

یہ مثالیں ہم نے اس لئے بیان کی ہیں کہ کمال اور معنوی امور کے درمیان موجود کیفیت کے فرق کو سمجھنے کے لئے ہمارا ذہن آمادہ وتیار ہو جا ئے اور یہ تسلیم کر لینکہ یہ مسائل کمیات (عدد)کے ساتھ قابل موازنہ نہیں ہیں اور ان کو عدد کے ذریعہ بیان نہیں کیا جا سکتا ۔اس وقت ہم اس مطلب کو تسلیم کر لیں گے کہ ایک کلام خوبصورتی اور بلاغت کے اعتبار سے اس درجہ پر ہوکہ انسان اس تک نہ پہنچ سکے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بہر حال قر آن کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ اس کی یہی بلاغت ہے جس کا شاہد یہ ہے کہ ہر ایک کی تمنا ؤں کے با وجود تا ریخ انسانیت میں آج تک کو ئی اس کا مثل نہ لا سکااور لطیف بات تو یہ ہے کہ ہم سے بھی یہ نہیں کہا گیاکہ تم اسکا جا ئزہ لو کہ قر آن کتنا بلند و بہتر و بر تر ہے ،بلکہ یہ کہاگیا کہ اگر تم چا ہتے ہو تو اس کا مثل لے آؤ ۔ورنہ اگر اس کے جا ئزہ کی ذمہ داری ہم کو سو نپ دی جاتی تو ہم کبھی بھی اس کا جا ئزہ نہیں لے سکتے تھے ۔ہم صرف اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ اس کا مثل نہیں لا یا جا سکتا البتہ اس کو بھی محققین اور ماہرین ہی معین و مشخص کر سکتے ہیں ۔

۳۔ اختلاف نہ ہو نا :

قرآن کریم کے معجزہ ہو نے کی ایک اور وجہ جس پر خو د قرآن کا اعتماد ہے وہ اس کے اندر (اختلاف نہ ہونا)ہے :

(اَفَلَا یَتَدَ بَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْکَا نَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْافِیْہِ اِخْتِلَا فاً کَثِیْراً)(۱)

.....

۱۔سورئہ نساء آیت ۸۲۔

"کیا یہ لوگ قر آن میں غور و فکر نہیں کر تے ہیں کہ وہ اگر غیر خدا کی طرف سے ہو تا تو اس میں بڑا اختلاف ہو تا "۔

انسان کا کلام ہوتو اختلاف کیونہو تا ہے اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے :

انسان کے اندر اس دنیا مینتمام ما دی مو جو دات کی طرح تغیر اور تبدیلی ہو تی رہتی ہے۔ ماحول اور انسان کے اندر ہو نے والے تغیر ات انسان کے روحی حالات اور ان سے ظاہر ہو نے والے آثار میں مو ٔثر ہو تے ہیں ۔

ایک طرف تو انسان ہمیشہ تکامل کی حالت میں ہے ،جن چیزوں کو وہ پہلے نہیں جا نتا تھا ان کو سیکھ لیتا ہے ، یہ نئی چیزیں اس کے کلام میں اثر انداز ہو سکتی ہیں ۔ اسی طرح نئے انجام دئے جا نے والے کاموں میں جب اس کے اثر کو دیکھتا ہے تو اس کے ذریعہ بعد والے کاموں کو بہتر طریقہ سے انجا م دینے کے لئے آمادہ رہتاہے ۔اور دوسری طرف انسان کے حالات جیسے :غم اور خوشی ،خوف اور امید وغیرہ۔۔۔بیرونی عوامل اور کبھی کبھی اند رونی عوامل کے ماتحت اس میں تبدیلی کر تے رہتے ہیں اور اس کے کلام میں اثر انداز ہو تے ہیں ۔انسان خو شی کے مو قع پر ایک طریقہ سے بات کر تا ہے اور غم کے مو قع پر دو سرے طریقہ سے بات کر تا ہے ۔پس انسان ایک ما دی مو جودہے اس پرمختلف عوامل اثرانداز ہو تے ہیں اور وہ خودبھی تکامل پیدا کر تا ہے اور اس کی معلو مات میں اضافہ ہو تا ہے ۔اس کے حالات میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے اور ان سب سے اس کے کلام میں اثر پڑتا ہے ، اس بناء پر ایک بھی انسان ایسا نہیں ہے جو اپنی پوری زند گی میں با لکل ایک ہی طریقہ سے با ت کرے جو بلاغت کے اعتبار سے یکنوا خت ہو ،اور مجبوری کے وقت یابھوک اورشکم سیری ،غم اور خو شی ،صحت اور بیماری،اضطراب اور اطمینان ،شکست اور کا میابی وغیرہ کے مو قع پراس کے کلام میں فرق نظرنہ آتا ہو۔

قرآن نے ان تمام چیزوں کے با رے میں گفتگو کی ہے ،اس وقت جب کہ پیغمبرؐبہت زیادہ مشکلوں میں گھرے تھے اور جب آپ فتح و کامرانی کے بلند درجہ پر فا ئز ہو چکے تھے ،جب آپ فقر کی حالت میں زندگی بسر کررہے تھے اور جس دور میں آپ غنی تھے ،جس وقت آپ مریض تھے اور جب آپ صحیح و تندرست تھے اور آخر کار ۲۳سالہ دور میں (جس میں ہر انسان علمی ترقی اور گفتگو میں مہارت حا صل کر تا ہے) قرآن نے بلاغت کے اعتبار سے ایک ہی اسلوب پر گفتگو کی ہے ۔یہ صحیح ہے کہ ایک کلام خا ص مو قع کے لحاظ سے کہا گیا ہے اور اس کا انداز دوسرے کلام سے جدا ہے لیکن یہ دو نوں صورتیں بلاغت کے اعتبار سے سب سے بلند درجہ کی مالک ہیں ۔پس قر آ ن کے معجزہ ہو نے کی ایک وجہ (اصل بلاغت کے علاوہ)پوری تاریخ نزول میں ایک ہی اسلوب کا باقی رہنا بھی ہے ۔

٤۔پیغمبر امی کی جا نب سے ہے

قرآن کے معجزہ ہو نے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن اس شخص پر نا زل ہو ا ہے جس نے کسی سے سبق نہیں پڑھا ،علما ء اور دا نشمندوں سے جس کا کو ئی سرو کار نہ تھا اور اس کا انداز گفتگو بعثت تک دو سرے عام لوگوں کی طرح تھا (شاید ان سے کچھ بلیغ ہو)لیکن آپ کے لہجہ میں ایک دم تبدیلی آئی اور جو چیز آپ کے کلام میں پہلے نہیں پا ئی جاتی تھی وہ دکھا ئی دینے لگی۔پیغمبر اکر مؐکے کلمات میں اگرچہ فصاحت و بلاغت کا بلند درجہ پا یا جاتا ہے لیکن اس کے با وجود رسالت کے بعد بھی آپ کے کلمات کا قر آن سے مقائسہ ممکن نہیں ہے۔جیسا کہ خود قر آ ن کریم نے اس مسئلہ کو یونبیان فر مایا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(قُلْ لَوْشَاءَ اللّٰہُ مَاتَلَوْتُہُ عَلَیْکُمْ وَلَااَدْرَیٰکُمْ بِہِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُراًمِنْ قَبْلِہِ اَفَلَاْ تَعْقِلُوْنَ)(۱)
"آپ کہد یجئے کہ اگر خدا چا ہتا تو مینتمہا رے سا منے تلاوت نہ کر تا اور تمہیں اس کی اطلاع بھی نہ دیتاآخر میں اس سے پہلے بھی تمہا رے درمیان ایک مدت تک رہ چکا ہوں تو کیا تمہا رے پاس اتنی عقل بھی نہیں ہے ؟"۔
اگر یہ کتاب میری بنائی ہو ئی ہو تی تو فطری طور پر میری پہلی گفتگو کے مشابہ اس میں کو ئی کلام ہو نا چا ہئے تھا۔ یہ مطلب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کام نا گہانی اور الٰہی کام ہے اور خدا وند عالم چا ہتا ہے کہ میں اس طرح کلام کروں ۔اگر خدا وند عالم مجھ پر وحی نہ کر تا تو میں ان کلمات کو ادا نہیں کر سکتا تھا میں وہی شخص ہو ں جو کل تم لوگو ں سے گفتگو کیا کر تا تھا اور تم میری با توں کو سنا کر تے تھے اورمیرے اور تمہارے درمیان کو ئی غیر معمولی امتیاز نہ تھا ۔پس اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھو کہ بلاغت کا اچانک یہ عروج امر الٰہی کی تا ئید سے ہے ۔
تا کہ یہ مسئلہ تمام لوگوں پر اچھی طرح واضح ہو جا ئے خدا وندعالم نے پیغمبر اسلامؐ کی تر بیت اس طرح فرما ئی کہ آپ کے پاس درس پڑھنے اور علم حاصل کر نے کی کوئی جگہ نہ تھی ،اور آپ اکثر افراد کی طرح لکھنا اور پڑھنا بھی نہیں جا نتے تھے ،اس دوران کچھ ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا لیکن پیغمبر اسلامؐ نے لکھنا اور پڑھنا بھی نہیں سیکھا تھا :
(وَمَاکُنْتَ تَتْلُوْامِنْ قَبْلِہِ مِنْ کِتَا بٍ وَلَا تَخُطُّہُ بِیَمِیْنِکَ اِذاً لاَرْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ)(۲)
"اور اے پیغمبر آپ اس قر آن سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے ورنہ یہ اہل با طل شبہ میں پڑجا تے "
اور خدا وند عالم نے آپ کی ایسی تربیت کی کہ تمام لوگوں کو یہ معلوم رہے کہ آپ اس کلام کے آنے سے پہلے
.....

۱۔سورئہ یونس آیت۱٦۔
۲۔سورئہ عنکبوت آیت ٤٨۔

نہ پڑھتے تھے اور نہ لکھتے تھے تاکہ یہ لوگ سمجھ جا ئیں کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہے ۔اگر ایسا نہ ہوتا اورآپ لکھنا اور پڑھنا جا نتے ہوتے تو ممکن تھا کچھ لوگ شک میں پڑجا تے :(اِذاً لاَرْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ)اورجو لوگ آپ کے دعوے کو با طل کر نا چا ہیں وہ ایسا شبہہ پیداکر سکتے ہیں، لہٰذا کوئی دستا ویز ڈھونڈھ لائیں کہ انھوں نے تو فلاں استاد سے کئی سال تعلیم حا صل کی ہے لیکن آپ اس ماحول ا ور معا شرہ میں پہلے سے مو جود ہیں اور یہ سب آ پ کو پہچا نتے ہیں کہ آپ پڑھنا اور لکھنا نہیں جا نتے تھے اس طرح لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں ۔

٥۔جا معیت :
قرآن کے معجزہ ہو نے کی دوسری چند وجہیں مفسرین نے بیان کی ہیں حتی کہ علما ء کلام نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ جن میں سے بعض کو چیلنج کے طور پر بھی پیش کیا جا سکتا ہے ان میں سے جس کو چیلنج کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے وہ قر آن کی جا معیت ہے ۔یعنی ایک انسان عقاید، سیاست ، اقتصاد ،اخلاق ،فوجی فنون ا ور ایک جملہ میں یہ سمجھئے کہ جن تمام چیزوں کی انسان کو اپنی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے اس میں ماہر ہو ۔ معمولی انسان میں اس طرح کے صفات کا جمع ہو نا محال ہے اور عملی طور پر بھی انسان کی زند گی میں یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جو انسان کسی کام میں تر قی کرنا چاہتاہے وہ اپنی ساری زند گی کو ایک ہی مو ضوع کو حا صل کر نے میں صرف کر دیتا ہے تب کہیں اس علم کا ما ہرہو گا اور لوگونکی نظروں مینترقی یافتہ شمار کیا جا ئیگا لیکن ایک ہی انسان تمام علوم کا احاطہ کرلے اور ہر شعبہ میں دو سرے تمام ما ہرین سے بہتر ہو جا ئے یہ ایک معمولی انسان کے بس کی بات نہیں ہے ۔

٦۔علمی نکات کا اظہار :
قرآن مجید کے معجزہ ہو نے کا ایک اور پہلو وہ علمی نکات ہیں جن کو اس زمانہ میں قبول نہیں کیا جاتا تھا اور تعلیم یافتہ طبقہ ان کو تسلیم نہیں کرتاتھا لیکن پیغمبر اسلامؐ نے باصراحت اور شجاعت کے ساتھ ان کو بیان فر مایا اور اس کے بعد تدریجی طور پر علوم کی ترقی نے ان کاثبات کیا ہے ۔مثلاً یہی کہ ایک ان پڑھ انسان ایک پست اور پچھڑے ہوئے ملک میں ظہور کر ے اور دنیا کے تمام علمی طبقوں کے با لمقابل مکمل صراحت اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ کسی ایسی چیز کا بیان کر ے جس کے وہ سب مخالف ہوں ،خاص طور سے جس دور میں یہ ثابت ہو جائے کہ جو باتیں انھوں نے بیان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

فر ما ئی ہیں وہ صحیح ہیناورجو کچھ دو سروں نے بیان کیا ہے وہ باطل ہے یہ خود اس بات کا شاہد ہے کہ یہ کلام خدا کا ہے ۔ان میں سے ایک نمونہ یہی ہیئت بطلمیوسی کا مسئلہ ہے جس کو دنیا کے علمی طبقوںنے تسلیم کر رکھا تھا لیکن آسمانوں کے سلسلہ میں قرآن کے بیانات افلاک بطلمیوسی کے موافق نہیں تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ افلا ک میں خرق و التیام محال ہے و۔۔لیکن قرآن معتقد ہے کہ نہ صرف خرق و التیام محال نہیں ہے بلکہ یہ تمام پاش پاش ہو جا ئیں گے اور قرآن نے کبھی بھی نو آسمانوں پر کوئی تکیہ نہیں کیا ہے وغیرہ۔۔۔

۷۔غیبی خبریں :

قرآن کے معجزہ ہونے کی ایک اور و جہ قرآن کا غیبی خبریں دینا ہے۔ یہ خبریں دو حصوں میں تقسیم ہو تی ہیں :

۱۔ وہ گذ شتہ خبریں جن کو قرآن نے بیان کیا ہے اور ان سے مطلع ہو نے کے لئے قرآن کے علاوہ اور کو ئی دوسرا راستہ نہیں تھا : ذَلِکَ مِنْ اَنْبَائِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَا اِلَیْکَ ۔۔۔)

"پیغمبر یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کر رہے ہیں ۔

اور ایک مقام پر ارشاد ہے :

(وَمَاکُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَمَهُم اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ۔۔۔)(۱)

"جب وہ قر عہ ڈال رہے تھے کہ مر یم کی کفالت کو ن کرے گا "۔

یہ سب غیبی خبریں تھیں جو غیب کے پیغمبر کے لئے تھیں ان میں کچھ آئندہ کے لئے پیشینگو ئیانہیں جو قرآن میں بیان ہو ئی ہیں اور ہم ان میں سے ذیل میں دو نمونوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں :

ایرانیوں پر رومیوں کا غلبہ

(غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔فِیْ اَدْنیَ الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ۔۔۔)(۲)

" (یہاں سے) بہت قریب ہے کہ ملک میں رومی (نصار ا اہل فارس آتش پر ستوں سے) ہار گئے مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے ہا ر جا نے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہل فارس پر)غالب آجا ئیں گے ۔۔۔"۔

فتح مکہ

(لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْ لَہُ الرُّوْیَابِالْحَقِّ لَتَدْ خُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَا مَ اِنْ شَائَ اللّٰهُ آمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُؤُسَکُمْ)(۳)

"بیشک خدا وند عالم نے اپنے رسول کو با لکل سچا خواب دکھلا یا تھا کہ خدا نے چا ہا تو تم لوگ مسجد الحرام میں امن و سکون کے ساتھ سر کے بال منڈا کر اور تھو ڑے سے بال کا ٹ کر داخل ہو گے اور تمھیں کسی طرح کا خوف نہ ہوگا ۔۔۔"۔

پس قرآن کی غیبی خبریں بھی اس آسمانی کتاب کے معجزہ ہو نے میں شمار کی جا تی ہیں ۔

.....

۱۔سورئہ آل عمران آیت ٤٤۔
۲۔سورئہ روم آیت ۲۔٤۔
۳۔سورئہ فتح آیت ۲۷۔

راہ اور رہنما کی پہچان

پیغمبر اسلامؐ کے بقیہ معجزات

ہم اس سے پہلی بحث میں بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم وہ معجزہ ہے جو آخر الزمان کی امت پر منت کے طور پر رکھا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

گیا ہے اور پیغمبر اکر مؐپر نا زل ہوا ہے تاکہ قیامت تک امت رسول کے ہاتھوں میں رہے اور امت اس سے اسلام کی حقانیت کی راہ کو طے کر ے اور اپنی سعا دت کی راہ کی معرفت حا صل کرے ۔ اب یہ سوال در پیش ہے :

کیا پیغمبر اسلامؐکو قرآن کے علاوہ دوسرے معجزے بھی عطا کئے گئے ہیں یا نہیں ؟

قرآن مجید میں خود اس کے معجزہ ہونے اور اس میں غیبی خبروں کے مندرج ہو نے کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ کے بعض معجزات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔اسی طرح خداوند عالم نے متعددمرتبہ جو پیغمبر اسلامؐاور آنحضرت کی امت کی غیب سے مدد فرما ئی ہے اس کی طرف بھی اشارہ ہو ا ہے جن میں سے ہر ایک اپنے مقام پر ایک معجزہ شمار کیا جاتا ہے جو پیغمبر اسلامؐکی بر کت کے ذریعہ اس امت کو عطا کیا گیا ہے ۔ان معجزات میں سے بعض معجزات کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کرتے ہیں :

شقّ ا لقمر

(اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ القَمَرُ۔وَاِنْ یَرَوْاآ یَةً یُعْرِضُوا وَیَقُولُواسِحْر مُستَمِرّ)(١)

"قیامت قریب آگئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے اور یہ کوئی بھی نشانی دیکھتے ہیں تومنھ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک مسلسل جادو ہے "

اس آیۂ شریفہ سے کہ رسول اللہ کے دور حیات میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور یہ اللہ کی نشانی تھی ،چو نکہ اللہ اس کے بعد یہ فر ماتا ہے :(وَ اِنْ یَرَوْاآیَةً یُعْرِضُوْا)"اوریہ کوئی بھی نشانی دیکھتے ہیں تومنھ پھیر لیتے ہیں "اس کے

....

١سورئہ قمر آیت١۔٢۔

باوجود کہ چا ند دو ٹکڑے ہوا لیکن کفار و مشرکین دشمنان پیغمبر کہتے ہیں :

(سِحْر مُسْتَمِرّ)

"یہ ایک مسلسل جا دو ہے "۔

اس آیۂ شریفہ کے سلسلہ میں دوسرے نظریہ بھی ہیں جو ان افراد کے ہیں جومعجزاتی چیزوں پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان میں سے بعض نظریات کی طرف اشارہ کر تے ہیں :

بعض افراد کا کہنا ہے کہ یہ آیت قیامت سے متعلق ہے ۔یعنی قیا مت میں چاند دو ٹکڑے ہو گااور اس کی نشاندہی ا س سے ہو تی ہے کہ اس کے بعد (اِقْتَرَ بَتِ السَّا عَة) بیان ہوا ہے ۔

لیکن جیساکہ قا رئین کرا م آپ نے ملاحظہ فر مایا کہ آیۂ شریفہ کا ظا ہراس نظریے سے سازگار نہیں ہے ، چونکہ "اِنْشَقَّ الْقَمَرْ "ایک وقوع پذیر ہو نے والے واقعہ کی نشا ندہی کر تا ہے۔قیامت کے سلسلہ میں فر مایا گیا ہے "اِقْتَرَبَتِ السَّا عَة " "قیامت نز دیک آگئی " لیکن انشقاق قمر (چاند کا دو ٹکڑے ہو نا)کے متعلق فر ماتا ہے "وَ انْشَقَّ الْقَمَرْ "یہ نہیں فرمایا کہ "اِقْتَرَبَ اِنْشِقَا قَ الْقَمَرُ" یا "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَة وَاِنْشِقَا قُ الْقَمَر"یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں قیا مت کے آثار کوبیان کیا گیاہے جس کو روایات میں (اشرا ط السا عة)کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کو عام طور پرکلمہ" اِذَا " سے بیان کیا جاتا ہے :(اِذَاالسَّمَا ئُ انْفَطَرَتْ ، اِذَاالسَّمَا ئُ انْشَقَّتْ)لیکن اس مقام پرانشقّ القمر فر مایا ہے ۔اس کے علاوہ بعد والی آیت اس بات کی شاہد ہے کہ یہ ایک آیت تھی جس کالوگوں نے خود مشاہدہ کیا اوراس کو جا دو سے منسوب کرد یا،خدا فر ماتا ہے کہ یہ اس کے علاوہ دوسری آیت کو بھی دیکھیں گے تو اسی کو جادو کہدیں گے :(وَ اِنْ یَرَوْ اآیَةً یُعْرِضُوْاوَیَقُوْلُوْا سِحْر مُسْتَمِرّ) ان کے اس قول کی یہاں اس سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے کہ قیا مت میں شق القمر ہو گا یالوگ جس آیت کو دیکھتے ہیں اسے جا دو کہدیتے ہیں یعنی کیا قیامت میں بھی جا دو کہیں گے؟! وہاں حقیقتیں ظاہر ہوں گی اور کو ئی شخص ان حقیقتوں کا انکار نہیں کر سکتا ۔ پس ظا ہر ہے کہ یہ آیت اسی دنیا سے مر بوط ہے ۔

دوسرے بعض افراد کا کہنا ہے کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو نا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چاند زمین سے جدا ہو ا ہے اور یہ ایک علمی حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے ۔دنیا کی معرفت حا صل کر نے کی ایک تھیوری یہ ہے کہ زمین سورج سے جدا ہو ئی ہے اور چاند زمین سے جدا ہوا ہے، اس بنا پر چاند زمین کا چکر لگاتا ہے اور قمر زمین ہے پس قرآن اس نظریہ کی تا ئید کر تا ہے کہ چاند زمین سے جدا ہوا ہے ۔

اس نظریہ پر بھی پہلے والا اعتراض ہوتا ہے کہ یہ آیت ظاہر کے خلاف ہے ،اس لئے کہ یہ ایک آیت کا بیان معجزہ کی حیثیت سے تھا ایک فطری اور تکو ینی لحا ظ سے نہیں تھا ۔اس کے علاوہ کلمۂ " انشَقّ"چاند کے زمین سے جدا ہو نے کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

با رے میں نہیں ہے ۔اِنْشقَّ یعنی شگافتہ ہو گیا یاپھٹ گیا اگر خدا وند عالم یہ فر مانا چاہتا کہ چاند زمین سے جدا ہوا تو اِشْتَقَّ یا اِنْفَصَل فر مانا چا ہئے تھا۔

بہر حال ہم تو اس سلسلہ میں کو ئی شک ہی نہیں کر تے کہ" اِنْشَقَّ القمر"سے مر اد وہی شق القمر ہے جو پیغمبر اکرمؐکے دست مبارک کے ذریعہ وقوع پذیر ہوا تھا ،شیعہ اور اہلسنت سے اس با رے میں متعدد روایات نقل ہو ئی ہیں کہ مہینہ کی چو دہویں رات تھی اور چاند ابھی نکلا ہی تھا کہ پیغمبر اکر مؐنے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کچھ دیر تک اسی طرح با قی رہا اور پھر دو نوں ٹکڑے آپس میں مل گئے اور پہلے کی طرح مکمل ہوگئے ۔ یہاں تک کہ بعض اہلسنت علما ء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ شق القمر کے سلسلہ میں بعض روایات متوا تر ہیں ۔

اس بارے میں بھی کچھ علمی اعتراضات ہو ئے ہیں کہ ایک آسمانی کرہ کا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جا نااس کا کیا مطلب ہے؟ یا اگر ایسا ہو ا تھا تودوسرے افراد بھی اس کا مشا ہدہ کرتے،اور یہ تا ریخ میں نقل ہوتااسی طرح کے متعد د اعتراضات کئے ہیں ۔

ہما رے بزرگ علما نے ان سوالوں کے یہ جوابات دئے ہیں :

١ یہ معجزہ ایک اتفاقی اور اچانک واقعہ تھا ۔ لوگ ہمیشہ بیٹھکر آسمان کی طرف یہ نہیں دیکھاکر تے ہیں کہ کیا کیا حا دثے رو نما ہو رہے ہیں ۔ جو لوگ آسمان کے سلسلہ میں زیادہ جستجو کر تے ہیں وہ اس چیز کے منتظر رہتے ہیں کہ کیا اس طرح کا کو ئی حادثہ واقع ہو سکتا ہے یا نہیں وہ دیکھتے ہیں ۔

٢۔اُس وقت ایسے حالات نہیں تھے کہ تمام حوادث ا وررواقعات تحریر کر لئے جا تے ہوں اور ان سے سب کومطلع کردیا جائے اس زمانہ میں ایک دوسرے سے رابطہ کر نے والے مو جود ہ و سیلے نہیں تھے کہ جن سے فوری طور پرساری دنیا کو مطلع کر دیا جاتا اس کے علا وہ جب کرہ ٔ زمین کے کسی ایک مقام پر اس طرح کا کو ئی واقعہ پیش آئے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب جگہ اس کا مشاہدہ کیا جا ئے۔چو نکہ رات کی ابتداء میں یہ واقع ہوا اور اس وقت چاند بہت سے مقامات پر طلوع بھی نہیں ہوتا ۔

لو گوں کے ادراک میں تصرف

قرآن فرماتا ہے کہ بعض جنگوں میں خدا وند عالم نے مسلمانوں اور مشرکین کے اذہان میں اس طرح تصرف کیا ہے کہ وہ کسی جنگ میں فوجیوں کی تعداد کو کم یا زیادہ دیکھتے تھے اور اس طرح کہ خداوندعالم مسلمانوں کوجو کا میابی دینا چا ہتا تھا وہ حا صل ہو جا تی تھی ۔دو آیات میں اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے :

(قَدْ كَانَ لَكُم آيَةفِی فِئَتَيْنِ الْتَقَتَافِئَةٌ تُّقَاتِلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰہِ وَاُخرَیٰ كَافِرَة يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأیَ العَيْنِ وَاللّٰہُ يُؤَ يِّدُ بِنَصْرِہِ مَنْ يَّشَآئُ اِنَّ فِی ذَلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُوْلِی الاَبْصَٰر) (١)

"تمہارے واسطے ان دو نوں گرو ہوں کے حالات میں ایک نشانی مو جو د ہے جو میدان جنگ میں آمنے سامنے آئے کہ ایک گروہ راہ ِ خدا میں جہاد کر رہا تھا اور دوسرا کافر تھا جوان مو منین کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا اور االله اپنی نصرت کے ذریعہ جس کی چا ہتا ہے تا ئید کرتا ہے اور اس میں صاحبان نظر کے واسطے سامان عبرت و نصیحت بھی ہے " ۔

مفسرین قرآن کے ما بین جملہ "يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ "کے سلسلہ میں بہت زیادہ اختلافات پا ئے جا تے ہینکہ "يَرَوْنَ"کا فا عل کو ن ہے ؟اور پہلی ضمیر " هُم "کس کی طرف پلٹتی ہے اور "مِثْلَيْهِمْ "کی ضمیر "هُمْ "کا مر جع کیا ہے ؟اس بارے میں کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں :

بعض مفسرین کہتے ہیں :مومنین خود کو دو گنا دیکھ رہے تھے تاکہ اپنی کا میابی کی امید لگا ئے رکھیں۔ یہ داستان جنگ بدر سے متعلق ہے ۔مسلمان ٣١٣افراد تھے خدا وند عالم نے ان کی تعداد خود انھیں دو گنا دکھلائی ۔پس يَرَوْنَ کا فاعل اور ضمیر "هُمْ "" يَرَوْنَهُم ْ " اور " مِثْلَيْهِمْ "میں سب مو منین کی طرف پلٹتی ہیں۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے :ضمیر يَرَوْنَ کا فاعل کفا ر ہینلیکن ضمیر"هُمْ "مو منین کی طرف پلٹتی ہے یعنی کفار مومنین کو دو گنا دیکھتے تھے ۔یہ کفار کے اذہان پر تصرف تھا جس کی وجہ سے کفار یہ سمجھتے تھے کہ مو منین کی تعداد ٦٢٦ ہے حالانکہ ان کی تعداد تین سو تیرہ سے زیادہ نہیں تھی ۔

اور بعض دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ :يَرَوْنَ کا فاعل کفار ہیں اور مِثْلَيْهِمْ کی ضمیر کفار کی طرف پلٹتی ہے۔ یعنی کفار مو منین کو دو گنا دیکھتے تھے ۔ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اور مو منین کی تعداد تین سو تیرہ تھی لیکن کفار سو چتے تھے کہ مو منین دو ہزار افراد ہیں ۔یعنی کفار تعدا د کو دو گنا دیکھ رہے تھے مو منین کی تعداد کے دو گنا نہیں ۔

مر حوم علامہ طبا طبائی نے اس احتمال کی تا ئید فر ما ئی ہے کہ يَرَوْنَ کا فاعل کفار ہیں لیکن دو سری دونوں ضمیریں

"ھُمْ "مو منین کی طرف پلٹتی ہیں یعنی کفار مو منین کو دو گنا دیکھتے تھے یعنی ٦٢٦ آدمی دیکھتے تھے ۔
بہر حال کچھ بھی ہو اس آیت سے ہما رے مقصد کو کو ئی ضرر نہیں پہنچتا ۔یعنی خدا وند عالم نے لوگو ں کے اذہان
.....

١۔سورئہ آل عمران آیت١٣۔

میں تصرف کیا کہ وہ ایک تعداد کو دو گنا دیکھیں اور یہ مو منین کی کا میابی میں مو ٔثر تھا :
(وَاِذْیُرِیْکُمُوْھُم اِذِالْتَقَیْتُمْ فِیْ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلاً وَیُقَلِّلُکُمْ فِیْ اَعْیُنِہِمْ لِیَقْضِیَ اللَّہُ اَمْراً کَانَ مَفعُوْلاً ---)(١)
"اور جب خدا مقابلہ کے وقت تمہاری نظروں میندشمنوں کو کم دکھلا رہا تھا اور ان کی نظر میں تمھیں کم کرکے دکھلا رہا تھا تا کہ اس امر کا فیصلہ کردے جو ہو نے والا تھا اور سارے امور کی بازگشت االلہہی کی طرف ہے " ۔
یہاں دو اعتراض در پیش ہیں :
جب طرفین ایک دو سرے کو کم دیکھیں تو اس سے تو کا میابی میں کو ئی فرق نہیں پڑتا ۔ اگر ایک طرف کے افراد دو سری طرف کے افراد کو زیادہ دیکھتے ہیں تویہ اس بات کا باعث ہو نا چا ہئے تھا کہ جس طرف زیادہ افراد دکھا ئی دیں وہ غلبہ حا صل کر لیں چو نکہ اس کا نفسیاتی اثر ہو تا ہے لیکن جب دونوں طرف کے افراد ایک دو سرے کو زیادہ دیکھیں تو دونوں کی نسبت ایک ہے لہٰذا کا میابی میں اس کا کو ئی اثر نہیں ہوگا ۔وہ ایک ہزار آدمی ہوں اور یہ ٣١٣ یا مثال کے طور پروہ ٥٠٠ افراد ہوں اور یہ ١٥٥ افرادہوں پھربھی دونوں کی نسبت ایک ہے۔
ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت پہلی آیت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے حالانکہ پہلی آیت میں خداوندعالم نے مو منین پر یہ احسان کیا کہ وہ ان کو دو گنا دیکھتے ہیں ۔یہاں پر بھی احسان کر رہا ہے کہ تم کو کم دیکھتے ہیں۔ان میں مو ٔثر کو نسا ہے ؟اور کس طرح ان کو جمع کیا جا سکتا ہے ؟
ان دو نوں آیات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ کفا رمسلمانوں کو جوکم دیکھتے تھے اس میں ایک مصلحت ہے ،اور مو منین کفار کو کم دیکھتے تھے اس میں دوسری مصلحت ہے اور مومنین کو زیادہ دیکھنے میں تیسری مصلحت ہے ۔
دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی وقت میں نہیں تھا ۔ایک مرتبہ کفار مو منین کو کم دیکھتے تھے اور دوسری مر تبہ زیادہ دیکھتے تھے ۔
لیکن یہ سوال کہ کم دیکھنا کس طرح مو منین کی کا میابی میں مؤثرہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مو منین کفار کی تعداد کو اسی طرح دیکھتے جتنے کہ وہ تھے تو وہ ڈر جاتے اور جنگ کر نے کی ہمت نہ کر پا تے لہٰذا خدا وند عالم نے کفار کی تعداد مو منین کو کم دکھلا ئی تا کہ مو منین خوف نہ کریں ۔
اور کفار کے مو منین کی تعداد کو کم دیکھنے کی مصلحت یہ ہے کہ اگر وہ شروع ہی سے مو منین کی تعداد کو زیادہ دیکھتے
.....

١۔سورئہ انفال آیت٤٤۔

تو فرار کر جا تے اور جنگ ہی نہ ہو تی نتیجتاًجو حکمت اس جنگ کے واقع ہو نے اور مسلمانوں کی کامیابی میں مخفی تھی وہ سا منے نہ آتی ۔خدا وند عالم نے ابتداء میں ان کو مو منین کی تعداد کم دکھلائی تا کہ کفاریہ کہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہینہم جلدہی ان کا خا تمہ کر ڈالیں گے ۔لیکن جب جنگ شروع ہو گئی اور بھا گنے کا کو ئی مو قع نہ رہ گیا تب انھوں نے مو منین کو اپنے سے دو گنادیکھا لہٰذااُن پر مو منین کا رعب طاری ہو گیا اور وہ شکست کھا گئے ۔
لہٰذا تینوں چیزیں صحیح ہیں اور خدا وند عالم کی طرف سے مو منین کے او پر یہ ایک طرح کی نعمت ہے ۔مو منین کو کم دیکھنے کی مصلحت یہ تھی کہ وہ جنگ کر نے کے لئے قدم بڑھا ئیں ۔" لِیَقْضِیَ اللہُ اَمْراً کَانَ مَفْعُوْلاً "۔
مو منین بھی ان کو کم دیکھتے تھے تا کہ پہلے ہی سے ہا ر نہ مان لیں اور اتفاق سے اسی آیت سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ خدا وند عالم نے پیغمبر اکرمؐکو خواب میں کفار کی تعداد کم دکھلا ئی ۔پیغمبر اکرمؐنے خواب میں دیکھا کہ آپ مشرکوں کے کچھ افراد کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں اور اس آیت کے ذیل میں فر ماتا ہے :(وَلَوْاَرَا کَھُمْ کَثِیْراً لَفَشِلْتُمْ)اگر خدا وند عالم خواب میں پیغمبر اکرمؐکو ان کی بہت زیادہ تعداد دکھلا دیتا اور پیغمبر اکرمؐاس ما جرے کو مو منین کے سا منے بیان فر مادیتے تو مو منین اپنے کمزور ہو نے کا احساس کر تے اور نتیجہ میں کفارسے شکست کھا جا تے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

خلاصہ :یہ آیات اس بات پر دلالت کر تی ہیں کہ مو منین اور کفار کے اذہان پر خداوند عالم کی طرف سے ایسا تصرف واقع ہوا جو مو منین کے نفع میں تھا ۔

"القاء رُعب "اور" نزول سکون و اطمینان"
خداوند عالم کی طرف سے مسلمانوں کے نفع اور کا میابی میں غیر معمولی طریقہ سے "القا ء رعب" کا مسئلہ واقع ہوا۔ یہ مسئلہ بھی کئی آیات اور کئی مقامات پر بیان ہوا ہے ۔ روایات میں بھی بیان ہوا ہے کہ پیغمبراکرمؐکا رعب و دبدبہ تھا ۔جب مو منین کفار پر حملہ کر تے تھے تو ان کفار کے دلوں میں خوف پیدا ہوتا تھا جس کی وجہ سے وہ جنگ میں مات کھا جاتے تھے ۔اس مطلب کو کئی آیات میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے چند آیات ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں :
(سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْاالرُّعْبَ)(۱)
" ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے "۔
.....

۱۔سورئہ آل عمران آیت۱۵۱۔

(سَاُ لْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الرُّعْبَ)(۱)
"میں عنقریب کفار کے دلوں میں رعب پیدا کروں گا "۔
مجمو عی طور پر قرآن کریم میں اس کا تذکرہ چا ر مقامات پر کیا گیا ہے کہ خدا وند عالم کفارکے دلوں میں خوف ایجاد کر تا تھا جو ان کی شکست کا باعث ہو تا تھا ۔
(وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوبِھِمُ الرُّعْبَ)(۲)
"اور ان کے دلونمیں ایسا رعب ڈال دیا "۔
اور اس کے با لمقابل مو منین کے دلوں میں "سکینہ"سکون و اطمینان پیدا کردیتا تھا۔
(ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہُ عَلَیٰ رَسُوْلِہِ وَعَلَیٰ الْمُؤْمِنِیْنَ)(۳)
"پھر اسکے بعد خدانے اپنے رسول اور صاحبان ایمان پر سکون نازل کیا" ۔
اور دو سری آیت:
(فَأَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہُ عَلَیْہِ)(٤)
"پھر خدانے اپنی طرف سے پیغمبر پرسکون نازل کردیا "۔
یہ آیت پیغمبر اکرمؐکے سلسلہ میں ہے ۔البتہ یہ پیغمبر اکرمؐکی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے متعلق ہے کہ جب آپ نے" غار ثور" میں قیام فر مایاتھا ۔
دوسری آیات :
(ھُوَالَّذِیْ أَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُومِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْا اِیْمَانًامَعَ اِیْمَانِھِمْ)(٥)
"وہی خدا ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل کیا ہے تاکہ ان کے ایمان مینمزید اضافہ ہوجائے "۔
.....

۱۔سورئہ انفال آیت۱۲۔
۲۔سورئہ احزاب آیت۲٦،سورئہ حشر آیت۲۔
۳۔سورئہ توبہ آیت۲٦۔
٤۔سورئہ توبہ آیت٤۰۔
٥۔سورئہ فتح آیت٤۔

(فَأَ نْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ وَاَثَبَہُمْ فَتْحاً قَرِیْباً)(۱)
"تو اس نے ان پر سکون و اطمینان اتار دیا اور انھیں قریبی فتح عنایت کردی "۔
(فَأَ نْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہُ عَلَیٰ رَسُوْلِہِ وَعَلَیَ الْمُؤْمِنِیْنَ)(۲)
"تو اللہنے اپنے رسول اور صاحبان ایمان پر سکون نازل کردیا "۔
ان مقا مات پر "انزال سکینہ "کے بعد دوسری بات بیان فر ماتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا وند عالم آسمان سے فوج بھیجتا تھا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کہ لوگ دیکھنے نہ پا ئیں اور وہ فوج مو منین کی مدد کرے :
(وَاَنْزَلَ جُنُوْداً لَّمْ تَرَوْھَا)(۳)
"اور وہ لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا "۔
دو سری آیت :
(وَاَیَّدَهُ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا)(٤)
"اور ان کی تائید ان لشکروں سے کردی جنھیں تم نہ دیکھ سکے "۔
پس ایک کرامت جس کے ذریعہ سے خدا وند عالم نے پیغمبر اکرمؐ اور مو منین کی مدد فرمائی وہ غیبی لشکرہےکہ خو د مو منین بھی اس کو دیکھ نہیں پا تے تھے لیکن وہ مو منین کی کامیابی میں مو ثر کردار ادا کر تا بعض آیات میں جنود(بہت سے لشکروں)کے علاوہ (ریح)(یعنی ہوا)کا بھی ذکر ہوا ہے۔ یعنی خدا وندعالم نے ہوا(آندھی) بھیجی جو مسلمانوں کی کا میابی اور کفار کی شکست کا سبب بنی:
(اِذْجَائَ تْکُمْ جُنُود فَأَرْسَلْنَاعَلَیْہِمْ رِیْحاًوَجُنُوداً لَّمْ تَرَوْھَا)(٥)
"جب کفر کے لشکر تمہارے سامنے آگئے اور ہم نے ان کے خلاف تمہاری مدد کے لئے تیز ہوا اور ایسے لشکر بھیج دیئے جن کو تم نے دیکھا بھی نہیں تھا "۔
اب سوال یہ ہے کہ یہ جنود کون افراد تھے ؟احتمالی طور پر وہ ملائکہ (فرشتے) ہی تھے ۔بعض آیات میں صاف
....

۱۔سورئہ فتح آیت۱۸۔
۲۔سورئہ فتح آیت۲٦۔
۳۔سورئہ توبہ آیت۲٦۔
٤۔سورئہ توبہ آیت٤٠۔
٥۔سورئہ احزاب آیت۹۔

صاف یہ بیان ہوا ہے کہ خداوندعالم نے ملائکہ کو بھیجا ،لیکن ان کے دیکھنے یا نہ دیکھنے کا ذکر نہیںہوا ہے :
(وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍوَاَنْتُمْ اَذِ لَّۃ فَاتَّقُوْااللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ) (۱)
"اور اللہنے بدر میں تمہاری مدد کی ہے جب کہ تم کمزور تھے لہٰذا اللہسے ڈرو شاید تم شکر گذار بن جائو "۔
رہا مسئلہ یہ کہ خدا وند عالم نے اس آیت میں مومنین کو ذلیل سے کیوں تعبیر کیا حالانکہ خود اس کا فرمان ہے : (اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِلْمُوْمِنِیْنَ)"عزت اللہ اور مو منین کے لئے ہے ؟
اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ذلت کفار کے مقابلہ میں یاتو مو منین کی ظا ہری حالت کی مناسبت سے ہے کہ مو منین کی تعداد بہت کم تھی اور جنگی ساز و سامان بھی بہت کم تھا چھ عدد زرہیں اور چند تلواروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا ۔
حالانکہ کفار ہر طرح سے مسلح تھے یا یہ کہ اگر خدا وند عالم کی عطا کردہ عزت نہ ہو توانسان بذات خود ذلیل ہے یعنی بذات خود تم ذلیل تھے اگر خدا وند عالم تم کو عزت نہ دیتا جیسا کہ خدا وند عالم اپنے پیغمبر اکرمؐسے فرماتا ہے : (وَوَجَدَکَ ضَاۤلاًّفَهَدٰی) "اور کیا تم کو گم گشتہ پا کر منزل تک نہیں پہنچایا ہے " اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی موجود کی بذات خود کو ئی عزت نہیں ہے یہ خدا ہے جس نے تم کو با عزت بنا یاہے ۔اور تم کو یہ یا د دلاتا ہے کہ تم بذات خود کوئی عزت نہیں رکھتے ہو ۔خدا نے تم کو عزت عطا کی ہے بہرحال وہ یہ فر ماتا ہے کہ تم جنگ بدر میں ذلیل تھے اور خداوند عالم نے تمہا ری مدد فرمائی (فَاتَّقُوْااللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ)
اس کے بعد فر ماتا ہے :
(اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُوْ مِنِیْنَ اَلَنْ یَکْفِیَکُمْ اَنْ یُمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ ئَ الٰافٍ مِّنَ الْمَلٰئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ)(۲)
"اس وقت جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیںہے کہ خدا تین ہزار فرشتوں کو نازل کرکے تمہاری مدد کرے "
مو منین اپنے دلوں میں کمزوری کا احساس کر تے تھے اور کبھی کبھی اس کو اپنی زبان سے بھی بیان کیا کر تے تھے کہ ہم اتنے کم افراد اور وہ اُتنے زیادہ کفار وہ بھی پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ ہم ان کا کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں ؟
اس کے بعد خدا دو بنیادی چیزوں یعنی صبر اور تقویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہو ئے فر ماتا ہے:
....

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۱سورئہ آل عمران آیت۱۲۳۔
۲سورئہ آل عمران آیت۱۲٤۔

(بَلٰیٓ اِنْ تَصْبِرُوْاوَتَتَّقُوْاوَیَأْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِ هِمْ هٰذَایُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ ئَ الاَفٍ مِّنَ الْمَلٰئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ)(۱)
"یقینا اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے اور دشمن فی الفور تم تک آجائیں گے تو خدا پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جن پر بہادری کے نشان لگے ہوں گے "۔
اس آیت مینیہ وعدہ کیا گیا ہے کہ خدا وند عالم ملائکہ (فرشتوں)کو تمہا ری مدد کے لئے بھیجے گا لیکن کیا خداوند عالم نے بھیجا یا نہیں ؟
(اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّی مُمِدُّکُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ)(۲)
"جب تم پروردگار سے فریاد کررہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں ایک ہزار ملائکہ سے تمہاری مدد کررہاہوں جو برابر ایک کے پیچھے ایک آرہے ہیں "۔
جنگ بدر میں پیغمبر اکرمؐاور مو منین نے اپنے ہا تھو ں کو خداوندعالم کی بارگاہ میں بلند کر کے دعا کی اور اس سے مدد کی درخواست کی اور خدا نے بھی ان کی دعا کو مستجاب فر مایا ۔استجابت دعا بھی یہی تھی کہ خدا وندعالم نے فرمایا میں ایک ہزار فر شتوں کو تمہا ری مدد کے لئے نا زل کر وں گا ۔
اب یہ سوال در پیش ہے کہ اس آیت میں پیغمبر اکرمؐنے وعدہ کیا تھا کہ تین ہزار فرشتے اور اس کے بعد خدا وند عالم نے بھی فر مایا تھا اگر صبر اور تقویٰ سے کام لیا تو پا نچ ہزار فرشتے بھیجوں گا لیکن اس آیت میں فر ماتا ہے کہ ہم نے ایک ہزار فرشتے بھیجے ؟
جواب یہ ہے کہ یہ ہزار فرشتے مقد مہ تھے ،اس بات کا شاہد یہ ہے کہ خداوندعالم فرماتا ہے (مُرْدِفِیْنَ) مردف اس مقام پر استعمال ہو تا ہے کہ جب کوئی آگے آگے چلتا ہو اور دوسرا اس کے پیچھے پیچھے آرہا ہو ۔ ابتداء میں یہ ایک ہزار فرشتے نا زل ہو ئے اور اپنے بعد دو ہزار فرشتوں کو لا نے والے تھے پس وہی تین ہزار فرشتے نا زل ہو ئے۔
اب ان ملائکہ نے نا زل ہو کر کیا کیا ؟
(اِذْیُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰئِکَةِ أَنِّی مَعَکُمْ فَثَبِّتُوْا الَّذِیْنَ آمَنُوْا)(۳)
....

۱سورئہ آل عمران آیت۱۲۵۔
۲سورئہ انفال آیت۹۔
۳سورئہ انفال آیت۱۲۔

"جب تمہارا پروردگار ملائکہ کو وحی کررہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لہٰذا تم صاحبان ایمان کو ثبات قدم عطا کرو "۔
ملائکہ نے جنگ بدر میں نا زل ہو کر کیا کردار ادا کیا ،کیا انھوں نے جنگ کی یا کو ئی دو سرا کردار ادا کیا ؟ روایات میں وارد ہوا ہے کہ جنگ بدر میں نا زل ہو نے والے فرشتوں نے کسی شخص کو قتل نہیں کیا ۔جنگ بدر میں اکثر مقتولین کو حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے اصحاب نے قتل کیا تھا، ملائکہ کا کام فقط مو منین کی روحی اور معنوی طاقت کو تقویت دینا تھا ۔اس آیت میں بھی فر مایا گیا ہے کہ خدا وند عالم نے ان پر وحی کی کہ میں تمہا رے ساتھ ہوں تم مومنین کو ثابت قدم رکھنا ،ان کے اندر اطمینان و سکون پیداکر نا ۔اس کے بعد اسی آیت میں فر ماتا ہے:
(فَاضْرِبُوافَوْقَ الْأَعنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْہُمْ کُلَّ بَنَانٍ)(۱)
"لہٰذا تم کفار کی گردن کو مار دو اور ان کی تمام انگلیوں کو پور پور کاٹ دو "۔
ان دو جملوں کے سلسلہ میں مفسرین کے ما بین اختلاف ہے کہ یہ خطاب کس سے ہے ؟کیا یہ خطاب ملائکہ سے ہے یا مو منین سے ؟
بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ خطاب ملائکہ سے ہے اور ان کو جنگ کر نے کا حکم دیا گیا ہے ۔یہ وجہ روایات کے مد نظر اور آیۂ شریفہ کے پہلے جملہ سے ساز گا ر نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں ملا ئکہ سے خطاب ہے لیکن (اضْرِبُوْافَوْ قَ الْأَعْنَاقِ ---)سے مراد سرپا ہا تھ یا پیروں کا قطع کر نا نہیں ہے بلکہ ان کا کمزور کر نا مراد ہے ، یعنی فرشتوں نے دو کر دار اداکئے ہیں :ایک یہ کہ مو منین کو تقویت پہنچائیں اور دو سرے یہ کہ دشمنوں کو کمزور کریں ان کے سر پر ما رینیعنی ان کو ذلیل کریں ، ان کی روحا نی طاقت کو کمزور کریں ،ان کے ہاتھوں پر ضرب لگائیں تاکہ ان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے ہاتھ سست ہو جا ئیں نہ یہ کہ ان کے ہاتھ کٹ جا ئیں ۔
بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آخری جملہ میں مو منین سے خطاب کیا گیا ہے ۔اب جبکہ ہم نے تمہاری مدد کے لئے ملائکہ کو بھیج دیا ہے تو تم اپنی ہمت با ندھے رکھنا اور ان کو نیست ونا بود کر دینا ۔
اس آیت سے متعلق ان تینوں وجہو ں کو بیان کیا گیا ہے اور ممکن ہے دوسری وجہ سب سے بہتر ہو اس لئے کہ(خیرالامور اوسطہا)ہے۔یہ وہ تمام آیات تھیں جو اس بات پر دلالت کر تی ہیں کہ خدا وند عالم کی غیبی طاقت اکثر جنگوں میں مو منین کے شامل حال رہی ہے۔

.....

۱۔سورئہ انفال آیت۱۲۔

لیکن پیغمبر اکرمؐکرامات و معجزات کے سلسلہ میں شیعہ اور اہلسنت سے متعدد روایات نقل ہو ئی ہیناور چو نکہ ہما ری بحث قر آن سے متعلق ہے لہٰذا ہم ان کو بیان کر نے سے قاصر ہیں لیکن بہت زیادہ متواتر حدیثوں مینہے کہ پیغمبر اکرمؐسے اتنے زیادہ معجزات ظاہر ہو ئے ہیں کہ ان کا شمار کر نا بہت مشکل کام ہے ۔ کبھی کبھی ایسا اتفاق ہو تا تھا کہ آپ سے ایک ہی دن میں متعددمعجزاتی باتیں ظاہر ہو تی تھیں ۔ان میں سے بعض کفار کی خوا ہش کی وجہ سے اور اپنی نبوت کے اثبات کے لئے ہوا کر تی تھیں ،جبکہ بہت سی دوسری چیزیں اپنی نبوت کے اثبات کے لئے نہیں ہو تی تھیں۔مثال کے طور پر پیغمبر اکرمؐجب بیابان میں خیمہ کے اندر تشریف لاتے تھے اور وہاں پر کو ئی بکری ہو تی تھی تو آپ اپنا دست مبارک اس پر رکھ دیتے تھے تو وہ فربہ ہو جا تی تھی اور دودھ دینے لگتی تھی ۔اگر بیمار ہو تی تو شفا پا جا تی تھی وغیرہ وغیرہ اس طرح اور بہت سی مثالیں موجودہیں ۔
کثیر احا دیث میں نقل ہوا ہے کہ کفار پیغمبر اکرمؐسے کہا کر تے تھے کہ اگر آپ نے فلانکام انجام دیدیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے ۔مشہور و معروف واقعہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر آپ سچ فر ما تے ہیں کہ میں خدا کا نبی ہوں تو وسط بیا بان میں کھڑے اس درخت سے کہئے کہ وہ آگے بڑھ کر آئے اور آپ کی رسالت کی گو اہی دے یا یہ سنگریزے آ پ کے دست مبارک میں آکرکلام کریں آنحضرتؐنے ان سنگریزوں کو اپنے دست مبارک میں اٹھا یا تو وہ سنگر یزے تسبیح الٰہی کر نے میں مشغول ہو گئے اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں بے شمار روایات میں ذکر ہو ئی ہیں۔

راہ اور رہنما کی پہچان

عصمت
گذشتہ مباحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ حکمت الٰہی کاتقاضاہے کہ (خداوند)انسانوں کے درمیان کچھ ایسے افراد منتخب کرے جو اسکے اہداف ومقاصد اور ان تک پہنچنے کی راہیں انسانوں کو تعلیم دیں اورپھروہ لوگ بھی ان کو دوسروں تک پہنچائیں ۔
اب یہ سوال پیش آتا ہے :ٹھیک ہے خداوند عالم نے پیغمبر کو منتخب کیا اور اس پر بعض مطالب کی وحی کی کہ اسے بندوں تک پہنچائے ۔اب ہمیں کیسے اطمینان حاصل ہو کہ خداوند عالم نے جو کچھ اپنے پیغمبر پر وحی نازل فرمائی تھی بالکل وہی من وعن بندوں تک پہنچی ہے ؟
دوسرے الفاظ مینوہ پیام جو خداوند عالم کی طرف سے اسکے بندوں پر نازل ہوتا ہے کئی مرحلوں کو طے کرتا ہے تب بندوں تک پہنچتا ہے فرض کیجئے اگر ان مراحل میں کوئی غلطی ہوجائے، بطور مثال ،وحی پہنچانے والے نے پیغمبرتک وحی پہنچانے میں غلطی یا انحراف سے کام لیا ہو،یا پیغمبر وحی کے سمجھنے میں ،یا وحی کی تبلیغ کے وقت غلطی کر بیٹھے یا یہ احتمال ہو کہ العیاذباللہنبی نے (جان بوجھ کر) کوئی بات بدل کر بیا ن کردی ہے تو جب تک ان مراحل و مراتب کے سلسلے مینہم کو یہ اطمینان نہیں ہوگا کہ اس دوران کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے اس وقت تک لوگوں پر حجت تمام نہیں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہوگی تو اسی دلیل کی بنیاد پر کہ جن کے تحت حکمت الہٰی تقاضا کرتی ہے کہ لوگ راہ سعادت و شقاوت کو پہچانیں اور خداوند عالم کی معرفت حا صل کریں ۔جہاں تک مقاصد الٰہی کو درک کرنے کی بات ہے تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہو ئی ہے یہی دلیل کافی ہے ۔
یعنی جب ہم نے اس بات کو سمجھ لیا کہ خود خدا وند عالم کی حکمت کا تقاضا ہے کہ لوگ الٰہی مقاصد کا علم حاصل کریں تو جو کچھ اس عالم ہونے کا لازمہ ہے یہی دلیل مرحلہ بہ مرحلہ ان سب کے لئے کافی ہے کیونکہ اگر ان میں سے کسی ایک مرحلہ میں کوئی غلطی یا خطا ہوجائے تو مقصد ہی فوت ہوجائیگا اوروہ الٰہی مقصد پورا نہیں ہوگا پس یہی دلیل اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ الٰہی اغراض و مقاصد اپنے اصل متن کی صورت میں ہی لوگوں تک پہنچتے ہیں اور خدا کی طرح سے معین درمیانی واسطے کی غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے بنابراین وحی کے لانے والے فرشتوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وحی کے حصول اور نبی تک پہنچانے میں کوئی غلطی نہ کریں اور خود انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ضروری ہے کہ پیغام وحی صحیح طورپر وصول کریں اور اس کو لوگوں تک پہنچانے میں بھی کوئی غلطی وخطا نہ کریں معلوم ہوا کہ اسی پیغام کا اپنے اصل سر چشمہ سے لوگوں تک پہنچنے کے تمام مراحل میں غلطی وخطا سے محفوظ رہنا اسی دلیل کے ذریعہ ثابت ہے۔یعنی اسی دلیل سے وحی کو صحیح طورپر وصول کرنے اور اس کو لوگوں تک پہنچانے کے سلسلے مینانبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کی عصمت کی ایک قسم ہے جو انبیاء علیہم السلام کیلئے اور انبیاء سے پہلے ملائکہ کیلئے ثابت ہوتی ہے۔
لیکن عصمت کے دوسرے معنی اوردوسرے مراتب بھی ہیں منجملہ یہ کہ عمل کے میدان میں بھی انبیاء کو غلطی نہیں کرنا چاہئے یعنی وہ اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کی نہ صرف خلاف ورزی نہ کریں بلکہ ان کا عمل بھی خود ان پر نازل ہونے والی وحی کے مطابق ہونا چاہئے حتّیٰ اس سے بھی بڑھکر ان کو اپنی نبوت ورسالت سے پہلے بھی معصوم ہونا چاہئے اور کبھی کسی گنا ہ کا ار تکاب نہیں کر نا چا ہئے اور پھر اس سے بھی بڑھکر نہ صرف یہ کہ وہ گنا ہ و سر کشی نہ کریں بلکہ احکام کو بیان کر نے کے علا وہ بھی ان سے کو ئی غلطی اور سہو و نسیان صا در نہیں ہو نا چا ہئے ۔مذ کو رہ دلیل ، عصمت کے ان مر اتب کو بیان نہیں کرتی بلکہ فقط اتنا بیا ن کر تی ہے کہ وہ ہدف الٰہی کہ جس کا بندو ں کے لئے سمجھنا ضرو ری ہے ، اصل صور ت میں ان تک پہنچنا ہی چا ہئے لیکن یہ کہ انبیا ء علیہم السلام کو اس کے مطابق عمل بھی کر نا چاہئے یا نہیں ؟ یہ دلیل اس بات کو ثابت کر نے کی قدرت نہیں رکھتی بلکہ ہمیں آیات، روا یا ت اور دوسری دلیلو ں سے اس مطلب کو معلوم کر نا ہو گا ۔
پہلے مسئلے میں یعنی "وحی کو لیکر لو گو ں تک پہنچا نے میں انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہو نا "اس طور پر کہ وہ کوئی غلطی نہیں کر تے ، یعنی جا ن بو جھ کر خود پر نا زل ہو نے والی وحی کے خلاف ،کو ئی بات لو گو ں تک نہیں پہنچا تے ۔ اس ذیل میں عقلی دلیل کے علا وہ بہت زیا دہ آیات و روا یات مو جو د ہیں جو اس بات کی تا ئیدکرتی ہیں لیکن یہا ں قا بل توجہ بات یہ ہے کہ جس شخص پر ابھی نبی کی نبوت نیز اس کی کتاب کی حقانیت ثابت نہ ہو ئی ہو اس کے لئے کتاب کے مطالب سے استد لال کر نا بے فا ئدہ ہے اس لئے کہ فرض یہ ہے کہ اس کو ابھی نبی اور اس کی کتاب کے با رے میں شک ہے ۔لہٰذا ایسے شخص کے سا منے پہلے عقلی دلیل ہی قا ئم کرنا چا ہئے ۔با ں یہ ثابت ہو جا نے کے بعد کہ خداوند عا لم کی طرف سے ایک کتا ب ہی نا زل ہو ئی ہے ۔ اس کتا ب کے مطا لب بھی اس کے لئے حجت ہو ں گے۔مثال کے طور پر یہ ثابت ہو جا نے کے بعد کہ قرآن خدا وند عالم کی طرف سے معجزہ ہے فطری طور پر اس کے مطالب بھی تمام لو گو ں کے لئے حجت ہو ں گے لیکن اس سے پہلے کے مر احل میں ہم جو بھی دلیل پیش کریں اس کی بنیا د عقل پر استوار ہو نا چا ہئے ۔

ملا ئکہ کی عصمت

قر آ ن کریم میں وہ آیات مو جو د ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ملا ئکہ معصوم ہیں اور وہ الٰہی پیغامات پہنچا نے میں کو ئی غلطی نہیں کرتے اسی طرح انبیا ء علیہم السلام بھی جان بو جھ کر خطا سے محفوظ ہو نے کے ساتھ ساتھ وحی کے پیغام وصول کر نے اور لو گو ں تک پہنچا نے میں بھی غلطی اور خطا سے محفو ظ ہو تے ہیں ۔
ہم ملا ئکہ کی عصمت کے با رے میں کچھ آیا ت ذیل میں پیش کر رہے ہیں قر آ ن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَقَا لُوْااتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً سُبْحٰنَہُ بَلْ عِبَا دمُّکْرَمُوْنَ۔لَایَسْبِقُوْنَہُ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِہِ یَعْمَلُوْنَ)(۱)
"اور (اہل مکہ) کہتے ہیں کہ خدا ئے رحمان صا حب او لاد ہے وہ اس سے پاک و مبرا ہے بلکہ (وہ فرشتے)خدا کے معزز بندے ہیں جو اس کی بات پر اپنی بات مقدم نہیں کر تے اور یہ لو گ اسی کے حکم پر چلتے ہیں "۔ دوسری آیت
(۔۔۔لَا یَعْصُوْنَ اللَّہَ مَااَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُوْمَرُوْنَ)(۲)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"خداجس بات کا حکم دیتا ہے فرشتے اس کی نا فر ما نی نہیں کر تے اور وہی کر تے ہیں جو انھیں حکم دیا گیا ہے "۔
قرآن نے خاص طور سے حضرت جبرئیل کے با رے میں (جو قر آنی وحی میں وا سطہ رہے ہیں) یہ بات زور دیکر کہی ہے کہ خدا وند عا لم جو کچھ ان پر وحی کر تا تھا وہ من و عن پیغمبر اسلا مؐتک اسی طرح پہنچا دیتے تھے ۔ خدا کی وحی اور پیغام وصول کر نے اور اس کو پیغمبر اسلامؐتک پہنچا نے کے سلسلے میں عصمتِ جبر ئیل کی تصدیق ہے، رہا یہ مسئلہ کہ جنا ب جبر ئیل کے سلسلے میں یہ خا ص طور سے اہتمام کیو ں کیا گیا ؟ اس کا راز یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت جبر ئیل کی نسبت بہت زیا دہ حسا سیت رکھتے تھے بنی اسرا ئیل پر جو کچھ بھی عذا ب نا زل ہو ئے (خو د ان کے عقیدہ کے مطابق)حضرت جبر ئیل کے ذریعہ ہی نا زل ہو ئے تھے ۔ اسی بنا ء پر وہ پیغمبر اکرمؐکی خد مت مینحا ضر ہو کر کہنے لگے آپ پر جو فرشتہ نا زل ہو تا ہے کو ن ہے ؟اگر وہ جبر ئیل ہے تو ہم آپ کی با تو ں کو قبو ل نہیں

.....

۱۔سو رئہ انبیاء آیت ۲۶۔۲۷۔
۲۔سورئہ تحریم آیت۶۔

کریں گے کیو نکہ ان کو ہم سے دشمنی ہے اس وقت یہ آیت نا زل ہو ئی :
(قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوّاً لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہُ نَزَّ لَہُ عَلَیٰ قَلْبِکَ بِاِذْنِ ا للَّہِ)(۱)
"(اے رسول ان لو گو ں سے)جو جبر ئیل کے دشمن ہیں کہد یجئے انھو ں نے خدا کے حکم سے(اس قرآن کو)تمہارے قلب پرنازل کیاہے"۔
اس آیۂ شریفہ سے اس با ت کا پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ بھی حضرت جبرئیل نے پیغمبر ِ اکرمؐپر وحی کیا ہے وہی ہے جو خدا نے ان سے فر ما یا ہے اور انھو ں نے اس کو پہنچا نے میں کو ئی کو تا ہی یا مدا خلت اور تصرف نہیں کیا ہے ۔ قرآن کریم میں ار شاد ہو تا ہے:
(اِ نَّہُ لَقَوْ لُ رَسُوْلٍ کَرِ یْمٍ ذِ یْ قُوَّ ۃٍ عِنْدَ ذِیْ الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ)(۲)
"بیشک یہ (قرآن)ایک معززپیغا مبر(جبرئیل)کی بات ہے جو عرش کے ما لک کی با رگا ہ میں بلند رتبہ ہے فرشتو ں کا سر دار اور اما نت دار ہے "۔
یہ ان مقا مات میں سے ہے جہا ں ملا ئکہ کو بھی رسو ل کہا گیا ہے اور کچھ دو سری آیات جیسے سورئہ حج میں آیا ہے :
(اللہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَٰئِکَۃِ رُسُلاً)(۳)
" خدا فر شتو ں میں سے بعض کو اپنے احکام پہنچا نے کے لئے (رسول یعنی پیغا مبر کے طور پر) منتخب کر لیتا ہے "۔
جن اوصاف کا ان آیتو ں میں ذکر ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتۂ وحی کی طرف سے کسی تشویش کی ضرورت نہیں ہے فرشتہ "رسو لٍ کریمٍ ذی قوۃٍ " ہے ۔
چو نکہ ممکن ہے کو ئی یہ خیال کرے کہ جس وقت جبر ئیل وحی لیکر پیغمبر کے پاس آ رہے ہو نراستہ میں ان پر شیاطین حملہ کر کے وحی (کی آیات) چھین لیں اور اس میں کو ئی کمی یا زیا دتی کر دیں ۔اسی لئے یہا ں پر جبرئیل کی اس قوت و طاقت پر زور دیا گیا ہے کہ جبر ئیل اس قدر قوی ہیں کہ پیغام پہنچا نے میں کو ئی بھی طا قت ان پر قا بو حا صل نہیں کر سکتی ۔ یقیناً ہم نہیں کہہ سکتے کہ جنا ب جبرئیل تک کس طرح وحی پہنچتی تھی اور پیغمبرتک کس طرح وہ پہنچا تے تھے لیکن معقو ل کے ساتھ محسوس کی تشبیہ کے طور پر یہ فرض کر لیجئے کہ ایک شخص کسی چیز کو لیکر کسی دو سرے شخص کے پاس

.....

۱۔ سورئہ بقرہ آیت ۹۷۔
۲۔سو رئہ تکویر آیت ۱۹ ۔ ۲۱ ۔
۳۔سورئہ حجآیت ۷۵۔

پہنچا نے جا رہا ہے اور راستہ میں کو ئی چو ر اس پر حملہ کر دے یا کسی بہا نہ سے اس چیز میں رد و بدل کر دے ،یا اس میں کسی چیزکی کمی یا زیادتی کر نا چا ہتا ہے ۔ قرآ ن کریم ایسے میں فر ما تا ہے کہ جنا ب جبر ئیل اس طا قت کے مالک ہیں کہ کو ئی بھی طا قت کسی طرح بھی ان کی پیغا م رسا نی میں کو ئی مدا خلت اور تصرف نہیں کر سکتی۔ اب جبکہ معلوم ہو گیا کہ شیا طین جبر ئیل پر غا لب آ کر ان کی رسالت میں کو ئی مد ا خلت او ر تصر ف نہیں کر سکتے تو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اب سوا ل پیدا ہو تا ہے کہ کیا خود جبرئیل اس وحی میں کو ئی تصر ف کر سکتے ہیں ؟ قر آ ن کریم فر ما تا ہے :"مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ" جبر ئیل تمام فر شتو ں کے سردار اور اما نتدار ہیں ۔ اس بنا پرجبرئیل کی طرف سے بھی وحی میں دخل اندازی اور تصرف کا احتمال نہیں رہ جا تا ۔

ایک اور آیت مینخدا وند عا لم فر ماتا ہے :

(وَمَانَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِرَبِّکَ لَہُ ما بَیْنَ اَیْدِ یْنَا وَمَاخَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ وَمَاکَانَ رَبُّکَ نَسِیّاً)(١)

"اور ہم (فرشتے)آپ کے پر ور دگا ر کے حکم کے بغیر زمین پر نہیں اتر تے جو کچھ ہما رے سا منے اور ہما ری پس پشت اور جو کچھ ان کے در میان ہے (سب کچھ) اسی کا ہے اور تمہا را پر ور دگا ر کچھ بھو لتا نہیں ہے "۔

پس یہ آیتیں اس چیز کی ضما نت ہیں کہ ملا ئکہ ہر طرح کی خطا اور شیا طین کے تسلط و تصر ف سے محفو ظ ہیں ۔

عصمتِ انبیا ء علیہم السلام(وحی سمجھنے میں)

کیا انبیا ء علیہم السلام سے وحی سمجھنے میں غلطی ممکن ہے ؟ عا م انسا نو ں کے لئے تو ایسا ہو تا ہے کہ جب وہ کسی سے گفتگو کر تے ہیں تو بعض او قات ان کی بات صحیح طو ر پر نہیں سمجھ پا تے یا کچھ کا کچھ سن لیتے ہیں تو کیا انبیا ء کے بارے میں بھی اس بات کا احتمال ہے کہ مثلاً جب جبر ئیل ان کے پاس خدا کا پیغا م لائیں تو وہ جبر ئیل کی با تیں کچھ کا کچھ سمجھ لیں ؟ یا فرض کیجئے خدا کا پیغام صحیح طور پر سمجھ تو لیں لیکن کیا یہ احتمال پا یا جا تا ہے کہ وہ تبلیغ کے مر حلے میں پیغا م خدا لوگوں تک پہنچا تے وقت غلطی سے دو چا ر ہو جائیں ؟ اور اگر وہ غلطی کے مر تکب نہیں ہو تے تو اس کی دلیل کیا ہے ؟

مذ کو رہ عقلی دلیل کے قطع نظر ، اس سلسلہ میں بھی آ یتیں مو جو د ہیں جو اس بات کی ضا من ہیں کہ انبیا ء علیہم السلام نہ تو وحی کے سمجھنے میں غلطی کر تے اور نہ ہی اس کو لو گو ں تک پہنچا نے میں خطاکر تے ہیں خدا وند عالم ارشا د فر ما تا ہے:

(عَالِمُ الْغَیْبِ فَلاَیُظْہِرُ عَلَی غَیْبِہِ َحَدًا۔ِلاَّمَنْ ارْتَضَی مِنْ رَسُولٍ فَ َنَّہُ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہِ رَصَدًا۔لِیَعْلَمَ َنْ قَدْ َبْلَغُوا رِسَالاَتِ رَبِّہِمْ وَ َحَاطَ بِمَالَدَیْہِمْ وَ َحْصَی کُلَّ شَیْئٍ

....

١سورئہ مریم آیت ٦٤ ۔

عَدَدًا)(١)

"(خدا) غیب کا عالم ہے اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کر تا مگر وہ جس پیغمبر کو منتخب فر ما ئے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبا ن (فرشتے) مقرر کر دیتا ہے تا کہ دیکھ لے کہ انھو ں نے اپنے پرور دگار کے پیغا مات (لو گوں تک) پہنچا دیئے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے سب اس کے حصار مینہے اور ایک ایک چیز اس کے زیر تسلط ہے "۔

"فانّہُ یَسْلَکُ مِنْ "اب وہ جس رسول اور پیغمبر کو پسند اور منتخب کر لیتا ہے اس کے آ گے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے اور اپنے حصار میں رکھتا ہے کو ئی ان پر اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کی رسالت میں خلل اندازی کر سکتا ہے ۔ وہ اس طرح الٰہی نگہبا نوں کے احا طہ میں رہتے ہیں کہ کو ئی خطا نہیں کر تے ۔

"لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ ..."خدا یہ کام انجام دیتا ہے تا کہ وہ سمجھ لے کہ انھو ں نے اپنے پر ور د گا ر کے پیغا مات ٹھیک ٹھیک پہنچا دیئے ہیں۔

اس آیۂ شریفہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیا ئے الٰہی وحی کے سمجھنے اور بعینہ ان ہی الفاظ میں لو گو ں تک (منطوق کلا م پہنچا نے میں)غلطی نہیں کر تے ۔ اس لئے کہ اگر ان میں خطا کا احتمال ہو تو "لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَ بْلَغُوْا رِسَا لَاتِ رَبِّہِمْ "متحقّق نہیں ہو گا جب خدا وند عالم کے علم میں انھو ں نے اس کے پیغا مات صحیح طور پر لو گو ں پہنچا دیئے ہو ں تو ان میں کسی خطا کا احتما ل نہیں پا یا جاتا ۔ یہ آیت اس چیز کا بہترین ثبو ت ہے کہ انبیا ئے الٰہی وحی کا پیغام سمجھنے اور لو گو ں تک پہنچا نے مینکو ئی غلطی اور خطا نہیں کر تے ۔ یعنی یہ بھی اسی عقلی دلیل کے ما نند ہے کہ اگر ایسانہ ہو تو مقصد بھی فوت ہوجائے گا اور یہ حکمت الٰہی کے خلا ف ہے ۔

کیا انبیا ء علیہم السلام وحی میں کسی چیز کا اضا فہ کر سکتے ہیں ؟

اب جبکہ طے پا گیا کہ انبیاء علیہم السلام وحی کے سمجھنے اور تبلیغ کر نے میں کو ئی غلطی نہیں کر تے بالکل صحیح

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اور مکمل طور پر لو گو ں تک پہنچا تے ہیں تو کیا ان کے لئے وحی میں کسی چیز کا اضا فہ کرنا ممکن ہے ؟ گذشتہ آیت میں خداوند عالم نے فر ما یا تھا کہ خدا وند عا لم جو کچھ ان پر وحی کر تا ہے انبیا ء اسی طرح اس کو لو گو ں تک پہنچا تے ہیں اور ان کی اس طر ح حفا ظت کرتے ہے کہ خد اوند عا لم کے پیغاما ت بالکل صحیح طور پر لوگوں تک پہنچ جا ئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان کے لئے ممکن ہے و ہ وحی مینکسی اور چیز کا اضا فہ کردیں ؟اور کوئی ایسی با ت پر جو خد اوند عا لم نے ان پر وحی نہ کی ہو وحی کے عنو ان سے لوگوں تک پہنچا دیں ؟

.....

۱۔سورۂ جن آیت ۲۶۔ ۲۸ ۔

اس منزل میں بھی (گذ شتہ آیات میں ذکر شدہ علت سے عمو می استفا دہ کے علا وہ)بہت سی دلیلیں ہیں جو اس چیز پر دلا لت کر تی ہیں کہ خدا وند عالم بندو ں تک اپنے پیغا ما ت پہنچا نے کے لئے کسی ایسے ہی شخص کو منتخب کر تا ہے کہ جس کے با رے میں اطمینان ہوکہ وہ خیا نت نہیں کرے گا ۔ ور نہ خدا کا مقصد فوت ہو جا ئے گا اگر رسو ل معصوم نہ ہو اوریہ احتمال پا یا جا ئے کہ وہ اپنی طرف سے بھی لو گو ں کے سا منے کچھ بیان کر سکتا ہے تو خدا کی غرض فوت ہوجا ئے گی کیو نکہ لوگ شبہہ میں پڑ جا ئیں گے اور وحی اور غیر وحی میں فرق نہیں کر سکیں گے ۔
ہم اس سلسلہ میں بھی متعدد آ یات سے استفا دہ کر سکتے ہیں پہلے ان آیات کو بیان کر دیں کہ جن میں کلی طور پر کہا گیا ہے کہ نبی پیغام وحی میں اپنی طرف سے کو ئی اضا فہ نہیں کرتا :
(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ اِلَّابِاِذْنِ اللّٰهِ)(۱)
"اور ہم نے کو ئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ خدا کے حکم کے تحت لو گ اس کے حکم کی اطا عت کریں "۔
ظا ہر ہے کہ خدا کا رسول جو کچھ بھی لو گو ں تک پہنچا ئے اس پر عمل کرنا لو گو ں کا فریضہ ہے اب اگر پیغمبر اپنی طرف سے کو ئی بات اضافہ کر دے تو اس پر عمل ضروری نہیں ہو گا ۔ حا لا نکہ خداوندعالم نے حکم دیا ہے کہ ہر رسول کی مطلق طور پر اطا عت کر نا چا ہئے ۔ معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی انبیاء علیہم السلام الٰہی پیغام کے عنوان سے بیا ن کر تے ہیں وہ خدا کی رضا کے مطابق تا ئید شدہ ہے ۔
نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء علیہم السلام جن با توں کی تبلیغ فر ما تے ہیں وہ سب خدا وند عا لم کی تا ئید شدہ ہیں اور ان کی کلی طور پر اطا عت ہو نی چا ہئے دو سرے لفظو نمیں : خدا وند عا لم ایسے کو پیغمبر نہیں بنا تا جو خدا وند عا لم کے پیغا مات میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضا فہ کر دے ۔
دوسری آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے با رے میں ہے نصا ریٰ کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ بن مر یم نے اپنے کو لو گو ں کے سا منے خدا کے بیٹے کی حیثیت سے پہچنو ا یا ہے اور اپنی پر ستش کر نے کی دعوت دی ہے ۔ بہت سی آیتو ں میں اس مو ضو ع کے با رے میں بحث کی گئی ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے اور اسی انتساب کی بنیا د پر جو نصا ریٰ نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دی ہے ایک آیت میں خدا وند عالم حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کر تا ہے :
(ئَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُ مِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ---)(۲)

.....

۱۔سورئہ نسا ء آیت ٦٤۔
۲۔سو رئہ مائدہ آیت ۱۱٦۔

"کیا تم نے لو گو ں سے کہا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ما ں کو خدا بنا لو "۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نفی میں جوا ب دیتے ہو ئے عرض کر تے ہیں :
(اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ---)
"اگر میں نے ایسا کچھ کہا ہو تا تو تجھ کو خود معلوم ہو تا کیونکہ تو میرے دل کی سب بات جا نتا ہے "۔
پیشِ نظر آیت میں گو یا خدا وند عالم استد لال کے پیرا ئے میں فر ما تا ہے کہ اس کا کو ئی سوال ہی نہیں ہے کہ خداوند عالم کسی کو رسول بنا ئے اور وہ خدا وند عا لم کے اغراض و مقا صد کے خلاف بات کرے ۔ خدا وند عالم بھی کسی ایسے شخص کو کہ جس کے یہاں اس طرح کا احتمال بھی ہو رسا لت کے لئے منتخب نہیں کر سکتا ۔اس کی دو ہی صو رتیں ہوسکتی تھیں یا تو خدا جا ہل ہو تا اور اس کو یہ معلو م ہی نہ ہو تا کہ یہ شخص ایسا کرے گا یا یہ کہ وہ عا جز ہو تا اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس کو ایسا کرنے سے نہ روک سکتا اور خدا وند عالم نہ جا ہل ہے اور نہ عاجز،اور وہ فر ماتا ہے :
(وَمَاکَانَ لِبَشَرٍاَنْ یُؤْ تِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنَّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِکُوْنُوْا عِبَا داً لِّی مِنْ دُوْنِ اللہِ)(۱)
"کسی آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ خدا اسے کتاب ، حکم اور نبوت عطا فر ما ئے اور وہ لو گو ں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جا ؤ "۔
کیا خدا ایسے کو پیغمبر بنا سکتا ہے کہ خدا نے تو اس کو تو حید کی رہنما ئی کے لئے بھیجا ہو اور وہ لوگوں کو شرک کی دعوت دے ؟ خدا وند عالم کبھی بھی ایسے پیغمبر کا انتخاب نہیں کر سکتا ۔
پیغمبر اسلامؐ کے با رے میں ہے کہ مشر کین آپ کی طرف افتراء کی نسبت دیتے تھے ۔ وہ کہتے تھے (العیاذ با اللہ) آپ جو کلمات خدا سے منسوب کر تے ہیں وہ خود آپ ہی کے کلمات ہیں صرف اس لئے کہ لو گ قبو ل کر لیں، کہتے ہیں کہ خدا نے ایسا فر ما یا ہے ۔ بہت سی آ یات ہیں جن میں خدا وند عا لم نے مشر کین کی زبا نی پیغمبر پر افترا ء کی نسبت نقل کی ہے ۔ آج بھی بعض دا نشور اور مستشر قین جب دین اسلا م کا ایک تر قی یا فتہ دین کے عنو ا ن سے تعا رف کرا تے ہیں اور دین اسلا م کی تعلیما ت کی تعریف کر تے ہیں اس کے سا تھ ہی یہ کہتے ہیں کہ اسلا م کا قانون بنا نے وا لے (نبی) بات منو ا نے کے لئے اپنی با ت کو خدا سے منسوب کر دیتے تھے ۔ اس زما نہ میں بھی اس طرح کی

.....

۱۔سورئہ آل عمران آیت ۷۹۔

با تیں تھیں لیکن جو دین اسلا م قبو ل نہیں کر نا چا ہتے تھے ۔وہی اس طرح کی با تیں بنا یا کر تے تھے۔ خداوندعالم فر ما تا ہے کہ اگر یہ طے ہو تا کہ جو کچھ ہم نے اپنے نبی پر وحی کی ہے وہ اسکے خلاف ایک حرف بھی لو گو ں سے کہیں گے تو ہم ان کو ایسا کر نے کی مہلت ہی نہ دیتے ار شا د ہو تا ہے:
(وَ لَوْتَقَوَّلَ عَلَیْنَابَعْضَ الاَ قَاوِیْلِ۔لَاَخَذْنَامِنْہُ بِالْیَمِیْنِ۔ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہ الْوَ تِیْنَ۔فَمَامِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْہُ حٰجِزِیْنَ)(۱)
"اگر رسو ل ہما ری طرف سے کو ئی با ت گڑھ کر کہتے تو ہم پو ری قو ت کے سا تھ ان کو رو ک دیتے اور پھر ہم ان کی رگِ حیا ت ہی قطع کر دیتے اور تم میں کو ئی مجھے اس سے روک نہیں سکتا تھا " ۔
یہا ں پر (لَا خَذْ نَا مِنْہُ بِا لْیَمِیْنِ) "تو ہم ان کو دا ہنے ہا تھ سے پکڑ لیتے "سے مرا د یہ ہے کہ ہم ان کو اپنی پو ری قوّت سے روک دیتے ۔ (عربی زبان میں اس طرح کے جملے قد رت کی علا مت ہو تے ہیں کیو نکہ عام طو ر پر انسا ن کا داہنا ہاتھ اس کے با ئیں ہا تھ سے زیا دہ قو ی ہو تا ہے) اور نہ صرف یہ کہ ہم ایسی بات کر نے سے روک دیتے بلکہ ان کی رگ حیا ت کو منقطع کر دیتے "ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَ تِیْنَ "اور کو ئی شخص ہم کو ایسا کر نے سے روک بھی نہیں سکتا تھا۔
یہ آیا ت اس چیز پر دلا لت کر تی ہینکہ انبیا ء علیہم السلام وحی کو سمجھنے اور اس کو من و عن لو گو ں تک پہنچا نے میں کو ئی بھی غلطی یاخطا نہیں کر تے اور نہ ہی اپنی طرف سے اس میں کسی چیز کا اضا فہ کرتے ہیں ۔

مقا مِ عمل میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت

عقل ہم سے کہتی ہے کہ بندو ں تک الٰہی پیغام من و عن با لکل صحیح پہنچنا چا ہئے لہٰذا انبیا ء علیہم السلام کاوحی کے سمجھنے اور لوگو ں تک پہنچا نے مینقطعی طو ر پر معصو م ہو نا ثا بت ہے لیکن مقا م عمل میں بھی خود انبیا ء علیہم السلام ان پیغامات پر ضرور عمل کر تے ہیں اس کو ثا بت کر نے کے لئے یہ دلیل کا فی نہیں ہے۔ بعض علما ء علم کلام نے مقا م عمل میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت عقل کے ذریعہ ثا بت کر نے کی چند صورتیں بیا ن کی ہیں منجملہ وہ کہتے ہیں :
قو ل کی طرح عمل بھی کسی کا م کے جا ئز ہو نے پر دلا لت کر تا ہے ۔ اگر پیغمبر (العیا ذ با اللہ) کسی گنا ہ کا ارتکاب کر تے تو لو گ ان کے عمل کو اس گنا ہ کے جا ئز ہو نے کی دلیل سمجھتے اور اس سے بھی خدا وند عالم کی حکمت فوت ہوجاتی۔ خدا وند عالم نے انبیا ء علیہم السلام کو اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ لو گو ں کوسمجھائینکہ کونسا کام کر نا چا ہئے اور کو نساکام

.....

۱۔سورئہ الحا قہ آیت ٤٤تا٤٧۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نہیں کر نا چا ہئے ۔ اگر کو ئی پیغمبر عملی طور پر کسی گنا ہ کا مرتکب ہو تولوگ اُس کو اِس گنا ہ کے جا ئز ہو نے کی دلیل سمجھیں گے اور اس سے خدا کی حکمت فوت ہوجا ئے گی ۔
یہ دلیل بہت زیا دہ یقین آور نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے کو ئی شخص خدا کے پیغا م کو صحیح طو ر پر لوگوں تک پہنچادے اور اُن سے کہے کہ اس کے مطابق کام انجا م دینا چا ہئے لیکن میں بھی تمہا ری طرح کبھی کبھی گنا ہ کا مر تکب ہو جا تا ہوں اور میرا فلا ں کام خلا ف ورزی کی وجہ سے تھا لیکن تم اس گنا ہ کا ارتکاب نہ کر نا ۔ عقل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اتنا کہنا کا فی نہیں ہے اور یہ عقلی طور پر محا ل بھی نہیں ہے البتہ ہما رے پاس کتا ب و سنت سے کا فی دلیلیں موجود ہیں جو اس چیز پر دلا لت کر تی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام حتیٰ رسالت سے پہلے بھی معصوم ہو تے ہیں لیکن عصمت کی ضرورت پر عقلی دلیل کاقا ئم کر نا آ سا ن نہیں ہے ۔ ہم عقل کے ذریعہ جو بات انبیا ء علیہم السلام کی عصمت کے لئے ثابت کر سکتے ہیں وہ وحی کے سمجھنے اور اس کو ٹھیک ٹھیک لو گو ں تک پہنچا نے کے سلسلے میں ان کا معصوم ہو نا ہے ۔ ہاں یہ خدا وند عالم کی طرف سے ایک لطف ہے کہ انبیا ء علیہم السلام عملی طور پر بھی خطا و غلطی سے معصوم ہو تے ہیں کیونکہ خطا و غلطی سے معصوم ہو نے کی وجہ سے لوگ ان پر زیادہ اعتماد کر یں گے اور ان کی رفتا ر لو گو ں کیلئے نمو نۂ عمل ہوگی اور لوگ ان (معصو موں) کی رفتار و کر دار سے پو ری طرح تمسک کر سکیں گے۔ یہ ان پر خداوند عالم کا ایک لطف ہے لیکن ہم اس بات کی ضرو رت عقلی دلیل کے ذریعہ ثا بت نہیں کر سکتے البتہ انبیا ء علیہم السلام کی عصمت پربہت سی آیات دلالت کر تی ہیں اور روا یات بھی کثر ت سے مو جو د ہیں۔
اس مسئلہ میں مسلما نو ں کے مختلف فر قو ں کے در میان کئی جہتو ں سے کم و بیش اختلاف رہا ہے انبیا ء علیہم السلام نبو ت ملنے کے بعد معصو م ہو تے ہیں اس با رے میں تقر یباً سبھی متفق ہیں لیکن بعض کے نز دیک نبو ت ملنے سے پہلے معصیت کا امکان پایا جا تا ہے اور بعض کا خیا ل ہے کہ انبیا ء علیہم السلام ایسا فعل انجا م دے سکتے ہینجو بعد میں خود ان کے دین میں حرا م ہو جا ئے لیکن ابھی حرا م نہیں ہو ا ہے اور بعض کا یہ نظر یہ ہے کہ وہ صرف گنا ہ کبیرہ سے معصو م ہو تے ہیں ۔
ان تمام نظر یو ں کے طر فدا روں نے اپنے اپنے نظر یو ں کو ثا بت کر نے کے لئے کچھ عقلی دلیلیں پیش کی ہیں منجملہ یہ کہ : اگر کو ئی شخص کسی گنا ہ کامر تکب ہو ا ہوتو یہ اس شخص کے وقار کو ختم کر دیتا ہے اور لوگ ایسے شخص پر اعتماد نہیں کر تے۔ لہٰذا نبی کو خو د بھی عملی طور پر بُرے اعمال سے محفو ظ رہنا چا ہئے تاکہ لو گو ں کی نظر میں قا بل اعتماد رہے ۔ اس دلیل کی بنیاد بھی گمان پر ہے اس لئے کہ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ایک شخص کے پاس کتاب ہے اور وہ اِس کتاب کو خداوند عا لم کی طرف سے لو گو ں کے لئے لیکر آیا ہے اور اس کتا ب کو اس نے لو گو ں تک پہنچا کر حجت تمام کر دی ہے تو اس صورت میں خود اس کو بھی کتا ب کے خلا ف عمل نہیں کر نا چا ہئے اس پر کو ئی عقلی دلیل قا ئم کرنا مشکل ہے البتہ اس کی تر جیح اور اولو یت میں کو ئی شبہ نہیں ہے ۔
بہر حا ل شیعو ں کا عقیدہ ہے کہ انبیا ء علیہم السلام اپنی پیدا ئش سے مو ت تک تمام گنا ہو ں سے خواہ کبیر ہ ہو یا صغیرہ محفو ظ ہیں اور حضرت آ دم علیہ السلام سے لیکر حضرت خا تم النبیین تک کسی ایک نبی نے بھی اپنی پو ری عمر کے دوران چھو ٹے سے چھو ٹے گنا ہ کا بھی ارتکا ب نہیں کیا ہے لیکن اہلسنت کے بعض فر قے ہم سے اس با رے میں کم و بیش اختلاف رکھتے ہیں اور انھو ں نے بعض شکو ک و شبہات بھی پیدا کئے ہیں شا ید ہم بعد میں ان میں سے بعض شبہات کو بیا ن کریں ۔

مقا مِ عمل میں انبیا ء کے معصوم ہو نے پر کیا کو ئی قر آ نی دلیل ہے ؟
قر آن کریم کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ انسا نو ں کے در میا ن کچھ ایسے "مخلَص "بند ے ہیں جن کی خلقت کے پہلے دن سے ہی جب شیطا ن نے بنی آ دم کو گمرا ہ کر نے کا اعلان کیا ہے ۔ اس کے یہا ں ان افرا د کو گمرا ہ کر نے کی طمع نہیں تھی چنا نچہ خدا وند عا لم کے در با ر سے نکا لے جا نے کے بعد اس نے قسم کھا کر کہا تھا :
(فَبِعِزَّ تِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔اِ لَّا عِبَادَ کَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ)(۱)
"تیری عزت (و جلال) کی قسم تیرے مخلَص بند و ں کے سوا ہر ایک کو ضرور گمرا ہ کر وں گا "۔
یہ"مخلصین "بندے کس طرح کے ہیں کہ خو د شیطا ن بھی جانتا تھا کہ میں ان کو گمراہ نہیں کرسکتا ؟ وہ کون سے بندے ہیناور ان کی کیا خصوصیتیں ہیں ؟تعبیر مخلص سے یہ مطلب نکالا جاسکتاہے کہ یہ وہ افراد ہیں جن کو خداوند متعال نے صرف اپنے لئے پاک و مخلص کیا ہے ۔
قا رئین کرام : یہا ں یہ بیان کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ َمخلص (لام پر زبر)کے ساتھ اور مخلِص (لام پر زیر) کے ساتھ دو الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں (زیر کے ساتھ) مخلصین وہ لوگ ہیں جو اپنی جگہ خود خلوص نیت سے خدا کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لئے عمل انجام دیتے ہیں لیکن (زبر کے ساتھ) مخلصین وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے پاک نیت اور مخلص بنایا ہے صرف ان کے عمل میں ہی خلوص نہیں ہے بلکہ وہ خود بھی مجسمۂ خلوص ہیں یعنی ان کا پورا وجود خدا کے لئے ہے ۔ چنانچہ ان افراد سے شیطان کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا ۔ یہ مخلص کی تعبیر تقریباً اسی اصطلاح معصوم پر منطبق ہوتی ہے ۔ جب ہم معصوم کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ جس کو خداوند عالم نے گناہوں سے محفوظ کردیا ہے (البتہ یہاں پہ .....

۱۔سورئہ ص آیت ۸۲ ۔۸۳ ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہ چیز صاحب اختیار ہونے کے منافی نہیں ہیں۔ خدا نے صرف ان کے گناہ نہ کرنے کی ضمانت لی ہے ۔ اُ ن کا اختیار سلب نہیں کیا ہے) قرآن کریم میں معصوم کی اصطلاح استعمال نہیں ہو ئی ہے جو تعبیر" معصوم " کے مفہوم پر منطبق ہوتی ہے ۔ یہ وہ بندے ہیں جن کو خداوندعالم نے خالص اپنے لئے قرار دیا ہے ، اور ان کے یہاں شیطان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ اس طرح کے ہیں کہ خود شیطان بھی ان کو گمراہ کرنے کی ہو س میں نہیں آتا۔ قرآن کریم نے کچھ ایسے انبیا ء علیہم السلام کے نام لئے ہیں جو خدا کے مخلص بندے ہیں :
(اِ نَّہٗ مِنْ عِبَادِنَاالْمُخْلِصِیْنَ وَکَانَ مُخْلِصَاً)
"بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا اور وہ میرا مخلَص بندہ تھا "۔
ان مخلص بندوں کے با رے میں بعض مقامات پر وضاحت کی گئی ہے کہ خداوند عالم چاہتا ہے کہ ان کو برے کاموں سے دور رکھے اور ان کے وجود کو ہر طرح کے انحرافات اور پلیدیوں سے محفوظ رکھے اور ان ہی مقامات مینسے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے جس میں قرآن نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا حضرت یوسف علیہ السلام پر عاشق ہو جا نا ذکر کیا ہے یہا ں تک کہ زلیخا نے ایک ایسا کمر ہ تیا رکیا جو ہر رخ سے محفو ظ اور تنہا ہو اور وہا ں حضر ت یوسف علیہ السلام کو مشتعل کر نے کے تمام وسا ئل بھی فرا ہم تھے ا ور وہ بہا نے سے آپ کو کمرہ مینلے گئی اور دروازوں کو اس طرح بند کیا کہ کسی دو سرے کو اس کی خبر نہ ہو سکے ۔ روا یات میں یہا ں تک ہے کہ اس نے کمرہ کے چاروں طرف آ ئینہ بندی کر دی تھی کہ حضرت یو سف علیہ السلام جس طرف بھی نظر اٹھا ئیں زلیخا ہی کی تصو یر دکھائی دے اس طرح کے حا لات میں قر آ ن کریم فر ما تا ہے :
(وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا لَوْلَا اَنْ رَّئَ ا بُرْھٰنَ رَبِّہٖ کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْئَ وَالْفَحْشَآئَ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَاالْمُخْلَصِیْنَ) (۱)
"اس عو رت نے تو ان کو حا صل کر نے کا پکا ارادہ کر لیا تھا اب اگر انھو ں نے اپنے پر ور دگا ر کی دلیل نہ دیکھی ہو تی تو وہ بھی اس کا قصد کر بیٹھتے (لیکن) ہم نے ایسا کیا کہ ان سے برا ئی اور بد کا ری کو دور رکھیں ، بیشک وہ (یوسف) ہما رے "مخلَص " بندو ں میں تھے "۔
ظا ہر ہے اس طرح کے مو ا قع پراگر خدا وند عالم کا خا ص لطف نہ ہو تو ایک عا م انسان اپنے نفس پر کنٹرو ل نہیں کر سکتا ۔ ایسے میں جب عزیز مصر کی بیو ی حضر ت یو سف علیہ السلام کی طرف بڑھی تو قبل اس کے کہ آپ بھی اس .....

۱۔سو رئہ یو سف آیت ۲٤ ۔

کی طرف ما ئل ہو ں خدا وند عا لم نے ان پراپنی دلیل آشکا ر کر دی اور یہ کام اس لئے کیا کہ حضرت یو سف گنا ہ سے محفو ظ رہیں ۔ رہی با ت کہ وہ دلیل کیا تھی جو خدا وند عا لم نے حضرت یو سف علیہ السلام پر آشکار کی تھی ؟ اس بارے میں کچھ ایسی آ یا ت نقل ہو ئی ہیں جن کے مطالب اطمینان بخش نہیں ہیں ۔
قر آ ن کریم نے وا ضح طور پر یہ بیا ن نہیں کیا ہے کہ حضرت یو سف علیہ السلام نے کیا چیزدیکھی تھی ۔ قر آ ن نے صرف اتنا کہا ہے کہ حضر ت یو سف علیہ السلام نے "خدا کی دلیل "کا مشا ہد ہ کیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ کو ئی غیبی بات ان پر آ شکا ر ہو ئی تھی "دلیل "یا "بر ہا ن "کی لفظ عا م طو ر سے اس جگہ بو لی جا تی ہے جہا ں انسان کو کو ئی علم حاصل ہو ۔ حضرت یو سف علیہ السلام نے کو ئی ایسی نشا نی کا مشا ہد ہ کیا جس نے ان کو غفلت سے بچا لیا ۔ ہم عر فان کی اصطلا ح میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ "الٰہی تجلّی " تھی لیکن کیا تھی اور کس طرح کی تھی ؟ قر آ ن اس با رے میں کچھ نہیں کہتا اور ہم کو بھی نہپنیتہ کہ وہ کیا ہے کہ انھو ں نے کس چیز کا مشا ہدہ فر ما یا تھا ۔ بہر حال کو ئی ایسی چیز دیکھی تھی جس نے ان کو غفلت سے بچا لیا اور ان کی توجہ خدا وند عالم کی طرف مبذو ل کر دی ، الٰہی دلیل تھی ، خدا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وند عا لم فر ماتا ہے کہ ہم نے یہ کام انجام دیا "لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْئَ وَالْفَ ْحْشَا ئَ "تا کہ ان کو گنا ہ اور برائی سے دور رکھے ، کیوں؟ "اِ نَّہُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ"اس لئے کہ حضرت یو سف علیہ السلام خدا کے مخلَص بند وں میں سے تھے اور ہم اپنے مخلص بند وں سے اسی طرح پیش آ تے ہیں ۔ یعنی جب بھی ان کے سا منے انحراف کے بیر ونی عوا مل آتے ہیں ہم ان کو راہ سے ہٹا دیتے ہیں ۔

قر آ ن کریم میں خدا وند عا لم نے پیغمبر اکر مؐکے با رے میں بھی اسی طرح کے بعض حا لا ت نقل کئے ہیں ایک جگہ خدا فر ماتا ہے :

(وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئاً قَلِیْلاً ۔ اِذاً لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَانَصِیْراً)(۱)

"اور اگر ہم تم کو ثا بت قدم نہ رکھتے تو دور نہیں تھا کہ تم بھی کسی حد تک ان کی طرف راغب ہو جا تے اور (اگر تم ایسا کر تے تو)ہم تم کو زند گی میں بھی اور مر نے پر بھی دو ہرے (عذاب) کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو ہمارے مقابلہ میں کو ئی مدد گا ر نہ ملتا "

اللہ نے اس وا قعہ کی طرف اس آ یت میں اشا رہ کیا ہے کہ کچھ لو گ پیغمبر اکرمؐکو ذاتی مقا صد کے تحت

.....

۱۔سورئہ اسراء آیت ۷۴ ۔۷۵ ۔

اپنے فر یضہ کی انجام دہی میں کمزور دکھا نا چا ہتے تھے چنا نچہ آ نحضرتؐکی بعثت کے طو یل دور میں کئی ایسے مواقع پیش آ ئے ہیں کہ کچھ لوگ (کبھی کبھی آ پ کے دو ست و احباب بھی) ایسے کام کر نے کی فکر میں رہتے تھے کہ پیغمبر اکرمؐکوبعض الٰہی احکام انجام دینے سے رو ک دیا جا ئے ۔ مثال کے طو ر پر کبھی کبھی بیجا قسم کی سفارشیں کرتے یعنی آ ج کی زبا ن میں پا رٹی با زی سے کام لیتے تھے چنا نچہ اگر کو ئی چو ری کر تا تو قانو ن کے تحت اس کے ہاتھ کٹنے چا ہئے تھے لیکن اس کے خا ندان کے افراد اپنے خا ندان کو اس بدنا می اور ننگ و عار سے بچا نے کے لئے متعدد بہانوں کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐکے سا منے یہ کو شش کر تے کہ آ نحضر ت اس چو ر کے متعلق حد جاری کرنے سے با ز آ جا ئیں اس قدر با تیں بنا تے اور ایسا ما حو ل تیا ر کر تے کہ کو ئی بھی اور شخص ہو تا تو ان کی بات قبول کر لیتا ۔ پیغمبر اکرمؐکا بھی ایک انسان کی حیثیت سے جب ایسے حا لات پیش آجا تے تھے تو متا ثر ہونا ایک فطری امر تھا لیکن خدا وند عا لم ایسا نہیں ہو نے دیتا تھا، آ پ کو ملا ئکہ کی تا ئید حا صل تھی وحی نا زل ہو تی یا الہام ہو تا اور پیغمبر اکرمؐاپنے فیصلے میں ثا بت قدم رہتے اسی طرح کے ایک مو قع کا اس آیت میں ذکر ہے خداوندعالم فرماتا ہے "لَوْلا اَنْ ثَبَّتْنَا کَ " "اگر ہم تم کو ثا بت قدم نہ رکھتے ""لَقَدْ کِدْ تَّ تَرْکَن اِ لَیْھِمْ شَیْئاً قَلِیْلاً " "تو قریب ہو تا کہ تم بھی کسی حد تک ان کی طرف ما ئل ہو جا ؤ اور ان کی با توں پر اعتماد کر لو " لیکن ہم تمہا ری حفاظت کرتے اور تم کو ثا بت قدم رکھتے ہیں یقیناً کو ئی انسان اگرچہ وہ خدا کا پیغمبر ہی کیو ں نہ ہو کسی بھی عالم میں اللہ کی مدد سے بے نیا ز نہیں ہے اور پیغمبر کی فضیلت یہی ہے کہ خدا وند عا لم اس کی حفا ظت کر تا ہے۔

ان آیتو ں سے یہ استفا دہ ہو تا ہے کہ پیغمبر اسلامؐکو بھی خدا وند عا لم کے تما م مخلَص بندوں کی ما نند جب بھی بیر و نی عوا مل شکوک و شبہا ت میں گھیر تے تو خدا وند متعال غیبی طریقہ سے آپ کی مدد کرتا اور آپ ہر طرح کی لغز ش سے محفو ظ رہتے اور عصمت کا مطلب بھی یہی ہے ۔

کیا عصمت "جبر " ہے ؟

عصمت یعنی حدا وند عا لم ایک انسا ن کو ہر اُس وسیلہ سے جو اس کے علم میں ہے گنا ہ اور برا ئی سے محفو ظ رکھے لیکن کیا اس کا مطلب جبر ہے یا نہیں ، انسا ن خود اپنے اختیا ر سے گنا ہ کو تر ک کر تا ہے اس با رے میں ہم اجما لی طو ر پر عر ض کر دیں کہ اس چیز پر بہت سی دلیلیں مو جو د ہیں پیغمبر بھی دو سرے تمام انسا نو ں کی طرح مکلف ہیں اور ان کو بھی ان کے اعما ل پر ثو ا ب دیا جا ئے گا اور چو نکہ اعما ل اختیا ری ہیں ، وہ گنا ہ کو ترک کر نے میں مجبور نہیں ہیں بلکہ مختا رہیں لیکن خدا وند عا لم نے ان کو اس طرح خَلْق فر ما یا ہے اور اُن کو وہ عقل عطا کی ہے کہ اپنے اختیا ر سے بُرے کامو ں کو ہاتھ نہیں لگا تے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اُ ن سے اُ ن کا اختیار سلب کر لیا گیا ہو، ور نہ اختیا ر کے بغیر گنا ہ نہ کر نا کو ئی ہنر نہیں ہو گا ، اس لئے کہ جس شخص کو خدا بُرے کا مو ں سے زبر دستی رو کے گا وہ رک ہی جا ئیگا ۔ ایک انسان کے عنوان سے پیغمبر کا کما ل یہی ہے کہ وہ اپنے اختیا ر کے با وجود خو د کو گنا ہ سے دور رکھتا ہے ۔ تو اب سوا ل یہ ہے کہ یہ کس طرح کی عصمت ہے ؟ یعنی اس کو یو ں سمجھئے کہ خدا وند عا لم نے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انسا نو ں کے درمیان کچھ افرا د اس قدر مستعد اور کا مل خلق کئے ہیں کہ ان کے با رے میں اسے علم ہے کہ وہ افراد بذا ت خود گنا ہ کے مر تکب نہیں ہو ں گے ، خدا وند عا لم کے احکام کی اطا عت کر تے رہیں گے ۔ خداوندعا لم اپنے اسی علم غیب کے تحت چو نکہ وہ ان کی سر نو شت سے آ گا ہ ہے ان کو ہی اپنی رسا لت کے لئے منتخب کر تا ہے جو اپنے اختیا ر کے با وجود خدا کی نا فر ما نی کے ذریعہ گناہوں کا ارتکا ب نہیں کرتے ۔ البتہ یہ کو ئی زیا دتی یا نا انصا فی نہیں ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا وندعا لم پیغمبر کی جو برے کامو ں سے بچنے میں مدد فر ما تا ہے اس میں دو سرو ں کی مدد سے دریغ کر تا ہے بلکہ قا عدہ اور اصو ل کے تحت خدا مدد کر تا ہے در اصل ، خدا وند عا لم تمام مو منین اور راہ خیر میں قدم اٹھا نے وا لے تمام لو گو ں کی مدد کر تا ہے۔ مگر اس کی مدد نہ ان افراد کی سعی و کوشش کے مطابق ایک قاعدے اور اصول کے تحت ہوتی ہے جو شخص ایک قدم آگے بڑھاتا ہے خداوند عالم دس قدم بڑھکر اس کی مدد کرتا ہے اگر کوئی سو قدم آگے بڑھاتا ہے اسی اعتبار سے خدا اس کی مدد کرتا ہے چونکہ پیغمبر اپنی تمام قوت و توانائی خدا کی بندگی کی راہ مینلگا دیتے ہیں اور کسی قسم کی کوئی کو تاہی نہیں کرتے۔ خداوند عالم بھی جہاں ان کی غیر معمولی مددکی ضرورت ہوکوئی دریغ نہیں کرتا لیکن اس مدد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو جبر کانام دیا جائے یا ان سے ان کا اختیار سَلْب کرلینے کے مترادف ہو۔

جب خداوند عالم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنی دلیل آشکار کی ہے وہاں مد د تواسی بنیادپر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اس طرح کی مدد کی لیاقت رکھتے تھے اور انھوں نے بھی جب خدائی دلیل دیکھی تو اس کی مدد سے استفادہ کرتے ہوئے (زلیخا کے خیال سے)منصرف ہوگئے اور ان کے دل میں گناہ کا قصد بھی پیدا نہ ہوسکا ۔

خداوند عالم کی جانب سے اس طرح انبیاء علیہم السلام کی جو غیبی امداد ہوتی ہے اس کے بھی قاعدے اور اصول ہیں اور کسی بھی طرح یہ چیز اختیار سلب کرنے کا باعث نہیں بنتی ۔اس بات کو ذہن سے قریب کرنے کیلئے یوں سمجھئے کہ بہت سے ایسے برے کام ہیں کہ جن کی تمام برائیوں سے ہم آگا ہ ہیں اور کبھی بھی ہم ان کو انجام دینے کا قصد نہیں کرتے لیکن ہم اسکے انجام دینے سے مجبور بھی نہیں ایک بہت ہی گندی چیز جس کا کھانا کوئی شخص اپنی عمر کے کسی بھی مرحلے میں قصد و ارادہ کے ساتھ پسند نہیں کرتا اور نہیں کھاتا تو کیا کسی نے اس کو نہ کھانے پر مجبور کیا ہے؟قطعاًمجبور نہیں ہے لیکن اسکا کھانا اسکے خیال میںنہیں آتا۔انبیاء علیہم السلام بھی خداوند عالم کے عطا کردہ علم کے ذریعہ گناہوں کی گندگی کو اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی بھی ان کے ارتکاب کی ہوس نہیں کرتے لیکن ہم ایک بارپھر تاکید کے ساتھ کہدیں کہ اس کا مطلب ہر گز جبر نہیں ہے ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

عصمت انبیاء علیہم السلام سے متعلق شبہات

ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام اپنی خلقت سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک معصوم ہوتے ہینا ور صرف یہ کہ وحی سمجھنے اور اسکی تبلیغ کرنے میں غلطی نہیں کر تے بلکہ اپنے شخصی افعال و کر دارمیں بھی غلطی یاخطا نہیں کرتے لیکن اہلسنت کے درمیان خاص طور سے اس مسئلہ میں ، متعدد اقوال موجود ہیں جس میں انھو ں نے عصمت کے بعض در جا ت کا انکار کیا ہے ،ان میں سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا نبوت ملنے سے پہلے معصوم ہونا لازمی نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے کے بعدبھی ممکن ہے گناہان صغیرہ کے مرتکب ہوں۔ انھوں نے اپنے اقوال کے لئے قرآن کریم کی آیات بھی سند میں پیش کر تے ہوئے کہا ہے کہ بعض آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام فی الجملہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں بہر حا ل یہ بحث شیعہ اور اہل سنت کے درمیان صدر اسلام سے ہی مو جو د ہے اور عصمت انبیاء علیہم السلام کی دلیل میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا انکار کرنے والونکے شکو ک و شبہات کے جواب کے بار ے میں ا ہل بیت علیہم السلام سے بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہینیہاں تک کہ حضرت امام رضاعلیہ السلام کے دور میں مامون نے جو سوالات آپ سے کیے تھے ان میں سے بعض سوالات عصمت انبیاء علیہم السلام اور ا س کے با رے میں بعض شبہات کے سلسلے مینتھے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جو ہماری حد یث کی کتابو ں میں نقل ہوئے ہیں۔
ہم اس بحث میں بعض ان آیات کو نقل کر رہے ہیں جن میں انبیاء کے معصوم نہ ہونے کے بارے مینوہم پیدا ہو اہے ۔

حضرت آدم علیہ السلام
بعض آیات میں یہ مطلب پیش کیا گیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مخصوص درخت کے پاس جانے سے منع کردیا شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ دلایا اور آپ نے اس درخت سے پھل کھالیا جوآپ کے بہشت سے نکلنے کا با عث بنا ۔
قرآن کریم میں یہ واقعہ کئی جگہ پربیان ہواہے اور سب سے زیا دہ صاف طور پر ان آیات میں بیان ہواہے :
(وَعَصَیٰ آدَمُ رَبَّہُ فَغَوَیٰ۔ثُمَّ اجْتَبَاُہُ رَبُّہُ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدَیٰ)(۱)
"اور آدم نے اپنے پروردگار کا گناہ کیا اور راہ گم کر دی اس کے بعد ان کے پروردگار نے ان کو منتخب کیا اور ان کی توبہ قبول کی اور ا ن کی ہدا یت کر دی "۔
دوسری آیتوں سے بھی یہ مطلب نکلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس ترکِ اولیٰ کے بعد استغفار کیا :
(فَتَلَقَّیٰ آدَمُ مِنْ رَبِّہِ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ۔۔۔)(۲)
"پھرآدم نے پروردگار سے چند الفاظ سیکھے پس خدا نے ان(الفاظ کی برکت سے) ان کی توبہ قبول کرلی "۔
قر آ ن کریم میں اس وا قعہ کے ذیل میں"عصیا ن استغفار اور توبہ " کے ما نند الفاظ استعمال ہو ئے ہیں ۔ دوسرے انبیا ء کے با رے میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں کہ جن سے اس با ت کا وہم پیدا ہو تا ہے ۔ مقد مہ کے طور پر ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چا ہئے کہ عصیان ، استغفاراور توبہ کی مانند الفاظ جہاں کہیں بھی استعمال ہونہر جگہ یہ اُس عصمت کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے ، جس کے ہم قائل ہیں چنانچہ جس عصمت کے ہم معتقد ہیں اس کا مطلب حرام چیزوں کے ارتکاب سے معصوم ہونا ہے ۔یعنی اگر شارع مقدس کی طرف سے کسی حرام کام سے منع کیا گیا ہو تو انبیاء علیہم السلام اس کام کے مرتکب نہیں ہوتے لیکن اگر نہی اور مخالفت تنز یہی یا ارشاد ی ممانعت ہو (یعنی تقدس اور پاکیزگی کی شان باقی رکھنے کے لئے نصیحت کے طور پر کسی چیز سے روکاگیا ہوتو) اگرچہ اس پر عصیان کا ا طلاق ہی کیوں نہ ہو تاہو تو یہ عصیان عصمت کے منافی نہیں ہے ۔
.....

۱۔سورۂ طہ آیت ۱۲۱و۱۲۲۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت۳۷۔

اسی آیۂ شریفہ کے با رے میں کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان اور توبہ کی نسبت دی گئی ہے ایک غلط فہمی ہے کہ جس کے جواب میں شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ عصیان کسی فعل حرام کی مما نعت کی نسبت نہیں ہے ۔ در اصل، خداوند عالم کسی بندہ کو کسی کام سے اس لئے منع کرے کہ اس کام کا کر نا آخرت کے عذاب کا باعث ہوگا یعنی اگریہ کام کیا تو آخرت میں شقاوت اور خداوند عالم سے دوری کا باعث ہوگا اور یہ کہ کسی کام سے اس لئے روکا جا ئے کہ یہ کام دنیا میں نا مطلوب نتا ئج کا با عث بنے گا اگر چہ یہ شقاوت اور عذاب آخرت یا خداوند عالم سے دور ی کا باعث نہ ہو ۔ ان دونوں با توں میں بڑا فرق ہے درخت کاپھل کھا نے کی مما نعت ،نہی تحریمی یعنی فعل حرام کی مما نعت نہ تھی کہ اس کا نہ کرنا لازم و ضروری ہو، اس کی دلیل اور گواہ اسی سورئہ طٰہٰ کی وہ آیات ہیں کہ جن میں خداوندعالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو جہاں اس امر سے رو کا ہے خود ہی اس نہی کی علت بھی بیان کردی ہے :
(فَلَایُخْرِجَنَّکُمَامِنَ الجَنَّۃِ فَتَشْقَیٰ۔اِ نَّ لَکَ اَلَّاتَجُوْعَ فِیْھَاوَلَاتَعْرَیٰ۔ وَاَنَّکَ لَا تَظمَؤُا فِیْھاوَ لَا تَضْحَیٰ)(۱)
"ہم نے آدم سے کہدیا:شیطان تم دو نوں کو بہشت سے نکال نہ دے ورنہ تم (دنیا کی مصیبت میں پھنس جائو گے) (بہشت میں) تمھیں یہ (آرام) ہے کہ نہ تم یہاں بھو کے رہو گے اور نہ برہنہ اور نہ یہاں پیاسے رہو گے اور نہ دھوپ میں جلوگے " ۔
اس ممانعت کی وجہ خداوند عالم کا یہ فرمان ہے : تم مو جو د ہ آرام و آسائش سے محروم ہو جا ئو گے۔
اس مقام پر بہت سی بحثیں وجود میں آتی ہیں یہ کہ جس دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے یہ خطاب ہوا ہے۔ آیا وہ دنیا عالم تکلیف تھی اور بندوں پر احکام عائد ہو چکے تھے یا نہیں ؟ فرائض اورتکلیف اِس دار دنیا اور اس عالم خاکی سے تعلق رکھتے ہیں اور جب آدم علیہ السلام اس عالَم میں بھیج دئے گئے تو آپ سے خطاب ہوا :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(فَاِمَّایَا تِیَنَّکُمْ مِنِّی هُدًی فَمَنْ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَاخَوْفعَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ)(۲)
"اگر تمہارے پاس میری طرف سے کو ئی رہنما ئی کی جا ئے تو جو میری ہدایت پر چلیں گے اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ ر نجیدہ ہو ں گے "۔
اس سے پہلے سرے سے کو ئی فریضہ تھا ہی نہیں ، یہ اوا مر و نوا ہی ایک امر تکوینی کی حکا یت کر تے ہیں یا یہ کہئے .....

۱۔سورئہ طہ آیت ۱۱۷۔۱۱۹۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت ۳۸۔

کہ عقل کی رہنما ئی کی گئی ہے ان زحمتو ں کی طرف رہنما ئی ہے جو اس نہی کی مخا لفت پر مر تب ہو تی ہیں ۔ اس مقام پر شیعہ علما ء نے جو وضا حتیں دی ہیں مختلف ہیں بعض علماء کا کہنا ہے کہ وہ عالَم عا لَمِ تکلیف نہیں تھا اور بعض علما ء کا کہنا ہے کہ یہ فریضہ تحر یمی نہیں تھابلکہ تنز یہی تھا اور عام طور پر یہ ا صطلا ح رائج ہے کہ حضر ت آ دم علیہ السلام نے ترک اولیٰ کیا تھا یعنی ایک تنز یہی تکلیف نہ کھا نے کے سلسلہ میں تھی اور حضرت آ دم علیہ السلام نے اس تنز یہی تکلیف کے خلاف کیا۔ اس دلیل کا مطلب یہ ہو ا کہ اس زما نہ میں بھی شرعی تکلیف یا (فریضہ) اگر چہ تنز یہی صو رت میں ہی سہی مو جو د تھا لیکن دوسری تو ضیح یہ ہے کہ اس زما نہ میں سرے سے فریضہ مرتب ہی نہیں ہوتا تھااور اس حکم اور ممانعت کی کو ئی دوسری صورت بیان کر نے کی ضرورت ہے ۔
بہر حال اس غلط فہمی کا ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ عصیا ن یا "گناہ " کی اصطلاح چو نکہ واضح نہیں ہے کہ آیا یہ عصیان ایک شر عی فریضے کی ادا ئیگی سے متعلق تھا اور اس کی تا ئید اس بات سے ہو تی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت کے پا س جا نے سے منع کیا گیا تواس مما نعت کی علت بھی بیان کر دی گئی کہ اگر تم نے اس کا م کو انجام دیا تو زحمت میں پڑ جا ؤ گے اور تم سے(بہشت کی) یہ آ رام و آ سا ئش چھن جا ئے گی اوریہ زبان کسی فعل حرام سے منع کرنے کی زبان نہیں ہے اور ائمہ علیہم السلام سے عصمت کے متعلق نقل ہو نے وا لی روا یا ت کے منا فی نہینہیں۔

حضرت ابر اہیم اور حضرت یو سف علیہما السلا م
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قو م سے چا ند ،سورج اور ستا روں کی پر ستش کے متعلق مبا حثہ کیا اور بت پر ستی کے خلاف جنگ کا فیصلہ کر لیا اور مو قع کی تلاش میں تھے کہ بتوں کے خلاف آواز بلند کریناور ایک توحیدی تحریک کی بنیا د رکھیں۔ لہٰذا آپ کے ذہن میں یہ با ت آ ئی کہ اہل شہر جس دن مخصوص رسو ما ت انجام دینے کیلئے شہر سے با ہرجاتے ہیں اسی دن یہ کام کیا جا سکتا ہے اور پھر خود کو اس کے لئے آمادہ کرلیا کہ جب شہر والے شہر سے باہر نکل جائینگے تو وہ بت خانہ میں جاکر بتوں کو توڑڈالیں گے۔ اہل شہر باہر جاتے وقت ظا ہر ہے آپ سے بھی کہتے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلئے۔چونکہ آپ ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے کہ جس کے سر پرست (آزر)بت تراش تھے اس طرح کے پیشہ کا یہی تقاضا تھا کہ جب خاندان والے شہر سے باہر جائیں تو تمام افراد منجملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی (جو اس خاندان کی ایک فرد تھے) اپنے ہمراہ لے جائیں ۔حضرت ابراہیم نے شہر سے باہر نہ جانے اور اپنے منصو بے پر عمل کرنے کی غرض سے اپنے کو مریض ظا ہرکیا قرآن کریم فرماتا ہے:
(فَنَظَرَنَظْرَۃً فِی النُّجُوْمِ۔فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْم)(۱)
"تو ابراہیم نے ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا ا ور کہا کہ میں بیمار ہوں " ۔
اس آیت سے کچھ مفسرین نے یہ استفادہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حقیقت کے بر خلاف بات کی تھی کیونکہ آپ مریض نہیں تھے اور فرمایا تھا(اِنِّیْ سَقِیْمُ)(میں بیمار ہوں) پس معلوم ہواکہ پیغمبر کا نبوت سے پہلے کذب بیانی سے کام لینا ممکن ہے اب یا تو نبوت سے پہلے گناہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ،یا یہ کہ پھروہ گناہ صغیرہ تھا جس کے ارتکاب سے نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا۔
اسی طرح کی گفتگو حضرت یو سف علیہ السلام کے با رے مینبھی ہے ۔ وہ مشہور و معروف واقعہ ہے کہ جب (قحط مینگرفتار)حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی آپ کے پاس کھانے پینے کی اشیاء لینے کیلئے آئے اور دو سری مرتبہ ا پنے ساتھ اشیائے خو ردو نوش لینے کے لئے بنیا مین کو بھی لے آئے توحضرت یو سف علیہ السلام نے کا رندوں کو حکم دیا کہ چپ کے سے وزن کر نے والا پیمانہ ان کے سا مان میں رکھ دیا جائے تا کہ اس کے بہا نے ان کے بھائی "بنیا مین "

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو وہاں روکاجاسکے چنا نچہ چپکے سے ایک پیمانہ ان کے سامان میں رکھ دیا گیا ۔ جب وہ جانے لگے تو کا رندوں نے کہا کہ تم لوگ یہاں سے نہیں جاسکتے اس لئے کہ تم نے چوری کی ہے اور تم کو عدالت میں پیش کیا جا ئے گاخداوند عالم قرآن کریم میں فرماتا ہے:
(فَلَمَّاجَهَّزَهُم بِجَهَازِهِم جَعَلَ السِّقَا يَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَ ذَّنَ مُؤَذِّن اَ يَّتُهَاالْعِيْرُ اِ نَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ)(۲)
" پھر جب یو سف نے ان کا سازو سامان (سفر غلّہ و غیرہ) درست کرادیا تو(اشارے سے) اپنے بھائی کے اسباب مینایک پیمانہ رکھوادیا پھر ایک شخص للکار کے بولا کہ اے قافلہ والو تم لوگوں نے چور ی کی ہے "۔
انھو ں نے کہا نہینہم چوری کرنے نہیں آئے ہیں آخر کار ان کے سامان کی تلاشی لی گئی تو وہ پیمانہ ان ہی کے سامان سے نکلا اور اس طرح بنیامین کو آپ نے اپنے پاس روک لیا ۔
گویاحضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کے بھا ئیوں پر چوری کی تہمت لگائی گئی حالانکہ تہمت لگا نا جائز

.....

۱۔سورئہ صافات آیت ۸۸و ۸۹۔
۲۔سور ئہ یو سف آیت ۷۰ ۔

نہیں ہے ۔ پتہ چلا کہ ایسے فعل کا انبیاء علیہم السلام سے سرز د ہو نا ممکن ہے ۔
ان غلط فہمیوں کے مختلف انداز سے جواب دیئے گئے ہیں :
بعض کہتے ہیں کہ یہ " تو ریہ " تھا ۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو فرمایا " اِنِی سقیم" اس سے آپ نے واقعاً بیمار ہونامراد نہینلیا تھا بلکہ آپ نے توریہ کیا تھا ۔ اسی طرح جب حضرت یو سف علیہ السلام کے ملازموں نے یہ اعلان کیا کہ " اِ نَّكُم سَارِقُوْنَ " (یقیناً تم لوگوں نے چور ی کی ہے) تو اس سے مراد یہ تھی کہ(مثلاً) "تم نے حضر ت یو سف علیہ السلام کو چُرا یا ہے" ۔ تو یہ تو ریہ تھا لیکن اس کا اور زیادہ مد لّل و قاطع جواب دیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام جگہوں پر جھوٹ بو لنا حرام نہیں ہے بلکہ بعض مو قعوں پر حتّیٰ جھوٹ بو لنا واجب بھی ہو سکتاہے اور بعض مو قعوں پر جھوٹ بولنا مباح بھی ہے اور یہ خیال کہ "مطلق طور پر جھوٹ بولنا حرام ہے" ایک با طل تصور ہے ۔ ان تمام واقعوں میں ایک ضروری مصلحت تھی جو اگر جھوٹ نہ بولا جاتاتو مصلحت فوت ہوجاتی ۔ مثال کے طور پر اگر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کا دقیق نظر وں سے مطالعہ کریں تو یہ دیکھیں گے کہ آپ ایک انقلاب اور تحریک کے ذریعہ لوگوں کو اس بات کی طر ف متو جّہ کرنا چاہتے تھے کہ بت پر ستش کے لایق نہیں ہیں اور اس کی راہ یہی تھی کہ بیماری کے بہانے شہر میں رک کر بتوں کو تو ڑ دیں اور شرعی طور پر بیماری کا یہ بہانہ حرام نہیں ہے۔
اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اگر آپ کے بھائیونکی سمجھ مینیہ آجاتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بھائی ہیں تو شرمندگی اور شر مساری یا سزا کی وجہ سے فرار کرجاتے اور پھر آپ کے پاس نہ آتے اور اگر وہ اپنے ساتھ بنیامین کو لیجاتے تو پھر آپ کے پاس حضرت یعقوب کے آنے کی کوئی راہ نہ ر ہتی اور اس کام میں جو مصلحتیں مضمر تھیں حا صل نہ ہوپاتیں ۔فرض کیجئے یہ صاف جھوٹ بھی ہو تو بنیامین کواپنے پاس رو کنے کے لئے آپ نے جو چال چلی اس لئے تھی کہ حضرت یعقوب کے مصر آنے کی راہ ہموارہوسکے اور آپ کے بھائی اپنے کئے پر توبہ کریں وغیرہ وغیرہ ۔
بنا بر ایں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ جس کے تحت اس طرح کا جھوٹ بھی حرام ہو۔ اس کے علاوہ یہ جملہ"انکم لسارقون" بھی حضرت یو سف علیہ السلام کا جملہ نہیں ہے بلکہ یہ اعلان کرنے والے کا جملہ ہے شاید اس نے یہ خیال کیا ہو کہ حقیقت میں انھوں نے چوری کی ہے اگرقابل اعتراض بات ہے تو اس کے مقدمات میں ہے کہ جنا ب یوسف علیہ السلام نے یہ حیلہ کیوں کیا یعنی آپ نے یہ حکم کیونصادر کیاکہ ناپ کا پیمانہ ان کے سامان میں رکھ دیا جائے کہ وہ شخص "انکم لسارقون"کہنے پر مجبور ہو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام حالات الٰہی تدبیرکے تحت بعض مصلحتوں کو پورا کرنے کی غرض سے طے پا ئے تھے کہ جن کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: (كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفْ)"یوسف کو بھائی کے روکنے کی یہ تدبیرہم نے بتائی تھی "۔

حضرت یونس علیہ السلام
دوسری آیت حضرت یونس علیہ السلام کے بارے مینہے کہ جب آپ اپنی قوم سے الگ ہونے کے بعد دریا میں گرے اور مچھلی کے شکم مینچلے گئے تو دعاء کی :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(فَنَادَیٰ فِی الظُّلُمَاتِ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّااَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ)(۱)
"پھر تاریکیوں میں جاکر آوازدی کہ پروردگار تیرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے تو (ہر عیب سے)پاک و پاکیزہ ہے بیشگ میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں مینسے تھا "۔
جناب یونس نے اپنے قصورکا اقرار کرتے ہوئے فرمایا :"مینہی ظالم ہوں "توگویاانبیاء کیلئے بھی ظلم اور گناہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے اور اتفّاق سے یہ واقعہ بھی رسالت کے بعد کاہے لہٰذا یہ آیت ان دلیلوں میں سے ہے جن سے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے یہاں تک کہ نبوت کے بعد بھی صغیرہ کے ارتکاب کے جائز ہو نے کا استدلال کیاگیا ہے۔
اس شبہہ کا جواب بھی واضح ہے اس لئے کہ جس عصمت کا ہم دعویٰ کر تے ہیں وہ ارتکاب محرمات سے معصوم ہوناہے لیکن غیر محرمات کا ارتکاب (اس پر عصیان اور ظلم کا اطلاق کیوننہ ہو) انبیاء علیہم السلام کی عصمت سے منافات نہیں رکھتا ہے حضرت یونس علیہ السلام کے لئے بہتر تھا کہ اپنی قوم کے درمیان رہتے اور ان کو ترک نہ کرتے لیکن انھو ں نے جلدی کی اور یہ جلدی کرناترک اولیٰ تھا" ترک واجب" نہیں تھا اور اس کام پر ظلم کا اطلاق بھی اسی مناسبت سے ہوا کہ انھوں نے وہ کام ترک کر دیا تھا جس کا انجام دینا (یعنی قوم کے ساتھ ہی رہنا)اولیٰ تھا۔ یہی سبب بنا کہ آپ مچھلی کے منھ میں جا پڑے اور مشکلات میں مبتلا ہوگئے ۔
اسی طرح لفظ مغفرت یا "بخشنا" وغیرہ کی تعبیر اس چیز پر دلالت نہیں کرتا کہ خداوند عالم نے کسی فعل حرام کے گنا ہ کو مغفرت کا مو رد قرار دیاہے ۔بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوندعالم نے ترک اولیٰ پر مترتّب ہونے والے آثار کو دور کردیا ہر چیز کابخشنا خود اسی چیز کی مناسبت سے ہے حرام گناہ کے بخشنے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے عذاب سے نجات دی ہے لیکن ترک اولیٰ کے بخشنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پرجو معمولی اثرات مترتب ہوسکتے تھے رفع
.....

۱۔سورئہ انبیاء آیت ۸۷۔

ہوجائیں۔چنا نچہ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو مچھلی کے شکم سے نجات مل گئی اوروہ دوبارہ اپنی قوم میں واپس آکر ان کی رہنمائی میں مشغول ہوگئے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام
اسی طرح کا ایک اور مقام حضرت موسی علیہ السلام کی اس مشہور ومعروف داستان سے متعلق ہے کہ ایک روز جب آپ فرعون کے محل سے باہر نکلے آپ نے دیکھا ایک فرعونی بنی اسرائیل کے ایک شخص سے لڑرہاہے ۔توحضرت مو سیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ایک شخص پر ہو نے والے ظلم کودو ر کرنے کی غرض سے فرعونی کوایک گھونسا مارا اور وہ شخص گرااور دنیا سے رخصت ہوگیا :
(فَوَکَزَہُ مُوْسَیٰ فَقَضَیٰ عَلَیْہِ)
"پس موسیٰ نے ایک گھو نسا ماراتو اسکا کام تمام ہوگیا "۔
یہ خبر فرعون کو ملی تو لوگ ان کی تلاش میں نکل پڑے اور حضر ت مو سیٰ علیہ السلام نے بھی وہاں سے نکل جانا بہترسمجھا ۔۔اور با لآخر مدین چلے گئے ۔شہر مدین سے واپس پلٹتے وقت جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خداوندعالم نے خطاب فرمایاکہ اے موسیٰ تم فرعون کے پاس جائو اورفر عو نیوں کو (توحید کی) دعوت دو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی :
(وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْب فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ)(۱)
"اور میں نے ان کے خیال میں ایک جرم کیاہے پس مجھے ڈرہے کہ وہ مجھے قتل نہ کردیں "۔
خداوند عالم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ یقین دلایاکہ میں تمہاری حفاظت کرونگا جب حضرت موسیٰ حضرت ہارون کے ہمراہ فرعون کے پاس آئے تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا اور کہا:
(قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَاوَلِیْداًوَلَبِثْتَ فِیْنَامِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ)(۲)
"فرعون نے کہا کیا ہم نے بچپنے میں تمہاری پرورش نہیں کی اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے درمیان نہیں گذارے " ۔
اور اس کے بعد اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ شعراآیت ۱٤۔
۲۔سورئہ شعراآیت۱۸۔

(وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ)
"اور تم نے وہ کام جو کیا ہے (ایک مردقبطی کا خون)کیا نہیں کیا؟پس تم (میری نعمتوں کے) منکر اور ناشکرے ہو" ۔
سابقہ تو تمہارا یہ ہے اور آئے ہو مجھکو یہ دعوت دینے کہ میں اپنے ملک و سلطنت سے دست بر دار ہو جا ئوں ؟ !
حضر ت مو سیٰ علیہ السلام نے اس کے جوا ب میں فر ما یا :
(قَالَ فَعَلْتُہَآ اِذاًوَّاَنَامِنَ الضَّآلِّیْنَ)
"مو سیٰ نے کہا (ہا ں) میں نے اس وقت اس کام کوکیا(اور سمجھ لو کہ) میں اس وقت راہ گم کر دینے والوں میں سے تھا "۔
اس آیت کے جملہ "وَاَنَامِنَ الضَّا لِّیْنَ"اور اسی طرح"وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْب"سے بعض نے استد لال کیا ہے کہ انبیا ء علیہم السلام کے لئے نبوت سے پہلے گنا ہ کر نا اور گمرا ہ ہو نا ممکن ہے ۔
اس شبہ کے بھی متعدد جو ا ب دیئے گئے ہیں ۔ بعض جوا بات لفظ "ضلال"کے با رے میں ہیں جس کے "گمراہ "کے بجا ئے دو سرے معنی بیان کئے ہیں کہ ان کا لا زمہ گنا ہ نہیں ہے ۔ منجملہ انھو ں نے کہا ہے کہ ضلال کا مطلب "عدم عمد "(یاجان بو جھ کر کام نہ کرنا)اور "جہل "یا بھول ہے ۔ چنا نچہ" جہل" کبھی علم کے مقا بل استعمال کیا جا تا ہے اور کبھی عمد(یعنی با لا رادہ کام کرنے) کے مقا بل میں استعمال کیا جا تا ہے ۔چنا نچہ حضر ت مو سیٰ علیہ السلام یہ فر ما نا چا ہتے تھے کہ میں نے اس مرد قبطی کو قتل کر نا نہیں چا ہا تھا بلکہ میں تو مرد بنی اسرا ئیل کو (اس کے ظلم سے) نجات دلا نا چا ہتا تھالہٰذا اس کا بھولے سے مجھ سے قتل ہو گیا ۔گو یا آپ نے یہ فر ما یا (وَاَ نَامِنَ اَلْمُخْطِئِینَ) یعنی یہ قتل خطا کے تحت ہو گیا تھا ۔
کچھ دو سرے افراد نے "ضلال "کے معنی "محبت "بتا ئے ہیں (یہ ان عجیب با توں میں سے ہے جو کبھی کبھی بیان کی جا تی ہیں)اور وہ ستد لال میں وہ آیت پیش کر تے ہیں کہ جس میں حضرت یعقو ب علیہ السلام کے بیٹو ں نے ان سے کہا تھا "اِ نَّکَ فِیْ ضَلَا لِکَ الْقَدِیْمِ""یقینا آپ اپنے پر ا نی(محبت) میں (پڑے ہو ئے)ہیں "
یہاں لفظ "ضلالت" سے ان کی مراد حضرت یعقو ب کی حضر ت یو سف سے محبت تھی ۔ اس سے معلوم ہو تا ہے کہ ضلال کے ایک معنی محبت بھی ہیں ۔ "اَنَامِنَ الضَّا لِّیْنَ " یعنی "اَنَامِنَ الْمُحِبِّیْنَ "محبین للہ۔
اس با رے میں دو سری وجہیں بھی بیان کی گئیں ہیں ۔ جن میں سے اگر بعض بیا ن نہ کر تے تو بہتر تھا ۔ مرحو م علا مہ طبا طبا ئی نے اس کی وجہ یہ بیا ن فر ما ئی ہے کہ میں اس وقت نہیں سمجھ سکا کہ اس جھگڑ ے کو کس طرح ختم کیا جا ئے اور اس جھگڑ ے کو حل کر نے کی بہترصورت سے نا واقف تھا لہٰذا میں نے ایک گھو نسا ما ردیا جس سے یہ حادثہ رو نما ہو گیا ۔ معلوم ہو ا کہ ضلال سے مراد جہل ہے اور جہل سے مراد اس کام کو احسن طریقہ سے انجام دینے سے جاہل ہو نا ہے ۔
بعض کہتے ہیں کہ حقیقت میں یہ فر عون کی دل جوئی کا ایک طریقہ تھا ۔فر عون نے کہا تم اس وقت گمرا ہ تھے ۔
حضرت مو سیٰ علیہ السلام بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کرکہنا چا ہتے تھے کہ اس زما نہ کی گمرا ہی کا آ ج کی دعوت حق سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ یہ اصل مسئلہ کو بیا ن کر نے کے لئے دلجو ئی کا انداز اپنا یا تھا کہ اس گفتگو کو ختم کیا جا سکے۔
بہر حال ان آ یات میں (کا فر) اور (ضالّ) کی لفظیناصطلا حی معنی میں استعمال نہیں ہو ئی ہیناورکسی حرام کے ارتکاب پر دلالت نہیں کر تیں ۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما ا لسلام
خدا وند عالم حضرت سلیما ن علیہ السلام کے با رے میں فر ما تا ہے :
(وَاَلْقَیْنَا عَلَیٰ کُرْسِیِّہِ جَسَداً ثُمَّ اَنَابَ)(۱)
"اور ہم نے ان کے تخت پر ایک بے جان جسم لا کر گرا دیا تو پھر انھو ں نے خدا کی طرف تو جہ کی" ۔
اور حضر ت داؤد علیہ السلام کے با رے میں ہے کہ جب آپ کی خد مت میں دو آدمی آئے ایک نے کہا:
(اِ نَّ ھٰذَااَخِیْ لَہُ تِسْع وَ تِسْعُوْنَ نَعْجَۃً وَلِیَ نَعْجَۃ وَاحِدَ ۃ فَقَالَ اَکْفِلْنِیْھَاوَعَزَّ نِیْ فِیْ الْخِطَابِ)(۲)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"یہ (شخص) میرا بھا ئی ہے اور اس کے پا س ننا نو ے دُنبیاں ہیناور میر ے پاس صرف ایک ہے اس پر بھی یہ مجھ سے کہتا ہے کہ وہ ایک دُنبی مجھے دیدو اور زبان درازی میں مجھ پر حا وی ہوجاتا ہے" ۔
(لَقَدْ ظَلَمَکَ بِسُؤَا لِ نَعْجَتِکَ اِلَیٰ نِعَاجِہٖ)
"داؤ د نے "بغیر اس کے کہ دو سرے فریق سے کچھ پو چھیں " کہد یا کہ یہ جو تیر ی دنبی لے کر اپنی دُنبیو ں میں اضافہ کر نا چا ہتا ہے ظلم کا مر تکب ہوا ہے " ۔

.....

۱۔سور ئہ ص آیت ۳٤۔
۲۔سو رئہ ص آیت ۲۳۔ ۲٤۔

حضرت دا ؤد علیہ السلام نے فیصلہ کر نے میں جلد ی دکھا ئی دلیل ما نگنے اور عدالتی کا ر روائی کے مقد مات فراہم ہو نے سے پہلے ہی صر ف مدّعا کے بیان پر ہی فیصلہ کر تے ہو ئے کہد یا (لَقَدْ ظَلَمَکَ)یہ درست نہیں ہے!!
اس اعتراض کا بھی یہ جوا ب د یاجا سکتاہے کہ با قا عدہ قسم کی کو ئی عدالتی کا ر روائی نہیں تھی۔ یعنی حقیقت میں حضرت داؤ د ایک کی چیز دو سرے کو نہیں دینا چا ہتے تھے فیصلہ تو اس وقت ہو تا جب اس کی بنیا د پرایک سے لیکر دوسرے کو دے دیتے اور جس ملکیت کے با رے مینجھگڑا ہے وہ ایک کے حق میں ثابت ہو جا ئے ۔ یہا ں ایسا نہیں ہوادو افرادکے درمیان صرف ایک عام سی گفتگو ہو رہی تھی : ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کہ وہ ایک گو سفند جو اس کے پاس ہے وہ بھی مجھے دید و دوسرا کہہ رہا تھا نہیں دو نگا اور پھردو نوں حضرت داؤ د علیہ السلام کی خد مت میں حاضر ہو ئے اور اپنی بات دہرائی۔ معلوم ہوا یہ کوئی باقا عدہ عدالتی کا ر روائی نہ تھی کہ جس میں دو طرفہ بیان اور دلیل کی ضرورت پڑتی لہٰذا جناب داؤد نے کوئی خلاف شر ع کام انجا م نہیں دیا تھا ۔ ہاں بہتر یہی تھا کہ آ پ فیصلہ میں جلد ی نہ کر تے اور دقّتِ نظر سے کام لیتے ۔
حضرت دا ؤد علیہ السلام اسی بات پر چا لیس دن تک اشک ندامت بہاتے اور استغفار کر تے رہے اس وقت خطاب ہو ا :(یَادَاوُدُ اِنّا جَعَلْنَا کَ خَلِیْفَۃً فِیْ الْاَرْضِ)
"اے داؤ د ہم نے تم کو زمین میں (اپنا) نا ئب قرار دیا "۔
تم جو محض تر کِ اولیٰ کی وجہ سے چا لیس دن سے گر یہ کر رہے ہو یقیناًتم لو گو ں کے در میان ہما رے خلیفہ اور قا ضی ہو نے کی صلا حیت اور لیا قت رکھتے ہو ۔نتیجہ کے طو ر پر یہ آ یات بھی ایک نبی کے ذریعہ کسی حرا م شر عی کے ارتکاب پر دلالت نہیں کر تیں ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

حضرت محمد مصطفےٰ ؐ

کچھ اور آیتیں پیغمبر اسلامؐ کے با رے میں ہیں جن میں سے بعض میں پیغمبراکر مؐ کی طرف علی الظاہر گناہ اور استغفار کی نسبت یہا ں تک کہ گذشتہ آ یتو ں سے بھی زیا دہ صاف الفاظ میں نظر آتی ہے ۔

پہلی آیت
(اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِیْناًلِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّ مَ مِنْ ذَ نْبِکَ وَمَاتَاَخَّرَ)(۱)

.....

۱۔سو رئہ فتح آیت ۱۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"ہم نے حقیقتاً تم کو کھلم کھلا فتح عطا کی تا کہ خدا تمہا رے اگلے اور پچھلے گنا ہ معاف کر دے"۔
یہ آیت سے اس بات پر دلالت کر تی ہے کہ پیغمبر اکر مؐبھی(نعوذ با اللہ) گنا ہ کے مر تکب ہو ئے وہ بھی ایک مر تبہ نہینبلکہ آپ نے کم سے کم دو مر تبہ ،ایک گناہ ما تقد م (یعنی زما نۂ گذشتہ سے اور دو سرا ما تا خر(یعنی آنے وا لے زمانہ سے تعلق رکھتاہے)اور خدا نے ان کو بخش دیا ہے۔
جو آ یتینذنب (گنا ہ) اور استغفار پر دلالت کر تی ہیں ان کا مجمو عی طور پرایک جواب ہے اور سو رئہ فتح کی پہلی آ یت کا ایک مخصو ص جوا ب ہے ۔
جن آ یا ت میں مطلق طور پر استغفارکا حکم دیا گیا ہے یا ان میں" ذنب "یعنی گناہ کی لفظ استعمال ہو ئی ہے وہ بھی پہلے بیان شدہ مقد مہ کی رو شنی میں اس بات پر دلا لت نہیں کر تیں کہ پیغمبر نے (العیاذ باالله) حرام شر عی کا ارتکاب کیا ہو ۔ہاں ،فی الجملہ ظا ہرِ آیت سے گنا ہ کا اثبات ہو تا ہے اور اس گنا ہ کی بہ نسبت خدا وند عا لم کی طرف سے مغفرت بھی ثابت ہے ۔
پہلی نظر میں ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ گنا ہ تر کِ اولیٰ یا کسی مکروہ فعل کے ارتکاب سے تعلق رکھتا ہے لیکن ذرا غور و فکر کے بعد یہ کہا جا سکتاہے کہ یہ آ یتیں حتی پیغمبراکر مؐسے کسی مکروہ فعل کے ارتکاب کو بھی ثابت نہیں کرتیں ۔اس بات کی وضاحت کے لئے ایک مقد مہ کی ضرو رت ہے : کبھی لفظ ذنب (گناہ) خدا وند عا لم کے کسی ایسے قا نون کی مخالفت کے معنی میں استعما ل ہو تا ہے کہ جس پر عمل لازم ہے،جس پر ممکن ہے دنیا میں سزا ملے، اور اگر دنیا میں سزا نہیں ملی تو آ خرت میں بہر حا ل اس کی جزا ء سزا دی جا ئیگی لیکن کبھی لفظ " ذنب "کامعنوی مدارج کے لحا ظ سے استعمال ہو تا ہے۔
مر حوم علا مہ طبا طبا ئی " تفسیر میزا ن "میں فر ما تے ہیں " ذنب " تین طرح کا قابل تصور ہے :
۱۔ ذنبِ قا نو نی (وضعی) یعنی ایک قا نون بنا دیا گیا اور اس کی مخا لفت کی جا ئے جو حرام ہے ۔
۲۔ذنبِ اخلا قی :یعنی انسا ن ایک ایسے عمل کا ارتکاب کرے جو مکا رمِ اخلا ق سے منا فات رکھتا ہو اگر چہ وہ شرعی اعتبا ر سے حرا م نہ ہو یعنی وہ عمل جو نا پسند آثا ر انسان کی روح پرمر تب کرے اور ان دونو ں سے الگ ایک تیسری صورت ہے یعنی :
۳۔مقا م محبت میں کسی عمل کا انجام دینا درست نہ ہو جو قا نو نی مخا لفت نہیں ہے اور نہ ہی اخلا قی رذا یل کا سبب ہے لیکن مقام محبت اس کا متقاضی نہیں ہے ۔ محبت تقا ضا کر تی ہے کہ محب، محبو ب کے تئیں پوری طرح مطیع و منقاد ہو اس کی پو ری تو جہ اپنے محبوب کی طرف ہو اور کسی حا ل میں بھی وہ اپنے محبو ب سے غافل نہ ہو اسکا تمام رنج و غم اس لئے ہو کہ اس کا محبوب کیا چا ہتا ہے تاکہ وہی کام انجام دے اور اپنے محبوب کے سواکسی اور کی فکرنہ کرے ۔ مقام محبت کے بھی خا ص آ داب ہو تے ہیں جن کا حساب و کتاب قانون اور اخلاقیات سے جدا ہے محب اور محبوب کے درمیان ایک خاص رابطہ ہو تا ہے ۔ او لیا ئے خدا اور انبیا ئے عظام چونکہ خدا کی محبت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں ۔ تو ا س مقا م محبت کا تقا ضا ہے کہ ان کی پو ری تو جہ اپنے معبو د کی طرف ہو ،خدا وند عالم کے علا وہ کسی اور کی بالکل فکر نہ کریں اور خدا وند عا لم کی رضا کے سواکسی اورچیز کی خواہش نہ ہو ۔ اگر اس مقا م محبت کے خلاف کو ئی فعل انجام پایا اور اپنے محبو ب حقیقی کے علا وہ کسی اور کی طرف متو جہ ہو ئے تو اس کو اپنے لئے گنا ہ تصو ر کر تے ہیں اور مقام استغفا رمیں وہ اس گنا ہ سے استغفا ر کر تے ہیں ۔
البتہ تما م اولیا ء و انبیا ء علیہم السلام کا ایک مقام اورایک ہی منز لت نہیں ہے بلکہ ان کے مرا تب جدا جدا ہیں اور ہر ایک اپنے مقا م کی منا سبت سے گنا ہ کا احساس کر سکتا ہے ۔ ایک در جہ کے افراد کیلئے ممکن ہے ایک کام گناہ نہ ہو لیکن اس سے بلند مرتبہ والے نبی یا ولی کی نظر میں اس کام کا ارتکاب گناہ شمار ہوتا ہو بہر حال جتنا بھی خداوند عالم سے قریب ہوتاجائیگا اتناہی احساس گنا ہ بھی لطیف لیکن اس کے ساتھ ہی عظیم ہوتاجائیگامثال کے طورپرذہن کو قریب کرنے کے لئے فرض کیجئے کہ عام طور پر رائج امورمیں اگر ایک بڑی شخصیت مثلاً ایک مجتہدمرجع تقلید یا کسی دنیاوی منصب پر فا ئز شخص کو نظر میں رکھ لیجئے تو جتنے لوگ ان سے تعلق رکھتے ہیں ان سب کے تعلقات ایک طرح کے نہیں ہوتے تعلق کا ایک عام درجہ ہے جس کے تحت تمام افراد کا ایک ہی فریضہ ہے اس درجہ میں ان کی توہین کرنا یا مثال کے طورپربرا بھلا کہنا یا گالی دینا حرام ہے اور اگر کوئی شخص توہین نہ کرے تووہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں کہا جائے گا ۔فرض کیجئے کہ اگر ایک بے معرفت شخص ان کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھ جائے تو کوئی اس کو گنا ہگار نہیں کہے گا لیکن جو افراداس اعلیٰ مر تبہ شخص سے قریب ہینان کے فرائض بھی اُس کے تئیں زیادہ ہیں اگر وہ ان فرائض کو انجام نہ دیں تو ممکن ہے قانونی خلاف ورزی نہ کہی جائے لیکن انھوں نے اپنے مقام و مر تبہ کے تقا ضے کو پورا نہیں کیاہے جو شخص بھی اس اعلیٰ مرتبہ شخصیت سے جتنا زیادہ قریب ہوگااُتنا ہی اس کا فریضہ بھی زیادہ ہوگا جس کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دوسرے کو احساس بھی نہیں ہوگا کہ یہ بھی کوئی فریضہ ہوسکتا ہے اور اُن کویہ کام انجام دینا چاہئے اصل میں جو لوگ اس سطح کے افراد نہیں ہیں وہ یہ محسوس نہیں کر سکتے کہ اس طرح کا بھی کوئی فریضہ ہے لیکن وہ ایسا مخصوص مقام ہے کہ اس کے فرائض بھی مخصوص ہینوہ لوگ جو اس عظیم شخصیت کے مقرب ہینآمدورفت کے وقت بھی ان کا فریضہ ہے کہ اُن کی طرف پیٹھ نہ کریناور اگر کبھی خلاف ادب کوئی عمل ان سے سرزد ہوجاتا ہے تووہ اس کو اپنے لئے گنا ہ شمار کرتے ہیں ۔

پس اس طرح کے اشخاص کی طرف گناہ کی نسبت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان محرمات کے مرتکب ہوئے ہیں جن سے عام لوگوں کو منع کیا گیا ہے وہ اس درجہ اور اس مقام پر فا ئز افراد سے مخصوص ایک چیز ہے ا ن کے لئے جو معرفت و بصیرت کے لحاظ سے ایک اعلیٰ درجہ پر فا ئز ہیں ممکن ہے ان کی نظر میں گناہ اتنا بڑا ہو جو عام لوگوں کے محرمات کے ارتکاب سے بھی کہیں زیادہ عظیم ہو اور اگر ایسا کوئی فعل سر زد ہو جا ئے تووہ ایک عام آدمی کے مقابل کہ جس سے کوئی حرام فعل سر زد ہوگیا ہو کہیں زیادہ گناہ کا احساس کرتاہے اور یہ فقرہ استعمال ہوتا ہے : (حسنات الابرارسیئات المقرّبین)

مقربین کے اپنے تقرب کے اعتبار سے ہی مخصوص فرائض ہوتے ہیں جن کی خلاف ورزی وہ اپنے لئے گناہ شمار کرتے ہیں اور اس گنا ہ کا لازمہ اپنے محبوب سے دور ی ہے نہ یہ کہ ان گناہوں کالازمہ عذاب جہنّم اور بہشت سے محرومی ہو ان کوسب سے زیادہ یہ خوف رہتاہے کہ کہیں ان کے محبوب کا لطف کم نہ ہوجائے اور وہ اس کی بے تو جہی کا مرکز قرار پاجائیں، ان کیلئے ایسا ہوجانا جہنَم کے ہر عذاب سے زیادہ سخت اور عظیم ہے اور چو نکہ ان کو یہ ڈرلگا رہتاہے کہ کہیں ان سے کوئی ایسا فعل سرزدنہ ہوجائے کہ وہ اس کی آنکھوں سے گرجائیں اور ہم پر اسکالطف کم نہ ہوجائے لہٰذا ان کوخوف بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اگر ان سے کوئی ایسا فعل سرزدہ ہوگیاہوجو اس سے دوری کا باعث ہو تووہ دو سروں سے زیادہ خائف ہوجاتے ہیں اور توبہ و استغفار کرنے لگتے ہیں ۔

پیغمبر اکرمؐتمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تھے بلا شبہ آپ پروردگار عالم سے تقرب کے اعلیٰ ترین درجہ پر فا ئز تھے اور سب سے بلند مرتبے پر فا ئز ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ آ پ کی ذمہ داریاں بھی سب سے سخت ہونلہٰذا آپ کو فرائض کے پورا نہ کرنے کی بھی سب سے زیا دہ فکر رہتی تھی کہ فریضہ میں کو تا ہی نہ ہو نے پا ئے بہرحال دنیا وی زندگی کے بھی کچھ ضروریات ہیں حتیٰ ممکن ہے یہ ضروریات شرعی طور پر واجب بھی ہوں لیکن وہی چیز جوقانونی طور پر واجب ہے ممکن ہے مقام محبت میں وہی کام گناہ شمار ہو ۔محبت کا لازمہ یہ ہے کہ محب کی توجہ صرف اور صرف اپنے محبوب کی طرف ہو لیکن خود محبوب کا حکم ہے کہ جائو شادی کرو، زندگی بسرکرو،کھانا کھائو اور لوگوں کے ساتھ معاشرت کرو یہ تمام واجب فریضے ہیں جن کو انجام دینا چاہئے لیکن انسان اپنی جگہ احساس گناہ کرتاہے ۔فکر یہ ہے کہ کہیںتوجہ کا ایک حصہ بھی غیر خدا کی طرف مر کوز نہ ہو جا ئے اس کے بعد بھی یقیناً ایسا نہیں ہے کہ دنیوی زندگی کی ضروریات کی طرف توجہ ان کو خدا سے غا فل کر دے لیکن ڈرتے ہیں کہ کہیں اس میں معمو لی ترین کمی یا کمزوری نہ آجائے اسی لئے اس حد تک بھی دنیوی امور کی طرف توجہ وہ اپنے لئے گنا ہ تصور کر تے ہیں ۔

بنا بریں پیغمبر اسلامؐجیسے کی طرف گناہ اور استغفار کی نسبت دنیا ان کے اس مقام و مر تبہ کے اعتبارسے ہے کہ جس پر وہ فا ئز تھے اور اس کی یہی تو جیہ کی جاتی ہے۔ ائمہ اطہار سے مروی یا منسوب مناجات اور دعائو ں میں جو مطالب بیان ہو ئے ہیں کہ جن میں ائمہ نے اپنے لئے سب سے بڑے گناہگا ر ہو نے کی بات کی ہے ۔مثلاً یہ کہنا کہ : "کو ن ہے جس نے میر ے طرح یوں گنا ہ کئے ہوں " ان سب کی بھی تو جیہ یہی ہے کہ وہ اپنے مقام و مر تبہ کے اعتبار سے کہ جس پر وہ فا ئز تھے خدا کے علا وہ کسی اور طرف اپنی معمولی ترین توجہ کو بھی اپنے لئے سب سے بڑا گنا ہ سمجھتے تھے ۔ سوال یہ ہے کہ وہ اپنے کو سب سے بڑا گنا ہ گار کیو ں سمجھتے تھے ؟اس لئے کہ وہ اس چیز سے آگا ہ تھے کہ اور لو گ اُس فریضہ کے حا مل نہیں ہیں اس لئے کہ وہ ان کی ما نندمعرفت اور محبت نہیں رکھتے ۔ پس معلوم ہوا کہ ان کی طرف گنا ہ کی نسبت قطعی طورپر حرا م شر عی کے ارتکاب کے معنی میں نہیں ہے لیکن سورئہ فتح کی آیت میں : (اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاًمُبِیْنًا۔لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ)

"ہم نے تم کو حقیقتاً کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے تا کہ خدا تمہا رے اگلے اور پچھلے گنا ہ معا ف کر دے "

اگر غو ر و فکر کریں تو معلوم ہو گا کہ اس آ یت میں ایک اور خصو صیت پا ئی جا تی ہے، خو د آ یت اس با ت کی گواہ ہے کہ یہ گنا ہ ان مسا ئل سے کو ئی ربط نہینرکھتا یہ کو نسا گنا ہ ہے کہ جب پیغمبر ِ اکر م کو فتح ملتی ہے تو آپ کا گنا ہ بخش دیا جاتا ہے یہ پیغمبر اکرمؐکی قیا دت میں مسلما نو ں کو فتح نصیب ہو ئی ہے جس میں کفا ر و مشر کین کو شکست کا منھ دیکھنا پڑا ہے۔ خدا وند عا لم فر ما تا ہے : ہم نے تم کو یہ کھلی فتح عطا کی تا کہ تمہا رے گنا ہ معا ف کر دیں ۔ اس کا گنا ہ سے کیا تعلق ہے ؟اتفا ق سے یہی سوال ما مو ن نے امام رضا علیہ السلام سے پو چھا تھاتو آ پ نے فر ما یاتھا:یہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

وہ گنا ہ تھاجس کی مشرکین نے پیغمبراکرمؐکی طرف نسبت دی تھی ۔ یعنی مشر کین کے عقیدہ کے مطا بق پیغمبر ِ اکرمؐسے سب سے بڑ ے گنا ہ کا ارتکاب کیا تھا کیونکہ آ پ نے ان کے بتو ں کو برا کہا تھا اور ان کے دین کے خلاف جنگ کی تھی اور یہ وہ گناہ ہے جو فتح مبین کے ذریعہ مٹا دیا گیااور ختم کر دیا گیا ایسا نہیں ہے کہ پیغمبر اکرمؐنے (العیا ذ باالله) خدا کی نسبت کو ئی گنا ہ انجا م دیا ہو ۔سوال یہ ہے کہ خدا نے کیو ں بخشا ؟ تو یہ قر آ ن کے ان ہی توحیدی بیا نوں میں سے ہے ۔جس کا بار بار قر آن میں ذکر ہوا ہے کسی بھی نا پسند چیز کا اثرجب محو ہو تا ہے تو خدا اس کو محو کر دیتا ہے ویسے ہی ہے کہ جس طرح خداوندعالم نے پیغمبر اکر مؐکو یہ فتح عنا یت فر ما ئی ہے پس تو جو کچھ بھی اس فتح کے آثار متر تب ہوں گے وہ خدا کے ذریعہ مر تب ہوں گے منجملہ یہ کہ مشر کین کی نظر میں جو آ ثا رِ گنا ہ تھے وہ مٹ گئے اور اب اُن میں اس طرح کا کو ئی احسا س با قی نہیں رہے گا ۔معلوم ہوا کہ اس کا بھی شر عی گنا ہ سے قطعی کوئی رابطہ نہیںہے ۔

دو سری آیت
(عَفَااللَّهُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّیٰ یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَ قُوْاوَتَعْلَمَ الْکَا ذِبِیْنَ)(۱)
.....

۱۔سورئہ تو بہ آیت ۴۳۔

"(اے ہما رے رسو ل)خدا آ پ کو معاف فر ما ئے آپ نے کس لئے انھیں (پیچھے رکنے کی) اجا زت دے دی ؟ چا ہئے تھاکہ سچ بو لنے وا لے آشکار ہو جا ئیں اور آپ جھو ٹو ں کوبھی پہچان لیں "
آیۂ کر یمہ کے آ غاز میں جملہ ہے(عَفَا اللهُ عنْکَ)(اللہ آپ کو معاف کرے) ممکن ہے کو ئی اس جملہ سے خیال کر بیٹھے کہ پیغمبراکرمؐنے (العیا ذ با الله)کسی گنا ہ کا ارتکاب کیا تھا اور خدا وند عا لم نے ان کو معا ف فرمادیا ۔لہٰذا خود یہی جملہ عدم عصمت کے غلط تصور کی بنیاد بن سکتا ہے ۔ دو سرے جملہ میں خدا وند عا لم فر ما تا ہے کہ (لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ) "آپ نے کس لئے انھیں رکنے کی اجا زت دیدی "خود یہ سوالیہ جملہ بھی جواب طلبی کی نشاندہی کر رہا ہے اور پیغمبر اکرمؐکے معصو م نہ ہو نے کے توہّم کا سر چشمہ ہو سکتا ہے ۔چنا نچہ اس آیت کا مفہو م وا ضح کر نے اور اس طرح کے شبہہ کو دور کر نے کے لئے آیت کے شانِ نزول اور اس کے مفا د کے با رے میں کچھ عرض کر نا ضروری ہے : یہ آیت ان منا فقو ں یا اُن (ضعیف الا یما ن) افرا د کے سلسلہ میں نا زل ہو ئی ہے جوجنگ و جہا دسے فرار اختیار کر نے کے لئے بہانہ پر بہا نہ تلاش کیا کر تے تھے اوربا وجو دیکہ ایک مر تبہ پیغمبراکرمؐنے ایک جنگ مینرضا کا رانہ طور پر تمام لو گوں کی شرکت کا اعلان فر ما یا تھا کچھ لو گو ں نے آ پ کے اس فرمان کی خلاف ورزی کی اور جنگ کر نے کے لئے نہیں گئے ۔ تو آیت نا زل ہو ئی جس میں ان کی بہت سختی سے سرزنش کی گئی ۔ کچھ اور افراد تھے جو آپ کی خد مت میں حا ضر ہو تے اورآپ کے سا منے طرح طرح کی با تیں بناکرجنگ سے فرار کی اجا زت طلب کرتے تھے مثال کے طور پر کہتے کہ ہم کو کچھ ضروری کام ہے یا ہم سخت مشکلو ں سے دو چا ر ہیں لہٰذا ہم کو شہر میں رہنے کی اجا زت دیدیں ۔ در حقیقت کو ئی معقو ل عذر نہیں تھا لیکن اپنے عمل پرپر دہ ڈالنے کے لئے کہ کوئی اگر ان پر اعتراض کرے تو اس کو جوا ب دے سکیں کہ ہم نے رسول الله سے اجا زت لے لی ہے آنحضرتؐکی خد مت میں حا ضر ہو تے اور جہاد میں شریک نہ ہو نے اجا زت طلب کر تے تھے۔ آنحضرت بھی ان کو پہچا نتے اور ان کے انداز گفتگو سے ہی سمجھ لیتے تھے کہ یہ منا فقین یا" ضعیف الا یمان" ہیں (وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحَنِ الْقَوْلِ)(۱)
"اور تم انھیں ان کے اندازِ گفتگو سے ہی ضرورپہچا ن لو گے "
لیکن ان کی ظا ہر ی شان باقی رکھنے کے لئے آپ ان کو شہر میں رہنے کی اجا زت مر حمت فر ما دیتے اور یہ پیغمبر اکر مؐکے نہا یت ہی کریم او رمہر با ن ہو نے کی وجہ سے تھا ایک طرف تو آپ کو یہ خیا ل تھا کہ لو گو نکے راز
.....

۱۔سورئہ محمد آیت ۳۰۔

فاش نہ ہو جا ئیں اور دو سری طرف یہ فکر تھی کہ جب کما نڈر یہ اعلان کر دے کہ سب جنگ میں شریک ہوں اور کچھ افراد کما نڈر کے اس اعلان کی صاف طو ر پرمخالفت کر یں توخود یہ مخا لفت دو سرے افراد میں بھی جرأ ت کا سبب بن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جاتی ہے اور کما نڈر کے فرمان کی اہمیت کو کم کر تی ہے ان ہی دو وجہو ں کی بنا ء پر پیغمبراکرمؐان کو شہر میں رہنے کی اجازت مرحمت فر ما دیتے کہ تم شہر میں رہ سکتے ہو ۔ آیۂ کریمہ اسی مو قع پر نا زل ہو ئی اور (عَفَا اللهُ عَنْک) کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ پیغمبر اکرمؐسے ایک ان چا ہا امر صا در ہوا ہے ۔ چنا نچہ انبیا ء علیہم السلام کی عصمت کا عقیدہ رکھنے وا لے بعض مفسّر ین اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہ در گذر تر کِ اولیٰ پر تھی نہ کہ معصیت پر ۔ یعنی خداوند عا لم نے پیغمبر اکرمؐکو اختیا ر دے رکھا تھا کہ وہ جس کو منا سب سمجھیں شہر میں ر ہنے کی اجازت دے سکتے ہیں اور آنحضرتؐکا انھیں اجا زت دینا حرام نہیں تھا اس لئے آ پ نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہا ں زیا دہ سے زیا دہ آیت اس بات پر دلالت کر تی ہے کہ ان کو اجا زت نہ دینا بہتر تھا اور (عَفَا اللهُ عَنْکَ) کا مطلب یہ ہے کہ خدا آپ کے اس تر کِ اولیٰ کو معا ف فرمائے لیکن علا مہ طبا طبا ئی [فر ما تے ہیں کہ یہ حتی تر کِ اولیٰ بھی نہیں تھا اور آیت کا مقصود بھی یہ بیان کرنا نہیں ہے کہ یہ کام جو آپ نے کیا ہے انجا م نہ دیتے تو اولیٰ تھا ۔بلکہ نا راضگی کی زبان میں مدح کی گئی ہے ۔ کبھی تو ایک شخص کی برا ہ راست مدح کی جا تی ہے مثا ل کے طو ر پر کہا جاتا ہے کہ فلا ں شخص بہت مہر با ن اور ہمدردہے اور کبھی ممکن ہے اس طور پرکہ بہ ظاہر نا راضگی کا اظہارہو مدح کی جا تی ہے اور مدح کر نے کا زیادہ بلیغ طریقہ بھی یہی ہے ۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں: کہ تم کتنے ہمدرد ہو ، ہمدردی کی بھی کو ئی حد ہو تی ہے! یہ آیت اسی طرح کامطلب بیا ن کر رہی ہے ۔ اس لئے کہ خداوندعالم اس آیت کے ذیل میں ہی فر ما تا ہے :
(وَلَوْاَرَادُوْاالْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَہُ عُدَّةً) (١)
"اور اگر یہ لوگ (جنگ کے لئے)نکلنے کاارادہ رکھتے تواپنے لئے کچھ سازوسامان تو تیار کئے ہو تے "۔
وہ سرے سے نکلنے کا قصد ہی نہیں رکھتے تھے اور خدا وندعا لم چو نکہ ان کے دلو ں کے حا ل سے با خبر تھا وہ کسی لائق نہیں ہیں فر ماتا ہے :
(وَلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ انْبِعَا ثَہُمْ فَثَبَّطَہُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْامَعَ الْقَاعِدِیْنَ)(٢)
.....

١۔سورئہ توبہ آیت ٤٦۔
٢۔سورئہ تو بہ آیت ٤٦۔

"لیکن خدا نے ان کی (جنگ کے لئے)رضا کا رانہ شمو لیت کو نا پسند کیا تو ان کو کا ہل بنا دیا اور (گو یا)ان سے کہد یا کہ تم (جنگ سے)گریز کر نے وا لو ں کے ساتھ بیٹھے رہو "۔
ان کے اندر جہا د میں شریک ہو نے کی لیا قت نہ ہو نے کی وجہ سے ہی خدا وند عا لم خود نہیں چا ہتا تھا کہ وہ جنگ میں شریک ہوناوریہ عذابِ الٰہی تھا جس کے تحت ان میں سستی اور بہا نے با زی کی حالت پیدا ہو گئی تھی ، خداوند عالم تو یہاں تک فر ما تا ہے:(لَوْخَرَجُوْافِیْکُمْ مَّازَادُوْکُمْ اِلَّاخَبَا لاً) (١)
"اگر یہ لو گ تمہا رے ساتھ(جنگ کے لئے) نکلتے بھی تو تم میں فسا د بر پا کر نے کے سوا کچھ نہ کرتے "
معلوم ہوا ان کا جہا د مینشریک نہ ہو نا ہی الٰہی مصلحت تھی۔لہٰذاآیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اولیٰ یہ تھا کہ آپ ان کو جہا د میں شریک ہو نے کی اجا زت نہ دیتے حتی خود اسی آیت میں اس لہجہ کی وجہ بھی مو جودہے کہ اگر آپ ان کو اجا زت دیدیتے تو (یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْاوَتَعْلَمَ الْکَاذِبِیْنَ)"آپ پر سچ بو لنے وا لے ظا ہر ہوجاتے اور آپ جھو ٹوں کو بھی پہچان لیتے " معلو م ہو جاتا کون سچ بو لنے وا لے ہیں اور کون جھو ٹ بولنے وا لے ہیں اگر آپ ان کو اجا زت نہ دیتے تو جو سچے تھے وہ جہا د میں شر کت کر تے اور جو جھو ٹے تھے معلوم ہو جا تا وہ جھوٹے ہیں دل سے اطا عت گذار نہیں ہیں ۔پس ایسا نہیںہے کہ واقعا مصلحت یہ تھی کہ پیغمبر ان کو اجا زت نہ دیں بلکہ آیت میں پیغمبر اکرمؐکی مدح کی جا رہی ہے کہ آنحضرتؐنہا یت ہی ہمدرد و مہر با ن ہیں اور یہ ناراضگی کے پیرائے مینمدح کا بلیغ انداز ہے ، اور آیت میں (عَفَا اللهُ عَنْکَ) خبریہ جملہ نہیں ہے۔
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ نے گنا ہ یا تر کِ اولیٰ کیاتھا اور خدا وند عالم نے اس کو معاف کر دیا بلکہ یہ انشا ء اور دعا ہے ۔بات کو ذہن سے قریب کر نے کے لئے ہم اپنی روز مرّہ کی زبان میں عمو ماً کہا کر تے ہیں کہ (خدا آپ کے باپ کی مغفرت کرے)اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم آپ کے باپ کو گنا ہگار ثابت کر نا چا ہتے ہیں ۔ معلوم ہو ا کہ آیۂ شر یفہ میں نا راضگی کا لہجہ نا راضگی کے لئے نہیں ہے ۔ بلکہ محبوب نے ناراضگی والے لہجہ میں مدحِ لطیف کی ہے جو اس ظا ہری نا راضگی میں مخفی ہے لیکن ہاں (اِیَّاکَ اَعْنِیْ وَاسْمَعِیْ یَا جَا رَّة)کے عنوان سے اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سو رئہ تو بہ آیت ۴۷۔

میں منا فقین اور ضعیف الا یمان افراد کی نسبت عتا ب ہے ۔یہی بات المیزان میں علامہ طبا طبا ئی نے اس آیت کے ذیل میں بیان کی ہے ۔ بہر حال یہ آیت پیغمبر اکرمؐسے حتی تر کِ اولیٰ صا در ہو نے پر بھی دلالت نہیں کرتی۔

تیسری آیت
(وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللہُعَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ علیکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللہَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللہُ مُبْدِ یْہِ وَتَخْشَیْ النَّا سَ وَاللہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ)(۱)
"اور (اے رسول) آپ نے جب اس شخص (زید بن حا رثہ) سے کہ جس کوخدا نے نعمت سے نوازاتھا اور آپ نے خود بھی اس پر انعام کیا تھاکہا: کہ اپنی بیوی کو اپنی زو جیت سے الگ نہ کرو اور خدا سے ڈرتے رہو حا لانکہ آ پ اس بات کو اپنے دل میں چھپا ئے ہو ئے تھے کہ جس کو خدا نے ظا ہر کر دیا آپ لو گو ں سے ڈر تے تھے حا لانکہ خدا اس کا زیا دہ حقدار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے "۔
یہ (روا یتو ں اور خود آیۂ شریفہ کی روشنی میں مو جود قرینہ کے مطابق) پیغمبر اکر مؐکے منھ بو لے بیٹے زیدبن حا ر ثہ تھے ، وہ بہت با کمال جوا ن تھے جن کو اس زما نہ کے معمو ل کے مطابق پیغمبراکرمؐنے اپنا منھ بو لا بیٹا قرار دید یا تھا اس زما نہ میں دستو ر تھا کہ بعض افراد کسی جو ان (خا ص طو ر سے غلام) کو اپنابیٹا بنا لیا کر تے تھے اور اس زما نہ کے رسم و رواج کے مطابق اس پرنسلی اور واقعی فر زند کے جیسے احکام جا ری ہوتے تھے اور اس کو میراث بھی دی جاتی تھی جس طرح حقیقی فر زند کی شا دی کے بعد اس کی بیوی با پ کی بہو شما ر کی جا تی ہے اور اس کی محرم ہو جا تی ہے اور باپ کا اس سے شادی کر نا حرام ہے اگر چہ بیٹا اسے طلا ق ہی کیو ں نہ دیدے ۔اس زما نہ میں یہی احکا م منھ بولے بیٹے پر بھی جا ری کئے جا تے تھے ۔ دینِ اسلا م میں اس رسم کو ختم ہو نا چا ہئے تھا کیونکہ کہ یہ ایک غلط رسم تھی ۔
سورئہ احزاب کے آغاز میں خدا وند عا لم ارشاد فر ما تا ہے :
(اُدْعُوْھُمْ لِاٰ بَائِہِمْ ھو اَقْسَطُ عِنْدَ اللہِ)(۲)
"لے پا لکو ں کو ان کے(اصل)با پ کی طرف نسبت دو کیونکہ یہی خدا کے نز دیک انصا ف سے قریب ہے"
.....

۱۔سورئہ احزاب آیت۳۷۔
۲۔سورئہ احزاب آیت ۵۔

اسی سنت کو تو ڑنے کے لئے حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہو ا کہ خود پیغمبر ِ اکرمؐاس رسم کو اپنے منھ بو لے بیٹے کے ذریعہ توڑیں تا کہ لو گو ں کو یقین ہو جا ئے اور دورِ جا ہلیت کی اس رسم کا اختتام ہو جا ئے۔
زید شا دی شدہ تھے اور اللہ نے پیغمبر اکرمؐپر وحی کی کہ آپ زید کی زو جہ سے عقد کرلیں یعنی زید اپنی زو جہ کو طلاق دید یں اور آپ اس سے عقد کر لیں تا کہ دورِ جا ہلیت کی اس رسم کا خاتمہ ہو جا ئے پیغمبر اکرمؐپر یہ وحی نا زل ہو چکی تھی کہ اس طرح کا وا قعہ پیش آ ئیگا ۔ ایک دن زید نے آ نحضرتؐکی خد مت میں حا ضر ہو کر عرض کی کہ میں اپنی زو جہ کو طلا ق دینا چا ہتا ہو ںآ نحضرتؐنے فر مایا :نہیں اپنی زو جہ کوالگ نہ کر و ، تقو یٰ اختیا ر کرو اور عدل و انصاف کی رعا یت کرو ۔
یہ آیت اسی مو قع پر نا زل ہو ئی :(وَاِذْ تَقُوْ لُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ)وہ شخص جس پر خدا نے انعام کیا تھا اور آپ نے بھی انعام سے نوازاتھا ۔آپ نے اس سے کہا (اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْ جَکَ وَ اتَّقِ اللہَ)"اپنی بیوی کو اپنی زو جیت میں رہنے دو ۔ یہ اس وقت تھا کہ(وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللہُ مُبْد یْہِ)"آپ اس بات کو اپنے دل میں چھپا رہے تھے کہ جس کو آشکار کر نے کا خدا فیصلہ کر چکا تھا (وَ تَخْشَی النَّا سَ)اور آپ لو گو ں سے ڈر رہے تھے "(وَاللہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ)" جبکہ خدا سے ڈرنا زیا دہ سزا وار ہے "
اسلام دشمنو ں نے اس آیۂ شریفہ کے متعلق ایک داستان گڑھ ڈالی اور افسوس بعض مسلمانوں میں بھی اس کا چر چا ہو نے لگا اور اس کو کتا بو ں میں بھی لکھ ماراجس سے وہ اسلام کے دشمنوں کے لئے ایک دستا ویز بن گئی یہاں تک کہ اس

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دور میں بھی اس کو پیغمبر کی ایک کمزوری شما ر کر تے ہیں ۔ دشمنان اسلام نے (معا ذاللہ کہا اور لکھا ہے کہ ایک روز پیغمبراکرمؐکی نظرمبا رک زید کی خو بصو رت بیوی پر پڑ گئی تو آپ کا دل اس پر آ گیا اور آپ اس کے عا شق ہوگئے آپ اس سے شا دی کے خو اہشمند تھے لیکن اس سے عقد کر نے کی کوئی راہ نہ تھی آپ کو یہ خو ف تھا کہ کہیں لو گ اس بات سے مطلع ہو کر یہ نہ کہنے لگیں کہ پیغمبر اس جوان عو رت پر فریفتہ ہو گئے ہیں اللہ نے بھی پیغمبر کی دلی آ رزو کو پو را کر نے کے اسباب فر ا ہم کئے کہ زید اپنی زو جہ کو طلاق دیدیں اور پیغمبر اس سے عقد کر لیں لیکن دشمنانِ اسلام تو یہا ں تک کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐنے اپنی دلی آرزو کو پورا کرنے کے لئے یہ آیات خود بنائی ہیں انھو ں نے یہ تمام مقد مات فرا ہم کر نے کے بعد فر ما دیا کہ : آیۂ شریفہ نا زل ہو ئی ہے اور خدا وند عالم نے فر ما یا ہے کہ...
بالکل اسی طرح کی داستان کہ جس کی حضر ت دا ؤد علیہ السلام کی طرف نسبت دی گئی ہے کہ آپ اپنے ایک صحا بی کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے وغیرہ وغیرہ اور دشمنانِ اسلام ثبوت میں آیت کا یہ ٹکڑا پیش کر تے ہیں کہ "تم لوگوں سے ڈرتے ہو " اور کہتے ہیں کہ انسا ن اسی وقت ڈرتا ہے جب وہ خدا وند عالم کی مر ضی کے خلاف کو ئی کام انجام دے یہ ایک جھو ٹی داستان ہے جو اسلام کے دشمنوں نے گڑھی ہے در اصل، پیغمبر اکرمؐکو خوف یہ تھا کہ لو گ اپنے درمیا ن رائج اس مستحکم رسم کا توڑا جانا قبول نہیں کر سکیں گے کیو نکہ ان کے نقطۂ نظر سے یہ کام ایسا تھا کہ گو یا کسی نے اپنے حقیقی فرزند کی زو جہ سے عقدکر لیاہو، آپ کو لو گو ں کے درمیان اپنی آبرو ریزی کا ڈر نہیںتھا بلکہ آپ اس لئے ڈر رہے تھے کہ کہیں خداکے اس حکم کو لوگ قبو ل نہ کریں آپ کسی منا سب وقت کی تلاش مینتھے اور آپ خدا وند عا لم کی طرف سے کسی ایسے واقعہ کے پیش آنے کے منتظر تھے جس کے ذریعہ لو گو ں کی مصلحتیں بھی پو ری ہوجا ئیں او ر حکمتِ الٰہی بھی محقّق ہوجا ئے اور لوگ بھی اس کو تسلیم کر لیناور نا فر ما نی نہ کریں ۔ با لکل اسی سے ملتا جلتا مسئلہ غدیر کی ولا یت کاہے ارشاد ہو تا ہے :
(یَاَیُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِکَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَابَلَّغْتَ رِسَالَتَہُ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّا سِ)(۱)
"اے رسول جو حکم تمہا رے پر ور دگا ر کی طرف سے تم پر نا زل کیا گیا ہے لو گوں تک پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گو یارسالت کا کو ئی پیغام نہیں پہنچایا اور خدا تم کو لو گو ں کے شر سے محفو ظ رکھے گا"
اس منزل میں بھی پیغمبراکرمؐکو یہ خو ف تھا کہ کہیں لو گ امیر المو منین حضرت علی علیہ السلام کی ولا یت کو تسلیم نہ کریں۔یہ خوف در حقیقت امر الٰہی کی جہت میں تھا ۔آپ کو یہ خوف اس لئے تھا کہ کہیں لوگ حکمِ خدا کو تسلیم نہ کریں آپ اس لئے نہیں ڈر رہے تھے کہ میری عزّت چلی جائے گی جیسا کہ دشمنا نِ اسلام نے خیال کیا ہے اسی مقام پرخدا فر ماتا ہے :تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَااللّٰہُ مُبْدِیہِ)جس چیز کو آنحضر تؐلوگوں سے چھپا رہے تھے یہ وہی چیز تھی جس کی آپ پر وحی ہوچکی تھی کہ یہ کام ہو نا ضروری ہے آپ لو گو ں پر آشکار نہیں کر رہے تھے اور لو گو ں سے اس طرح کا انداز اختیار کئے ہو ئے تھے کہ لوگ متوجہ ہو ں کہ پیغمبر نتیجہ سے با خبر ہیں ۔ لہٰذا جب زید نے آپ کی خد مت میں حا ضر ہو کر یہ عرض کی کہ میں اپنی زو جہ کو طلا ق دینا چا ہتا ہو ں تو آنحضرتؐنے فرمایا "نہیں طلاق نہ دو بلکہ اپنی ازدواجی زندگی جا ری رکھو "۔ آپ نے یہ (العیاذ با اللہ) اپنے عشق کو مخفی رکھنے کے لئے نہیں فر ما یا تھا بلکہ آپ کو یہ خو ف تھا کہ کہیں لوگ اس امر کو قبول نہ کریں اور امرخدا کی اطا عت سے انکار نہ کردیں ۔
بنا بر ایں آیت کا مفہوم یہ نکلتا ہے :آ پ نے اپنے منھ بو لے بیٹے سے کہ جس پر آپ کے خدا نے اور خود آپ نے بھی انعام و احسا ن کیا تھاسفارش کی کہ تم اپنی زو جہ کو اپنی زو جیت میں رکھو حا لانکہ وہ بات کہ جس کی آپ پر

.....

۱۔سورئہ ما ئدہ آیت ٦٧۔

وحی ہو چکی تھی کہ اس کو آپ کی زوجیت میں لا نا مقصود ہے آپ نے لو گو ں سے مخفی رکھی آپ لو گو ں سے خو ف زدہ تھے کہ کہیں وہ حکمِ خدا کی خلا ف ور زی نہ کریں، (وَاللّٰہِ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاہُ) کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ" لو گو ں سے خو ف" اور" خدا سے خوف "کے در میا ن مقا ئسہ کیا گیا ہو یعنی لو گونسے خو ف خداوندعا لم سے خو ف کے ساتھ منافات رکھتا ہو کہ آپ کو خدا سے خو ف کر نا چا ہئے لو گو ں سے نہیں ، یہاں دو نو ں باتونمیں کو ئی ٹکرا ؤ نہیں ہے بلکہ پیغمبراکرمؐکو تسلی دینے اور اس بات کی طرف متو جّہ کر نے کے لئے ہے کہ آپ اپنی تو جہ کا مر کز خدا وند عا لم کو قرار دیں، خدا بھی آپ کی حفا ظت کر ے گا آپ پر یشان نہ ہو ں یقینا پیغمبراکر مؐمعصو م ہیں اور آپ تمام صفاتِ کما ل کے آخری درجہ پر فا ئز ہیں لیکن اِن کما لات کا لا زمہ یہ نہیں ہے کہ آپ خداوندعا لم سے بے نیا ز ہوجائینبلکہ آ پ خدا وند عا لم کی عطا کر دہ تعلیم و تر بیت کے ذریعہ ہی معصو م خلق ہو ئے ہیں اور آ پ کے پا س سب کچھ خدا وند عا لم

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کا ہی دیا ہو ا عطیہ ہے ۔
بہر حا ل پیغمبر اکر مؐکے با رے میں قرآنی آیا ت نے یہ بتا یا ہے کہ خدا وند عا لم کا لطف و کرم جو آپ کے شا مل حال ہے ہر مقا م پر آپ کا محا فظ ہے ،آپ کی تر بیت اور آپ کو متو جہ کر تے رہنا اس چیز کو ثابت کر تا ہے کہ خدا وند عا لم کی طرف سے اس طرح کا لطف پیغمبرکے شا مل حال ہے۔چنا نچہ "وَاللہ اَ حَقُّ اَنْ تَخْشَاہُ"کا مطلب بھی پیغمبر کو اس حقیقت کی طرف متو جہ کر نا ہے کہ آپ کو صرف اور صر ف خدا سے ڈرنا چا ہئے ۔دوسرے لو گ آپ کا کچھ نہیں بگا ڑ سکتے اور خدا نے جب کسی امر کو متحقّق کر نے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس کو متحقّق ہو نا ہی ہے اور خدا اس امر میں آ پ کی خود حفا ظت کر ے گا اس طرف سے آپ با لکل مطمئن رہیں ۔ اوراس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ پیغمبر کی طرف سے تشویش تھی بلکہ اس کا مطلب حالات کا فرا ہم ہو جا نا تھا حالات اس چیز کے متقا ضی تھے کہ ایک انسان کو اس طرح کی تشویش ہو ۔ اور خدا نے وحی ،الہام اور اپنی خا ص تر بیت کے ذریعہ ان تمام پریشا نیوں سے (جو عام طور پر جو ایک انسا ن کو پیش آ تی ہیں) پیغمبر کی حفا ظت فر ما ئی ۔
معلوم ہوا یہ آیت بھی عصمت کے منا فی کسی چیزپر دلالت نہیں کر تی ۔اور وہ داستان بھی گڑھی ہو ئی ہے ۔

چو تھی آیت :
(یَاَیُّھَاالنَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَااَحَلَّ اللَّہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ وَاللَّہُ غَفُوْررَحِیْمٌ)(۱)
"اے رسو ل جو چیز خدا نے حلا ل کی ہے تم اس سے اپنی بیویو ں کی خو شنو دی کے لئے کیو ں خود پر حرام کر رہے .....

۱۔سورئہ تحریم آ یت ۱۔

ہو اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہر با ن ہے "۔
یہ اسلام دشمن عنا صر کا ایک بہت تیزحر بہ ہے اور دینِ اسلا م کی مخا لفت میں لکھی جا نے وا لی کتابو ں میں خاص طو ر سے اس آ یت کاسہا را لیاگیا ہے ان کا کہنا ہے کہ خود قرآن کریم نے کہاہے کہ پیغمبر (العیا ذ باللہ) امور شرعی میں مد اخلت کیا کر تے تھے حلا ل کو حرام کر دیتے تھے۔ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ آیت نا زل ہو ئی کہ آپ اس طرح کے کا م کیو ں انجا م دیتے ہیں ؟!
جی ہاں اسلام دشمنو ں نے اس مسئلہ کو یہ رنگ دیاہے کہ وحی اور قرآنی مطالب سے بلکہ اس سے بھی پہلے درجہ میں نبی کی سنّت سے لو گوں کا اعتمادسلب کر لیں۔
اس مقام پر بھی شبہ کو دور کرنے کیلئے آیت کے مطلب اور اسکے شأن نزول کو مد نظر رکھنا چاہئے یہ آیت ایک ایسی داستان سے متعلق ہے جس کو روایتوں میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے علاوہ ازیں پیغمبر اکر مؐکی بعض ازواج سے متعلق بھی ایسے مطالب ہیں جن میں خداوندعالم نے اُن پر عتاب کیا ہے اور ان پر شدید حملے کئے گئے ہیں اور بعید نہینہے کہ اس طرح کے واقعات میں پیغمبر اکرمؐکی بعض ازواج (عائشہ اور حفصہ جو ابوبکر اور عمر کی بیٹیاں تھیں)سے متعلق شبہے پیدا ہو جا ئینا ور اصل قضیہ روشن و واضح نہ ہو چونکہ اہلسنّت حضرات پیغمبر اکرمؐکی تمام ازواج کوتقدس کے سب سے بلند مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں اورکسی طریقہ سے بھی ان کی شان میں کوئی کمی نہیں چا ہتے لہٰذا مطلب کو حتّیٰ الا مکان اس طرح بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو بالکل بری قرار دیاجاسکے لیکن ان آیتوں کالہجہ اتنا سخت اور واضح ہے کہ کسی شخص کیلئے کوئی عذر باقی نہیں رہتا خداوندعالم فرماتا ہے :
(وَاِذْاَسَرَّالنَّبِیُّ اِلَیٰ بَعْضِ اَزْوَاجِہِ حَدِیْثاً)
پیغمبر اکرمؐنے اپنی بعض بیو یوں سے راز کی بات کہی اور تا کید کر دی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں انھوں نے مخالفت کی اورکچھ با تیں دوسروں سے کہہ دیں اور راز فاش کر دیا خدانے وحی کے ذریعہ اس امر کو رسول پر ظاہر کردیا کہ ایک یا دو بیویوں نے آپ کے راز کو فاش کردیا ہے جب رسول نے اُن سے باز پُرس کی توکہنے لگیں آپ سے کس نے کہا کہ ہم نے خبر دی ہے؟پیغمبر اکرمؐنے فرمایا :(قَالَ نَبَّأَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ)اس نے خبر دی ہے جو ہر بات سے آگاہ ہے اس کے بعد خداوند عالم ان سے خطاب فرماتا ہے کہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ(ہماری اپنی زبان میں) تم میں سرخاب کے کو ئی پر لگے ہیں ۔ اگر رسول تم کو طلاق دیدیں تواُن کو اُن کا پروردگار تم سے اچھی بیویاں عطا کردے گا اور اگر تم پیغمبر اکر مؐسے دشمنی پر اتر آئینتو یہ خیال نہ کرنا کہ تم ان کوشکست دے دوگی کیونکہ خدا، جبرئیل اور تمام ایماندار اشخاص ان کے دو ست و مدد گارہیں کبھی بھی یہ خیال نہ کرنا کہ تم اپنی سا زشوں کے ذریعہ ان کو شکست دیدوگی ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ظا ہر ہے بات بہت اہم تھی گو یا پیغمبر اکرمؐکے خلاف سا زش تھی اسی لئے خدا وند عا لم نے ان کو اس انداز سے با خبر کیا ہے کہ تم کچھ نہیں ہو ۔ خدا ،ایما ندا ر افراد اور جبر ئیل ان کے ساتھ ہیناور تم ان کا کچھ نہینبگا ڑ سکتی ہو ۔ مسئلہ بہت ہی اہم تھا، اسی وجہ سے قر آ ن کریم نے ان کی سخت طریقہ سے سر زنش کی ہے۔
صرف اس خیال سے کہ کہینوہ مطا لب و مقا صد قا رئین پر واضح نہ ہوں عرض ہے کہ اس سلسلہ میں عجیب و غریب واقعا ت نقل کیے گئے ہیں ۔ منجملہ عا مہ کی روایت ہے کہ ایک روز پیغمبر ا کرمؐاپنی بیوی "سودہ" کے یہاں تشریف فر ما تھے انھوننے آ پ کے لئے شہد کا شر بت تیا ر کیا جس سے ایک خا ص قسم کی بو آ رہی تھی ۔ جب آنحضرتؐوہ شربت نو ش فر ما کر عا ئشہ کے پاس گئے تو انھوننے منھ مو ڑ تے ہو ئے کہا :او نہہ یہ کیسی بوہے ؟ کچھ دیر بعد آ نحضرتؐحفصہ کے پا س تشر یف لے گئے تو انھوننے بھی اسی طرح کے الفا ظ ادا کئے تو آنحضرتؐسمجھ گئے کہ ان لوگوں کو اس شربت کی بو پسند نہیں ہے اس وقت آپ نے قسم کھا ئی کہ اب اس کا شربت نہیں پیئیں گے اس وقت آیت نا زل ہو ئی :
(یَاَیُّھَاالنَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ)
شہد کا شر بت حلال ہے آپ اس کو اپنے اوپرکیو ں حرا م قرار دے رہے ہیں ؟اس آیت کے شا ن نزول میں جو داستانیں نقل کی گئی ہیں یہ ان میں سے ایک ہے ۔
شیعی منقول روا یات میں یہ بات دوسری طرح نقل ہو ئی ہے کہ ایک دن حضرت رسو ل خد اؐاپنے بیت الشرف میں تشریف فر ما تھے اور آپ کی بیوی ما ریۂ قبطیہ جو پہلے کنیز تھیں آ پ کے حجرہ میں مو جو د تھیں اور بعض روایات کے مطابق آ نحضرتؐکا سرِ مبا رک ما ریہ قبطیہ کے زانو پر تھا اور آپ آرام فر ما تھے اسی دوران عائشہ اور حفصہ دو نوں حجرے میں دا خل ہو ئیں تو انھینیہ حا لت دیکھ کرتعجب ہو اکہ ان کی مو جو د گی میں پیغمبر اکرم اپنا سر مبارک ایک کنیز (زوجہ) کی گو د میں کیوں رکھتے ہیں ۔ انھوں نے آپ سے جنگ و جدل شرو ع کر دی اور آپ کے خلاف محاذ آرائی کا فیصلہ کر لیا ،اور نا راضگی کے انداز میں کہاکہ اب ہم دو نو ں آپ کے پاس نہیں آ ئینگے وغیرہ وغیرہ پیغمبر اکرمؐنے ان کو خاموش کرنے کے لئے کہ گھر میں ہنگا مہ نہ کریں قسم کھائی کہ میں اب ماریہ کے پاس نہیں جائو نگاانھوں نے بھی پیغمبر اکرمؐکی اس قسم کے بعد راحت کی سانس لی اور قصّہ تمام ہوگیا ۔
اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر چہ آپ بعض کی ازواج چا ہتی ہیں کہ آپ اپنی دوسری (بیوی) پر نظر نہ اٹھا ئیں لیکن آپ کو ان کی خوشی کا اتنا خیال نہیں کرنا چاہیے :(لِمَ تُحَرِّمُ مَااَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ)خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐپر کنیزکو حلال قرار دیا تھا اوران کی خو شی کے لئے پیغمبر اکرمؐنے یہ قسم کھالی تھی کہ اب اس کنیز کے نزدیک نہیں جا ئیں گے خداوند عالم فرماتاہے کہ آپ نے اس طرح کی قسم کیوں کھائی ؟!(قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ أَیْمَانِکُمْ--)"خدانے اس طرح کی قسموں کاتوڑدینا آ پ پرلازم قراردیا ہے " روایات کے مطابق مسئلہ اس موضوع سے مربوط ہے اور اہلسنّت کی روایات میں دوسری باتیں بیان کی گئی ہیں ۔
بہر حال پیغمبر اکر مؐنے جو چیز خود پر حرام قرار دی تھی کو ئی بد عت نہیں کی تھی اس کو تشریع کا نام بھی نہیں دیاجا سکتا یعنی جس چیز کو خداوند عالم نے حلال قرار دیا تھا آنحضرتؐنے اس کے حرام ہو نے کا حکم نہیں دیا تھا۔ کیونکہ بعدکی آیت میں تا ئید ہو تی ہے :(قَدْفَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَنَکُمْ--)میں "خدانے اس طرح قسموں کو توڑڈالناآپ پر لازم کردیا ہے "یہ (تَحِلَّۃَ)اُسی تحریم کے مقابل میں ہے اور دونوں کا مصدر باب تفعیل ہے۔ یعنی اس تحریم کے مقابلہ میں جوتم نے کی ہے خدانے تمہارے لئے اس کو حلال قرار دینا لازم قرار دیا ہے یعنی جس چیز کو تم نے اپنے لئے ممنوع قرار دیا ہے اس کی ممنوعیت ختم کردو ۔ " اَیْمَان"(تَحِلَّہ)کی ایمان کے ذریعہ بتایاہے کہ اس چیز کو قسم کے ذریعہ حرام قرار دیا گیاتھا پیغمبر اکرمؐنے قسم کے ذریعہ ایک چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی قانون وضع نہیں کیا تھا اور کیسے ممکن ہے کہ جس کے لئے خداوندقدوس فرماتاہے :
(وَلَوْتَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ۔ لَاَخَذْنَامِنْہُ بِالْیَمِیْنِ)(۱)
"اگر رسول ہماری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت دیتے تو ہم پوری قوت سے ان کوروک دیتے"۔
وہ اس (رسول)کو اپنے خلاف قانون بنانے کی اجازت دیدے ؟اس طرح کی چیز تمام انبیاء علیہم السلام کیلئے محال ہے چہ جائیکہ پیغمبر اسلامؐجو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور خود آیت بھی اس چیز کی شہادت دیتی ہے کہ یہ تحریم قا نو نی یا شر عی نہیں تھی کو ئی بھی شخص ایک مباح کام انجام نہ دینے کی قسم کھا سکتاہے ۔آنحضرت نے بھی اپنی ازواج کے مطالبات کو حتّیٰ الامکان پورا کرنے کی کوشش فرمائی اور ایک کام جو حلال تھا اس کے انجام نہ دینے کی قسم کھالی اور یہ آپ کا نہایت ہی لطف تھاجو آپ نے دوسروں کے آرام کیلئے اپنے کو زحمت میں ڈالنا گوارا کیا لیکن خداوند عالم آنحضرت سے خطاب فرماتاہے چو نکہ اس مسئلہ میں مصلحتیں ہیں تو آپ اپنی قسم توڑدیں اور قسم کے ذریعہ جو چیز

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اپنے لئے حرام قرار دی ہے حلال کیجئے ۔
پس حقیقت میں یہ (لِمْ تُحَرِّم)سورئہ توبہ میں (لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ)کی مانند ہے یہ بھی محبت بھری ناراضگی
....

۱سورئہ الحا قة آیت ٤٤.٤٥.

کے لہجے میں ایک قسم کی مدح ہے یعنی صحیح ہے کہ آپ کو دوسروں کی خوا ہش کا خیال کرنا چاہئے لیکن کس قدر؟ کیا اس حد تک کہ خود کو زحمت میں ڈال دیں ؟ہم یہ نہیںچاہتے کہ آپ بذات خود اپنے کو اتنی زحمت میں ڈال دیں کہ دوسروں کی خو ا ہشوں پر حلال چیزوں کو بھی اپنے لئے حرام قرار دیدیں یہ خداوندعالم کا امر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو کام پیغمبر اکرمؐ نے انجام دیا ہے وہ برا کام ہے بلکہ یہ پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے دوسروں کی نسبت ہمدردی ، محبت، مہر بانی اور ایثارکے مقابلہ میں آنحضرتؐ پر خداوند عالم کا لطف و کرم ہے اس لئے کہ آپ نے اپنی ازواج کے لئے اپنی خوا ہشات کو قربان کردیا خداوند عالم نے اس ایثار و قر بانی کے جواب میں کہاہے کہ اے رسول اپنی قسم سے صرف نظر کرومیں اپنے حق سے در گذر کر تا ہوں اس بناء پر یہ لہجہ اگرچہ ظاہر میں جواب طلب کر نے کا ہے لیکن حقیقت میں ایک طرح کی مدح ہے جس میں پیغمبر اکر مؐ کی دوسروں کی نسبت کمال ہمدردی اور ایثار کی تعریف ہے ۔
بہر حال یہ آیت بھی ان دوسری آیات میں سے ہے جو اس چیز پردلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اپنی زندگی اور گھر یلوما حول میں کتنی مشکلوں کو برداشت کیا کرتے تھے ، اس مسئلہ کی اہمیّت اس وقت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے جب ہم بقیہ سورئہ تحریم کا آخر تک مطالعہ کریں اس لئے کہ خداوندعالم نے سورہ کے آخرمیں مومنوں اور کافروں کے لئے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی ازواج اور ان کے مقابلہ میں فرعون کی زوجہ اور حضرت مریم کی مثالیں بیان کی ہیں ،سورہ کا لہجہ بتاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر آپ کو اس طرح کی ازواج کا سامنا ہے تو حضرت نوح اور حضرت لوط بھی اس طرح کی ازواج کا سامنا رہا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو نہ توکوئی شخص چھپا سکتا ہے اورنہ ہی اس کے لئے کوئی بہانہ تلاش کرسکتا ہے ان ازواج کے سلسلے میں آیہ شریفہ کا لہجہ اتنا سخت ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی ہے ۔

پانچویں آیت
یہ آیت شک و شبہ ایجاد کر نے کے اعتبار سے دوسری تمام آیتوں سے زیادہ محکم ہے یعنی اس آیت سے پیغمبر اکر مؐ کی عصمت میں یہاں تک کہ مقام تبلیغ رسالت میں بھی شبہ پیدا ہو جاتا ہے گذشتہ آیات ایک شخص کے عمل سے متعلق تھیں لیکن اس آیت کا شبہ اصل تبلیغ رسالت سے متعلق ہے سورئہ حج میںخداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :
(وَمَآاَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ وَ لَا نَبِیٍّ اِ لَّا اِذَا تَمَنَّیٰ اَلْقَی الشَّیْطَٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِہِ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِیْ الشَّیْطَٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ آیَاتِہِ وَاللّٰہُ عَلِیْمُ حَکِیْم۔ لِیَجْعَلَ مَایُلْقِی الشَّیْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِ یْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضوَالْقَاسِیَةِقُلُوْبُھُمْ وَاِنَّ الظَّالِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ۔وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْاالْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ فَیُؤْمِنُوْابِہِ۔۔)(۱)
"اور (اے رسو ل) ہم نے تم سے پہلے کو ئی ایسا رسول اور نبی نہیں بھیجامگر یہ کہ جس وقت اس نے کو ئی آرزو کی تو شیطان نے اس کی آ رزو میں (اپنی طرف سے) خلل ڈالا تو خدا نے جو وسوسہ شیطا ن نے پیدا کیا تھا اسے مٹادیا پھر اپنی آیات (احکام) کواستحکام بخشا اور خدا تو بڑا دا نا اور حکیم ہے ایسا اس لئے ہے کہ ان کی با توں میں جو کچھ شیطان نے خلل ڈالا ہے اس کو ان لو گو ں کی آ زما ئش (کا ذریعہ)قرار دے کہ جن کے دلو ں میں (کفرکا مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور ظا لمین یقیناً بہت سخت اختلاف میں پڑ ے ہو ئے ہیں اوریہ اس لئے بھی ہے کہ صا حبا نِ علم جان لیں کہ بیشک یہ قر آن تمہا رے پر ور دگا ر کی طرف سے بر حق ہے اور اس پر وہ ایمان لا ئیں "۔
اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق اہل سنت کی تفسیرو ں اور احا دیث کی کتا بو ں میں ایک عجیب و غر یب داستان نقل کی گئی ہے جس نے تبلیغِ رسالت میں پیغمبراکر مؐ کی عصمت سے متعلق ایک بہت بڑا شبہہ ایجا د کردیا ہے اور اس با رے میں انھو ں نے سعیداور ابن عباس سے متعدد روا یتیں بھی نقل کی ہیں اور سیو طی اورابن حجر جیسے کئی دو سرے افراد نے صراحت کے ساتھ کہاہے کہ ان روایتوں کی سند بھی صحیح ہے ۔
داستان کچھ اس طرح ہے : جب سورئہ نجم نا زل ہوا تو پیغمبرؐ مکہ میں اس کی قرا ئت فر ما رہے تھے یہاں تک کہ آ پ اس آیت:
(اَفَرَأَیْتُمْ اللَّا تَ وَالْعُزَّیٰ وَمَنَوٰ ةَ الثَّا لِثَةَ الْاُ خْرَیٰ)پر پہنچے ' 'کیا تم لو گو ں نے لا ت و عزّیٰ کو دیکھا ہے اور منا ت کو جو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان کا تیسرا ہے؟ "
اس وقت شیطان نے آ پ کی زبا نِ اقدس پر یہ دو جملے جا ری کردیئے :
" تِلْکَ الْغَرَانِیْقَ الْعُلَیٰ وَاِنَّ شَفَا عَتَھُنَّ لَتُرْ تَجَیٰ " اس کے بعد آ نحضرت سجدہ ریز ہو ئے اور لو گو ں نے بھی سجد ہ ادا کیا پھر جبر ئیل نا زل ہو ئے اور سوا ل کیا کہ آ پ نے یہ کیا پڑھ دیا ؟ نبی نے فر ما یا کہ میں نے اپنی زبا ن پر یہ دو جملے جا ری کئے ہیں جبر ئیل نے کہا کہ میں نے آ پ پر یہ وحی نہیں کی تھی ۔ یہ جملے شیطان نے القا ء کئے ہیں اس وقت پیغمبراکر مؐنے لو گو ں کے سا منے یہ اعلان فر ما یا کہ یہ دو جملے قر آنی جملے نہیں ہیں ۔
بعض اہلِ سنّت نے اس دا ستان کے صحیح السند ہو نے کی تا ئید کے بعد اس داستان کو مند رجہ بالاباات کامصداق ....

۱۔ سورئہ حج آیت۵۲سے ۵٤۔

قرار دیا ہے ان کی نظر میں سے آیت کا مضمو ن کچھ اس طرح سے ہے : کہ جب بھی کو ئی پیغمبر آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرنا چا ہتاشیطان اس میں کوئی چیز القاء کر دیتا۔ اس اعتبا رسے تمنّیٰ کے معنی تلا وت اور قر ائت کے ہیں اور انھو ں نے شاہد مثال کے لئے شعرا ئے عرب میں سے کسی ایک شا عر کا شعر بھی نقل کیا ہے جس میں تمنّیٰ قرا ئت کے معنی میں استعما ل ہو ا ہے پس "اِذَا تَمَنّیٰ"یعنی جس وقت وہ تلا وت کر نا چا ہتے تھے تو "اُلْقِیَ الشَّیْطَان فِی اُمْنِیَّتِہِ "یعنی فِیْ قَرَائَتِہِ"شیطا ن ان کی قرا ئت میں کچھ چیز وں کا القا ء کر دیتا تھا ۔ منجملہ اس داستان میں شیطان نے دو جملے القا ء کر دیئے اورچو نکہ شیطان یہ کام انجام دیتا ہے لہٰذا :(فَیَنْسَخَ اﷲُ مَایُلْقِیْ الشّیَطَان) "خدا شیطان کے القا ء کئے ہو ئے جملو ں کو نسخ کر دیتا ہے "
جیسا کہ یہا ں پر جبر ئیل آ ئے اور اُس کے جملو ں کو نسخ کیا اور یہ کو ئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس میں تمام انبیاء مبتلا ء ہو ئے ہیں شیطان اپنی بات القاء کر تااوراس کے بعدخداوندعالم اس کومنسوخ کردیاکرتا ۔
یہ بات قطع نظر اس سے کہ پیغمبر اکر مؐکی عصمت میں شبہ ایجاد کر تی ہے اس سے تو بنیادی طور پروحی اور قرآن کریم پر اعتماد ختم ہوجاتاہے یعنی دشمنان اسلام کے لئے ایک بہت بڑی دستا ویز ہے جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ خود قرآن کریم میں یہ کہاگیاہے کہ وحی کے وقت شیطان کچھ مطالب پیغمبر اکرمؐپر القاء کرد یتا تھا اس بناء پریہ کیسے معلوم ہوکہ جن آیات کو قرآن کریم کا جزء کہاجاتا ہے وہ شیطانی القائات کا حصہ نہ ہو اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ بعدمیں جبرئیل نازل ہوئے اور انھوں نے یہ فرمایا کہ وہ آیات نسخ ہوگئی ہیں تو بھی ممکن ہے وہ نسخ تو ہوگئی ہوں لیکن قرآن کریم سے نکا لی نہ گئی ہوں ۔
قرآن کے اعتبارو اعتماد پر سب سے بڑی ضرب جو لگا ئی جا سکتی تھی یہی ہے اور ا فسوس! وہ بات کہ جس کو ہم حقیقی معنی میں (القی الشیطان فی اُ مْنِیَّتِہِ)کہہ سکتے ہیں یہی روایت اور داستان ہے جو ہمارے برادران اہلسنّت نے اپنی کتابوں میں لکھ دی ہے بلا شبہ یہ وہی شیطانی القائات ہیں ۔
یہ روایت اوّل سے آخر تک اپنے جھوٹے ہونے کی خود گواہی دیتی ہے، ایسا فرض کرلیجئے کہ پیغمبرؐنہ ہوتے بلکہ کوئی عام شخص ہوتا جو عوام الناس کو توحید کی دعوت دیتا تو کیاایک عام موحّد بھی تین بتوں کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے :"اِنَّ شَفَاعَتَھُنّ تَرْتَجِیْ ؟!"وہی شخص جو (ھٰؤُلَائِ شُفَعَائُ نَاعِنْدَ اﷲِ)کے دعوے کی مذمت کر رہاہے کہ ان کی حیثیت کیا ہے؟! یہ شفاعت کے کیا کام آئیں گے؟! کیا ان میں شعور و عقل ہے ؟ کیا خدا نے ان کو شفاعت کرنے کی اجازت دیدی ہے ؟ کیا شفاعت کاکوئی قاعدہ و قانون نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے وہ شفاعت کرے ؟اس وقت یہی شخص کہہ رہاہے کہ ہم ان بتوں سے شفاعت کے امید وار ہیں اور پھر ان کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوجاتا ہے؟ کیا ایک عام شخص سے بھی اس طرح کا فعل سرزد ہونا معقول ہے ؟چہ جائیکہ ہم اس فعل کو پیغمبر اکرم سے منسوب کریں !بعض نے عذر تراشا ہے کہتے ہیں کہ یہ سبقت لسانی تھی زبا ن پھسل گئی تھی، پیغمبر اکرمؐنے دل سے یہ جملے زبان پر جاری کئے ہوں،ایسا نہیں ہے لیکن یہ عذر گناہ سے بد ترہے ۔
ایک تو یہ کہ سبقت لسانی ایک حرف یا ایک جملہ میں ہوتاہے نہ کہ دو طویل جملے کہ ان کا مطلب ہی بنیادی طورپر دعوت پیغمبر کے مخالف ہو۔
دوسرے یہ کہ سبقت لسانی کے بعدبات کر نے والا سجدہ ریز نہیں ہوتا !
بہر حال کسی شک و شبہ کے بغیر یہ داستان دشمنان اسلام کی گڑھی ہوئی ہے اور ان کے گڑھنے کی علامتیں بھی اس میں آشکار و ظاہر ہیں ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لیکن آیۂ شریفہ کی تلاوت اورتلاوت میں شیطانی خلل سے کوئی ربط نہینہے ۔اگر کسی شعر میں لفظِ تمنّیٰ پڑھنے کے معنی میں استعما ل بھی ہوا ہو (جو خود بھی قابل غور ہے) توشا ید ا س کی وجہ یہ ہوکہ جب انسان کسی چیز کی آرزو کر تا ہے تو عموماً زبا ن پر جا ری کر تا ہے اور یہ زبا ن پر جا ری ہو نا ہی تمنّا کی حکا یت کر تا ہے شاید اسی وجہ سے اس کو تمنّا کہا گیا ہو ورنہ کلمۂ تمنّا کا اصل مطلب پڑ ھنا اور تلا وت کر نا نہیں ہے ۔ سب جا نتے ہیں کہ تمنّا یعنی آ رزو کرنا اور آ رزو کرناکسے کہتے ہیں ؟ آ رزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن میں ایک خا کہ اور منصوبہ تیا ر کر ے اور دل اس کو عملی جا مہ پہنانا چا ہے ۔ ایک پیغمبر، پیغمبر ہو نے کی حیثیت سے کس چیز کی تمنّا کرتاہے ؟ ظاہرہے وہ پیغمبر اپنی رسالت کے محقق ہو نے کی آرزو کر تا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ جب بھی کو ئی پیغمبر کو ئی آرزو کرے وہ محقق ہوجائے ۔ بلکہ شیطان اس آ رزو کے متحقّق ہو نے میں خلل اورمشکلیں ایجا د کر تا ہے وہ کیسے ان مشکلوں کو ایجا د کر تا ہے ؟ شیطان کا کام وسو سہ کر نا ہے ، وہ لو گو ں کے اذہا ن میں وسو سہ کر تا ہے ، ان کو ایمان نہیں لا نے دیتا کہ پیغمبر کی آرزو پوری ہو اور خدا وند عا لم ان شیطانی وسو سو ں کو نیست و نا بود کردیتا ہے اور اس شبہہ کی بنیاد پر آیت کا یہ فقرہ ہے " فَیَنْسَخَ اللّٰہُ مَا یُلْقِیْ الشَّیْطَانُ " چو نکہ لفظ نسخ کے اصطلا ح میں ایک خاص معنی ہیں اور اس کا متعلّق کلام یا حکمِ الٰہی ہے جبکہ نسخ کے لغوی معنی زائل کر نا اور محو کر نا ہیں ۔ نسخ کے دو معنی ہیں :

۱۔ایک چیز کو دو سری جگہ نقل کر نا ، نسخہ کر نایا فو ٹو کا پی کر نا ۔

۲۔کسی چیز کا محو کر نا

جملہ "فَیَنْسَخَ اللّٰہُ "یعنی خدا وند عا لم ان شیطا نی وسوسوں کو نیست و نا بود اور اس کے با لمقا بل آ یاتِ الٰہی کو محکم و مضبو ط کردیتا ہے ۔ آخر کا ر انبیاء علیہم السلام غا لب ہو ں گے "لَاَ غْلَبَنَّ اَنَاوَرُسُلِیْ ""میں اور میرے رسول غالب آ نے وا لے ہیں " لیکن آیت کے ذیل میں جو یہ فر مایا ہے:

(لِیَجْعَلَ مَایُلْقِیْ الشَّیْطَا نُ فِتْنَۃً لِلَّذِ یْنَ فِیْ قُلُوْ بِھِمْ مَرَض)

"اور شیطان جو (وسوسہ) ڈ التا(بھی) ہے اس لئے ہے کہ خدا اسے ان لو گو ں کی آ زما ئش (کا ذریعہ) قرار دے کہ جن کے دلو ں میں(کفر کا)مرض ہے "

شا ید اس بات کی طرف اشا رہ ہو کہ ٹھیک ہے با لآ خر، کار خدا وند ی کو ہی کا میاب و کا مران ہو ناہے اور انبیا ء علیہم السلام غالب آئیں گے لیکن بنیادی طورپر شیطان کا وجو د عا لَم کے کلی مصا لح کا جزاور انسا ن کی آ زما ئش و امتحان کا وسیلہ و ذریعہ ہے تا کہ ایک طرف جن لو گو ں کے دلو ں میں کفر کا مر ض ہے اور قسی القلب ہیں شیطا نی وسوسوں سے دو چا ر ہو ں اور دوسری طرف :

(وَلِیَعْلَمَ الَّذِ یْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ)

" جن لو گو ں کو کتب سما وی کا علم عطا ہو ا ہے وہ جا ن لیں کہ یہ وحی بیشک تمہا رے پر ور دگا ر کی طرف سے برحق ہے " ۔

مو منین شیطا نی وسوسو ں کا مقا بلہ کر یں ،گمراہ انسانو ں اور جنو ں کی کا ر شکنی ان کو متز لزل نہ کرے اور جو کچھ پیغمبر پر نا زل ہو ا ہے اس کے بر حق ہو نے پر علم یقینی کے ساتھ پختہ و راسخ رہیں ۔

معلوم ہوا کہ جو کچھ ان لو گو ں نے تصورکیا ہے اس پر یہ آیۂ شریفہ ہر گزدلا لت نہیں کر تی اور وہ داستان تو بالکل گڑھی ہو ئی ہے ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

غیرانبیا ء علیہم السلام کا معصوم ہو نا

ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآ نِ مجید کی آ یات سے معلوم ہو تا ہے کہ پیغمبرپیغام وحی لینے اور پہنچا نے میں معصو م ہو تے ہینیہا ں تک کہ رسالت الٰہی کسی خطا اور انحراف کے بغیر لو گو ں تک پہنچ جاتی ہے اور دوسرے دلا یل سے چا ہے وہ عقلی ہو ں یا نقلی یہ ثابت ہے کہ انبیا ء علیہم السلام تبلیغِ وحی میں معصوم ہو نے کے علا وہ وحی کے مطابق عمل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کر نے میں بھی معصوم ہو تے ہیں بلکہ شیعہ حضرات کے کھلے عقا ید کی رو سے وہ کسی غلطی ، اور سہو و نسیان سے بھی دوچار نہیں ہو تے ۔ اس سلسلہ میں کچھ شکوک بھی تھے جن کی حتی المقدور وضاحت کے ساتھ ہم نے جواب بھی عرض کر دیئے ہیں :

اب اس مقا م پر ایک دوسرا سوا ل یہ پیش آ تا ہے :کیا عصمت، انبیا ء علیہم السلام سے مخصوص ہے ؟ یا انبیا ء علیہم السلام کے علا وہ بھی کچھ لو گ معصو م ہو سکتے ہیں ؟ اور کیا قر آ ن مجید کی آ یا ت اس سلسلہ میں ہما ری کچھ رہنما ئی کر تی ہیں یا نہیں؟

اس بحث کو چھیڑ نے سے پہلے خود عصمت کے مفہوم کی وضا حت کر نا ضرو ری ہے ۔ عصمت سے مرا د صرف گناہ کا ترک کرنا نہیں ہے ۔ اگر کسی انسان سے کوئی گناہ سر زد نہ ہو تو کافی نہیں ہے کہ ہم اس کو معصوم کہہ بیٹھیں ۔اس لئے کہ اولاً انسان مکلف ہونا چا ہئے یعنی اس عمر کو پہنچ چکا ہو کہ اس پر شرعی فریضہ عا ئد ہو تا ہواور اس وقت وہ فریضہ کی مخالفت نہ کرے ورنہ اگر کوئی انسان ابھی مکلّف نہیں ہو اہے تو وہ اس مقام پر نہیں ہے کہ اس کے لئے کہیں معصو م ہے کہ نہیں ؟ مثلاً بچے کے لئے بالغ ہونے سے پہلے (معصوم ہونے یا نہ ہونے کی)بحث نہیں اٹھتی اگر ان کو معصوم کہاجاتا ہے تویہ ایک تسامح ہے معلوم ہواان کے اندر گنا ہ کرنے کی قوت ہونی چاہئے یعنی مکلف ہوں البتہ سب انسانوں کے لئے احکام یکسان نہیں ہوتے ہمارے پاس ایسے دلایل موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ممکن ہے کچھ لوگ قانونی سن سے پہلے ہی مکلف ہوجائیں جیسے ائمہ اطہار رسمی اور ظاھری بلوغ سے پہلے ہی مکلف ہیں اور ان بلند مرتبوں پر فائز ہونے کی بنا پر اپنی ذمہ داریوں کی بہ نسبت متعہد اور ملتزم ہیں امام پانچ سال یا اس سے کم و بیش عمرمیں امام ہوسکتاہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتاہے ۔ بہر حال عصمت کا مسئلہ اس شخص سے متعلق ہوتاہے جو مکلف ہو،چاہے وہ معمو لی اعتبار سے مکلف ہو جیسے عام طو ر سے لو گ ایک مخصو ص عمر میں مکلف ہو تے ہیں چا ہے مخصوص طو ر پر مکلف ہو جیسے انبیا ء اور ائمہ علیہم السلام غیر متعارف عمر میں مکلف ہو تے ہیں ۔

دو سرے اگر مکلّف شخص میں معصیت کر نے کی طا قت نہ ہو جس کی بنا ء پر اس سے گنا ہ سرزد نہیں ہو تا تو اس کو بھی معصو م نہیں کہا جاتا ۔ عصمت کا مطلب یہ ہے کہ انسا ن کے اندر گنا ہ کر نے کی طا قت اور تمام شر طیں مو جو د ہو ں اس کے با و جود بھی وہ گنا ہ نہ کر ے ۔ چا ہے معمو لی اور متعا رف شرطیں ہو ں یا استثنا ئی شر طیں ہو ں ۔ اس کی وضا حت کچھ اس طرح ہے :

ہر انسان کچھ ایسے ملکہ کا ما لک ہو تا ہے جس کی وجہ سے اس سے کچھ مخصو ص کام صا در ہو تے ہیں مثلاً بہا در آدمی کے اند ر ایک ملکہ ہو تا ہے یعنی اس میں ایک ایسی کیفیت را سخ ہو جا تی ہے جو اس سے کچھ کا مو ں کے انجا م دینے اور دوسرے کا مو ں کے تر ک کر نے کا تقا ضا کر تی ہے ۔ پس ملکۂ عفت اور ملکۂ سخا وت بھی ایسے ہی ہیں معمولی طور پر یہ ملکا ت جن کے متعلق اخلا ق میں بحث کی جا تی ہے اسی طرح کے ہیں جو متعا رف و معمولی حا لات و شر طو ں میں کچھ کا مو ں کے انجام دینے کا منشاء ہوتے ہیں لیکن ان پر عمل نہ کرنا محال نہیں ہو تا یعنی بہا در آ دمی اس کو کہا جا تا ہے جو معمو لی حالات و شرطوں میں نہیں ڈرتا لیکن اگر کو ئی غیر معمو لی وا قعہ پیش آ جا ئے تو ممکن ہے وہ ڈرجائے ۔ہا ں اگر انسان کے اندر یہ ملکہ بہت زیا دہ راسخ ہو جا ئے اور در جۂ کما ل تک پہنچ جا ئے تو غیر معمو لی اور استثنا ئی حو ا دث بھی اس پر اثر اندا ز نہیں ہو سکتے ۔ مثا ل کے طور پر ملکۂ عفت اتنا مستحکم و قوی ہو جا ئے کہ اگر وہ حالات جو حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئے اس کے سامنے آجا ئیں تو بھی گنا ہ نہیں کر تا، اسی طرح دو سرے تمام ملکا ت اس قدر قو ی ہو ں کہ کسی بھی حال میں گنا ہ سر زد نہ ہو اگر چہ غیر معمولی حا لات ہی کیو ں نہ پیدا ہوجائیں۔ اگر کسی انسان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہو جا ئے تو اس کو معصو م کہاجا تا ہے ۔

عصمت کی تعریف یونکر سکتے ہیں "عصمت انسا ن میں پا یا جا نے وا لاوہ ملکہ ہے جو انسان کو ہر حا ل میں گناہ سے محفو ظ رکھتا ہے "البتہ ہما را یہ کہنا کہ یہ ملکہ انسا ن کی حفا ظت کر تا ہے اس بات سے منا فات نہیں رکھتا کہ خدا انسان کی حفا ظت کر تا ہے اس لئے کہ تو حید افعا لی تقا ضا کر تی ہے کہ کسی بھی مو جو د کے پاس جو کچھ ہے اور جوکام بھی وہ انجام دیتا ہے اس کی انتہا ء اور بنیادی با زگشت خدا کی طرف ہے ۔ خدا ہی اس کے اندر موجود ملکہ عصمت کے ذریعہ اس کی حفا ظت کر تا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھناہے کہ کیا یہ ملکہ صر ف انبیا ء علیہم السلام سے مخصو ص ہے یا غیر ا نبیا ء علیہم السلام میں بھی اس کے پا ئے جا نے کا امکان ہے، اس کے بھی دو مر حلے ہیں ایک مر حلۂ ثبو ت دوسرا مر حلۂ اثبات ،یعنی پہلے یہ ثابت ہو نا چا ہئے کہ ایک شخص میں اس طرح کا ملکہ پا یا جا نا کیاممکن ہے؟ اور دوسرے مر حلے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا غیر انبیاء میں اس طرح کا ملکہ ثابت کر نے کی ہما رے پا س کو ئی دلیل ہے یا نہیں ؟ جہاں تک ایک انسان کے اندر اس طرح

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کاملکہ پائے جانے کی بات ہے تو ہمیں کوئی مشکل نہیں ہے اور نہ ہی اس مفروضہ میں کوئی محا ل عقلی لا زم آ تا ہے ۔ ہما رے پا س ایسی دلیلیں اور ثبوت مو جو د ہیں جن سے یہ ظا ہر ہو تا ہے کہ یہ ملکہ انبیا ء سے مخصو ص نہیں ہے مثال کے طور پر آ یۂ کر یمہ (اِلّا عِبَا دَ اللهِ الْمُخْلَصِیْنَ)یعنی "شیطا ن اللہ کے مخلص بندوں کو گمرا ہ کرنے کی ہوس نہیں کر سکتا" عام ہے اورمخلصین میں غیر انبیا ء بھی شامل ہو سکتے ہیں اس اخلا ص اور عصمت کوصرف انبیاء میں مخصو ص کر دینے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے ۔ جو شخص بھی مخلَص ہو اس آ یۂ کریمہ کے مطابق معصوم ہو گا چونکہ شیطان اس کو فریب نہیں دے سکتا ۔رہی یہ بات کہ معصو مین کو ن لو گ ہیں ؟ اورکیا صرف انبیا ء علیہم السلام ہی معصوم ہینیا نہیں ؟ اس کے لئے الگ سے دلیل کی ضر و رت ہے خود آ یۂ کریمہ اس با ت کا انکا ر نہیں کر تی کہ غیر انبیاء بھی معصوم ہو سکتے ہیں حتی ذہن کو مطمئن اور ما نوس کر نے کے لئے ہم نمو نہ کے طو ر پر کچھ ایسے مقامات بیان کر رہے ہیں کہ جن میں قرآن کریم نے غیر انبیا ء کے معصو م ہو نے کی طرف اشا رہ کیا ہے :

مثال کے طو ر پر خدا وند عا لم حضر ت مریم سلا م اللہ علیہا کے با رے میں فر ما تا ہے:

(وَاِذْقَالَتِ الْمَلَا ئِکَۃُ یَامَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰیکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰیکِ عَلٰی نِسَآئِ الْعَالَمِیْنَ)(۱)

"اور جب فرشتو ں نے کہا اے مر یم بیشک اللہ نے آپ کو منتخب کیاہے اور آپ کوپا ک و پا کیزہ بنا یا ہے اور عا لمین کی تمام عو رتوں پر آپ کو بر تری عطا کی ہے "۔

ہما ری بحث کلمۂ (طَھَّرَکِ)سے ہے کہ لفظ تطہیر تقا ضا کر تا ہے کہ کسی طرح کی آ لو دگی ان کے قریب نہیں آسکتی وہ گناہان صغیرہ اور کبیرہ کی ہر برائی سے پاک ہیں پس یہ ثابت ہے کہ غیر انبیا ء بھی عصمت و طہا رت کے اس در جہ پر فا ئز ہو تے ہیں کہ تمام عمر ان سے کو ئی بھی گنا ہ صغیرہ اور کبیرہ سر زد نہیں ہو سکتا ۔

.....

۱۔سورئہ آل عمران آیت ۴۲۔

اَئمہ علیہم السلام کی عصمت

اہلِ تشیّع کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰؐاورہا رہ اما م علیہم السلام اور اسی طرح حضرت فا طمہ زہرا سلا م اللہ علیہا پیغمبریا امام نہ ہو نے کے با وجود معصو م ہیں معلوم ہو ا کہ عصمت انبیا ء سے مخصو ص نہیں ہے بلکہ غیر انبیاء بھی معصوم ہو سکتے ہیں یہاں اس بات کی طرف دھیان رہے کہ جس عصمت سے ان تیرہ شخصیتو ں کو منسو ب کیا جا تا ہے وہی عصمت ہے جو پیغمبر اکرمؐ کے لئے ثابت ہے، یعنی شیعہ حضرات کے مشہو ر قو ل کے مطابق (گناہ سے بھی معصوم ہیں اور خطا اور سہو و نسیا ن سے بھی معصوم ہیں)اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس امت میں چو دہ معصو مو ں کے علا وہ کوئی او ر گنا ہو ں سے محفو ظ نہیں ہے بلکہ اس طرح کے دو سرے افرا د کے ہو نے کا بھی امکا ن ہے جو اس طرح کے ما حول میں زند گی بسر کر رہے ہو ں کہ تمام حالات مینملکۂ تقو یٰ و عدالت ان کو گنا ہ سے اس طرح محفو ظ رکھے کہ انھو ں نے کبھی کو ئی گنا ہ نہ کیا ہو حتی یہ بھی ممکن ہے کہ ان چو دہ ہستیو ں کے علا وہ کچھ لوگ ملکۂ تقو یٰ کے ان اعلیٰ مرا تب پر فا ئز ہو ں کہ حتی غیر معمو لی حا لات بھی اگرپیش آ ئیں تو ان سے کو ئی گنا ہ سرزد نہ ہو ۔ ان چو دہ ہستیو ں کے لئے عصمت کا مخصو ص ہونا اس معنی مینہے جو پیغمبر اسلا مؐ کے لئے ثابت ہے اورجس کا لا زمہ خطا اور نسیان سے بھی محفو ظ ہونا ہے ۔ پس یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ حضر ت سلما ن بھی ملکۂ عصمت پر فا ئز ہوں اور مختلف حالات میں ان سے کوئی گناہ سر زد نہ ہو اہو اور اگر اس سے بھی زیا دہ سخت حا لات ان کے لئے پیش آ جا تے تب بھی ان سے کو ئی گنا ہ سرزد نہ ہو تا لیکن ممکن ہے کہ کسی مقام پر اپنے فیصلے میں غلطی کر گئے ہو ں کیونکہ اپنے تمام فیصلوں میں خطا سے محفو ظ رہنے کا چو دہ معصو مو ں کے علا وہ کسی اور کے لئے اثبا ت نہیں کیا جا سکتا اگرچہ ممکن ہے وہ ملکۂ عدالت کے ایک ایسے بلند مر تبہ پر فا ئز ہو ں کہ اس کو بھی عصمت کا نام دیا جاسکے اور اس کی نفی کے لئے بھی ہمارے پاس کو ئی دلیل نہیں ہے اور شاید پیغبر اسلامؐ کا یہ قول (سَلْمَا نُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْت) اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ بعض خصو صیا ت جو اہل بیت علیہم السلام کے لئے ثابت ہیں ان کے لئے بھی ثابت ہو ں ، اورشاید علما ء ، فقہا ء اور شیعوں کی عظیم شخصیتو ں کے درمیا ن ایسے افرا د مو جو د رہے ہو ں اور اب بھی مو جو د ہو ں جو عدالت اور تقوےٰ کے اس بلند درجہ پر فا ئز ہو ں کہ کسی بھی طرح کے حالات مینہوں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معصیتِ خدا سے پر ہیز کر تے ہو ں ۔ مرحوم سید رضی اور سید مر تضیٰ کا مشہو ر و معرو ف واقعہ ہے (البتہ یہ داستا ن سوفیصدی صحیح ہے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا) لیکن ان دو بزرگوں کا شما ر ان افراد میں ہو تا ہے جو عدالت اور تقویٰ کے اعتبا ر سے غیر معمولی مرتبہ پر فا ئز تھے واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک دن طے پایا یہ دو نوں متقی عا لمو ں میں سے ایک نما ز جما عت میں امام بنے اور دوسرا ما مو م، اب یہ کہ گھر میں تھے اور ان کی ما در گرا می کی پیشکش تھی یا کچھ اور ،میں نے جزئیات قلمبند نہیں کی ہیں اور یقین سے نہیں کہہ سکتا) مر حوم سید مرتضیٰ نے امامت کے لئے اشا رتاً او لو یت کا اظہا ر کر تے ہو ئے فر مایا : ٹھیک ہے وہ شخص پیش امام بنے جس نے اب تک کو ئی گنا ہ نہ کیا ہوتواس وقت سید رضی نے فر مایا : بلکہ بہتر ہے وہ شخص پیش امام ہو جس نے گنا ہ کا خیا ل تک نہ کیاہو، یہ اس بات کی طرف اشا رہ تھا کہ انھو ں نے اپنی عمر بھی گناہ کا تصو ر تک نہیں کیا ہے، اور یہ بعید بھی نہیں ہے خدا کے بہت سے ایسے لا ئق بندے ہیں اگر ہم اس کے اہل نہیں ہیں تو ہمیں اس کا انکا ر بھی نہیں کر نا چاہئے۔ پس وہ عصمت کہ جس کی ہم ان چو دہ معصو مو ں کی طرف نسبت دیتے ہیں وہی عصمت ہے جو خو د پیغمبر اکرمؐمیں پا ئی جا تی ہے جس کی وجہ سے وہ ہرطرح کی غلطی اور سہوو نسیان سے بھی محفوظ تھے ۔ اسی طرح ہما ری مراد اس عصمت سے ہے جو مقامِ اثبا ت میں دلیل رکھتی ہو ممکن ہے کو ئی شخص اپنی زند گی میں گنا ہ کاخیال تک نہ کرے لیکن اس کے پاس اس کی کو ئی ضمانت نہ ہو اور وہ دوسروں کے سامنے یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے دل میں کبھی گنا ہ کا تصورآیاہے یا نہیں ؟ آیا کسی کے حق مینسو ء ظن کیا ہے یا نہیں ؟ لیکن چو دہ معصو مو ں کے سلسلے میں عصمت ثابت کرنے کی دلیل مو جو د ہے۔

بہت سی روا یات اس بات کو ثا بت کر تی ہینپس معلوم ہوا چو دہ معصو موں کی عصمت اور ان افرادکے درمیان کہ جن سے کو ئی گنا ہ سرزد نہ ہوا ہوحتی انھوں نے گنا ہ کا تصور بھی نہ کیا ہو دو فر ق ہے :

۱۔ائمہ علیہم السلام کی عصمت اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ وہ خطاا ورسہوو نسیان سے بھی محفو ظ ہیں ۔

۲۔ ان کی عصمت پر ہما رے پاس دلیلیں مو جو د ہیں ۔

ائمہ علیہم السلام کی عصمت پر قر آ نی دلیل

کیاقرآن کریم کی آیات سے ان ذواتِ مقدسہ کی عصمت پر کو ئی دلیل مو جو د ہے یا نہیں ؟

اس کے جواب میں متعدد آیات مو جو د ہینلیکن ہم ان میں سے نمو نہ کے طور پرصرف دو آ یتیں پیش کررہے ہیں ارشاد ہو تا ہے:

(یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْااَطِیْعُوْاللّٰہَ وَاَطِیْعُوْاالرَّسُوْلَ وَاُوْلِیْ الْاَمْرِمِنْکُمْ ---)(۱)

"اے ایما ن لا نے وا لو اللہ کی اطاعت کر واور اپنے رسول اور اولی الا مر کی اطا عت کرو "۔

اہل تشیّع اور اہل سنّت دونوں کی معتبر روایات کے مطا بق او لی الامر سے مراد با رہ امام ہیں حتی برادران اہلسنّت نے کچھ ایسی روا یتیں نقل کی ہیں کہ جن میں پیغمبر اسلامؐنے اولی الا مر کے عنوان سے بارہ اما موں کا تعا رف

.....

۱۔سو رۂ نسا ء آیت ۵۹۔

کرا یا ہے۔ شیعہ حضرات سے تو اس سلسلہ میں بہت سی روا یتیں نقل ہو ئی ہیں ہم روا یا ت کے قطع نظرپہلے یہ جا ئزہ لیتے ہیں کہ کیا خوداس آیت سے اولی الامر کے لئے عصمت ثا بت کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ پھر مقام تطبیق میں ہم یہ دیکھیں کہ او لی الامر کو ن لوگ ہیں ؟

آیۂ کریمہ میں یہ بیا ن کیاگیا ہے کہ اے ایما ن لا نے وا لو خدا، رسو ل اور او لی الا مر کی اطاعت کرو ۔ آیت کے آغاز میں "اَ طِیْعُوْا اللہ" اس کے بعد "اَطِیْعُوْا الرَّ سُوْل "اور اس کے بعد "وَاُوْ لِیْ الاَمْرِمِنْکُمْ " آ یا ہے۔ خدا کی اطا عت کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے نا زل کر دہ احکام پر عمل کر ے اور ہر گز مخا لفت نہ کرے لیکن اطا عتِ رسول اور او لی لامر کا جہاں تک سوال ہے تورسول کی اطا عت کے دو پہلو ہیں ۔ ایک یہ کہ لو گو ں تک رسالتِ الٰہیہ کے عنوان سے جو کچھ پہنچا یا ہے یعنی وہ احکام جو خدا نے اس کے ذریعہ نا زل کئے ہیں اُن پر عمل کریندر حقیقت خدا کے ان اوا مر و نوا ہی پر عمل کر نا اطا عتِ رسول بھی ہے کیو نکہ پیغمبر ، خدا اور لو گو ں کے درمیا ن ابلاغ کا ذریعہ ہیں ۔ اس کے علاوہ پیغمبر اکر مؐکی ایک اور حیثیت ا ور منزلت بھی ہے جس کی وجہ سے ان کی اطا عت وا جب ہے اور وہ مقامِ ولا یت و حکو مت ہے۔ ہم پر صرف اس چیز کا حکم نہیں ہے کہ پیغمبر کی بس انھیں احکام میں اطاعت کریں جو اس نے خدا کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جانب سے احکام کلی کے طور پر بیان کئے ہیں بلکہ ان کے علاوہ ہما را فریضہ ہے کہ اپنی زندگی کے دوران جو بھی اوامرو نوا ہی پیغمبرؐ سے مولویت اور ولا یت کے عنوان سے دیئے ہینہم ان کی بھی اطاعت اور پیر وی کریں ۔ مزیدوضا حت کے لئے عرض کرونکہ ایک دفعہ پیغمبر اکرمؐ ایک آیت کی تلا وت فر ما تے جوکسی حکمِ الٰہی پر دلالت کر تی ہے تو ہم اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ مثلاً نماز وروزہ وغیر ہ وا جب ہیں اور اس واجب پر عمل ضروری ہے پس ان احکام پر عمل کر نا خدا کی اطا عت بھی ہے اور اس کے رسو ل کی بھی اطاعت ہے ۔

خدا کی اطا عت اس لئے ہے کہ وہ حکم نا زل کر نے والا ہے اور پیغمبر کی اطا عت اس لئے ہے کہ وہ اس حکم کو پہنچا نے والے ہیں ۔بنیادی طور پر نبوّ ت اور رسالت اس سے زیا دہ کا تقاضا نہیں کر تی، جب ہم یہ سمجھ گئے کہ ایک شخص اللہ کا رسو ل ہے تو اس کے رسو ل ہو نے تقا ضا یہ ہے کہ وہ جو کچھ رسا لتِ الٰہی کے عنوا ن سے ہما رے لئے لے کر آ ئے اسے قبول کریں لیکن اس کے ہر حکم کی اطا عت ضروری ہے یا نہیں ؟ خود رسا لت اس کا تقاضانہیں کر تی اس کے لئے ایک اوردلیل کی ضرو رت ہے ایک مرتبہ وحی کے ذریعہ حکم ہو تا ہے کہ ر سول جو کچھ دے یاکہے اس کی اطاعت کر و،تو اب اس حکم سے رسول کے لئے ایک دو سرا مقام ثا بت ہو تا ہے کہ عا م امو ر میں بھی اس کی اطا عت ضروری ہے ۔ کبھی خود وحی کے الفاظ میں یہ بات نہیں ملتی بعد میں جب نبی اکرمؐ کی رسا لت ہما رے لئے ثابت ہوگئی آ نحضر تؐ کی رسا لت مینہی یہ بات کہی جاتی ہے:

(وَمَآاَرْسَلْنَامِنْ رَسُوْلٍ اِلَّالِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ---)(١)

"اور ہم نے کسی پیغمبر کو نہینبھیجا مگر یہ کہ لو گ اذنِ خدا سے ان کی اطا عت کریں "۔

ہم اس قرآنی دلیل کے تحت چونکہ ہر رسو ل کی اطا عت کر نا وا جب سمجھتے ہیں اگر یہ آیت نا زل نہ ہو ئی ہوتی تو صرف عقلی دلیل کے تحت چونکہ یہ پیغمبر ہے اور پیغمبر کی تمام مسا ئل میں اطا عت ہو نی چاہئے ہم نہ سمجھ پا تے لیکن چونکہ یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا اس دلیل نقل پر اعتما د کر تے ہو ئے کہتے ہیں کہ رسو ل کی اطاعت ضروری ہے ۔ لہٰذا پیغمبر حکو مت سے متعلق معا ملات اور لو گو ں کی زندگی سے متعلق امو ر میں جو امر و نہی کرتا ہے " ولیِ امر " کی حیثیت سے اس کی اطا عت واجب ہے ۔ یہ رسالت کے علاوہ ایک دوسرا مقام ہے ۔ اسی طرح اگر وہ کسی معا ملہ کا فیصلہ کریں تو ان کے فیصلہ کو بھی تسلیم کر نا چا ہئے کیونکہ وہ خدا وند عا لم کی طرف سے قا ضی بن کر آ ئے ہیں ۔

معلوم ہوا مندر جہ با لاجا ئزے کی روشنی میں تین مقام ثابت ہو تے ہیں :

ایک مقا مِ حکومت :یعنی نبی اکرمؐ ولیِّ امر ، مد بّر اورمعا شرہ کی عنان ہاتھ میں رکھنے والے سائس رہبر (ساسة العباد)ہیں ۔یعنی حاکم ہیں۔دو سرا مقا مِ قضا وت : یعنی دو فریقوں کے مابین فیصلہ کر نا ،قاضی و منصف ،اورتیسرا مقام، رسالت اور الٰہی پیغام رسانی،یعنی رسول ہیں اور ان تینو ں مقا ما ت کے لئے قرآن کریم میں آ یات موجو د ہیں :پہلے مقام و مرتبہ سے متعلق خدا وند عالم قرآ ن کریم میں ارشاد فر ماتا ہے :

(اِ نَّآاَنْزَلْنَااِلَيْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآاَرٰکَ اللّٰهُ---) (٢)

"(اے رسو ل)ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتا ب اس لئے نا زل کی ہے کہ جس طرح خدا نے تمہا ری رہنمائی کی ہے لو گو ں کے در میا ن فیصلہ کرو "۔

اور اسی سو رئہ نساء کی دوسری آیت میں ارشا د ہو تا ہے :

(فَلَا وَرَبِّکَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی يُحَکِّمُوْکَ فِيْمَاشَجَرَبَيْنَهُمْ ثُمَّ لَايَجِدُوْافِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاًمِمَّاقَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْاتَسْلِيْماً)(١)

" پس (اے رسول) آ پ کے پر ور دگا ر کی قسم یہ لوگ صاحبِ ایمان نہ ہو ں گے جب تک اپنے با ہمی جھگڑو ں میں آپ کو اپنا حا کم (نہ) بنا ئیں اور جو کچھ آپ فیصلہ کردیں اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں اور آپ

.....

١۔سورئہ نساء آیت ٦٤ ۔
٢۔سو رئہ نساء آیت١٠٥۔
٣۔سورئہ نساء آیت ٦٥۔

کے فیصلے کے سا منے سرا پا تسلیم ہو جا ئیں " ۔

اسی طرح ولا یتِ امر ، تد بیر اور حا کمیت کے مسئلے میں کہ وہ مسلما نو ں کو جس چیز کا بھی حکم دیں سب کو تسلیم کرلینا چا ہئے ۔ خدا وند عا لم ارشاد فرما تا ہے :

(اَ لنَّبِیُّ اَوْلَیٰ بِالْمُوْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ)(١)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"نبی تو مو منین پر خود اُن سے بڑھکر حق رکھتے ہیں " ۔
اس سلسلہ میں دو سری آ یتیں بھی ہیں منجملہ وہ آیت جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں: (اَطِیْعُوْاﷲَ وَاَطِیْعُوْاالرَّسُوْلَ وَاُوْلِیْ الْاَمْرِمِنْکُمْ)(۲)
"خدا کی اطاعت کرو اور رسو ل کی اور تم میں سے جو صا حبانِ امر ہیں اُن کی اطاعت کرو "۔
اس آیۂ شریفہ میں کلمۂ(اَطِیْعُوْ ا) دو مر تبہ استعما ل ہو ا ہے ایک مرتبہ اس کو خدا سے منسو ب کیا گیا ہے اور دوسری مر تبہ اسکی رسو ل اور او لی الامر سے نسبت دی گئی ہے اور رسو ل اور او لی الا مر کی اطاعت کا ایک(اَطِیْعُوْا)کے تحت ایک ساتھ حکم ہوا ہے ۔ خدا وند عا لم نے (اَطِیْعُوْاﷲَ وَالرَّسُوْلَ وَاَطِیْعُوْااُولِی الأمْرِمِنْکُمْ)نہیں فر ما یا ہے ۔ خدا کو ایک (اَطِیْعُوْا)کے ساتھ بیا ن فر مایا اور رسو ل اور اولی الامر کو ایک ساتھ ایک ہی امر کامتعلق قرار دیا ہے، اس سے یہ ظا ہر ہو تا ہے کہ دوسرا (اَطِیْعُوْا)رسول اور اولی الا مر کے درمیان مشترک ہے ۔

اولی الامر کی شان کیا ہے ؟
اولی الامر یعنی وہ افراد جو لو گو ں کے امو ر کو چلا تے ہیں اور لو گو ں پرحکومت کا حق رکھتے ہیں ظا ہر ہے کہ رسول اور اولی الا مر سے یکساں طورپر متعلق ہو نے والا یہ امر پیغمبر اکرمؐکی رسا لت کے اس پہلو سے تعلق رکھتا ہے جو ولا یتِ امر ، تدبیر اور معا شرہ کے امور سے مر بوط ہے لہٰذارسو ل اور او لی الا مردو نو ں خدا کی طرف سے واجب الاطا عت ہو نے کے امر میں مشترک ہینتو کیا،اس اطاعت کا واجب ہو نا کسی قید وشرط کے ساتھ ہے یا نہیں ؟ آیت مطلق ہے جس طرح (اَطِیْعُوْ ا اﷲ)حکم ہے اسی طرح " اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْ لِیْ ا لْاَمْرِمِنْکُمْ " حکم ہے ؟! دو اعتبا ر سے آ یۂ شریفہ اس بات پر دلالت کر تی ہے کہ آیۂ شریفہ میں جن اولی الا مرکا ذکر ہے ان کی مطلق طو رپراطاعت

.....

۱۔سو رئہ احزاب آیت ٦۔
۲۔سورئہ نساء آیت ۵۹۔

وا جب ہے :ایک تو اس لحاظ سے کہ "اَطِیْعُوْ ا " مطلق طو ر پرکہا ہے اور دوسرے اس لحا ظ سے کہ اولی الا مر کی اطاعت کا حکم ،رسو ل کی اطا عت سے جڑی ہوئی ہے اور دونو ں کی اطا عت خدا وند متعا ل کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ تو معلو م ہو ا کہ ان او لی الامر کے اوامر و نوا ہی کی مطلق طو ر پر اطا عت ہو نا چا ہئے ۔ اگر یہ افراد معصیت سے محفوظ نہ ہو تے اور ان افراد کے با رے میں معصیت کا احتمال پایا جا تا تو ممکن تھا کہ ان کے اوا مر و نوا ہی بھی معصیت سے مربو ط ہو ں اور خدا وند عا لم کے امر و نہی کی مخالفت کا با عث بنیں تو اس صورت میں یہ صحیح نہیں تھا کہ خدا کی اطا عت بھی واجب ہو اور ان کی اطاعت بھی وا جب ہو۔" اَطِیْعُوْا اﷲ " کا تقاضاء یہ ہے کہ جس چیز کا خدا نے حکم دیا ہے اس کی اطا عت کرو اگر چہ دوسرے اس کے خلاف کیوں نہ حکم دیں اور "اطیعوا الرسول واولی الامر"کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی مطلق طو ر پر اطا عت واجب ہو اب اگر خدا وند عالم کے حکم کے خلاف ہوتوبھی اس کے مطلق ہو نے کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی اطاعت وا جب ہے توایسی صورت میں لا زم آئیگا کہ ہمارے لئے ایک ہی وقت میندومتناقض امرواجب ہونمثال کے طو رپراگر(العیاذ با للہ) پیغمبر اکرمؐکسی گنا ہ کا حکم صا در فر ما تے تو "اطیعو اﷲ"کا تقاضاتھاکہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کریں اور "اطیعو االرسول "کا تقاضا ہوتاکہ نبی کی بات مانیں یعنی ایک ہی مسئلہ میں دو متضاد فرائض ہوجاتے !پتہ چلا کہ آیت میں اس چیز کی ضمانت ہے کہ رسول اور اولی الامر کے اوامر کبھی بھی خداوندعالم کے اوامر کے خلاف نہیں ہوسکتے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونونمعصوم ہیں اور یہ خود اس چیز کی ضمانت ہے کہ یہ بزرگان کبھی بھی حکم الٰہی کے خلاف امرو نہی نہیں کرسکتے ممکن ہے کوئی یہ فکر کر بیٹھے کہ اس اطلاق کو بھی مقید کیا جاسکتا ہے ۔یعنی "اَطِیْعُوْاالرَّسُوْلَ وَ اُوْلیَ الامْرِمِنْکُمْ" اس معنی میں مقید یا تخصیص کے قابل ہے کہ "اطیعواالرسول الافیما خالف اﷲ"اور یہ اسی طرح ہے کہ جیسے قرآن میں بہت سے مطلق اور عام احکام ہیں جن کی دوسری عقلی یانقلی دلیلوں کے ذریعہ تخصیص یا تقیید کی گئی ہے،ہمارے پاس دلیل نقلی ہے "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق "جو تخصیص کا کام کرتی ہے دلیل عقلی بھی ،وہ محکم قرینہ ہے کہ کسی بھی صورت میں خداوند عالم کی مخالفت جائز نہیں ہے معلوم ہواکہ یہ عقلی اور نقلی دلیل آیت کے اطلاق کو مقیدکرتی ہے ان کے معصوم ہونے پر دلالت نہیں کرتی ۔
لیکن یہ بات ذہن کی پیداوار ہے یعنی کبھی کبھی ہم اپنے ذہن میں اس طرح کاقاعدہ فرض کرلیتے ہیں کہ ہاں عام قابل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تخصیص ہے اور مطلق قابل تقییدہے لیکن جب ہم الگ سے بعض عام اور خاص پر نگاہ ڈالتے ہینتو دیکھتے ہیں کہ وہ تخصیص اور تقید کو قبول نہیں کرتے اور اگر ان پر تخصیص یا تقیید کا حکم جاری کیاجائے تووہ عرف عام میں قبیح اور مستہجن ہے ۔علم فقہ مینایسے بہت سے موارد ہیں جہاں ہمارے فقہا ء یہ فرماتے ہیں کہ"مامن عام الاوقد خص"لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض عام کے لئے تخصیص کی گنجائش نہیں ہے یعنی عرف عام میں کلام کا مفہوم ایسی عمومیت رکھتا ہے کہ اگر اس پر تخصیص لگا ئی جا ئے تو اس کو متناقض خیال کرتے ہیں مخصّص نہینمانتے اور یہاں اسی طرح کی صورت ہے مثال کے طور پر آیہ شریفہ میں خدافرماتاہے :

(وَمَآاَرْسَلْنَامِنْ رَسُولٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی پیغمبر فرمائیں اسکی اطاعت کرنی چاہئے بعد میں اگرکہاجا ئے کہ (لا تطع الر سول فیهاخالف امر اللّٰه)"یعنی االله کے حکم کے خلاف جو حکم دے اس میں رسول کی اطاعت نہ کرو " تو عرف عام میں ان دو نوں بیانوں میں تناقص ہے یعنی آیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کسی بھی امر میں رسول کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے ۔

اسکے علاوہ قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اہم موارد میں جہانشک و شبہ کا اندیشہ ہو اگر ان میں تخصیص و تقیید کی ضرورت ہو تو صاف طور پر بیان کردیتا ہے ۔ اس طرح کے بہت سے مقامات جہاں اس سے کم اہمیت کے مسائل ہیں جب قرآن کریم دیکھتا ہے کہ ممکن ہے حکم عام سے غلط مطلب نکال لیا جائے تو وضاحت کے لئے تقیید کردیتا ہے ۔ مثال کے طور پر والدین سے نیکی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے :

(وَقَضَىٰ رَبُّکَ اَلَّاتَعْبُدُوااِلَّااِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً...)(۱)

"اور تمہارے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم سب اسکے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا..."۔

یہاں چونکہ یہ شبہہ ہو تا ہے کہ اگر والدین کہیں کہ فلا ں کام انجام نہ دو یا فلا ں گنا ہ کر و تو اس صو رت میں ہمارا کیا فریضہ ہے ؟تو خدا وند عالم فر ماتا ہے :

(وَاِنْ جَاهَدَاکَ لِتُشْرِکَ بِی مَالَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْم فَلاَ تُطِعْهُمَا...) (۲)

"اوراگروہ کسی کو میرا شریک بنانے پرمجبور کریں جسکا تمھیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا..." اب ایک ایسے مسئلہ میں جہانیہ احتمال ہو کہ اولی الا مر ہو نے کے اعتبار سے کہیں کوئی غلط فا ئدہ نہ اٹھا ئے اور

.....

۱۔ سورئہ اسراء آیت۲۳۔
۲۔سورئہ عنکبو ت آیت ۸۔

اپنے ذاتی نظریات لو گو ں پر نہ لاد دے(کیو نکہ یہ عام سی چیز ہے کہ جب بھی کسی نا اہل کے ہاتھ میں حکو مت آجاتی ہے وہ اپنے نظر یا ت لو گو ں پر لاد دیتا ہے اور اپنے مفادات حا صل کر نے کے چکر میں لگا رہتا ہے) اس طرح کے حالات میں قر آ ن کریم مطلق طو ر پر فر ماتا ہے : (اَطِيْعُوْاالر سول و اُوْلِی الْاَ مْرِ مِنْکُمْ)اور اس میں کوئی قیدو شرط بیان نہیں فرمائی یہ طریقہ قرآن کریم کے اندازبیان سے بالکل بعیدہے مطلب اتنا واضح و روشن ہے کہ "فخر رازی"(جن کو بعض نے"امام المشککین" کے لقب سے یاد کیا ہے)اعتراف کرتے ہیں کہ یہ آیت اولی الامر کی عصمت پر دلالت کرتی ہے البتہ اولی الامر کی مطابقت اور مصادیق معین کرنے میں غلطی کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں : "اولی الامر سے مراد کسی بھی اسلامی معاشرہ کے اہل حل و عقد ہیں اوریہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ اجماع حجت ہے اور جہاں بھی اہل حل وعقد کسی بات پر اجماع کر لیں تو ان کی نظرغلطی و خطا سے محفوظ ہے (۱) بہر حال قرآن کریم نے اس امت کے جن افراد کو اولی الامر کہا ہے ان کی عصمت پراس آیہ کریمہ کو دلیل کے عنوان سے پیش کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے مصادیق معین کرنے کے سلسلے مینتمام احکام کی تفصیل کی طرح پیغمبر اکر مؐسے پوچھناچاہئے ۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانہ میں کبھی کبھی مخالفین اس طرح کے شبہے ایجاد کیا کرتے تھے کہ اگر تم یہ عقیدہ رکھتے ہوکہ بارہ امام خداکی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں اوران کی اطاعت واجب ہے اور ان کا مقام تمام لوگوں سے بلند و بالا ہے تو ان میں سے کسی کا نام قرآن کریم میں کیوں نہیں آیا؟ ہمارے آج کے دور میں بھی اس طرح کے عا میانہ شبہے پیدا کئے جاتے ہیں متعدد روایتیں اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس طرح کے شبہات رائج تھے۔ حضرات نے اس کے جواب کا طریقہ بتایا ہے: قرآن کریم میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے لیکن کیا نماز کی رکعتوں کی تعداد بھی معین کی گئی ہے ؟ تو اس بارے میں عوام کا فریضہ کیا ہے ؟رکعتوں کی تعداد کس سے پو چھیں گے ؟کیا پیغمبر اکرمؐسے سوال

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنے کے علاوہ ان کا کوئی اور فریضہ تھا ؟!اس بار ے میں قرآن کریم فرماتا ہے:
(وَاَنْزَلْنَااِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ)(۲)
"اور آپ کی طرف بھی ذکر کو(قرآن)نازل کیا ہے تاکہ وہ احکام واضح کردیں جو لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں اور شاید وہ غور وفکر کریں "۔

.....

۱۔مزید تفصیل کے لئے ملا حظہ فر مائیں ''تفسیر المیزان ''علامہ طبا طبائی نیز الامامت والولایت فی القرآن الکریم' '۔
۲۔ سورئہ نحل آیت ٤٤۔

پیغمبر اکرمؐکا کام احکام کی تفصیل بیان کرنا ہے اسی طرح زکوٰۃدینے کا حکم نازل ہواکیا قرآن کریم میں ہے کہ ہرچالیس درہم میں سے ایک درہم زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے ؟یہ حکم روایت میں آیاہے اور پیغمبر اکرمؐنے بیان فرمایا ہے ،حج کا حکم نازل ہواتو کیا قرآن کریم میں طواف کے بارے میں بیان ہواہے کہ طواف میں سات چکّر لگانا چاہئے ؟ لوگوں نے کہاں سے سیکھا؟کیا پیغمبر اکرمؐکے فرمان کے علاوہ کہیں اورسے ملا ہے ؟
اس آیت کے با رے میں بھی سب سے اولیٰ اور سب سے زیادہ جاننے والے مفسراور حامل قرآن ،یعنی حضرت رسول اکرمؐنے اولی الامر کا تعین کر دیا ہے جب آپ سے سوال کیا گیا توحضورؐنے بارہ اماموں کا تعین فرمادیااور میں عرض کر چکا ہونکہ اہل سنت کی روایات میں بھی آیاہے؛ انھوں نے "جابربن عبداللہانصاری "سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ حضورؐنے بارہ اماموں کو معین و مشخصّ فرمایا ہے ۔
اس بناء پر اولی الامر کومعین ومشخّص کرنے کے سلسلے میں پیغمبر اکرمؐکے قول کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے ہم کو ان کی بات ماننا چا ہئے اور اس کے مطابق روایتیں بھی موجودہیں اور اس بارے میں ہمارے لئے ذرہ بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔
اہل بیت علیہم السلام کی عصمت کے ثبوت مینیہ آیت پیش کی جاتی ہے :
(اِنَّمَایُرِیْدُاللّٰہُ لِیُذْ ھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا)(۱)
"(اے اہل بیت)خدا تو بس یہ چا ہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی)برا ئی سے دور رکھے اور جو پا ک و پا کیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پا کیزہ رکھے "۔
اس آیہ شریفہ سے یہ استدلال کیاجاتاہے کہ خداوندعالم نے اس آیت میں "اہل بیت " کے نام سے ایک گروہ کو خطاب فرمایاہے اورحصر کے طورپر کہاہے کہ خدانے تو بس تم کو پاک رکھنے کا ارادہ کرلیاہے .یقیناًیہ ارادہ اور فیصلہ اس گروہ سے مخصوص ہے اور خداوندعالم نے جوعام انسانوں کے پاک کرنے کااعلان کیا ہے اس سے مختلف ہے وہ تشریعی ارادہ ہے جس کا واقع ہونا لازم نہیں ہے خداوند عالم غسل اوروضو کے حکم کے ساتھ فرماتا ہے :(یُرِیْدُ اللّٰہِ لِیُطَھِّرَکُمْ)خداوند عالم تم کو وضو اور غسل کے ذریعہ سے پاک کرناچاہتاہے یہ تشریعی ارادہ ہے اور متحقق ہونے کی ضمانت نہیں رکھتا ۔
اب اگر جو طہارت اس آیت میں بیان کی گئی وہی طہارت ہو جو ارادۂ تشریعی کے تحت ہے تووہ ایک خاص

.....

۱۔سورئہ احزاب آیت ۳۳۔

گروہ سے مخصوص نہیں ہے ،خداوندعالم کا تشریعی ارادہ تمام انسانوں کی طہارت سے تعلق رکھتا ہے لیکن یہ ارادہ جو ایک خاص گروہ سے مخصوص ہے تکوینی ارادہ ہے جو متحقق ہونے سے جدا نہیں کیا جا سکتا ۔ معلوم ہواکہ خداوندعالم نے اس امت میں وہ لوگ کہ جن کو "اہل بیت علیہم السلام"ہونے کا شرف حاصل ہے ان کی نسبت تکوینی ارادہ فرمایا ہے کہ یہ افراد طاہرر ہیں اور مطلق طور پر ان میں یقیناًطہارت متحقّق ہوگی اور "یطھرکم تطھیرا "کی تکرارأن کی تطہیر میں مبالغہ پر دلالت کرتی ہے ۔

اہل بیت علیہم السلام کون ہیں ؟
بعض برادران اہل سنّت اور شیعہ کے نام سے منسوب ایک گروہ جس نے اُن ہی کی پیروی کی ہے آیۃ تطہیر سے قبل کے جملوں کو قرینہ قرار دیکر یہ خیال کیا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے مراد پیغمبر اکر مؐکی ازواج ہیں چونکہ اس آیت سے پہلے کی آیات میں نبی اکرمؐکی ازواج سے خطاب ہے ، اسی کو قرینہ مان کر انھوں نے کہاہے کہ اس ارادہ سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تشریعی ارادہ مرادہے کیونکہ کوئی بھی ازواج نبی کی عصمت کا مدعی نہیں ہے یہاں تک کہ اہل سنت بھی مانتے ہیں کہ وہ معصوم نہیں تھیں ۔ قرآ ن نے بھی صاف طور پر بیان کیا ہے کہ وہ معصوم نہیں تھیں انھوں نے حتی پیغمبر اکر مؐکو تکلیفیں بھی دی ہیں اور قرآن نے ان کی سرزنش کی ہے معلوم ہوا کہ یہ آیت ان کی عصمت پر دلالت نہیں کرتی ۔
اس غلط فہمی کا جواب یہ ہے کہ خودآیت کاسیاق اس بات کا شاہد ہے کہ اس میں "ازواج نبی " سے خطاب نہیں ہے اس لئے کہ آیت سے پہلے کے جملونمیں تمام ضمیریں مؤنث کی ضمیریں ہیں جبکہ اس آیت میں خدا فرماتاہے (لِيُذْهِبَ عَنْكُمْ) اور بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیںآتی کہ اگر اُن ہی سے خطاب تھا تو ضمیر اور آیت کاسیاق و لہجہ کیونبدل دیا گیا ۔اس کے علاوہ شیعہ اور اہلسنّت کی ستّر سے زیادہ صحیح اور غیر صحیح طریقہ سے نقل ہونے والی روایتیں ہیں (جن میں بیشتر (روایتیں بہ ظاہراہلسنّت سے نقل ہوئی ہیں)اور ان سبھی میں کہا گیاہے کہ یہ آیت "خمسہ طیّبہ "یا "پنجتن پاک" سے مخصوص ہے اور یہ جملۂ شریفہ تمام جملوں سے جدا اور مستقل طور پر خمسۂ طیبّہ کی شان میں نازل ہواہے ۔
اگر ہم اس بارے میں فریقین کے طریقہ سے نقل ہونے والی ستّر روایتوں پر اعتماد نہ کریں تو پھر کس چیز پر اعتماد کرینگے ؟!اس بناء پر کسی بھی با انصاف محقق کیلئے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ آیت، خمسۂ طیبّہ کی شأن میں نازل ہوئی ہے اور ان کی مخصوص طہارت پر دلالت کرتی ہے جس کوہم "عصمت"کہتے ہیں اور جودلیل کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے یعنی گناہان صغیرہ اور کبیرہ سے پاک ہونا اور یہ ارادۂ تکوینی الٰہی کا مقتضی ہے ۔
خداوند عالم کے ارادۂ تکوینی کا مطلب یہ ہے کہ عصمت و طہارت یقیناً متحقق ہوگی اور ہوئی ہے البتہ اسکامطلب جبر نہیں ہے اور ہم نے الٰہی ارادہ کی بحث میں یہ واضح کردیا ہے کہ خداوندعالم کا تکوینی ارادہ ،چاہے وہ عالم میں پوراہوچکاہویا پوراہونے والا ہو،فاعل مختار کے اختیار سے ہوچاہے نظام جبرکے تحت قدرتی کا رندوں کے ذریعہ پورا ہوبہ ہر صورت پورا ہوتاہے لیکن الٰہی ارادہ فاعل مختار کے ارادہ کے طول مینہے نہ کہ عرض میں ۔ یہاں پر جب خدا فرماتاہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی طہارت یقینی اور خداوند عالم کے ارادۂ تکوینی کے تحت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مجبورہینبلکہ ان کے لئے ضمانت لی گئی ہے کہ وہ خود اپنے اختیار سے گناہ نہیں کرتے اور وہ طاہر خلق ہوئے ہیں ۔
لیکن نبی کی ازواج کا واقعہ بھی دلچسپ ہے جن روایتوں کو اہلسنّت نے نقل کیاہے ان میں قابل توجہ مطالب موجود ہیں مثال کے طورپر "تفسیر ثعلبی "میں عائشہ سے نقل ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں نے پیغمبر اکرمؐ سے سوال کیا : أ انا مِنْ اَهلَ بَيْتِکَ ؟کیا میں آپ کے اہل بیت علیہم السلام میں سے ہوں ؟ آنحضرت نے فرمایا:(تنحی انت علی خیر)نہیں ، الگ ہی رہو، ام سلمہ سے نقل ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں نے عرض کی کیا میں آپ کے اہل بیت علیہم السلا م میں سے ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا : (انت علی خیر) تم خیرپرہو،لیکن یہ نہیں فرمایا کہ تم میرے اہل بیت علیہم السلام میں ہو ۔
ان روایتوں کو خود ازواج نے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ازواج نبی شامل نہیں ہیں لیکن دیگ سے زیادہ گرم چمچے پیدا ہوگئے اور کہتے ہیں کہ یہ آیت ازواج نبی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور عصمت پر دلالت نہیں کرتی، خداوند عالم جو قابل ہدایت ہیں ان کی ہدایت فرمائے(انشاء اللہ)اور جو ہدایت کے قابل نہینہیں مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

ادیان کا اشتراک اور امتیاز

قرآن کریم سے پتہ چلتاہے کہ نبوت کا سلسلہ اول سے لیکر آخر تک ایک ہی سلسلہ ہے اس لحاظ سے بھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو خدائے وحدہ لاشریک نے ہی مبعوث کیاہے اور اس اعتبار سے بھی کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنیاد بھی ایک ہی ہے ،نبوت کے پیغامات جن کو دین کہاجاتا ہے اسی اصول پر مبنی ہیں کہ خدائے وحدہ لاشریک کی ہی عبادت کرنی اور اسکی اطاعت کرنی چاہئے دوسرے لفظوں میں انسان کوخدائے واحد کے حضور مطلق طورپر بغیر کسی قیدو شرط کے اپنے کو تسلیم کردینا چاہئے۔

اسلام ،دعوت انبیاء علیہم السلام کی روح

ہم مندرجہ بالا مطلب کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام آسمانی ادیان کی اسا س و بنیاد ایک چیز سے زیادہ نہیں ہے اور وہ یہ کہ اپنے کو خداوندعالم کے سامنے تسلیم کردیں، دوسرے لفظو ں میں تمام آسمانی ادیان ایک ہی دین ہیں وروہ "اسلام" ہے ۔
البتّہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وحی کے مطالب میں جوتمام انبیاء علیہم السلام پر کسی بھی زمان و مکان میں نازل ہو ئے ہیں کسی طرح کاکوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ،بلکہ بعض احکام کے جزئیات کامختلف زمانوں اور جگہوں یا مختلف اقوام کے اعتبار سے الگ ہوناممکن ہے لیکن سب کی اساس و بنیاد ایک ہی ہے اوروہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَااخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوتُوْاالْکِتَابَ اِلَّامِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ ھُمُ الْعِلْمُ بَغْیاًبَیْنَھُمْ وَمَنْ یَکْفُرْ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوتُواالْکِتَابَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْاوَاِنْ تَوَلَّوْافَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌبِالْعِبَادِ)(۱)

"دین، اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور اہل کتاب نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر یہ کہ علم آنے کے بعد، صرف آپس کی شرارتوں کی بناء پر اور جوبھی آیات الٰہی کا انکار کرے (سن لے)کہ خدا بہت جلد حساب کرلینے والا ہے ۔(اے پیغمبر) اگر یہ لوگ آپ سے کٹ حجتی کریں تو کہہ دیجئے کہ میرا رخ تمام تر اللہ کی طرف ہے اور میرے پیرو بھی ایسے ہی ہیں اور پھر اہل کتاب اور جاہل مشرکین سے پوچھئے کیا تم بھی اسلام لے آئے ہو؟ اگر وہ اسلام لے آئے ہیں توگویا ہدایت پاگئے اور اگر منھ پھیر لیں تو آپ کا فرض صرف تبلیغ ہے اور بس اور اللہ اپنے بندوں کو خوب پہچانتاہے"۔

معلوم ہوا دعوت انبیاء علیہم السلام کی روح وجان یہی اسلام ہے قرآن کریم کی آیات سے بھی اس بات کا اثبات ہوتا ہے ۔خداوند عالم فرماتاہے :

(وَمَنْ یَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہُ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنَاہُ فِی الدُّنْیَاوَ اِنَّہُ فِی الآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِیْنَ)(۲)

"اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے منھ مو ڑے مگر یہ کہ اپنے کو بیوقوف اور نا سمجھ ثابت کرے؟ اور ہم نے ابراہیم کو دنیا میں منتخب قرار دیا ہے اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہیں "۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انتخاب اس طرح عمل مینآیاکہ:

(اِذْقَالَ لَہُ رَبُّہُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)(۳)

"جب ان سے ان کے پروردگار نے کہا کہ اپنے کو میرے حوالے کردو تو انھوں نے کہا کہ میں رب العالمین کے سامنے سرا پا تسلیم ہوں"۔

معلوم ہوا الٰہی انتخاب کا معیار یہی اسلام اور خود سپر دگی ہے ۔

صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کاہی دین اسلام نہیں تھا بلکہ آپ نے اپنے فرزند کو بھی اسی دین اسلام کی وصیّت فرمائی تھی:

(وَوَصّٰی بِھَا اِبْرَاھِیْمُ بَنِیْہِ)(٤)

.....

۱۔آل عمران آیت ۱۹۔۲۰۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت ۱۳۰۔
۳۔سورئہ بقرہ آیت ۱۳۱۔
٤۔سورئہ بقرہ آیت۱۳۲۔

"اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو وصیت کی "۔

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو اسی دین اسلام کے بارے میں وصیّت فرمائی تھی :

(یَابَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)(۱)

"اے میرے فرزند اللہ نے تمہارے لئے دین کو منتخب کردیا ہے اب اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک واقعی مسلمان نہ ہوجائو"۔

ایک اور آیت میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو اسی دین اسلام کے بارے میں وصیّت فرمائی ہے:

(اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَیَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِی قَالُوْانَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِ کَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھاً وَاحِدًا وَنَحْنُ لَہُ مُسْلِمُوْنَ) (۲)

"کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کا وقت موت آیا اور انھوں نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انھوں نے کہا کہ آپ کے اور آپ کے آباء و اجدادابرہیم و اسماعیل و اسحاق کے پروردگار، خدائے وحدئہ لا شریک کی، اور ہم اس کے مسلمان اور اور سراپا تسلیم ہیں "۔

حقیقت اسلام وہی فرمان خدا کو قبول کرناہے ۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس کے تمام فرمان ہمیشہ یکساں رہے ہینیا فرق کرتے رہے ہیں ؟ایک الگ مسئلہ ہے یہاں تک کہ ایک ہی دین میں بھی احکام خداکا ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں الگ ہونا ممکن ہے دین اسلام میں بھی شروع میں تمام مسلمان بیت المقد س کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے اس وقت بھی یہی اسلام تھا اورجب خداوند عالم نے فرمایا کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھو توبھی اسلام کا تقاضا تھا کہ اس دوسرے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حکم کو قبول کریں۔
اگر ادیان سابق میں بھی اس طرح کی چیزیں تھیں یعنی ایک دین میں ایک چیز حلال تھی اور دوسرے دین میں حرام تو یہ بھی اسی طرح کا نسخ ہے جو بعض وقت ایک ہی دین میں واقع ہوتاہے ۔
اس بناپرکہہ سکتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح وجان یہی خداوندعالم کے سامنے تسلیم ہوناہے
.....

۱۔سورئہ بقرہ ۱۳۳۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت۱۳۳۔

اور یہی وہ چیز ہے جسکا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے یعنی فطرت انسانی تقاضا کرتی ہے کہ اپنے اختیارسے خداوندعالم کے سامنے تسلیم ہو ں،دین اسکے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ۔
(فَأَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِیْ فَطَرَالنَّاسَ عَلَيْهَالَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذٰلِکَ الدِّيْنُ القَيِّمُ)(۱)
"آپ اپنا رخ کسی انحراف کے بغیر دین کی طرف رکھیں یہ دین و فطرت الٰہی کہ جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیاہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور یہی پا ئدار دین ہے"۔
اس آیت سے صاف طور پرپتہ چلتا ہے کہ انسانی فطرت تقاضا کر تی ہے کہ االلہکی طرف جھکا ؤاور خود کو اس کے مقابل تسلیم کردیں اور اسی سورہ مینایک دوسری جگہ پھر خداوند عالم فرماتاہے :
(فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّيْنَ القَيِّم---)(۲)
"اور آپ اپنے رخ کو مستقیم اور مستحکم دین کی طرف رکھیں "۔

تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ضروری ہے
ایک مسلمان کوتمام انبیاء علیہم السلام کے احکام و قوانین کا مطیع اور فرمانبردار ہونا چاہئے اوران میں سے کسی کے درمیان اور نیز ان کی کتابوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرنا چاہئے اسلئے کہ وہ سب خداوندعالم کی طرف سے مبعوث کئے گئے ہیں اور جس شخص نے اپنے کو خداوندعالم کے سامنے تسلیم کردیا ہواس کو اس کی نازل کردہ چیز بھی قبول کرنا چاہئے اور اس بات کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیاگیا ہے کہ خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام سے بھی فرمایا اور عہد لیاہے کہ وہ ایک دوسر ے کی تائید کریں اورہر نبی کو اپنے پہلے کے نبی پر ایمان رکھنا چاہیے مومنین کو بھی گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور ان پر وحی کئے جانے والے تمام قوانین پر ایمان رکھنا چاہئے ۔خداوند عالم فرماتاہے :
(وَاِذْاَخَذَاللَّهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَآئَ اٰتَيْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَحِکْمَةٍ ثُمَّ جَائَکُمْ رَسُوْل مُصَدِّق لِمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ئَ أَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوأَقْرَرْنَاقَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَامَعَکُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔ فَمَنَّ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَأُولٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ)(۳)
.....

۱۔سورئہ روم آیت۳۰ ۔
۲۔ سورئہ روم آیت ۴۳۔
۳۔سورئہ آل عمران آیت ۸۱و۸۲۔

"اور جب خدانے تمام انبیاء سے عہدلیا کہ ہم تم کو جو کتاب و حکمت دے رہے ہیں اس کے بعد جب وہ رسول آجائے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے تو تم سب اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا اور پھر پوچھا کیا تم ان باتوں کا اقرار کرتے ہو اور ہمارے عہد کو قبول کرتے ہو سب نے کہاہم اقرار کرتے ہیں۔ارشاد ہوا:بس تم سب گواہ رہنااورمیں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں ۔اس کے بعد جو انحراف کرے گا وہ فاسقین میں ہوگا"۔
یہ دین خدا ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کو عطاکیا گیا اور ان سب سے عہد لیاگیاہے کہ اس سلسلہ کو قبول کریں اور ان کی تصدیق اور تأئیدکریں۔کسی مخصوص نبی کی اتباع کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو سب کو ایک خداکی طرف دعوت دیتارہا ہے اسکے بعد خداوندعالم فرماتاہے:
(اَفَغَيْرَدِيْنِ اللَّهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًاوَّکَرْهًاوَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ)(۱)
"کیا لوگ دین خدا کے علاوہ کچھ اور تلاش کر رہے ہیں جب کہ زمین ا ور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اپنے اختیار سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یا غیر اختیاری طور پر اسی کی با رگاہ میں سر خم کئے ہو ئے ہیں اور سب کو اسی کی بارگا ہ میں وا پس جا نا ہے "۔
اس آیت کے بعد فرماتاہے :
(قُلْ ئَ امَنَّا بِاللّٰہِ وَمَااُنْزِلَ عَلَیْنَاوَمَااُنْزِلَ عَلَیٰ اِ بْرٰ ھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَ سْبَاطِ وَمَااُوْتِیَ مُوْسیٰ وَعِیْسَیٰ وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّ بِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہُ مُسْلِمُوْنَ)(٢)
" ان سے کہہ دیجئے کہ ہما را االلہ پر ،اور اس پرجو ہم پر نا زل ہو ا ہے اور(اسی طرح) جو ابرا ہیم اسما عیل، اسحاق ،یعقو ب اور اسباط پر نا زل ہو ا ہے اور جو مو سیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو خدا کی طرف سے دیا گیا ہے ان سب پر ہمارا ایمان ہے ہم انکے درمیان کوئی تفر یق نہیں رکھتے اور ہم سب خدا کے اطا عت گذاربند ے ہیں "۔
اور اسکے بعد خداوندعالم فرماتا ہے :
(وَمَنْ یَبْتَغِ غیْرَالْاِسْلَامِ دِیْناً فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَفِیْ الْأَخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ)َ(٣)
"اور جو اسلا م کے علا وہ کو ئی بھی دین اختیار کر ے گا وہ دین اس سے قبو ل نہ کیا جا ئیگا اور وہ قیا مت کے دن خسا رہ اٹھا نے والو ں میں ہو گا "۔
دوسری آیتونسے بھی ادیان اور انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے سے وابستگی کا پتہ چلتا ہے ایک جگہ خدا
....

١۔ **سورئہ آل عمران آیت٨٣۔**
٢سورۂ آل عمران آیت٨٤۔
٣سورئہ آل عمران آیت٨٥۔

فرماتاہے :
(شَرَعَ لَکُم مِنَ الدِّ یْنَ۫ مَاوَصَّیٰ بِہِ نُوْحاًوَّالَّذِ یْ اَوْحَیْنَآاِلَیْکَ وَمَاوَصَّیْنَابِہِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسَیٰ وَعِیْسَیٰ اَنْ اَقِیْمُوْاالدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْافِیْہِ کَبُرَعَلَیٰ الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ اللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاۤئُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۔وَمَاتَفَرَّقُوْا اِلَّامِنْ بَعْدِ مَاجَا ئَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیاًبَیْنَھُمْ ---)(١)
" اس نے آپ کے لئے وہ آئین بنا یاہے جس کی نو ح کو نصیحت کی تھی اور جس کی (اے نبی) آپ کی طرف وحی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیم ، مو سیٰ اور عیسیٰ کو بھی کی ہے کہ دین کو قا ئم کریں اور اس میں تفرقہ نہ پیدا ہونے پا ئے مشر کین کو وہ بات گراں گذر تی ہے جس کی آپ انہیں دعوت دے رہیںاللہ جس کو چا ہتا ہے اپنی رسالت کے لئے چُن لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجو ع کر تا ہے اس کی اپنی طرف ہدا یت کر دیتا ہے اور لو گو ں نے آپس میں تفر قہ نہیں کیا مگر یہ کہ جب ان کو علم و دانش ہاتھ آگیااور ایک دوسرے پر تسلط مل گیا"۔
اوراس کے بعد آخر میں خداوندعالم ارشاد فرماتاہے :
(---وَقُلْ ئَ امَنْتُ بِمَآاَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ)(٢)
"اور کہہ دیجئے کہ میرا ایمان ہر اس کتاب پر ہے جو خدا نے نا زل کی ہے "۔
یعنی الٰہی کتابوناور وحی کے مطالب میں کوئی تعارض اور ٹکراؤنہیں ہے سب ایک ہی راہ کی نشاندہی کرتے ہیں اور ایک ہی چیز کی دعوت دیتے ہیں اور تمام لوگوں کو انہیں قبول کرنا چاہئے۔
خداوندعالم، متّقین کی تعریف کر تے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :
(وَالَّذِیْنَ یُوْمِنُوْنَ بِمَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآاُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ---)(٣)
"وہ لوگ ان تمام با توں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے رسول) آپ پر نا زل ہوئی ہیں اور جو آپ سے پہلے نا زل کی گئی ہیں " ۔
ایک اور آیت میں فرماتاہے :
(قُوْلُوْاءَ امَنَّابِاللّٰہِ وَمَآاُنْزِلَ اِلَیْنَاوَمَآاُنْزِلَ اِلَیٰ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَااُوْتِیَ مُوْسَیٰ وَعِیْسَیٰ وَمآاُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّ بِّھِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہُ
....

١۔ **سورئہ شوریٰ آیت۔١٣۔١٤۔**
٢سور ئہ شوریٰ آیت ١٥۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۳۔سورئہ بقرہ آیت ٤۔

مُسْلِمُوْنَ۔فَاِنْ یٔ اٰمَنُوْابِمِثْلِ مَآیٔ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِاھْتَدَوْاوَاِنْ تَوَلَّوْافَاِنَّمَاھُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَالسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ)(۱)
"اور (مسلمانو) تم ان سے کہو کہ ہم االله پر اور جو اس نے ہما ری طرف بھیجا ہے اور جو ابر ا ہیم ، اسما عیل ، اسحٰق ، یعقوب ،اولادِ یعقوب کی طرف نا زل کیا ہے اور جو مو سیٰ ،عیسیٰ اور انبیاء کو پر ور دگار کی طرف سے دیا گیا ہے ان سب پر ایمان لے آئے ہیں ہم پیغمبروں میں تفریق نہیں کر تے اور ہم سب خدا کے سچے مسلمان ہیں ۔اب اگر یہ لوگ بھی ان سب پر تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو ہدایت یا فتہ ہو جا ئیں گے لیکن اگر منھ مو ڑلیں تو یہ صرف تمہاری ہی مخالفت ہے پس اُ ن کے خلاف تمہا رے لئے خدا کا فی ہے وہ بڑا سننے والا بھی ہے اور جا ننے والا بھی "۔
(اٰ مَنَ الرَّ سُوْلُ بِمَااُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُوْ مِنُوْنَ کُلّ اٰمَنَ بِااللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ---)
"رسول خود بھی ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتا ہے جوکچھ اُن پر ان کے پر ور دگا رکی طرف سے نا زل کیا گیا ہے ا ورتمام مو منین بھی االله،اس کے ملا ئکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں " ۔
(یَاَاَیُّھَاالَّذِیْنَ یٔ اٰمَنُوْا یٔ اٰمِنُوْا بِااللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰیٰ رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ---)(۲)
"اے ایمان وا لو خدا اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (محمد)پر نا زل کی ہے اور اس کتا ب پر جو اس نے پہلے نا زل کی ہے ایمان لا ؤ"۔
بنابرین، جولوگ اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے اور مطلق طور پر کسی قید وشرط کے بغیر خدا کے سا منے تسلیم نہیں ہوسکتے ان کا ایمان قابل قبول نہیں ہوگا ۔
ہم نے اس سے پہلے توحیدکی بحث میں کہاتھا کہ ایک خدا پرست مومن کے لئے اس بات پر ایمان ضروری ہے کہ پوری کا ئنات کا خالق ایک ہی ہے (خالقیت میں توحید)اور وہی پوری کا ئنات کے تخلیقی نظام اور شرعی نظام کا پرور دگار بھی ہے (ربوبیت میں توحید)؛اب اگر کوئی توحید خا لقیت پر ایمان رکھتا ہو اور ربوبیت میں توحید کا انکار کرے تو گو یا وہ اصل توحید کا ہی منکر ہے ۔ مو من کا ان دونوں پر ایمان ضروری ہے اور تجزیہ کریں تو اسی حقیقت کا پتہ چلے گا توحید ،خدا کے سا منے خود کو تسلیم کر دینے کا نام ہے "ایمان با لله "کی تو ضیح کرینتو یہ تمام مطالب

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۱۳٦و۱۳۷۔
۲۔سورئہ نساء آیت ۱۳٦۔

سا منے آتے ہیں ورنہ ہم نے عرض کیا تھا کہ شیطان خدا پر ایمان کے با وجود تمام کفار و مشرکین سے بد تر تھا کیوں اس کا ایمان مطلق نہیں تھا ایسا نہیں ہے کہ ایمان کے متعلقات ایمان کے مدارج طے کر تے ہوں یعنی جو خدا کی خالقیت مانتا ہو اس نے ایک حد تک سعادت پا لی ہو جی نہیں ،وہ ایمان کے کسی درجہ پر نہیں ہے اس کا ایمان زیرو ہے خدا وند عالم ارشا د فر ماتا ہے :
(اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُ وْنَ بِااللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْابَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَکْفُرُ بِبَعْضٍ)(۱)
"بیشک کچھ لوگ ہیں جو االله اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور خدا اور رسول کے درمیان جدا ئی ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کو نہینما نیں گے "۔
(وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلاً)(۲)
"اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے درمیان، کوئی نیا راستہ نکال لیں"۔
(أُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّاوَاَعْتَدْنَالِلْکَافِرِیْنَ عَذَ ابًاَمُھِیْناً)(۳)
"اس طرح کے لوگ در حقیقت کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے بڑا رسوا کرنے والا عذاب تیار کررکھاہے "۔
(وَالَّذِیْنَ یٔ اٰمَنُوابِااللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوا بَیْنَ اَحَدٍ مِنْہُمْ أُولٰئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْہِمْ اُجُوْرَھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوراًرَحِیْماً)(٤)
"اور جو لوگ االله اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں اوراس کے رسولوں کے درمیان جدائی کے قائل نہیں ہینخدا عنقریب انھیں ان کا اجر عطا کرے گا اور وہ بہت زیادہ بخشنے والااور مہربانی کرنے والاہے "۔
معلوم ہواجس طرح مقام تو حید میں اُس کے تمام ضروری مراتب کا تسلیم کر نا ،ضروری ہے نبو ت مینبھی جو کچھ الله کی طرف سے نا زل ہو ان سب کا قبو ل کر نا ضروری ہے، اس لئے کہ بعض کا انکار گو یاکل کا انکار ہے اور جن لوگوں نے خدا وند عالم کے تمام احکام کو قبول نہیں کیا خدا وند عالم نے ان کی سر زنش کی ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ نساء آیت۱٤۹۔
۲۔سورۂ نساء آیت۱۵۰۔
۳۔سورۂ نساء آیت ۱۵۱۔
٤۔سورۂ نساء آیت ۱۵۲۔

(قُلْ یَااَھْلَ الْکِتٰبِ ھَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّااِلَّااَنْ ئَ امَنَّابِاللّٰہِ وَمَآاُنْزِلَ اِلَیْنَاوَمَآاُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَکْثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ)(۱)
"(پیغمبر آپ) کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب کیا تم ہم سے صرف اس بات پر ناراض ہوکہ ہم اللہاور اس نے جوکچھ ہم پر یا ہم سے پہلے نازل کیا ہے ان سب پر ایمان لائے ہیں اور تمہاری(تو) اکثریت فاسق اور نافرمان ہے"۔
قر آن نے اسی پر اکتفاء نہیں کی ہے ،بلکہ جو لوگ دین میں یا اس کی کتا بوں اور رسولوں کے درمیان جدائی کے قائل ہوئے ہیں انہیں مشر کین میں شمار کیاہے :
(وَلَاتَکُوْنُوْامِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)(۲)
"اورخبردار مشرکین میں نہ ہوجانا"۔
اس کے بعد تفسیرو تشریح کر تا ہے:
(مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوا دِیْنَھُمْ وَکَانُواشِیَعاًکُلُّ حِزْبٍ بِمَالَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ)(۳)
"وہ لوگ کہ جنھوں نے دین میں تفرقہ پیدا کیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں پھرہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسی میں مست اور مگن ہے"۔
یہ بھی ایک قسم کا شرک ہی ہے کہ انسان دین کے بعض احکام کو تو قبول کر تا ہو اور بعض احکام کا انکار کر دے، اس نے بعض احکام کو کس اساس و بنیاد پر ترک کیاہے ؟اگر بعض احکام کو قبول کر نا اللہ کی تشریعی ربوبیت پر ایمان رکھنا ہے تو بعض احکام کا انکار اور ان کی جگہ کسی دو سری چیز کے تسلیم کرنے کا مطلب کسی دو سرے کو معبود تسلیم کر لینا ہے ۔ پس جو لوگ دین میں تفر قہ اندازی کے قائل ہیں وہ گویا حقیقت میں مشرک ہیں ۔
(وَ اَنَّ ھٰذَاصِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْہُ---)(٤)
"اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو ---"۔

.....

۱۔سورئہ ما ئدہ آیت۵۹۔
۲۔سورئہ روم آیت ۳۱۔
۳۔سورئہ روم آیت ۳۲۔
٤۔سورئہ انعام آیت۱۵۳۔

ایک دو سرے مقام پر خدا ئے یکتا و یگانہ کی پر ستش کو"سیدھا راستہ"کہا گیا ہے ۔
(وَاَنِ اعْبُدُونِیْ ھٰذَا صِرَاط مُسْتَقِیْم)(۱)
"اور میری ہی عبادت کرنا یہی صراط مستقیم اورسیدھا راستہ ہے "۔
(وَلَا تَتَبِعُواالسُبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہِ)
"اورمختلف راستوں پر نہ چلوکیونکہ اس طرح راہ خداسے بھٹک کر بکھر جاؤ گے"۔
(ذٰلِکُم وَصّٰکُمْ بِہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ)(۲)
"اس لئے پروردگار نے ہدایت کی ہے کہ تم اس طرح شاید متقی اور پرہیز گار بن جاؤ"
یہا ں سے ہم پر اُس آیت کا مفہوم با لکل واضح ہو جا تا ہے کہ جس میں خد وند عالم فر ماتا ہے:
(وَاعْتَصِمُوْابِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا---)(۳)
"اور اللہکی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو "۔
یہاں پر تفر قہ سے مراد اللہ کے دین اور اللہ کی راہ سے تفر قہ کر نا ہے ۔خدا کے راستے سے منحر ف نہ ہونا اس لئے کہ یہ اختلاف اور جدائی کا با عث ہے ۔
تمہا ری وحدت اور یکجہتی کاوسیلہ یہی ہے کہ تم سب کے سب خدا کی راہ میں،ایک راستہ اور ایک مقصد کی طرف حر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کت کرو ۔دو سرے وسائل تمہا رے متفرق ہو نے کا با عث نہ بنیں۔
(اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُواشِیَعاً لَسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْ ئٍ)(٤)
"جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔
اس بنا پر اسلام کا تقاضا ہے کہ جو کچھ بھی خدا نے بھیجا ہے کسی بھی دور میں کسی بھی نبی پر کیوں نہ بھیجا ہوان کو تسلیم کیا جا ئے ۔یہ بات اس بات کی نشا ندہی کر تی ہے کہ انبیا ء علیہم السلام کی تعلیمات میں کو ئی تنا قض و تضاد نہیں پایا جاتا ، اس لئے کہ اگر ان میں تضاد ہوتا اور ایک کا قبول کر نا دوسرے کے قبول نہ کر نے کا سبب بنتا تو انسان کے لئے ہر ایک

.....

۱۔سورئہ یس آیت٦١۔
۲۔سورئہ انعام آیت١٥٣۔
۳۔سورئہ آل عمران آیت ١٠٣۔
٤۔سورئہ انعام آیت ١٥٩۔

کا قبول کر نا ممکن نہیں تھا جب ہم خدا کی نازل کی ہوئی تمام چیزوں کو قبول کر تے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان کو ئی اختلاف نہیں ہے اگر جزئی احکام میں بعض اختلاف ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکم اُس زمانہ تک معتبر تھا یا کسی خاص شخص اورگروہ کے لئے خدا وند عالم کی طرف سے ایک مخصوص حکم یا دستور آیا تھااور دوسرے افراد بھی ان قوانین کا ان کے لئے صحیح اور بجا ہونا قبول کر تے ہیں ۔ تورات پر ایمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم اس زمانہ میں بھی تو رات کے حکم پر عمل کر یں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بنی اسرائیل اور اُن کے زمانہ سے مخصوص تھا اور توریت میں بغیر کسی تحریف کے آیا ہے اس کو صحیح اور حق سمجھیں لیکن اس زمانہ میں خدا وند عالم کے قوانین پر عمل کر نے کے متعلق ہم کو یہ دیکھنا چا ہئے کہ اس دور میں خداوندعالم ہم سے کیا چا ہتا ہے ۔
پس کسی پیغمبر پر ایمان لاناتمام انبیا ء علیہم السلام پر ایمان رکھنے کا بھی متقاضی ہے ،کیونکہ سب کا ایک ہی راستہ ہے
۔
اگر حقیقت میں کو ئی حضرت مو سیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام یاحضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے تو اس کو تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا نا چا ہئے ۔کیا حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے نبی کی لوگوں کو بشارت نہیں دی تھی ؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمدؐکے آنے کی بشارت نہیں دی تھی ؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان رکھتا ہو لیکن جس نبی کاخود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تعارف کرائیں ان پر ایمان نہ لا ئے یہ انکار،حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعو ت کا انکار ہے ۔ایسا نہیں ہے کہ جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا ہے اور ان کے دین پر عمل کر تے ہیں حقیقت میں وہ مومن ہیں یا یہ کہ وہ جا نتے ہیں کہ یہ پیغمبروہی پیغمبر ہے کہ جس کے آ نے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور ان پر ایمان لا نے کی سفارش کی تھی اور یہ ان کے مومن ہو نے کے لئے کا فی ہے ۔
بلکہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس کی بنیاد پر جو لوگ اس زمانہ میں اپنے کو کسی گزشتہ نبی کا پیروسمجھتے ہیں اگر ان پر حجت تمام ہو گئی ہو اور حضرت محمد خا تم النبیینؐکی نبو ت ان کے لئے ثابت ہوتو ان کا خود اپنے نبی پر ایمان لا نا تقاضا کر تا ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐپر بھی ایمان لا ئیں، آج کے دور میں حضرت مو سیٰ علیہ السلام کاپیرو حقیقی یہو دی وہی ہے جو مسلمان ہو ،اس لئے کہ یہو دیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے فر مایا ہے اس کو تسلیم کریں ،حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے فر ما یا تھا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں تو ان کی مدد کرنا اور ان کی دعوت پر لبیک کہنا ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایاتھا :
(وَ مُبَشِّراً بِرَسُوْ لٍ یَا تِیْ مِنْ بَعْدِیْ اِسْمُہُ اَحْمَد)

پس حقیقی نصرانی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کر نے والا وہ ہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پیغمبر اسلا مؐکی نبوت کو تسلیم کر تا ہو ۔
کو ئی فرق نہیں ہے چا ہے یہودی ہو ،نصرانی ہو یا مسلمان سب کو اسلام اور خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر نا ہے۔حقیقی یہو دی وہی ہے جو پیغمبر اسلامؐپر ایمان رکھتا ہو ،اور حقیقی مسلمان وہی ہے جو حضرت مو سیٰ اور حضرت عیسیٰ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کر تا ہو لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس دور میں جو چا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تابع ہو جا ئے اور جو چا ہے حضرت مو سیٰ علیہ السلام کا تابع ہو جا ئے ۔حضرت مو سیٰ علیہ السلام کا پیرو وہ ہے جو حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پیغمبر اسلامؐ کی نبوت اگر اس کے لئے ثابت ہو گئی ہو تو اس پر ایمان رکھتا ہو ۔ ورنہ اس نے حضرت موسیٰ کی نبوت کے بعض حصہ کو قبول نہیں کیا ہے ،اور جب ایک حصہ کو قبول نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پوری نبوت ِمو سیٰ علیہ السلام کو تسلیم نہیں کیا ہے ،اس لئے ہم عرض کر چکے ہیں کہ کسی چون و چرا اور کسی قید و شرط کے بغیر قبول کرنا چا ہئے۔اگرایساہو تو پھر کو ئی اختلاف ہی با قی نہیں رہ جاتا ۔ حضرت مو سیٰ پیغمبر ہیں اور جب تک آپ کی نبوت کے لئے کو ئی نا سخ نہ آجا ئے اس وقت تک آ پ کے لا ئے ہو ئے احکام کی اطاعت وا جب ہے۔اگر ہم بھی اس زمانہ میں ہو تے تو تو رات کے قوانین پر عمل کر تے ۔بعد کے زمانہ میں اگر بعض احکام تبدیل ہو چکے ہوں تو جدید احکام پرہی عمل کر نا چاہئے ویسے ہی کہ جیسے خود حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ اب اس کے بعد اس طرح عمل کرنا ۔

پس معلوم ہوا کہ دین ایک ہے اور دین کے کچھ احکام میں جزئی قسم کا اختلاف دین کو دو نہیں کرد یتا ،ہمیشہ سے یہی دین تھا اور ہمیشہ یہی دین رہے گا ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

ادیان کے اختلاف کی وجہیں

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ادیا ن الٰہی کے در میان بعض احکام میں جزئی اختلافات پا ئے جا تے ہیں لیکن تمام ادیان کی اساس و بنیاد ایک ہی ہے ،اور سب کو ایک ہی دین شمار کیا جا سکتا ہے پھر بھی کچھ ایسے اسباب پیش آئے جس کے تحت بنیادی طور پر ایک دین دو سرے دین کا مخا لف نظر آنے لگا ہم یہاں اس طرح کے بعض اسباب و عوا مل بیا ن کر رہے ہیں:

۱۔بغا وت و سر کشی

قر آن نے اس بات پر زور دیاہے کہ یہ اختلافات نا حق قسم کی دین سے بغا وت ا ور سر کشی اور ایک دوسرے پر تسلط کی ہوس سے وجود میں آئے ہیں ۔متعدد آیات میں اس بات کی تا کید ہے کہ ادیان کے ما بین اختلافات نہ جہالت کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں اور نہ ہی اس وجہ سے ہیں کہ ان کے درمیان حقیقت میں اختلافات موجودتھے بلکہ یہ اختلافات علما ئے اہل کتاب کی سرکشی اور نفسانی خو ا ہشات کی وجہ سے پیداہو ئے ہیں ، انھو ں نے ا پنے ذاتی اغراض و مقاصد کی وجہ سے یہ اختلافات ایجا د کئے ہیں ۔آئیے اس موضوع سے متعلق آیات کا جا ئزہ لیتے ہیں :

(وَمَااخْتَلَفَ فِيہِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوتُوہُ مِنْ بَعْدِ مَاجَائَ تْہُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْياًبَيْنَہُمْ)(۱)

"اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے ان لوگوں کے کہ جن کے درمیان کتاب نا زل ہوئی ہے اور جن پر دلیلیں واضح ہوچکی تھینصرف آپس میں بغاوت اور تعدی کی بناء پراختلاف کر بیٹھے "۔

(وَمَااخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوتُواالکِتٰبَ اِلَّامِنْ بَعْدِ مَا جَائَ ہُمُ الْعِلْمُ بَغْياًبَيْنَہُمْ)(۲)

"اہل کتاب نے محض علم ملنے کے بعد تسلط کی ہوس مینایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے" ۔

(وَئَ اتَيْنٰہُمْ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْاَمْرِ فَمَااخْتَلَفُوْااِلَّامِنْ بَعْدِمَاجَائَ ہُمُ الْعِلْمُ بَغْياً بَيْنَہُمْ---)(۳)

"اور انھیں اپنے امرکی کھلی ہوئی نشانیاں عطا کردیں پھر ان لوگوں نے اختلاف نہیں کیا مگر یہ کہ جب علم مل گیاآپس میں ایک دوسرے پر تسلط کی غرض سے اختلاف کر بیٹھے"۔

(وَمَاتَفَرَّقُوْااِلَّامِنْ بَعَدَمَاجَائَ ہُمُ العِلمُ بَغِياًبَينَہُمْ---)(٤)

" اور ان لوگو ں نے آپس میں تفر قہ اسی وقت پیداکیا ہے جب ا ن کے پاس علم آچکا تھا اور یہ صرف تسلط پسندی کی وجہ سے تھا "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَمَاتَفَرَّقَ الّذِیْنَ اُوتُوْاالکِتٰبَ اِلّامِنْ بَعْدِمَاجَائَ تْہُمُ البَیِّنَۃُ)(۵)
'' اور یہ اہل کتاب متفر ق نہیں ہو ئے مگر اس وقت جب ان کے پاس کھلی ہو ئی دلیل آگئی" ۔
پس امتوں پر خدا کی حجت تمام ہے ، اس نے ایک ہی دین اور ایک ہی راستہ تمام امتو ں کیلئے معین فرمایا اوریکے

....

۱سورئہ بقرہ آیت۲۱۳۔
۲سورئہ آل عمران آیت۱۹۔
۳سورئہ جاثیہ آیت۱۷۔
٤سورئہ شوریٰ آیت١٤۔
۵سورہ بینہ آیت ٤۔

بعددیگرے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ بھیج دیا(ثُمَّ اَرْسَلْنَارُسُلُنَا تَتْریٰ) اور وہ سب ایک ہی راستہ ،اور ایک ہی دین کی دعوت دیا کر تے تھے خدا اور اس کے نبیوں کی جا نب سے کوئی اختلاف نہیں تھااور لوگوں پر حجتیں بھی تمام کی جا چکی تھیں مگر یہ اختلافات خود امتوں خا ص طور سے علما ئے اہل کتاب کی سر کشی کی بناء پر وجود میں آگئے ۔
اس بات کو پیش نظررکھیں تو بعض آیات سے جو شبہہ پیدا ہوتا ہے اس کا جواب معلوم ہو جا تا ہے ۔
مثا ل کے طور پر ایک آیت میں ارشا د ہو تا ہے :
(اِنَّ الَّذِیْنَ ئَ امَنُوْاوَالَّذینَ ھَادُوْاوَالصَّٰبِئُوْنَ والنَّصٰرَیٰ مَنْ ئَ امَنَ بِاللّٰہِ وَالیَوْمِ الآخِرِوَعَمِلَ صَالِحاًفَلَاخَوف عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحَزَنُوْنَ (۱)(
"بیشک جو لوگ ایمان لا ئے یا جو لوگ یہودی ،ستارہ پرست اور عیسائی بن گئے ہیں ان میں جو بھی اللہ اور آخرت پر واقعی ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا اس کے لئے نہ خوف ہے اور نہ اُ سے حزن ہوگا "۔
اس آیت سے بعض لو گو ں کو شبہہ ہواہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا وند عالم اِس زمانہ میں بھی مختلف ادیان کو قبول کر لے گا ،اور اس زمانہ میں بھی کسی کے یہو دی یا نصرانی ہو نے اور اپنے دین پر عمل کر نے میں کو ئی حرج نہیں ہے ۔
جو باتیں ہم نے عرض کی ہیں انکے پیش نظر اگر کسی شخص کے لئے بعدکے دین کا صحیح ہو نااثا بت ہو جائے (البتہ اگر ثابت نہ ہو تو وہ "مستضعف "ہے اور یہ ایک دو سری بات ہے)اور اسکے با وجود وہ پہلے دین کو اختیار کئے رہے تو کسی صورت میں بھی یہ دین قبول نہیں کیا جا ئے گا :(فَلَنْ یُقْبَل منہُ)کیونکہ وہ خود جانتا تھا کہ خداوند عالم نے فر مایا ہے کہ اس دین کی پیروی کر واوراس نے پیروی نہیں کی اسکا انکار کیا اور کسی ایک نبی کا انکا ر کرنا گو یا تمام انبیاء علیہم السلام کا انکار کر نا ہےلہٰذا اسکا کو ئی مطلب نہیں ہوگاکہ اسلام جو فر ماتا ہے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان ضروری ہے، اگر تم نے ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا تو گو یا تمام انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا ہے اسکے با وجود اسکی نظر میں اسلام کے آنے کے بعد بھی اگرکوئی یہو دی اپنے دین پر عمل کر ے تو اسمیں کو ئی حرج نہ ہو یہ تناقض ہے اور معقول نہیں ہے کہ اسلام آئین یہو دیت اور نصرا نیت پرعمل کر نے کی اس دور میں میں بھی اجازت دیدے ہاں اگرکسی نے خود اپنے زمانہ کے دین پر عمل کیا ہے تو اُسکا اجر محفوظ ہے اگر کہیں اس زمانہ میں بھی مستضعف افراد ہوں اور جس حد تک انکے لئے حجت تمام ہو چکی ہے اس پر عمل پیرا ہوں تو وہ مستضعفین کا حکم رکھتے ہیں اوربقیہ احکام اور

....

۱سو رئہ ما ئدہ آیت٦۹۔

فرائض دینیہ انکے لئے ثابت نہیں ہیں لیکن اگر کسی کے لئے ثا بت ہوجا ئے یا اس نے دین کی معرفت اور تلاش میں واقعی طور پر کو تا ہی کی ہو تو اس صورت میں اگر وہ دین سابق کے تمام دستورات پرمو بہ مو عمل کرے تو بھی اسکا عذرقبول نہیں کیا جا ئگا ۔"فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْہُ"۔
(اِ نَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاوَالَّذِیْنَ ھَادُوْاوَالصَّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰارَیٰ وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اشْرَکُوْااِنَّ اللہَ یَفْصِلُ بَیْنَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّ اللہَ عَلَیٰ کُلِّ شَیْئٍ شَہِیْد)(۱)
"بیشک جو لوگ ایمان لا ئے اور جنھو ں نے یہو دیت اختیار کی یا ستا رہ پرست ہو گئے یا نصرانی اور آتش پرست ہو گئے

یا مشرک ہو گئے ہیں خدا قیا مت کے دن ان سب کے درمیان یقینی فیصلہ کر دے گا کہ اللہ ہر شئ کا نگراں اور گوا ہ ہے "۔
ظا ہر ہے کہ یہ آیت ان تما م گروہو ں کی تا ئیدمیں نہیں آئی ہے بلکہ یوم حساب سے خبر دارکررہی ہے۔ ارشاد ہو تا ہے کہ جن لو گو ں میں یہ اختلافات پا ئے جا تے ہیں اور وہ حق کو قبول کرنا نہیں چا ہتے ایک دن خدا وند ان کا فیصلہ کر ے گا اور ہرایک کو (اس کے اعمال کے مطابق) جزاء یا سزاء دے گا ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا ان کی تا ئید کر رہا ہے چو نکہ اس میں "الَّذِ یْنَ اشْرَکُوْ"بھی موجود ہے حالانکہ قرآن کا صاف اعلان ہے(اِنَّ اللہَ لَایَغْفِرُاَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ)"اور شرک کرنے والوں کو نہیں بخشے گا" ۔
پس واضح ہے کہ یہ آیت مقامِ تا ئید میں نہیں ہے ما قبل آیت میں بھی خدا نے کہاہے مو منین ، یہود ، نصا ریٰ ستا رہ پرست اگر صرف اپنے با ایمان ہو نے کا دعویٰ کر یں یا اپنے کو یہو دی یا نصرانی کہلا ئیں تو یہ کو ئی میزان و معیار نہیں ہے بلکہ معیار یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوناور اس کے قوا نین و احکام پر عمل پیرا ہو ں، اب ان کا نام کچھ بھی ہولیکن اللہپر ایمان کا لا زمہ یہ ہے کہ اس کی نا زل کی ہو ئی تما م چیزوں پرایمان ہو اور اگرخدا کی نا زل کر دہ چیزوں پر ایمان نہ ہو توخدا اور اسکی آیا ت کا انکا ر کفر ہے ۔
پس اگر اس آیت میں اپنی جگہ فرض کر لیں کہ کچھ ابہام پا یا جاتا ہے تو بھی اس سے پہلے کی آیت کی روشنی میں ختم ہو جاتا ہے اور زیادہ سے زیا دہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت متشا بہات میں سے ہے اور وہ آیت محکمات میں سے ہے جو اس شبہہ کو دور کرتی ہے حالانکہ اگر ہم خود آیت پر غو ر و فکر کریں تو اس مطلب کو بخو بی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ آیت اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ یہ تمام عنا وین اور گروہ بندیاں سعا دت اور شقاوت (بد بختی)کا معیا ر نہیں ہیں۔ خدا نا موں کو

.....

۱۔سورہ حج آیت ۱۷۔

نہیں دیکھتا بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ کیا یہ شخص خدا اور قیا مت پر ایمان رکھتا ہے اور کیا اس نے عملِ صالح انجام دیاہے یا نہیں ۔
سوال یہ ہے کہ عملِ صالح کس کو کہتے ہیں ؟عملِ صا لح اس عمل کو کہتے ہینکہ جس کا خدا نے حکم دیا ہو ۔ اب اگر خدا وند عالم اپنے کسی بندہ کو ایک کام انجام دینے کا حکم دے اور وہ اس کی مخا لفت کر ے تو کیا یہ مخا لفت عملِ صالح ہے؟!عمل صالح کے تحت جس شخص کیلئے حجت تمام ہو چکی ہوچا ہے وہ کسی بھی زما نہ میں ہوئی ہو،اسے خدا وند عالم کے دستور کے مطابق عمل انجا م دینا چا ہئے ۔
ا س بات کے قطع نظر ہم قر آنِ کریم میں دیکھتے ہیں کہ خدا وند عالم نے صرف مشر کین اور انہی ادیان کے منکرین سے ہی جنگ کر نے کاحکم نہیں دیا ہے بلکہ خدا تو اہلِ کتاب کی نسبت بھی فر ماتا ہے "ان سے جنگ کرو یہا ں تک کہ وہ دین حق کو قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر آما دہ ہو جا ئیں اگر وہ جزیہ دیں تو تم ان کو قتل نہ کر نا" یعنی ظا ہر ی طور پروہ تمہا رے سا منے سرِ تسلیم خم کر دینگے اور اسلا می ملک میں زند گی بسر کر ینگے لیکن یہ ان کی سعا دت کی ضمانت نہیں ہے ۔اب اگر ان کا دین حق ہے اوراسلا م اسکی تا ئید کر تا ہے تو پھر خدا نے ان سے جنگ کر نے کا حکم کیونصادر فر مایا ہے ؟:
(قَاتِلُوْاالَّذِیْنَ لَایُوْمِنُوْنَ بِااللہِ وَلَابِالْیَوْ مِ الْآخِرِوَلَایُحَرِّمُوْنَ مَاحَرَّمَ اللہُ وَرَسُوْلُہُ وَلَایَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْاالْکِتَا بَ حتّٰیٰ یُعْطُوْاالْجِزْیَۃَ عَنْ یَدٍ وَھُمْ صَاغِرُوْنَ)(۱)
"اہل کتا ب میں سے جو لوگ خدا اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جس چیز کو خدا اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرا م نہیں سمجھتے اور دین حق کو قبول نہیں کر تے ان سے جنگ کرویہا ں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذلت کے ساتھ تمہیں جز یہ ادا کرنے پر آما دہ ہو جا ئیں"۔
البتہّ شیعی روایات مینہم دیکھتے ہیں کہ یہ حکم اُسی زمانہ سے مخصوص تھا اورآخری حکم جو حضرت امامِ زمانہ کے ذریعہ جا ری ہو گا وہ یہ ہے کہ حضر ت کے ظہور کے زما نہ میں ان (اہل کتا ب) سے جزیہ بھی قبول نہیں کیا جا ئیگا بلکہ جو معا ملہ تمام کافرو ں کے ساتھ ہو گا وہی معا ملہ ان کے ساتھ بھی ہو گا ۔
بہر حال اس با ت میں کو ئی شک نہیں ہو نا چا ہئے کہ قر آ ن کی نظر میں عصر حا ضر کے تمام ادیا ن قا بل قبو ل نہیں ہیں اس لئے کہ اگر دین،دین حق ہے تو تمام انبیا ء علیہم السلام کو قبو ل کر ے گا اور کسی بھی نبی اور کتاب کے بارے میں فر ق کا قا ئل نہیں ہو گا ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ تو بہ آیت ۲۹۔

۲۔تحریف

آج الٰہی اد یا ن مینبہت سی با تیں تحر یف کر دی گئی ہیں ۔ قرآنِ کریم نے یہ بات صرا حت کے ساتھ بیا ن کی ہے کہ علما ئے اہل کتاب بہت سی باتیں اپنی طرف سے گڑھ لیتے اور ان کو خدا کی طرف منسو ب کر دیا کر تے تھے یہا ں تک کہ کچھ مطالب لکھ کر کہدیاکر تے تھے کہ یہ کتا بِ خدا ہے۔ تا ریخی طور پر بھی یہ بات مکمل طو رسے ثابت ہے کہ گز شتہ تمام ادیان تحر یف کی نظر ہو چکے ہیں اوربنیا دی طور پر اگر کو ئی ان ادیا ن کی مو جو دہ کتا بو ں کا مطا لعہ کرے تو اس کو ان کتا بوں میں بہت سی متضا د با تیں مل جا ئینگی اور چونکہ ہم اس وقت تا ریخی اسنا د کی تحقیق نہینکر ر ہے ہیں لہٰذا ا س موضوع سے دلچسپی رکھنے وا لے حضرا ت کو اس سلسلہ میں لکھی جا نے وا لی متعددکتا بو ں کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں(۱)خود قر آ ن کریم کی آیات بھی اس بات کی شا ہد ہیں کہ اہل کتاب تحریف سے کام لیتے تھے ۔

(فَوَیْل لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَامِنْ عِنْدِاللهِ لِیَشْتَرُوْابِہٖ ثَمَناً قَلِیْلاً فَوَیْل لَّھُمْ مِمَّاکَتَبَتْ اَیْدِیْھِمْ وَوَیْل لَھُمْ مِمَّایَکْسِبُوْنَ)

"پس وا ئے ہو ان لو گو ں پر جو اپنے سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کے یہانسے (آئی) ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے تھو ڑا فا ئدہ حا صل کر لیں پس تف ہے اس پرجو انھوں نے اپنے ہا تھو ں سے لکھاہے اور پھر تف ہے اس کما ئی پر جو انھوں نے کما ئی ہے "۔

ظا ہر ہے کہ اس کام میں ان کے ما دی مفادات تھے ۔ احتما ل ہے کہ کچھ ایسے حُکّا م تھے جو اپنے اغراض و مقاصد کے تحت علما ئے اہلِ کتا ب کو رقم دیا کر تے تھے کہ وہ وحی کے عنوا ن سے کچھ مطالب لکھیں اور لو گو ں کے سامنے پیش کریں :

(وَاِنَّ مِنْھُمْ لَفَرِیْقاً یَلْوُوْنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْکِتَابِ لِتَحْسَبُوْہُ مِنَ الْکِتَابِ وَمَاھُوَمِنَ الْکِتَابِ وَیَقُوْلُوْنَ ھُوَمِنْ عِنْدِاللهِ وَمَاھُوَمِنْ عِنْدِاللهِ وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللهِالْکَذِ بَ وُھُمْ یَعْلَمُوْنَ)(۲)

"ان ہی یہو دیو ں میں بعض وہ ہیں جو کتاب خدا کے اندازمیں باتیں کر تے ہیں تا کہ لوگ خیال کریں کہ ان کی باتینکتاب خدا کی با تینہینحا لانکہ وہ خدا کی کتاب نہیں ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے

.....

۱۔نمونہ کے طور پر ملا حظہ فر ما ئیں الھدیٰ الیٰ دین المصطفیٰ ،شیخ جوا د بلا غی ۔
۲۔سورئہ آل عمران آیت ۷۸۔

ہے حا لا نکہ اللہ کی طرف سے ہر گز نہیں ہے اور خود جا نتے ہیں کہ وہ خدا کے خلا ف جھوٹ باندھ رہے ہیں " ۔

دوسری جگہ ارشاد ہو تا ہے:

(اَ فَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْکَانَ فَرِیْق مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَا مَ اللهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہُ مِنْ بَعْدِ مَاعَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ)(۱)

" کیا تمھیں امید ہے کہ یہ یہو دی تم پرایمان لے آ ئیں گے جب کہ ان کا ایک گروہ کلامِ خدا کو سن کر تحریف کر دیتا تھا حا لانکہ سب سمجھتے بھی تھے اور جا نتے بھی تھے "۔

اس تحریف میں تحریف لفظی اور تحریفِ معنو ی دونوں ہی کا امکان پا یا جا تا ہے یعنی ممکن ہے وہ حتی کلام کی لفظیں تو یاد رکھتے ہوں لیکن اس کلام کی تفسیر با لرّائے کر تے ہوں اور معا نی بدل کر کلام پر حمل کر تے ہوں لیکن دوسری آیات میں آیا ہے کہ وہ لفظو ں میں بھی ردّو بدل کیا کر تے تھے ۔

معلوم ہوا قرآن کی رو سے اس میں کو ئی شک و شبہ نہیں ہے کہ یہو د و نصا ریٰ کی کتا بو ں میں ایسے جعلی اور تحریف شدہ مطالب مو جو د ہیں جو خدا وند عا لم کی طرف سے نا زل نہیں ہو ئے ہیں ۔ ہم اجما لی طورپرآپ کی اطلاع کے لئے ان تحریفات کے دو نمونوں کی طرف اشا رہ کر تے ہیں :

تو ریت میں آیا ہے کہ حضرت مو سیٰ علیہ السلام کا فلا ں سال انتقا ل ہوا ۔اب ان سے یہ سوا ل کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ کتاب وہی ہے جو حضرت مو سیٰ علیہ السلام پر نا زل ہو ئی ہے تو اس میں یہ کیسے لکھ دیا گیا کہ حضرت مو سیٰ علیہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

السلام کافلا ں سال انتقال ہوا ؟کیا خو د حضرت مو سیٰ علیہ السلام فر ما سکتے ہیں کہ حضرتِ مو سیٰ علیہ السلام کا فلاں سال انتقال ہو ا ہے؟ !
جہاں تک انجیل کا سوال ہے خو د نصا ریٰ بھی یہ دعو یٰ نہیں کر تے کہ یہ وہی خدا کی طرف سے نا زل شدہ کتاب ہے ۔ ان کے پاس اس وقت چار انجیلیں ہینجبکہ اس سے پہلے ان کے پاس اس سے بھی زیا دہ انجیلیں تھیں اور ان چا روں انجیلو ں کو ایک خاص شخص نے تحریر کیا ہے کہ جن کے نا موں سے یہ انجیلیں منسوب ہیں ۔ ان میں بھی اس طرح کی داستا نیں مو جو د ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں دن آئے اور اپنے شا گر دوں کے ساتھ بیٹھے ان سے کہا اور اس کے بعد فلاں جگہ چلے گئے وغیرہ کسی تا ریخی کتاب کے مثل ہے ۔خو د وہ لو گ بھی یہ دعو یٰ نہیں کر تے کہ

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۷۵۔

یہ وہی کتاب ہے جو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام پر نا زل ہو ئی تھی ۔ البتہ ان کا کہنا ہے کہ بعد میں حضرتِ عیسیٰ کے شا گر د و ں نے انجیل کے مطالب کو اس شکل میں منظّم و مر تّب کیاہے اور ان انجیلو ں کا مطالعہ کر نے والا شخص خوب جانتا ہے کہ یہ خدا وند عالم کی نا زل کی ہو ئی کتا بیں نہیں ہیں ۔
بہر حال ادیا ن سلف کی اتباع کر نے وا لو ں کے پاس مو جو دہ کتا بیں تحریف شدہ ہیں اور ان کا کوئی اعتبار بھی نہیں ہے ۔

احکام کے جزئیات مینادیان ایک نہیں ہیں
ہم نے ملا حظہ کیا کہ اکثر ادیان میں اختلافات اہل کتاب کی سرکشی کی وجہ سے ظا ہر ہو ئے اور انھو ں نے خدا کی کتاب میں تحریف بھی کی ،لیکن ایسا نہیں ہے کہ تمام ادیان کے جز ئی احکام مشتر ک ہوں قرآ ن کریم اس مطلب کے متعلق فر ما تا ہے :
(لِکُلٍ جَعَلْنَامِنْکُمْ شِرْعَةًوَّمِنْہَاجاًوَلَوْشَاءَ اللهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَاحِدَةً وَلٰکِنْ لِیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآءَ اتٰکُمْ --)(۱)
"ہم نے سب کے لئے الگ الگ شریعت اور راستہ مقررکردیا ہے اور خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنادیتا لیکن وہ اپنے دیئے ہوئے قانون سے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے--"۔
شریعت وہ راستہ ہے جو نہر پر ختم ہو تا ہے اور شرعہ بھی اسی راستہ نیز اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو کسی ہدف و مقصد تک پہنچتا ہے ۔شرع ، شرعہ اور شریعت بھی ایک ہی مادہ سے ہیں ۔شارع بھی اسی ما دہ سے ہے جس کے معنی سڑک اور عام راستے کے ہیں ۔
اس آیۂ شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک ہی پروگرام نہیں رکھتے تھے اس بات کی تا ئید خداوند عالم کا یہ فرمان کر تا ہے :(وَلَوْشَاءَ اللهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَاحِدَ ةً) یہ جملہ ممکن ہے دو سرے مطلب کی نشا ندہی کر رہا ہو جو دوسری آیات میں مو جو د ہے کہ اگر خدا چا ہتا تو سب کو ایک امت قرار دیتا یعنی سب کوزبر دستی حق کی ہدایت کرتا لیکن یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اگر چا ہتا تو امتوں پر نازل ہو نے والے مختلف احکام کو یکساں و برابر قرار دیتا لیکن حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ احکام کے درمیان کم و بیش اختلافات پا ئے جا ئیں(لِیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَااٰتٰکُمْ)

.....

۱۔سورئہ ما ئدہ آیت ۴۸۔

تاکہ ان احکام کے متعلق یاجو کچھ خدا وند عالم نے تم کو عطا کیا ہے وسیلۂ آزما ئش قرار پا ئینایک امت کے لئے امتحان وآزما ئش کے وسایل کچھ تھے اور دوسری امت کیلئے کچھ اور تھے پس معلوم ہوا کہ احکام جزئیات میں امتوں کے درمیان اختلافات پا ئے جا تے تھے ۔
اس سے بھی زیادہ واضح یہ آیت ہے :
(لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَامَنْسَکاًھُمْ نَاسِکُوہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ--)(۱)
"ہر امّت کے لئے ایک طریقہ قرار دیا کہ اس پر وہ عمل کریں لہٰذا اس امرمیں ان لوگوں کو آپ سے الجھنانہیں چاہئے آپ انھیں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں "

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اورتقریباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ لازم و ضروری بھی تھا کہ تمام امتوں کے لئے احکام کے جزئیات یکساں نہ ہوں ،مثال کے طور پر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ عربی زبان میں نماز پڑھیں توکیا بنی اسرائیل کی نماز بھی عربی زبان میں تھی ؟کسی شخص نے یہ دعویٰ نہیں کیا یایہ کہ انھیں بھی کعبہ کی طرف رخ کر کے نما ز پڑھنے کاحکم تھا ؟ ایسا نہیں ہے۔ قر با نی کا طریقہ ،روزہ کا حکم ،وقت اور ان کی تعداد یکساں نہیں تھی ؟اس با رے میں متعدد روا یتیں مو جود ہیں پس معلوم ہوا یہ جو کہا جاتا ہے کہ تمام امتوں کا دین یا شریعت ایک ہے اس سے اصل احکام کا ایک ہونا مرادہے ، لیکن ان کے انجام دینے کے طور طریقوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تو آپ نے فر مایا :
(۔۔وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ۔۔)(۲)
"اور میں بعض چیزوں کو حلال قراردیتا ہونجوتم پر حرام تھیں"۔
یہ آیت صاف صاف بیان کر تی ہے کہ حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے کام ان کی امّت کے لئے حرام تھے جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حلال قرار دیدیاتھا۔
حضرت محمد مصطفےٰ ﷺکے با رے میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْہِمُ الْخَبٰئِثَ)(۳)
....

۱سورئہ حج آیت٦٧۔
۲سورئہ آل عمران آیت۵۰۔
۳سورئہ اعراف آیت۱۵۷۔

"اورانھوں نے پاکیزہ چیزوں کو ان پر حلا ل قرار دیاہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا ہے"۔
فی الجملہ کچھ چیزیں حلال ہوئیں اور کچھ چیزیں حرام ہوئیں اس میں کو ئی شک نہیںہے لیکن یہ منسوخ کیا جانا ویسے ہی ہے جیسے خود ایک شریعت میں کوئی ایک چیز بعد میں منسوخ کر دی جا ئے اور اسلام میں اگر کو ئی کہے کہ نسخ نہیں ہے تو یہ تو قرآن کی نص ودلیل ہے کہ تغییر قبلہ ایک منسوخ کیا جا نے والاحکم ہے اسی طرح کچھ دو سرے احکام بھی تھے جو منسوخ ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ بعض احکام کا منسوخ ہوناخودایک شریعت میں بھی ممکن ہے اور کئی شریعتوں میں بھی اس کا امکان پایا جاتا ہے ۔اگر ایک شریعت مینکوئی چیز منسوخ کردی جا ئے تو اس کا مطلب گزشتہ شریعت کی تکذ یب نہیں ہے بلکہ وہ حکم بھی اپنے زمانہ میں حق تھا ۔
پس شریعتوں کے ما بین جزئی احکام میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین کئی ہیں، بلکہ دین ایک ہے اور وہ اسلام ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی دعوت دی ہے اور تمام مو منین اور مسلمانوں کو تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھنا چا ہئے ۔اس مقام پر یہ مطلب بیان کر دینا بیجا نہ ہوگا کہ جب ہم کسی پیغمبر سے اس کا دین قبول کرلیں تو ہم کو ا س کے احکام میں فرق کر نے کا کوئی حق نہیں ہے ،اس لئے کہ ایسا کر نا دین کے تمام پہلوؤں کا انکار کر دینے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا انکار کر نے کے مثل ہے ، ایک دین کے تمام ارکان و دستور پر بغیر کسی قید و شرط کے ایمان رکھنا چا ہئے۔
خداوند عالم اہل کتاب کی سر زنش کر تے ہوئے ارشاد فر ماتا ہے :
(اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَاجَزَائُ مَنْ یَفْعَلُ ذٰلِکَ مَنْکُمْ اِلّاخِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَاوَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلَیٰ اشَدِّالْعَذَابِ وَمَااللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ)(۱)
"کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور ایک حصے کا انکار کردیتے ہو؟ایسا کرنے والونکی سزا سوائے اسکے کہ زندگانی دنیا میں ذلیل ہوں اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پلٹا دیے جائیں کچھ نہیں ہے اور االله تمہارے کرتوت سے بے خبر نہیں ہے ۔"
اس آیت سے بھی تا ئید ہو تی ہے کہ دین کے بعض احکام کو قبول کر ناور بعض احکام کو رد کرناگو یا اس کے تمام احکام کورد کردینا ہے اوراس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مرتدضروریات اسلام میں سے کسی ایک ضرورت کا انکار کر نے سے کا فر ہوجاتا ہے ، یعنی اس دنیا میں بھی اس کا خون ضائع ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی وہ کفار کے ساتھ محشور کیا جائے گا ۔
پس ہما رے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور ان کی تمام تعلیمات پر ایمان ضروری ہے اور ان بزرگواروں کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

احکام میں سے کسی ایک حکم کا جان بوجھ کرانکارکرناگویا تمام احکام کے انکار کر نے کے مانند ہے ۔
.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت۸۵۔

راہ اور رہنما کی پہچان

رہنما کی پہچان

انبیاء علیہم السلام
معارف قرآن کے ذیل میں ہم اب تک چار مو ضوعات :
۱۔ خدا کی معرفت
۲۔دنیا کی پہچان
۳۔انسان کی شناخت
٤۔راستے کی پہچان پر گفتگو کر چکے ہیں۔
پیش نظر حصہ(رہنما کی معرفت)کے با رے میں ہے جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق بحث کے لحاظ سے راستہ کی پہچان کا ہی ایک حصہ کہا جا سکتا ہے ۔اس بحث کوچھیڑ نے سے پہلے دو با توں کا بیان کر دینا ضروری ہے :

قرآن میں تا ریخی مباحث کا محور
قرآن مجید میں انبیا ء علیہم السلام اور ان سے متعلق مطالب کے سلسلہ میں بہت سی آیات ہینجن میں قرآن کے تاریخی زا ویۂ نگاہ کا ایک اہم حصہ موجودہے ۔ یہانیہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مو رخین نے اپنی تمام بحثوں میں (چا ہے وہ داستان نویس ہوں یا تاریخ نگار اپنے تا ریخی جا ئزوں مینانسان کے مادی پہلو ؤں کو محور قرار دیا ہے۔ وقا ئع نگا روں نے عام طور سے تاریخ کا محور بادشاہوں اور حکمر ا نوں کو بنایا ہے اور ان ہی کے حالات کے مطابق تا ریخ قلمبند کی ہے البتہ ان کے ذکر کے ذیل میں معا شر ے اور قوموں کے حالات بھی ذکر کر دیئے ہیں۔کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح کی تواریخ میں جن سے تاریخ نگا ری کا ایک اہم حصہ تشکیل پاتا ہے بحث کا محور حکومت ہے البتہ جن افراد نے تا ریخ کے با رے میں تجزیہ وتحلیل سے کام لیا ہے زیادہ ترعوام اور ملتوں کے مسائل پر زور دیا ہے ، ان میں ایک گروہ نے تاریخ کا محور اقتصاد کو قرار دیا ہے جیسے مارکسسٹ حضرات جو تا ریخی حوا دث کا اقتصاد کے محور پر معا شرے کے معا شی حالات کے پس منظر میں جا ئزہ لیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ تاریخ کا اصل پہیّا اقتصاد ہے اور انسانی معا شروں میں جو تغیر و تبدل ہو تے ہیں پیدا وار کے و سائل میں رو نما ہو نے والی تبدیلی کی وجہ سے ہوا کر تے ہیں۔ تجزیا تی تاریخ لکھنے والوں کے بعض دو سرے گروہ اگر چہ دو سرے اسباب و محر کات پر بھی زور دیتے ہیں لیکن انھوں نے زیادہ تر آدمی کے مادی پہلو ؤناور اس کی دنیا وی اور حیوانی زند گی پر اعتماد کیا ہے۔
قرآن مجید کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے تا ریخ کا محورمعنویت کو قرار دیاہے ۔ قرآن کے تما م مبا حث کے مانند قرآن کی تا ریخی دا ستانوں کا محور بھی" توحید "ہے۔اور قرآن کر یم کے تاریخی واقعات اسی محور کے ارد گرد گھو متے ہیں۔یہی وجہ ہے قرآن کی تاریخی واقعات کے مر کزی کر دار انبیاء ہیں جن کا معاشرہ میں اثر و رسوخ خدا کی وحدانیت اور یکتا پر ستی کی دعوت کے ساتھ ، خدا کی اطاعت اور دوسرے تمام معنوی امور سے وا بستہ ہے ۔یہ بہت ہی اہم بات ہے جو ہم کو قرآن سے سیکھنا چا ہئے اور ما دہ پر ستوں کے نظریونکی اتباع کر نے سے پر ہیز کر نا چا ہئے ، کیونکہ انسانوں کی انسانیت اس کے معنوی پہلو ؤنکے گرد گھو متی ہے اور حق یہی ہے کہ انسان اور انسانی معا شرے کی تا ریخ کا انسانی پہلوؤں کے اعتبار سے جا ئزہ لینا چا ہئے ،کیو نکہ اس صورت میں خدا وند عالم کی بندگی سے چا ہیں یانہ چا ہینبہر حال رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قرآ ن مجید میں انبیاء علیہم السلام سے متعلق آیات کی تقسیم
قرآن کریم انبیاء علیہم السلام سے متعلق جومطالب بیان ہو ئے ہیں مجمو عی طور پر تین حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں :
پہلے حصے میں وہ مطالب ہینجو خود انبیاء علیہم السلام کے با رے میں ہیں اس سے قطع نظر کہ اُن کا لوگوں کے ساتھ کیا رابطہ رہا ہے ۔
دوسرا حصہ عوا م الناس کے ساتھ انبیا ء علیہم السلام کے رابطہ کے سلسلہ میں ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ عوام الناس کاانبیاء کے ساتھ کیا رویّہ رہا ہے اور جواب میں انبیاء علیہم السلام عوام کے ساتھ کس طرح پیش آئے ہیں ۔
تیسرے حصہ میں بھی اس میں بھی انبیاء علیہم السلام کی مختلف قوموں کا ذکر ہے اور ان کی زندگانی کے تغیرات اور ان کے انجام کے با رے میں خبر دی گئی ہے ۔
یقیناً یہ آخری حصہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے غیر مر بوط نہیں کہا جا سکتا اگر چہ اس میں قومونکے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے براہ راست رابطہ کو ملحوظ نظر نہیں رکھا گیا ہے .یہ تینوں حصے بھی الگ الگ دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔
پہلے حصہ کے ایک جز ء میں مختلف انبیاء علیہم السلام میں عام طور پر مشتر ک بنیادی خصوصیات اور حالات بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے جزء میں ہر نبی یا رسول کے مخصوص حالات بیان ہو ئے ہیں۔
دو سرے حصہ کے بھی دو جزء ہیں ایک میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے ساتھ دوطرفہ مختلف پہلوؤ ں کو بیان کیا گیا ہے اور دو سرے حصہ میں مخصوص انبیاء علیہم السلام کے اپنی مخصوص قوم سے مخصوص رفتا ر کا ذکر کیاگیا ہے۔ تیسرے حصہ کے پہلے باب میں مختلف قومو ں کے عمو می اور بنیادی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دوسرے باب میں قومو ں کے خاص پہلوؤں کا بیان ہے ۔
اس مینکوئی شک نہیں کہ مندرجہ بالا چھ قسموں کا تفصیلی جا ئزہ لینا قرآن مجید کی بیشمار آیا ت کے مطالعہ کے بغیرممکن نہیں ہے اور اس طرح کا تفصیلی جا ئزہ موجودہ بحث کے دا ئرے سے باہر ہے اس لئے ہم نے انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے ایک دو سرے سے بنیادی قسم کے تعلقات کے ذکرپر ہی اکتفا کی ہے ۔

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے اوصاف
قرآن کریم کی بہت سی آیات میں تقریباً تمام انبیاء علیہم السلام کے اجتماعی اوصاف بیان ہوئے ہیں ہم یہاں ان ہی عمومی اوصاف کا ذکر کررہے ہیں

رسول ،نبی اورنذیر
قرآن کریم میں تین صفات نبی، رسول اور نذیر تمام انبیاء علیہم السلام کیلئے ذکر ہوئے ہیں اسکے علاوہ دوسرے صفات بھی بیان کئے گئے ہیں جو یا تو عمومیت نہیں رکھتے یا پھر انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کے عنوان سے تنہاذکر نہیں ہواہے ۔مثال کے طور پر قرآن کریم میں "بشیر"کی صفت انبیاء علیہم السلام کے لئے ذکر ہوئی ہے لیکن وہ کہیں پر بھی تنہا استعمال نہیں ہوئی ہے۔اسکے بر خلاف نذیر کی صفت تنہا بھی ذکر ہوئی ہے حالانکہ بہت سی آیات میں بشیر اور نذیر ایک دوسرے کے پہلوبہ پہلو ذکر ہوئے ہیں ۔ (مبشرین ومنذرین،نَذِیْراًوبشیرا) قرآن پیغمبروں کا نذیر کے عنوان سے تعارف کرتے ہوئے کہتاہے:
(وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلّا خَلاَ فِیْہا نَذِیر)(۱)
"اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والانہ گذرا ہو"۔
لیکن قرآن کریم میں کہیں لفظ" بشیر "تنہا نہیں آیا ہے۔یہ ایک نفسانی اور تربیتی نکتہ ہے اور اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی تعمیر اور تربیت کیلئے "انذار"یعنی خوف دلانا"تبشیر"یعنی بشارت دینے سے زیادہ اہم

....

۱۔سورہ فاطرآیت۲٤۔

ہے۔دوسرے لفظوں میں ،انسان خوف کا عمل"امید"کے عمل سے بہت زیادہ مؤثر ہے ۔انسان جہاں اپنی زندگی میں تغیر اور تبدیلی ایجاد کرنا،اپنے کسی ارادہ سے منصرف ہونا اور دوسروں کی پیشکش پر کوئی دوسری رفتار منتخب کرنا چاہتا ہے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس کیلئے (انداز)کا عمل "تبشیر"کے عمل سے کہیں زیادہ مؤثر ہے ۔شاید اسی بنیاد پر قرآن نے پیغمبروں کے لئے صفات کے طور پر تنہا "نذیر"کی خصوصیت کو بیان کیا ہے "بشیر"کی خصوصیت تنہا بیان نہیں کی ہے ،بہر حال قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے لئے تین اسماء نبی،رسول اور نذیر عمومیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ۔
نذیر ڈرانے والے اور خوف دلانے والے کو کہتے ہیں ۔ہروہ پیغمبر جو انسان کی رہنمائی اور انسانوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوتاہے اس کی دعوت"انداز"کے ساتھ ہوتی ہے ۔وہ لوگوں کو برے کاموں کے انجام سے ڈراتا ہے اور غلط قسم کے عقائد و افکار کے عقاب سے ان کو خوف دلاتاہے تاکہ وہ ان کو اس طرح کے غلط کاموں سے روک سکے ۔
رسول اس شخص کو کہتے ہیں جو پیغام کا حامل ہوتا ہے اور ایک شخص کی طرف سے دوسرے شخص کی طرف بھیجا جاتاہے اور یہ بات پورے مکمل یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام خداکی طرف سے لوگوں کیلئے رسالت یعنی (پیغام)کے حامل رہے ہیں ۔خدا مرسل ہے ،لوگ "مرسل الیھم"ہیناور انبیاء علیہم السلام بھی "رسول"یا"مرسل"ہیں۔درحقیت "پیغمبر"اور پیمبر فارسی میں "رسول"کو ہی کہتے ہیں ۔
ان تینوں صفات میں نبی کا مفہوم زیادہ وضاحت چاہتا ہے:جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ لفظ نبی کی اصل کے سلسلے میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ اس لفظ کا مادّہ "نبوت" رفعت یا (بلندی)کے معنی میں ہیں اور بعض دوسرے افراد کہتے ہیں کہ یہ "نبأ"سے مشتق ہے اور اس کے معنی "خبر"کے ہیں ۔شاید دوسرا احتمال زیادہ قوی ہو اگر چہ معنویت اور انسانیت کے لحاظ سے تمام انبیاء علیہم السلام بہت ہی بلند و بالامقام رکھتے ہیں اوروہ معاشرہ کے ممتاز افراد ہوتے ہیں لیکن خدااور انسان کے مابین ان کی وساطت کے بیان میں ان کی رفعت و بلندی کی طرف اشارہ کرنے کی کوئی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی ۔لہٰذا قوی احتمال یہی ہے کہ نبی کا اصل مادّہ "نبأ "ہو اور نبی وہ ہے جس کے پاس ایسی خبرینہو ں کہ جن سے دوسرے بے خبر ہوناور یہ مخصوص خبریں وہی غیب کی خبریں ہیں ۔ اس بیان کی روشنی میں ہم نبی اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جو غیب کی اطلاع رکھتاہو اور اسکے پاس غیب کی خبریں ہوں۔

رسول اورنبی کا فرق
نبوت اور رسالت کے مفہوم اور ان دونوں کے مصداق آپس میں کیا نسبت رکھتے ہیں اس پر بہت زیادہ بحثیں ہوئی ہیں ۔یقینا اگر نبوت اور رسالت کے مفہوم کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہوتو قدرتی طور پر ان دونوں کے مصداق میں بھی وہی نسبت ہوگی لیکن ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی سے یہ بات واضح اور روشن ہوجاتی ہے کہ ان دونوں مفاہیم کے درمیان کوئی اشتراک نہیں ہے ۔نبوت کا مطلب چاہے رفعت ہو اور چاہے حاملِ خبر ہونا ہو رسالت کا مفہوم یہ نہیں ہے ۔ہاں رسالت کا لازمہ یعنی خداوند عالم کی طرف سے پیغام کے حامل ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ رسول اس پیغام سے مطلع ہو۔لیکن مفہوم رسالت میں نبوت کے معنی شامل نہیں ہیں۔ ہاں اس کے لوازم کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ نبوت کا مفہوم رسالت کے مفہوم میں شامل ہے۔
مصداق کے اعتبار سے بھی (جیسا کہ آیات اور ان سے بھی زیادہ صریح انداز میں روایات سے استفادہ ہوتاہے)نبوت اور رسالت کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ممکن ہے کوئی کہے کہ نبوت کا رسالت سے اعم ہونے کا دعویٰ بعض آیات کے ظاہری مطالب کے ساتھ سازگار نہیں ہے مثال کے طورپر خداوند عالم بعض آیات میں ارشاد فرماتا ہے:
(وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِیٍّ اِلّا---)(۱)
"اورہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول یا نبی نہیں بھیجا ہے کہ---"۔
حالانکہ اگر نبی رسول سے اعم ہوتا تو خداوندعالم کو (وَمَااَرْسَلْنَامِنْ نَبِیٍّ)فرمانا چاہیے تھا اور رسول کا ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا ۔اس لئے کہ جب عام کا ذکر کردیا جائے تو خاص بھی اس کے ضمن میں آجاتا ہے ۔اس بناء پر خاص کا عام کے پہلو میں ذکر کرنا بلاغت کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔اسی طرح خداوند عالم بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرماتاہے :
(---وَکَانَ رَسُولًا نَبِیّاً)(۲)
"---اور رسول ونبی تھے "۔
حالانکہ مقام توصیف میں خاص کے بعد عام ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی ۔یہ ویسی ہی ہے کہ جیسے کہا جائے :"فلاں شخص(قفہا میں)اعلم ہے اور فقیہ بھی ہے "تو ظاہر ہے کہ (اَعْلَمْ) کے اندر فقیہ کے معنی موجود ہیں۔
.....

۱۔سورئہ حج آیت۵۲۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔سورئہ مریم آیت۵۱۔

اگر رسالت کیلئے نبوت لازمی ہوتو نبی ہونے کا رسول ہونے کے بعد ذکر کرنا مناسب نہ ہوتا۔
علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے ۔ان کا خیال ہے کہ "نبی"اور "رسول" دومتباین اور مختلف مفہوم رکھتے ہیں اگر چہ رسالت کیلئے نبوت بھی لازم ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ نبوت کا مفہوم رسالت کے مفہوم میں شامل ہو ۔رسول قاصد اور ایلچی کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو ایک چیز کسی شخص سے لیکر دوسرے شخص تک پہنچانے کے لئے واسطہ ہو اور نبی اس کو کہا جاتا ہے جو اہم غیبی خبرینرکھتا ہے ۔یہ دو مفہوم ایک دوسرے سے جدا ہیں اور اگر مصداق کے اعتبار سے ایک دوسرے کیلئے اخص ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں مفہوم کے اعتبار سے مشترک ہیں دوسرے لفظو ں میں ان کے درمیان عام خاص کی نسبت مصدا ق کے اعتبار سے ہے مفہو م کے اعتبار سے نہیں ۔
ان دونو ں میں فرق کیا ہے؟ علامہ طبا طبا ئی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ما بین رسول اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خا ص رسا لت کا حا مل ہو کبھی انبیاء علیہم السلام کلی طو ر پر خداوند عالم کی عبا دت ،اطاعت اور راہِ حق پر (جو خدا وند عالم کی بند گی کی راہ ہے)گا مزن رہنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن کبھی خدا وند عالم کی طرف سے امت کے لئے خاص پیغام رکھتے ہیں اس بنا ء پر جس کے پاس خدا وند عالم کی طرف سے مخصوص پیغام ہو رسول کہا جاتا ہے اور جو کلی طور پر لو گوں کو راہِ حق کی دعوت دیتا ہے اس کو "نبی"کہتے ہیں ان دونوں مفہو مو ں کے مدّ نظر "کَانَ رَسُوْلاً نَبِیّاً"کی اس طرح تو جیہ کی جا سکتی ہے :"رَسُوْ لاً"یعنی خا ص قو م کیلئے مخصوص رسالت رکھتا ہے اور"نَبِیّاً" یعنی غیبی خبر و ں سے آگا ہ تھا ۔ اس صورت میں تکرا ر کی مشکل پیش نہیں آ ئیگی۔ آیت (مَاارْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْرَسُوْلٍ وَ لَانَبِیٍّ)میں ان ہی دو مقام کی طرف اشارہ ہے ۔ ممکن ہے دو مقام کسی شخص میں جمع ہو جا ئیں اور ممکن ہے کسی شخص میں جمع نہ ہو ں ۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر رسول نبی بھی ہو آیت میں بھی مقامِ رسالت اور مقا مِ نبوّت رکھنے وا لونکا ذکر ہے لیکن یہ ثابت کر نے کیلئے تما م رسول مقا مِ نبوّت کے بھی حا مل ہو تے ہیں کسی دو سری دلیل کی ضرو رت ہے ۔
مندر جہ بالا تو جیہ نبو ت اور رسالت کے لغوی مفہوم کے ساتھ بھی سا ز گار ہے ۔ البتہ علّا مہ طبا طبا ئی نے ایک دوسرے فرق کی طرف بھی اشا رہ کیا ہے جو پہلے فرق کے بر خلاف اِن دونوں لفظوں کے لغوی معنی سے قا بلِ استفا دہ نہیں ہے بلکہ اس کا ماخذ روایات ہیں اس طرح کی روا یات اصولِ کا فی میں بھی ہیں جن میں سے ایک روایت میں آیا ہے :رسول وہ ہے جو فر شتۂ وحی کو بیداری کے عا لم میں دیکھتا ہے اور اس سے گفتگو کر تا ہے لیکن نبی وہ ہے جس پر خواب میں وحی ہو تی ہے(۱) جیسا کہ ہم نے عر ض کیا کہ یہ فرق لفظ رسول اور لفظِ نبی سے لغوی اعتبا ر سے حا صل نہیں ہو تا بلکہ یہ ایک خصوصیت ہے جو الگ سے بیا ن ہو ئی ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کی تعداد
قرآن کریم کی کچھ آیات اس بات پر دلا لت کر تی ہیں کہ خدا وند عالم نے کثیر تعداد میں انبیا ء مبعوث کئے ہیں اور قرآنِ کریم میں ان میں سے صرف چند انبیا ء علیہم السلام کی داستان بیان کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں صا ف طور پر ۲۵ انبیاء علیہم السلام کے اسما ئے گرامی کا تذ کرہ ہے لیکن یہ بھی صاف طور پر بیا ن کر دیا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی تھے جن کے نہ تو اسماء قرآنِ کریم میں بیان ہوئے ہیں اور نہ ہی ان کی داستا نیں بیان ہو ئی ہیں لیکن پیغمبرو ں کی تعداد کتنی تھی یہ قر آ ن کر یم کے الفا ظ سے معلوم نہیں ہو تا ۔
روا یات میں بھی انبیاء علیہم السلام کی کثرت کی طرف اشا رہ ہے لیکن ان کی تعداد بہت کم روایتو ں میں بیا ن کی گئی ہے۔ ایک روایت میں پیغمبرو ں کی تعداد ایک لا کھ چو بیس ہزا ر اور رسو لو ں کی تعداد تین سو تیرہ معین کی گئی ہے۔(۲) اب یہ روایت کتنی قا بلِ اعتما د ہے یہ الگ بحث ہے ۔ بہر حال اس طرح کی بات بعض روا یتو ں میں موجود ہے ۔
اب ہم مجمو عی طور پر ، انبیا ء علیہم السلام کے با رے میں نا زل ہو نے والی آیات کا تذ کرہ کررہے ہیں ارشاد ہو تا ہے : (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا---)(۳)
"اور یقینا ہم نے ہر امّت مینایک رسول بھیجاہے ---"۔

کلمۂ امت کی وضاحت
جس امت کے لئے رسول بھیجا جا ئے اس سے کیا مرا د ہے ؟ امت کے لغت میں متعدد معنی ہیں منجملہ یہ کہ :انسا نو ں

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے کسی مجمو عہ ، پیشوا ، راستہ اور زما نہ کو امت کہتے ہیں ۔ قر آ نِ کریم میں "امۃً وا حِدَ ۃً " ایک مشخص و معین زمانہ کے معنی میں استعمال ہو ا ہے ۔

.....

۱۔ ملا حظہ کیجئے بہ: کلینی ، الکافی (الا صول) ، کتا ب الحجۃ ، با ب الفرق بین الر سو ل والنبیّ والمحدَث ۔
۲۔بصا ئر الد رجات صفحہ ۱۲۱ ،الخصال صفحہ ۳۰۰ اور ٦٤١ ۔
۳۔سورئہ نحل آیت۳٦۔

اورایک مقام پر ارشاد ہو تا ہے :
(اِنَّ اِبْرَاہِیْمَ کَانَ اُمَّۃً)"بیشک ابراہیم ایک مستقل امّت ہیں" شا یدیہاں لفظ امت اما م کے معنی میں استعمال ہو ا ہے لیکن قر آنِ کریم میں زیا دہ تر مقا مات پر یہ کلمہ "لو گو ں کے ایک مخصوص گر وہ "کے معنی میں استعمال ہو ا ہے ۔اب یہ گروہ کن خصوصیات کا حا مل ہو کہ اس کو امت کہا جا سکے اس کی کو ئی وضا حت نہیں کی گئی ہے۔ بعض افراد کہتے ہیں امت یعنی لو گو ں کا وہ گروہ جن کا ہدف مشترک ہو یا ان کی زند گی بسر کر نے کا عنوا ن مشترک ہو یا ان کے ایک دو سرے سے کا فی روا بط مشترک ہونلیکن قرآ نِ کریم میں اس لفظ کااستعمال اس تفسیر کے ساتھ موا فق نہیں ہے ۔
قرآن کریم میں حیوانوں کے گروہ کو بھی (اُمَم) کہا گیاہے :
(---اِلَّااُمَم اَمْثَالُکُمْ)(۱)
"جو اپنی جگہ تمہاری طرح کی جماعت نہ رکھتاہو"۔
اس بناء پر کلمہ امت قرآن کریم میں تقریباً جماعت کے مساوی ہےیعنی کچھ افراد کا مجموعہ چاہے وہ انسان ہوں یا حیوان اب رہا قرآن کا یہ جملہ "کہ ہر امت کیلئے ایک رسول تھا ،اس سے مراد انسانوں کا ہر گروہ"ہے لیکن قرآن نے اس اعتبار سے انسانوں کی کسی جماعت کو ایک مجموعہ یا گروہ شمارکیا ہے یہ بات واضح نہیں ہے ۔کسی شک و شبہ کے بغیر انسانوں کے مجموعہ پر "امت واحد " کا اطلاق ایک اعتبا ری امر ہے لیکن سوا ل یہ ہے کہ اس ا عتبار کی بنیاد اور معیا ر کیا ہے؟ جس طرح ہم اسکول میں طلبہ کی ایک جما عت کو ایک ساتھ سبق پڑھنے کے لحا ظ سے ایک جما عت یا کلاس کہتے ہینیا ہم فو ج کی ایک جما عت کو ان کے درمیا ن مخصوص قو انین میں اشترا ک کی وجہ سے ایک یونٹ کہتے ہیں ۔اسی طرح انسانو ں کے مجموعہ کو بھی مشترکہ طو ر پر ایک ہی دین کے پیرو ہو نے کی وجہ سے ایک مجموعہ شمار کر سکتے ہیں ۔ دوسرے لفظو ں میں حضر ت مو سیٰ علیہ السلام کی شر یعت کی پیر وی کر نے والوں کو شریعت میں اشتراک کی وجہ سے " حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی امت شما ر کر تے ہیں " اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک امت کے افراد کا ایک ہی زمانہ میں یا ایک ہی جگہ پر زند گی بسر کر نا یا ان کے درمیان اقتصا دی روا بط میں بھی اشترا ک پا یا جانا "ایک امت " شمار کر یں یا اسی طرح جگہ کے اشتراک کا لحا ظ کر تے ہو ئے جو لوگ کسی مخصوص جغرا فیا ئی حدود میں زند گی بسر کر رہے ہو ں ان کو بھی "ایک امت"کہا جا سکتا ہے۔ اب یہ سوال پیش آ تا ہے کہ لفظ "امت"سے مند ر جہ ذیل قسم

.....

۱۔سورئہ انعام آیت ۸ ۳۔

کی آیات میں کیا مرا د ہے ؟
(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً ---)(۱)
"اور یقینا ہم نے ہر امّت میں ایک رسول بھیجا ہے ---"۔
اور ایک آیت میں یہ ارشاد ہو تا ہے :
(---وَاِنْ مِنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْہَا نَذِیْر)(۲)
"اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذراہو "۔
یہا ں لفظ "امت "انسا نو ں کے کس طرح کے مجمو عہ کے لئے استعمال ہو ا ہے ؟ اور اس مجمو عہ کے درمیان وجہ اشتراک کیا ہے ؟ کیا اس سے مرا د یہ ہے کہ ہر زمانہ میں انسانو ں کا ایک ایسا مجموعہ رہا ہے کہ جن کی ہدا یت کے لئے پیغمبر مبعوث کئے گئے ہیں ؟یا امت سے مراد مخصو ص جغرا فیا ئی حدود مینرہنے والے افراد یا ایک ایسی قوم ہے جو ایک ہی زبان بو لتی ہو ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حقیقت یہ ہے کہ ان سوالات کے جوا بات قر آ ن کریم کی آیات سے نہیں ملتے ۔ ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ قرآنِ کریم نے انسانو ں کے جن مجمو عہ کو امت شما ر کیا ہے ان کے با رے میں اعلان کیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک امت کے لئے کو ئی نہ کو ئی پیغمبر ضرور مبعوث ہو ا ہے لیکن قر آ ن کا کسی ایک مجمو عہ کو امت میں شما ر کر نے کا معیار ہمارے لئے آ شکار نہیں ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کی کثرت

قرآ نِ کریم کی کچھ آیات صرف اس چیز پر دلالت کر تی ہیں کہ لو گو ں کے درمیان بڑی تعداد میں پیغمبر مبعوث کئے گئے ہیں ۔

خدا وند عالم کا ارشاد ہے:

(اِذْ جَائَتْہُمْ الرُّسُلُ مِنْ بَیْنِ اَیْدِ یْہِمْ وَمِنْ خَلْفِہِمْ--)(۳)

....

۱سورئہ نحل آیت۳٦.

۲سورئہ فاطر آیت۲٤.

۳سورئہ فصلّت آیت۱٤.

"جب ان کے پاس سامنے سے اور پیچھے سے ہمارے نمائندے آئے ---".

یہ آیت اس بات پر دلالت کر تی ہے کہ انبیائے الٰہی کی تعداد اس قدر زیا دہ تھی گو یا ان کے آگے پیچھے انبیاء علیہم السلام ہی انبیاء علیہم السلام تھے ۔ اسی طرح خدا وند عالم ارشاد فر ماتا ہے :

(ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا--)(۱)

"اور اسکے بعد ہم نے مسلسل رسول بھیجے ---".

یہ آیت بھی اس بات کی طرف اشا رہ کر تی ہے کہ کم و بیش ہر زمانہ میں پیغمبر مو جو د تھے اور خداوند عالم کا ار شاد ہو تا ہے :

(وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَسُوْل--)(۲)

"اور ہر امّت مینایک رسول ہو اہے ---".

ان آیات میں مجمل طور پر یہ حقیقت بیان ہو ئی ہے کہ خدا وند عالم نے قو موں اور امتو ں کے در میان بڑ ی تعداد میں نبیوں کو مبعوث کیا ہے لیکن اس بات کی وضا حت نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد کتنی تھی اور کیا ہر زمانہ میں صرف ایک ہی پیغمبر رہا ہے یا ایک ہی زمانہ میں ایک سے زیا دہ پیغمبر بھی مبعوث کئے گئے ہیں ۔

قرآنِ کریم سے تو نہیں مگر کچھ دوسری دلیلو ں سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ کبھی کبھی ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانہ میں متعدد پیغمبر مبعوث ہو ئے ہیں اسی طرح حضرت ابرا ہیم علیہ السلام کے وا قعہ سے مر بوط آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام آپ کے ہم عصر تھے اور حضرت ابرا ہیم علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کر تے تھے ۔ علاوہ ازین کچھ آیات سے کئی پیغمبروں کا ایک ہی زما نہ میں موجود ہو نا پتہ چلتا ہے ۔خدا وند عالم کا ارشا د ہو تا ہے :

(اِذْاَرْسَلْنَا اِلَیْہِمُ اثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْ ھُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ--)(۳)

"اس وقت جب ہم نے ان کے پا س دو رسولوں کو بھیجا لیکن ان لوگوں نے ان دونو ں کو جھو ٹا خیال کیاتو ہم نے ایک تیسر ے پیغمبر کے ذریعہ ان دونو ں کی تا ئید کر دی ".

ان تمام با توں کے با وجو د کچھ اور سوا لا ت بھی ہیں جن کے جوا بات قرآ ن کی آیات سے حا صل نہیں ہو تے جیسے گذ شتہ امتو ں میں ہر ایک کے درمیان مبعوث کئے جا نے والے انبیا ء کے نام اور دوسری تفصیلات کیا ہیں؟ کیا

....

۱سورئہ مومنون آیت٤٤.

۲سورئہ یونس آیت٤٧.

۳سورئہ یس آیت ١٤ .

کوئی زمانہ ایسا بھی گذر اہے کہ جس وقت لو گو ں کے درمیان کوئی پیغمبر مو جو د نہ رہا ہو ؟ یہ وہ سوا لات ہیں کہ جن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کے صاف و صریح جوا بات ظوا ہر آیات سے پتہ نہیں چلتے البتہ آخر ی سوا ل کے با رے میں کچھ اس طرح کے مشترک مضمون کی حا مل روا یات مو جو د ہیں " لَا تَخْلُوْالْاَرْضَ مِنْ حُجَّةٍ"(۱)
"زمین کبھی حجتِ خدا سے خا لی نہیں رہ سکتی "۔
لیکن اس روایت سے بھی مندرجہ بالا آخر ی سوال کا جو ا ب صریح طور پر نہیں دیا جا سکتاچو نکہ حجت نبی اور رسول دو نو ں کو کہتے ہیں اور اس میں امام (اور پیغمبر کے وصی) بھی شا مل ہیں اس بنا ء پر اس روایت کے سہا رے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتاکہ انسانو ں کے درمیان کسی فا صلے کے بغیر ہمیشہ پیغمبر مو جو د رہے ہیں ۔
یہا ں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہم مسلما نو ں کے عقیدے کے مطابق پیغمبر اکر مؐکے بعدزمین و زمان کا پیغمبر سے خا لی ہو نا مسلّم ہے اور یہ بات ضروریاتِ اسلام سے ہو نے کے علاوہ جو آیات نبوّت کے ختم ہو نے پر دلالت کر تی ہیں ان سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے لیکن ہم کو قر آنِ کریم سے کو ئی ایسی دلیل نہ مل سکی جس کے تحت پیغمبر اسلا مؐسے پہلے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی مو جو د گی ثابت ہو ۔
قرآنِ کریم کی آیات سے ایک اور بات جس کا پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ صرف کچھ ہی انبیائے الٰہی کے اسما ء اور ان کے حا لاتِ زند گی قرآنِ کریم نے بیان کئے ہیں ، تمام انبیاء علیہم السلام کی داستان قرآنِ کریم میں بیان نہیں ہو ئی ہے ۔خدا وند عالم ارشا د فر ماتا ہے
(اِنَّااَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَااَوْحَیْنَااِلیٰ نُوْحٍ وَالنَّبِیِّیْنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَااِلیٰ اِبْرَاہِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَ ھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوُوْدَ زَبُوراً۔ وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلاً لَمْ نَقْصُصْہُمْ عَلَیْکَ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسیٰ تَکْلِیْماً) (۲)
"ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد کے انبیاء کی طرف وحی کی تھی اور ابراہیم ،اسماعیل ،اسحاق ،یعقوب،اسباط، عیسیٰ، ایوب،یونس، ہارون، اور سلیمان کی طرف وحی کی ہے اور داؤد کو زبور عطا کی ہے اور بہت سے رسول (بھیجے) جن کے قصے ہم آپ سے پہلے ہی بیان کرچکے ہیں اور بہت سے ایسے رسول (بھیجے) جن کا تذکرہ ہم نے تم سے نہیں کیا ہے اور اللہنے تو موسیٰ سے (کھل کر) با تیں بھی کی ہیں "۔
.....

۱۔الکا فی (الاصول)کتا ب الحجة باب ا نَّ الاَ رْ ضَ لا تَخْلُوْ ا مِنْ حُجَّةٍ ۔
۲۔سورئہ نساء آیت ۱۶۳۔۱۶۴۔

ایک دوسری آیت میں ارشا د ہو تا ہے :
(وَلَقَدْ اَرْسَلْنَارُسُلاً مِنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَنْ قَصَصْنَاعَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ۔۔۔)(۱)
"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ آپ سے کیا ہے اور بعض کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے ۔۔۔"۔
ان آیا ت سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ پیغمبروں کی تعداد اُن سے کہیں زیا دہ ہے کہ جن کی داستان قرآنِ کریم میں بیان کی گئی ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کی جنس
قر آنِ کریم نے انبیاء علیہم السلام کے با رے میں ایک با ت عمومیت کے ساتھ یہ بیان کی ہے کہ تما م انبیاء علیہم السلام صرف مرد ہو ئے ہیں :
(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ اِلَّارِجَالًا نُوحِیْ اِلَیْہِمْ مِنْ اَھْلِ الْقُرَیٰ۔۔۔)(۲)
"او ر (اے رسول)آپ سے پہلے بھی ہم نے آ با دیو ں میں رہنے وا لے ان مر دوں کے سواکہ جن پر وحی کی ہے کسی کو (رسول بنا کر) نہیں بھیجا "۔
(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ اِلَّارِجَالًا نُوْحِیْ اِلَیْہِم فَسْئَلُوْااَھْلَ الذِّ کْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْ نَ)(۳)
"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی سوا ئے اُن مَردوں کے کہ جن کی طر ف ہم وحی بھیجتے تھے کسی کو پیغمبر نہیں بنایا پس اگر تم خودنہیں جانتے ہوتو اہل ذکر سے دریافت کرو"۔
(وَمَااَرْسَلْنَاقَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا نُوْحِیْ اِلَیْہِمْ۔۔۔)(۴)
"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی سو ا ئے ان مر دوں کے کہ جن پرہم وحی کیا کرتے تھے کسی کورسو ل بنا کر نہیں بھیجا "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

چنانچہ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا مذکورہ آیات کے ظاہر بلکہ ان کے صاف و صریح بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام پیغمبر مرد تھے اور عورتوں کے درمیان سے کوئی بھی پیغمبر مبعوث نہیں کیا گیا۔

.....

۱۔سورئہ غافر آیت۷۸۔
۲۔سورئہ یوسف آیت۱۰۹۔
۳۔سورئہ نحل آیت۴۳۔
٤۔سورئہ انبیاء آیت۷ ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

اپنی قوم کا ہم زبان ہونا

قرآن کریم میں پیغمبروں کی ایک اور عمومی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہر پیغمبر کو امت کی زبان میں تبلیغ کے لئے بھیجا گیا ہے یعنی جو رسول جس مخصوص قوم کیلئے رسول بنا کر بھیجا گیا اس نے اسی قوم کی زبان میں گفتگو کی ہے یہاں تک کہ جو پیغمبر پوری دنیا کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ان کو بھی جس قوم کے درمیان بھیجا گیا ہے اور جس قوم کے درمیان انھوں نے زندگی بسر کی ہے اسی قوم کی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے ۔مندرجہ ذیل آیات انبیاء علیہم السلام کا خود اپنی قوم کا ہم زبان ہونا بیان کرتی ہیں۔

(فَاِنَّمَا یَسَّرْنَاہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ)(۱)

"پس ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کردیا ہے کہ شاید یہ لوگ نصیحت مان لیں "۔

(نَزَلَ بِہ الرّوُحُ الْاَمِیْنُ۔عَلَیٰ قَلْبِکَ لِتَکُونَ مِنَ الْمُنْذِرِینَ۔بِلِسَانٍ عَرَ بِیٍّ مُبِیْنٍ)(۲)

"اسے جبرئیل امین لے کرنازل ہوئے ہیں یہ آپ کے قلب پر نازل ہواہے تاکہ آپ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں یہ واضح عربی زبان میں ہے "۔

یہ دوسری آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم عام فہم عربی زبان میں نازل ہوا ہے:

(وَمَااَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا بِلِسِانِ قَوْ مِہِ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ۔۔۔)(۳)

"اور ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کو خود اس کی زبان دے کر بھیجا ہے تا کہ ان کے سا منے بیان کرسکے "۔

یہ آخری آیت اپنی قو م کا ہم زبان ہو نے کے علا وہ پیغمبر کے بھیجے جا نے کی غرض و غا یت کی طرف بھی اشارہ کر تی ہے : پیغمبر کو مبعوث کر نے کا ہد ف قوم تک اس (پیغمبر)کے ذریعہ الٰہی اہداف و مقا صد پہنچانا ہے ۔ بنابرایں اگر پیغمبر کی زبا ن (جو قوم کے ساتھ رابطے کا اصل ذریعہ ہے) اپنی قو م کی زبان سے مختلف ہو تو وہ کا مل طور پر

.....

۱۔سورئہ دخان آیت۵۸۔
۲۔سورئہ شعراء آیت۱۹۳۔۱۹۵۔
۳۔سورئہ ابراہیم آیت٤۔

رسالت کا فریضہ ادا کر نے اور اپنے مبعوث ہو نے کے اہدا ف و مقا صد کو پو را کر نے میں کا میاب نہیں ہو سکے گا ۔

دعوتِ توحید

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قر آ ن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے عمو می اوصاف میں سے ایک خدا ئے واحد کی عبا دت کی دعوت بھی ہے اور قرآنِ کریم کی متعدد آیات اس چیز پر دلالت کر تی ہیں کہ تما م انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ میں سرِ فہرست لوگو ں کو توحید کی دعوت دینا رہا ہے ارشاد ہو تا ہے:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُ مَّةٍ رَسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوْااللهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ)(۱)

" اور در حقیقت ہم نے ہر امت میں ایک (نہ ایک) رسو ل ضرور بھیجا کہ کہے :لو گو !خدا کی عبا دت کرو او ر طاغوت کی پر ستش سے دور رہو "۔

(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْ لٍ اِلَّانُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہُ لَا اِلٰہَ اِ لَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ)(۲)

" اور ہم نے آپ سے پہلے کو ئی رسو ل نہیں بھیجا مگر یہ کہ ان پر وحی کی کہ میرے سوا کو ئی معبود نہیں پس میری عبا دت کیا کرو "

اوردوسرے سورہ میں ارشا د ہو تا ہے :

(اِذْجَائَتْھُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا تَعْبُدُ وْااِلَّا اللهَ --)(۳)

" جب ان کے پاس ان کے آگے ، پیچھے ہما رے پیغمبر آ ئے (اور کہا) خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کر نا "۔

ہا ں ہر پیغمبر مسئلۂ تو حید اپنے خا ص طریقہ سے بیان کر تا تھا لیکن مجمو عی طور پر ان کی تعلیم کا ماحصل وہی خدائے یکتا کی پرستش تھی ۔ چنا نچہ بغیر کسی شک وشبہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام الٰہی انبیا ء کی دعوت کی اصل روح اورحقیقتِ مشتر کہ یہی تو حیدمسئلہ اور خد ائے وحد ہٗ لا شریک کی پر ستش رہی ہے ۔

معا شرہ میں رائج برا ئیو ں اور بد عنو انیو ں سے جنگ

تمام انبیاء علیہم السلام خدا ئے وحدہ لا شریک کی عبا دت کی دعوت کے علاوہ کہ جس کی وہ سبھی عام طور پر دعوت دیا کر تے تھے اپنی امت میں رائج بد عنوانیو ں سے مقا بلے کے لئے اٹھ کھڑے ہو تے تھے ۔ نمونہ کے طور پر حضرت .....

۱۔سورئہ نحل آیت ۳٦۔
۲۔سورئہ ا نبیاء آیت ۲۵۔
۳۔سورئہ فصلت آیت ۱٤ ۔

شعیب کے زما نہ میں "کم فروشی "کا روا ج تھا ۔اس بنا ء پر حضرتِ شعیب علیہ السلام کوخا ص طور پر اس اقتصا دی بدعنوانی سے جنگ کے لئے بھیجا گیا تھا ۔وہ اپنی امت سے کہتے تھے :

(َوْفُوا الْکَیْلَ وَلاَتَکُونُوا مِنْ الْمُخْسِرِینَ۔ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیمِ۔وَلاَتَبْخَسُوا النَّاسَ َشْیَائَہُمْ وَلاَتَعْثَوْا فِی الْ َرْضِ مُفْسِدِینَ)(۱)

"(جب کو ئی چیز ناپ کر دو تو) پیمانہ بھر کر دیا کرو (کم نہ دیا کرو) اور (جب تو ل کر دو) ٹھیک ترا زو سے (ڈنڈی سیدھی رکھکر)تو لو اور لو گو ں کے مال کی قیمت کم نہ لگا یا کرو "

حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی امت کے درمیان عام طور پر بد چلنی شا ئع و رائج ہو چکی تھی لہٰذا حضرتِ لوط علیہ السلام اس معا شرتی برا ئی سے مقا بلے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے خداوند عالم قر آنِ کریم میں ارشاد فر ماتا ہے :

(اَتَاْتُوْنَ الذُّ کْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۔وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْم عَادُوْنَ)(۲)

"کیا تم سا رے جہان کے لوگو ں میں مر دوں ہی کے پاس جا تے ہو ؟اور خدا وند عالم نے جو بیبیاں تمہارے وا سطے پیدا کی ہیں انھیں چھو ڑ ے ہو ئے ہو (نہیں) بلکہ تم لوگ اپنی حد سے نکل گئے ہو"۔

فضیلت کے اعتبا ر سے مرا تب کا فرق

ایک اور اصو ل جس پر قرآنِ کریم نے بہت زیا دہ زور دیا ہے یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت اور کما ل کے لحا ظ سے فرق ہو تا ہے ،قرآن کریم میں ارشاد ہو تا ہے:

(تِلْکَ الرُّ سُلُ فَضَّلْنَا بَعضَہُمْ عَلَیٰ بَعْضٍ ---)(۳)

" ان میں بعض رسو لو ں کو ہم نے بعض دو سرے رسو لو ں پر فضیلت دی ہے---"۔

اور اس آیت سے ملتی جلتی دوسری آیت میں ارشاد ہو تاہے :

(وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیِّیْنَ عَلَیٰ بَعْضٍ) (٤)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ شعرأ آیت ۱۸۱۔ ۱۸۳۔
۲۔سورئہ شعرا آیت۱۶۵۔۱۶۶۔
۳۔سورئہ بقرہ آیت۲۵۳۔
٤۔سورئہ اسراء آیت۵۵۔

"اور ہم نے یقینا بعض پیغمبروں کو بعض پرفضیلت دی ہے "۔
ان آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تما م انبیائے الٰہی کما ل کے اعتبا ر سے مسا وی نہیں تھے اور معنوی مقا م کے اعتبار سے ایک دو سرے سے فر ق کر تے تھے ۔

اجر طلب کر نے سے پر ہیز
انبیا ء علیہم السلام کی ایک اور مشتر کہ خصو صیت یہ ہے کہ انھو ں نے ہر گز اپنی امت سے رسا لت کی راہ میں اٹھا ئی جا نے والی طا قت فرسا زحمتو ں کے عوض کو ئی اجر و مز دوری نہیں طلب کی ۔ انبیاء کی زبا نی یہ بات صاف طور پر نقل ہو ئی ہے کہ وہ اپنی امت سے مخا طب ہو کر فر ما یا کر تے تھے :
ہم تمہا ری رہنما ئی اور تعلیم و تر بیت کے عو ض تم سے کو ئی اجر نہیں چا ہتے کیو نکہ ہما ری اجرت خداوند عالم کے ذمہ ہے ۔ اس کے سلسلہ میں سب سے جا مع سورہ ، سورئہ شعراء ہے۔ جس میں پا نچ مقا مات پر پیغمبر وں کی داستان بیا ن کر نے کے بعد قرآن کہتا ہے:
(وَمَااَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَ َلیٰ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)(۱)
"اور اس (تبلیغ رسالت) کے بد لے میں تم سے کو ئی اجرنہیں چا ہتا میری اجرت تو بس سا رے جہان کے پالنے وا لے (خدا) کے ذمہ ہے "۔
یہ آیت کہ جس میں حضرتِ نوح ، ہود، صا لح ، لوط اور شعیب علیہم السلام جیسے پیغمبروں کی حکا یت بیان ہوئی ہے واضح طور پر اس واقعیت سے پر دہ اٹھا تی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی بھی طرح کی تو قع یا مطالبہ اپنی زحمتو ں کے سلسلے میں لوگو ں سے نہیں رکھتے تھے اور ان کی امید صرف اور صرف خدا وند عالم کے فضل و کرم سے وابستہ تھی ۔
قر آن کریم کی چند آیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بھی گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی مانند لوگوں سے کسی طرح کے اجر کی تو قع نہیں رکھتے تھے :
(وَمَا تَسْئَلُھُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ ھُوَ اِ لَّا ذِکْر لِلْعَالَمِیْنَ)(۲)
" اور تم اس (کام) کے بد لے ان سے کو ئی صلہ نہیں چا ہتے ۔ وہ (قرآن) دنیا وا لو ں کے لئے نصیحت کے علا وہ اور کچھ نہیں ہے "۔

.....

۱۔سورئہ شعراء آیت۱۸۰،۱٦٤،۱٤٥،۱۲۷،۱۰۹۔
۲۔سورئہ یوسف آیت ۱۰٤۔

(قُلْ مَااَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِ ِیْنَ)(۱)
"(اے رسول)آپ ان سے کہد یں میں تم سے نہ اس (تبلیغِ رسالت) کا کو ئی بد لہ چا ہتا ہو ں اور نہ میں ان لو گو ں میں ہو ں کہ خود ساختہ چیزو ں کی خدا کی طرف نسبت دیدوں "۔
بعض دو سری آیا ت میں اس حقیقت کو استفہا مِ انکا ری کی صو رت میں بیا ن کیا گیا ہے ۔
(اَمْ تَسْئَلُھُمْ اَجْراًفَھُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُوْ نَ)(۲)
"(اے رسول) کیا آپ نے ان سے (تبلیغِ رسالت کا) کو ئی صلہ ما نگا ہے اور ان لو گو ں پر تاوان میں (وعدہ پو را کر نے کا) بھا ری بو جھ پڑ رہا ہے ؟!"۔
بغیر کسی شک و شبہ کے دو سو روں میں دہرا ئی جا نے والی اس آیت میں استفہام(اور سوالیہ انداز) استفہامِ انکا ری کی قسم سے ہے۔ لہٰذا اس آیت میں بھی ایک دو سرے رُخ سے یہی حقیقت بیان ہو ئی ہے کہ پیغمبراسلام نے اپنی امت سے تبلیغ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رسالت کے سلسلے میں کسی اجر کا مطالبہ نہیں کیا ہے ۔
ابھی ذکر شدہ تمام آیات میں کسی بھی قسم کے اجر کی درخواست کا مطلق طور پر انکا ر ہے لیکن بعض دو سری آیات سے اس سلسلہ میں ایک طرح کے استثنا ء کا پتہ چلتا ہے :
(قُلْ لَاْ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِیْ الْقُرْبَیٰ --)(۳)
"(اے رسول) آپ کہدیں کہ میں اس (تبلیغ رسالت) کا اپنے قر ابتدا رو ں کی محبت کے سوا تم سے کو ئی صلہ نہیں چا ہتا ۔"
(قُلْ مَااَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍاِلَّا مَنْ شَائَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلَیٰ رَبِّہِ سَبِیْلاً)(٤)
"(ان لو گو ں سے)آپ کہد یں کہ اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کو ئی اجر نہیں چا ہتا ہو ں مگر یہ کہ جو چا ہے اپنے پر ور دگار تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے "۔
پہلی نظر میں ممکن ہے کو ئی یہ گمان کرے کہ مذ کو رہ دو آیتیں ایک استثنا ئے حقیقی ہیں اس معنی میں کہ پیغمبر اسلامؐ نے (تمام انبیا ء علیہم السلام کے بر خلاف اور دوسری آیات میں مذ کورہ خود اپنی گفتگو کے بر خلاف (کہ جن .....

۱۔سورئہ ص آیت ۸٦۔
۲۔سورئہ طور آیت ٤۰ اور سورئہ قلم آیت ٤٦۔
۳۔سورئہ شو ریٰ آیت۲۳۔
٤۔سورئہ فر قان آیت۵۷۔

میں کلی طور پر ہر طرح کے اجر کے مطالبہ کی نفی کی گئی ہے) ان دو نو ں آیات میں لو گو ں سے تبلیغ رسالت کا اجر اور بد لا طلب کیا ہے لیکن پہلی نظر میں پیش آ نے والا یہ تصور صحیح نہیں ہے کیو نکہ ان دونو ں آیتو ں کے مطالب پر غور و فکر کرنے سے یہ بات روشن ہو جا تی ہے کہ جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ ان چیزو ں میں سے نہیں ہے جو عام طو ر پر لوگ کسی عمل کے انجام دینے کے بعد مز دوری کے عنوان سے طلب کیا کر تے ہیں ۔ عر ف عام میں مزدو ری اس منفعت کو کہتے ہیں جو مزدوری دینے والا کسی مزدور کو دیتا ہے ۔ دوسرے لفظو ں میں یہ مز دو ری پا نے والا شخص ہے جو وہ اپنے انجا م دیئے گئے کام کے بد لے میں پا تا ہے اور اس کی منفعت سے بہرہ مند ہو تا ہے ۔ اجر ت کے اس مفہو م سے یہ بات واضح ہوجا تی ہے کہ اس میں جن چیز و ں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یعنی "اَلَّا الْمَوَدَّۃَ فِیْ الْقُرْبَیٰ "اور "مَنْ شَا ئَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلیٰ رَبِّہِ سَبِیْلاً " استثنا نہیں ہے (۱) اس لئے کہ یہ وہ اجر تیں ہیں جس کا فا ئدہ خو د ذاتِ پیغمبر کی طرف نہیں پلٹتا بلکہ یہ تو امت اسلامی ہے جوخا ندا نِ پیغمبراکرمؐسے دو ستی کے ذریعہ الٰہی راہ پر گا مزن ہو کر فائد ہ اٹھا ئے گی ۔
مندر جہ بالا بیان کی روشنی میں کسی کے ذہن میں یہ با طل خیا ل نہیں آنا چا ہئے کہ (نعوذ باالله)پیغمبر اکرم مقام و منصب کے خوا ہا ں تھے اور ان کا مقصد لو گو ں کے درمیان محبوبیت حا صل کر نا تھا اور چا ہتے تھے کہ اُن کے بعد لو گو ں کی نظر اُن کے خا ندا ن پر مر کو زرہے ۔
جی نہیں ، ایسا نہیں ہے بلکہ نبی اکر مؐآپ کے اقر باء سے محبت و مو دت اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے دوستی ایک ایسا امر ہے جو بالآ خر خود لو گو ں کے فا ئدے میں ہے اور خود ان کی سعا دت اور کمال کے لئے ہے اور اصو لی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستثنیٰ کئے گئے دو نوں امر کی بر گشت با لآخر ایک ہی چیز کی طرف ہے ۔ اس لئے کے کسی بھی شک و شبہ کے بغیر پیغمبر اکرمؐکی طرف سے اپنے اہل بیت علیہم السلام کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنانے کی وصیت، آپ کا کوئی ذاتی کام نہ تھا بلکہ خدا کے حکم کے تحت تھا۔پیغمبر اکرمؐکو خداوند عالم کی طرف سے اس امر پر مامور کیاگیا تھاکہ آپ اہل بیت علیہم السلام کا رسالت کے تسلسل اور امت کی رہنمائی کے لئے جو اعلیٰ مقام رکھتے ہیں لوگوں کے گوش گذار فرمادیناور بلاشبہ اہل بیت علیہم السلام سے تمسک خداوند عالم کی راہ پر چلنے کا کامل و واضح مصداق ہے ۔
آخری دو آیتوں کی جو تفسیربیان کی گئی ہے اور زیادہ صراحت کے ساتھ مندرجہ ذیل آیت میں بیان کی گئی ہے :

۱۔(اجر) کے مذکو رہ معنی کے مدِّ نظر علما ئے علم نحو کے اعتبار سے ان آیات میں استثنا ئے مذ کور استثنا ئے منقطع کی قسم سے ہے کہ جس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍفَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلّا عَلَیٰ اللهِ ---)(۱)
اس آیت کی دو طرح سے تفسیر کی گئی ہے پہلی تفسیر کے مطابق جو مندرجہ بالا بیان سے مناسبت رکھتی ہے ۔ آیت میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اجر و مزدوری کے طور پر جس چیز کا مطالبہ کیا ہے۔ حقیقت میں وہ وہی چیز ہے جس کا فائدہ خود لوگوں کی طرف پلٹتا ہے یعنی حقیقی اجر لینے والی خود امت ہے لیکن دوسری تفسیر کے مطابق آیت سر ے سے اجرت کی نفی کررہی ہے یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ بھی تم سے اپنی رسالت کے عوض میرا مطالبہ ہے وہ میں نے تم ہی کو بخش دیا۔ (جیسے کوئی قرض دینے والا مقروض سے کہتا ہے :اگر میراتم سے کچھ مطالبہ ہو تو وہ میں نے تم ہی کو بخش دیا)۔
یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آخر کی تین آیتوں کو دعائے ندبہ میں بڑے ہی اچھّے اور خوبصورت انداز میں ایک دوسرے سے مرتبط کرکے بیان کیاگیا ہے:
(---ثُمَّ جَعَلْتَ اَجْرَمُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَآلِہِ مَوَدَّتَہُمْ فِیْ کِتَابِکَ فَقُلْتَ قُلْ لَااَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراًاِلَّاالْمَوَدَّۃَ فِیْ الْقُرْبَیٰ وَقُلْتَ مَاسَئَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍفَھُوَلَکُمْ وَ قُلْتَ مَااَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَائَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلَیٰ رَبِّہِ سَبِیْلاً فَکَانُوْاھُمُ السَّبِیْلُ اِلَیْکَ وَالْمَسْلَکَ اِلیٰ رِضْوَانِکَ ---)
"اس وقت تو (اے پر ور دگا ر)نے اپنے قرآن میں رسالتِ محمدؐ کی اجرت امّت کی اہل بیت سے محبت دوستی قرار دی جہا ں تو نے فر مایاہے :
"اے رسول "آپ کہدیں کہ میں اس(تبلیغ رسالت)کا اپنے قرابتداروں (اہل بیت) کی محبت کے سوا تم (امتوں)سے کوئی صلہ نہیں مانگتااور پھر تونے فرمایا :"اے رسول"آپ (یہ بھی)کہدینکہ (تبلیغ رسالت کی) میں نے تم سے جو اجرت مانگی ہے وہ تمہارے ہی فائدہ میں ہے اور پھر تونے فرمایا :"(اے رسول)آپ یہ بھی کہدیں کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا مگر (یہ کہ) خدا کی راہ پر چلے ۔پس (آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ)اہل بیت پیغمبر تجھ تک اور تیری جنت رضوان تک پہنچنے کا راستہ (اورر اہبر)ہیں "۔

.....

۱۔ سورئہ سبا آیت ۴۷۔

اولواالعزم انبیاء علیہم السلام

انبیاء علیہم السلام سے متعلق ایک بحث یہ ہے کہ کیا تمام انبیا ء علیہم السلام کی رسالت ساری دنیا کے لئے عمومی رسالت تھی یا ہر نبی ایک خاص گروہ کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ اس مسئلہ کے جواب میں مفسرین میں اختلاف پا یا جاتا ہے پھر بھی مندرجہ ذیل دو با توں پر سب کا اتفاق ہے
۱۔ تقر یباً تمام مفسر ین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی رسالت عا لمی رسالت نہیں تھی دوسرے لفظو ں میں کم از کم بعض انبیا ء علیہم السلام کی رسالت ایک مخصوص قوم تک محدود تھی ۔
۲۔بعض نا سمجھ افراد نے جس شبہ کا اظہار کیا ہے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلامؐ تمام دنیا والوں کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کی رسالت کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں ہے ۔
علاّمہ طباطبائی نے قرآن کریم کی آیات سے استفادہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ انبیاء کے درمیان پا نچ پیغمبر صا حبِ شریعت اور آسمانی کتاب یا صحیفے اور اجتما عی احکام لیکر آئے ہیں۔ وہ پانچ انبیاء علیہم السلام حضرتِ نو ح علیہ السلام، حضرتِ ابرا ہیم علیہ السلام ، حضر ت مو سیٰ علیہ السلام ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ، اور حضر ت محمد مصطفےٰؐ ہیں، ان ہی پا نچوں حضرات کو قر آن کریم نے اولو االعزم پیغمبر کے نا م سے یا د کیا ہے۔
قرآن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :
(فَا صْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ---)(۱)

.....

۱۔سو رئہ احقاف آیت۳۵۔

" پس (اے رسول) جس طرح اولواالعزم(عالی ہمت) انبیاء صبر کر تے رہے تم بھی صبر کرو "۔
علامہ طبا طبائی کی نظر میں یہ پانچ او لو االعزم پیغمبر وہ ہیں جن میں ہر ایک مند رجہ بالا خصو صیات کے علاوہ اپنے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

زمانہ میں پوری دنیا کے لئے رسول رہا ہے اور ان کی دعوت کسی خاص گروہ سے مخصو ص نہیں رہی ہے اس کے بر خلاف بقیہ تمام انبیا ء علیہم السلام ہینجو ایک مخصو ص گرو ہ کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ علامہ طبا طبا ئی نے مندر جہ بالا دعوے کو ثابت کر نے کے لئے قرآنِ کریم کی آیات شا ہد میں پیش کی ہیں ۔ (۱) یہا ں یہ با ت بھی قا بلِ ذکر ہے کہ ان پانچ افراد کو بعض روا یتو ں میں بھی او لو االعزم انبیاء علیہم السلام کے نا م سے یا د کیا گیا ہے اور ان کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔(۲)

کیا اولو ا العزم انبیا ء علیہم السلام ہی صا حبا نِ کتاب و شریعت ہیں ؟
جیسا کہ بیان کیا گیا اس میں کو ئی شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ایک گرو ہ کو قر آن کریم نے اولو ا العزم انبیاء علیہم السلام کے نا م سے یا د کیا ہے اور سورئہ احقا ف میں(فَاصْبِرْكَمَا صَبَرَ اُوْلُوْاالْعَزْمِ مِنَ الرُّ سُلِ)اس مسئلے پر واضح طور سے دلا لت کر تی ہے لیکن کسی بھی قطعی دلیل کے ذریعہ پتہ نہینچلتا کہ یہ او لوا العزم انبیاء علیہم السلام کو ن سے انبیاء علیہم السلام ہیں ؟ آیا یہ او لو ا العزم انبیا ء وہی انبیاء علیہم السلام ہیں کہ جن پر آسمانی کتا بیں نا زل ہو ئی ہیں ؟ یا او لو االعزم ا نبیاء علیہم السلام سے مراد رسو لو ں کا وہ گروہ ہے جوصا حبِ شریعت ہے ؟ یہ وہ سوا لات ہیں جن کے جوا بات کے لئے ہمارے پاس کو ئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ دو سرے الفاظ میں قر آن کریم کی کوئی آیت یا توا تر کے ساتھ منقو ل کو ئی بھی روایت ایسی نقل نہیں ہو ئی ہے جس سے یہ معلوم ہو تا ہو کہ صرف پانچ انبیاء علیہم السلام (یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابرا ہیم علیہ السلام ، حضرت مو سیٰ علیہ السلام ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ) ہی صا حبا ن کتاب و شریعت ہو ئے ہیں ۔البتہ جیسا کہ ہم پہلے اشا رہ کرچکے ہیں بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولو االعز م انبیاء علیہم السلام صرف یہی پانچ ا نبیاء علیہم السلام ہیں لیکن یہ روا یات حدّ توا تر تک نہیں پہنچتیں اس بنا پر ان

.....

۱۔رجوع کیجئے : سید محمد حسین طبا طبائی ، المیزا ن فی تفسیر القر آن انتشا را ت اعلمی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲ ۔)
۲۔ نمونہ کے طور پر ملا حظہ کیجئے ، کلینی کی الا صو ل من الکا فی ، کتاب الحجة باب طبقات الا نبیاء والرّسل والا ئمہ حدیث ۳ ۔
علامہ طبا طبائی رحمة اللہ علیہ کے بقول کہ او لو ا العزم پیغمبر پا نچ افراد ہیں اس مطلب پر روایت حد مستفیض پر دلا لت کر تی ہیں ۔
ملاحظہ ہو المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ ، ۱۴۶ اور جلد ۱۸ صفحہ ۲۲۰ ۔

کو دلیل ظنی شما ر کیا جاتا ہے دلیل قطعی نہیں ہیں۔ ان مطالب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا تا ہے کہ اگر ہم کو کو ئی ایسی آیت یا روایت ملے جو اس چیز پر دلالت کر ے کہ او لو االعزم ا نبیاء علیہم السلام صا حبا نِ کتاب و شریعت ان پانچ انبیا ء سے زیادہ ہیں تو وہ دلیل کسی معا رض کے بغیر قا بل قبول ہوگی اور اس کے مطالب کی تصدیق کی جا سکتی ہے ۔ بہر حال اس وقت یہی کہا جا سکتا ہے کہ صا حبا نِ کتاب و شریعت ا نبیاء علیہم السلام کوان پا نچ انبیا ء علیہم السلام میں منحصر کر نادلیلِ ظنی کے تحت ہے اور اس کا اظہا ر صرف بعض روایات سے ہو تا ہے ۔

صا حبانِ کتا ب او لو االعزم ا نبیاء علیہم السلام کی رسالت کا دا ئرہ
اب سوا ل یہ ہے کہ آیا او لو ا العزم انبیاء علیہم السلام کی رسالت (چا ہے وہ پا نچ افراد ہو ں یا زیادہ) ساری دنیا کے لئے تھی یا ان میں سے ہر ایک نبی کسی خا ص قو م کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا؟ جیسا کہ ہم پہلے بھی اشا رہ کرچکے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی رسالت پوری دنیا کیلئے تھی لیکن دوسرے اولوا العزم انبیاء علیہم السلام کے بارے مینکیا کہا جائے ؟ اس سوال کے جواب میں اسلامی دانشمندوں نے دو بنیادی نظر یے پیش کئے ہیں :
الف:اولوا العزم انبیاء علیہم السلام کی رسالت عا لمی رسالت نہیں تھی یعنی پور ی دنیا کے لئے وہ رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے مثال کے طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام صرف بنی اسرائیل کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور ان کی دعوت اسی قوم سے مخصوص تھی ۔بعض آیات سے بھی ان کے اس دعوے کی تائید ہوتی ہے
(وَ رَسُوْلاً اِلٰی بَنِیْ اِسْرَا ئِیْلَ ---)(۱)
"اور (عیسیٰ کو)رسو ل کے عنوان سے بنی اسرا ئیل کی طرف بھیجے گا "
(وَاِذْ قَالَ عِیْسَیٰ ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْ اِسْرَا ئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْکُمْ ---)(۲)
"اور جب عیسیٰ بن مر یم نے کہا اے بنی اسرا ئیل میں تمہا رے پاس خدا کا بھیجا ہوا (آیا) ہوں "۔(۳)
مندجہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان انبیاء علیہم السلام کی رسالت پوری دنیا کیلئے نہیں تھی اس بناء پر ایک

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ آلِ عمران آیت۴۹۔
۲۔سورئہ صف آیت٦۔

۳۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے مینبھی بہت سی آیات ہیں جو اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ خاص بنی اسرائیل کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے مثال کے طور پر سورئہ اسراء کی دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے :
(وَآتَيْنَا مُوْسَىٰ الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاه هُدىً لِبَنِيْ اِسْرَائِيْلَ--)"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب(توریت)عطا کی اور اسکو بنی اسرائیل کا رہنما قرار دیا --" اسی طرح ملاحظہ فرمائیں سورئہ اسراء (آیت۱۰۱)سورئہ طہ آیت٤٧،سورئہ شعراء آیت ۱۷۔اور سورئہ غا فر آیت۵۳۔
پیغمبر کے آسمانی کتاب کے حا مل ہونے اور اس کے عا لمی ہو نے کے مابین کوئی لزو م نہیں پایا جاتا ۔
ب۔دوسرے نظریہ کی بنیاد پر اولوا العزم انبیاء علیہم السلام اور صاحبان کتاب دو طرح کے تبلیغی فرائض انجام دیتے تھے ۔
۱۔خدا کی عبادت ،توحید اور شرک نہ کرنے کی دعوت ۔
۲۔ایک خاص شریعت اور احکام کی دعوت ۔پہلی دعوت پوری دنیا کیلئے تھی اس کے برخلاف دوسری دعوت ایک خا ص قوم سے مخصوص تھی مثال کے طور پر آیات قرآنی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پیغام توحید کے ساتھ شرک نہ کرنے کی دعوت دی تھی اور اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اپنے اعتقادی پہلو سے فرعون اور فرعونیوں کے لئے بھی شامل تھی حالانکہ ان کا بنی اسرائیل میں شمار نہیں ہوتا ۔ دوسری طرف بنی اسرائیل کے مصر سے خارج ہونے اور ان کے اس سرزمین میں پہنچنے کے بعد کہ جس کا خدا نے حکم دیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کچھ تختیاں نازل ہوئیں ان الواح پر وہ احکام درج تھے جو قوم بنی اسرائیل سے مخصوص تھے اس میندوسرے قبیلوناور قوموں کو خطاب نہیں کیا گیا تھا ۔
اس خیال کی بنیاد پر حامل کتاب انبیاء علیہم السلام ایک طرف تو دعوت عام کے تحت پوری دنیا کو توحید یعنی خدائے لاشریک کی عبادت کی دعوت دیا کرتے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم والوں کو مخصوص احکام و شرائع کی دعوت دیا کرتے تھے اور قوم پر ان احکام کی اطاعت واجب تھی ۔
یہ دونوں نظریے اس باب میں بیان کئے گئے تمام نظریوں میں سب سے اہم نظریے ہیں۔ ان نظریوں کے تنقید ی جائزے اور اپنی رائے کے اظہار سے پہلے تمہید کے طور پر چندمقدموں کا بیان کردینا ضروری ہے ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

ادیان الٰہی ایک ہیں یا کئی؟
پہلا مقدمہ دینوں اور شریعتوں کے اختلافات کے بارے میں ہے ۔گذشتہ بحثوں میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اصولی طور پر تمام ادیان اور آسمانی شریعتیں اس طرح ایک ہی دین میں پروئے ہوئے ہیں کہ ان کو متعدد ادیان شمار نہیں کیا جاسکتا ۔اب ممکن ہے کوئی کہے بہر حال آسمانی ادیان میں کچھ جزئی اختلافات دیکھنے مینآتے ہیں جن کا کسی صورت میں انکار نہیں کیا جاسکتا اور ان اختلافات کو دیکھتے ہوئے آسمانی ادیان کے ایک ہونے کا دعویٰ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں پہلے ادیان کے مابین ایک دوسرے سے اختلاف کی کیفیت کا جا ئزہ لیں اور اسکے بعد یہ دیکھیں کہ کیا یہ اختلافات خدا کے ادیان کی اصل روح میں بھی اختلاف کا باعث ہیں یا نہیں؟در اصل ادیان حق کے مابین جو اختلافات قابل تصوّر ہیں تین حصّوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں ۔
الف :پہلے حصے میں وہ فرق آتے ہیں جو دو ادیان کے احکام کے دائرے میں اختلاف کا نتیجہ ہیں :
ممکن ہے ایک دین کی آسمانی کتاب کے احکام و قوانین کا دائرہ دوسرے دین کی آسمانی کتاب کے دائرے سے زیادہ وسیع ہو۔اس صورت میں ہم کو کچھ ایسے احکام نظر آئینگے جو ایک دین میں تو بیان کئے گئے ہیں لیکن دوسرے دین میں ان کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کوئی نا م و نشان بھی نہیں ہے ۔یہ اختلاف شاید دو امتوں کے درمیان ان کے پیچیدہ قسم کے معاشرتی روابط میں موجود اختلافات کا نتیجہ ہو بعض معاشرے سماجی طور پر سادہ زندگی بسر کیا کرتے تھے اور ان کے افراد کے درمیان معاشرتی روابط میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی ۔ظاہر ہے اس طرح کے معاشرہ میں مخصوص معاشرتی قوانین بنانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی اور پیغمبر کے ذریعے اس طرح کے احکام کا بھیجا جانا بھی بیکار تھا۔ اسکے مقابل کچھ معاشرے بہت ہی پیچیدہ قسم کے معاشرتی امور میں الجھے ہوئے تھے اور یہ حقیقت اس بات کی متقاضی تھی کہ ان کیلئے مخصوص احکام و قوانین بنائے جائیں ۔اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غالباً اس قسم کے اختلاف کی ایک دلیل مختلف امتوں اور معاشروں کا اپنی ساخت کے اعتبار سے مختلف ہونا رہا ہو جو اپنی جگہ خود شریعت اور معاشرتی احکام کے دائرہ میں شریعتوں کے اختلاف کا سبب ہوئے ہوں البتّہ جیسا کہ ہم نے اپنی تحریر میں زور دیا ہے یہ بات صرف احتمال کے طور پر پیش کی گئی ہے جو پہلی قسم کے اختلاف کی دلیل کے عنوان سے ذہن میں آتی ہے۔

ب:اختلاف کی دوسری قسم ان امور سے تعلق رکھتی ہے جہاں شرعی حکم کے طورپر ایک دین میں بیان کیا ہوا قانون اور حکم دوسرے دین میں نسخ کردیا گیا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ بہت سے امور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی موسوی شریعت کے زمانہ میں بنی اسرائیل پر حرام تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حلال ہوگئے ۔ دوسرے لفظوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آئین و شریعت میں منسوخ کردیئے گئے قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی، جب آپ بنی اسرائیل کے درمیان مبعوث کئے گئے ،فرماتاہے: (--- وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ---)(۱)

"---اورمیں بعض ان چیزوں کو حلال قرار دوگاں جو تم پر حرام تھیں ---"۔

اس طرح گذشتہ شریعت کے بعض احکام کا نئی شریعت میں نسخ کردیا جانابھی دو شریعتوں میں ایک قسم کے اختلاف کا باعث بنا ہے ۔

ج:اختلاف کی تیسری قسم ایسے مقامات سے تعلق رکھتی ہے جہاں کسی دین میں ایک حکم بنیادی طور پر جس وقت .....

۱۔سورئہ آلِ عمران آیت ۵۰۔

بیا ن کیا گیاہے اسی وقت سے اس کو ایک خاص گروہ یا خاص قوم سے اس طرح مخصوص کردیا گیا ہوکہ حتّیٰ اس حکم میں خود اس قوم کے معاصر دوسرے گروہوں یا قوموں کو شامل نہ کیا گیا ہو۔چنانچہ بنی اسرائیل پر حرام کی جانے والی بعض چیزیں اسی قسم کی تھیں :

(فَبِظُلْمٍ مِنْ الَّذِينَ ہَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْہِمْ طَيِّبَاتٍ حِلَّتْ لَہُمْ وَبِصَدِّہِمْ عَنْ سَبِيلِ اللهِ كَثِيرًا۔وَأَخْذِہِمْ الرِّبَاوَقَدْ نُہُوا عَنْہُ وَأَكْلِہِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْہُمْ عَذَابًا أَلِيمًا)(۱)

"پس ان یہو دیو ں کے ظلم کی بنا ء پر ہم نے جن پا کیزہ چیزو ں کو حلال کر رکھا تھا ان پر حر ا م کر دیا اور ان کے اکثر لو گو ں کو را ہِ خدا سے رو کنے کی بنا پر اور سود لینے کی بناء پر جس سے انھیں روکا گیا تھا اور ناجائز طریقہ سے لوگونکا مال کھانے کی بناء پر(حلال چیزیں حرام کر دیں) اور ہم نے کافروں کے لئے بڑا دردناک عذاب مہیا کیا ہے "۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ان آیات میں بظاہر (من الذین ھادوا)سے یہ پتہ چلتاہے کہ بعض حلال امور کا حرام کہا جانامخصوص طور پر بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہے اور ان کے درمیان عام طور پر رائج بعض گناہ(جیسے ظلم و ستم کرنا اور سود لینا)اس کا سبب بنے تھے ۔اس بناء پراگر اسی زمانہ یا اس کے بعد والے زمانوں میں کوئی پیغمبر کسی دوسری قوم میں مبعوث کیا جائے گا تو اس کی شریعت میں یہ چیز حرام نہیں ہوگی ۔

یہاں یہ بات بیان کردینا ضروری ہے کہ اختلاف کی آخری دو قسموں کے درمیان بہت باریک سا فرق ہے۔دوسری قسم کے اختلافا ت ہمیشہ دو مختلف زمانوں کے لحاظ سے رو نما ہوئے ہیں کیونکہ اس کے ذیل مینبھی وہ مقامات آتے ہیں کہ جہاں ایک حکم کسی مخصوص شریعت میں ایک خاص زمانہ کیلئے بنایاجاتاہے اور کچھ مدت گذرجانے کے بعدوہ حکم دوسری شریعت میں منسوخ ہوجاتاہے لیکن تیسری قسم کا اختلاف ایک زمانہ میں بھی اس طرح واقع ہوسکتا ہے کہ فرض کیجئے دو شریعتیں ایک دوسرے کی معاصرہیں اور ان میں سے ایک شریعت میں ایسا حکم موجود ہے جو کسی ایک قوم سے مخصوص ہے لیکن دوسری شریعت میں (جو دوسری قوم کیلئے نازل ہوئی ہے)وہ حکم نہیں پایا جاتابہر حال یہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ مختلف طریقوں سے ادیان الٰہی کے درمیان ممکنہ یاواقعی اختلاف کی قسمیں ہیں اور اس مقام پر دو نکتوں کی طرف توجہ لازم ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ نساء آیت ۱۶۰۔۱۶۱۔

ایک :جیسا کہ غور و فکر سے یہ بات آشکار ہوجاتی ہے کہ مختلف شریعتوں میں بیان شدہ تمام اختلافات مشیّت الٰہی کے تابع ہیں اور ان میں حقیقی مصلحتیں پائی جاتی ہیں جو مختلف قوموں کے درمیان موجود مخصوص حالات اور خصوصیّات کے تحت ہیں۔دوسرے لفظونمیں یہ اختلافات امتوں پرزبر دستی نہیں لادے گئے تھے اور نہ ہی شارع مقدّس کے دائرہ ارادہ سے خارج تھے ۔

دو :ادیان الٰہی کے پیروؤں کے درمیان کچھ اختلافات ان تحریفات کی وجہ سے وجود میں آئے ہینجو خود آسمانی شریعتوں کے طرفداروں نے تاریخ کے طویل دور میں انجام دئے ہیں چنانچہ ہم نے اس سے قبل جو تقسیم بندی کی تھی اس میں اس طرح کے اختلافات کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے ۔

دین کے اندر اختلافات

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ مندرجہ بالا اختلاف کی تینوں قسمیں کیا ایک ہی دین میں راہ بنا سکتی ہیں الٰہی ادیان میں اختلاف کی پہلی قسم دینی احکام و قوانین کے دائرے میں اختلاف سے تعلق رکھتی ہے اور بظاہر اس طرح کے اختلاف ایک ہی دین میں پایا جاناممکن ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر اکرمؐکی بعثت کی ابتداء میں تمام احکام ایک ساتھ نازل ہوئے ہیں بلکہ اسلامی احکام بعثت کے بعد کئی سال کے دور ان پہنچائے گئے ۔ پیغمبر اکرم ابتداء میں محدود دائرے میں کچھ احکام لیکر آئے تھے اور پھر ان احکام میں آہستہ آہستہ قدم بہ قدم وسعت عطا کی ہے ۔اس تاریخی حقیقت کے پیش نظر ممکن ہے کہ ایک دین کے احکام کا دائرہ اس دین کے لا نے والے پیغمبر کی زندگی کے دوران دو مختلف مرحلوں سے گذرے :

ایک مرحلہ میں دائرہ احکام محدود ہوا اور دوسرے مرحلہ میں دائرہ احکام وسیع اور پھیلاہوا ہو ۔

یہاں پہ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس طرح کا اختلاف ایک دین کو کئی ادیان قرار دینے کا باعث نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے الٰہی ادیان میں اس قسم کے اختلاف کو خدا کے دین میں بنیادی دوئی اور کثرت کی دلیل اور علامت نہیں سمجھناچاہئے ۔دوسرے لفظوں میں جس طرح یہ اختلاف اندرونی طورپر (اسلام جیسے)ایک دین میں ممکن ہے اس طرح کے اختلاف اگر دودین کے اندر ہوں تو اس کو ان کے درمیان کسی بنیادی اختلاف کی دلیل نہیں بنا یا جاسکتا ۔

دوسری قسم کے اختلاف میں بھی یہی بات صادق آتی ہے ۔اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ اسلام کے آغاز مینبعض احکام (جیسے قبلہ کا مسئلہ)ایک عنوان سے بیان کیاگیا اور اسکے بعد وہ حکم منسوخ کرکے دوسرا حکم دیدیا گیا اسی طرح سورئہ نور میں اکثر مفسرّین قرآن کے خیال کے مطابق ایک ایسا حکم بیان ہوا ہے جو بعد میں منسوخ کردیا گیا :

(اَلزَّانِیْ لَا ینْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَالزَّا نِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَااِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِک وَحُرِّمَ ذَالِکَ عَلَی الْمُوْمِنِیْنَ)(۱)

"زانی مرد، زانیہ یا مشرکہ عو رت ہی سے نکا ح کر ے گا اور زانیہ عو رت زانی مرد یا مشرک مرد ہی سے نکا ح کرے گی کہ یہ صا حبانِ ایمان پر حرام ہیں "۔

اکثر مفسروں کے عقیدے کے مطابق مندرجہ بالا آیت سے ایک مسلمان زانی یا زانیہ کا کسی مشرک کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے لیکن یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیااور موجودہ حکم شرعی کے تحت اس طرح کی شادی صحیح نہیں ہے۔ یہاں یہ بات بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ عصر حاضر کے بعض بزرگوں نے اس آیت کی ایک دوسرے طریقہ سے تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت میں حکم شرعی بیان نہیں ہوا ہے لیکن حق یہی ہے کہ یہ آیت حکم شرعی کے بیان میں ظہور رکھتی ہے یعنی بظاہر اس میں شرعی حکم بیان ہوا ہے ۔

بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے بعض ابتدائی احکام منسوخ بھی ہوئے ہیں ۔اس بناء پر خود ایک شریعت کے اندر نسخ واقع ہونا ایک ممکن امر ہے اور اس شریعت کی وحدت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا ۔اگر کسی شریعت میں کوئی حکم خدا ایک مدت تک ثابت رہے اور اسکے بعد منسوخ ہوجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شریعت ہی بدل گئی ہے ۔اس بناء پر جس طرح ایک دین کے اندر کسی حکم کامنسوخ ہونا کسی شریعت یا دین کے منسوخ ہونے کا باعث نہیں ہوتا اسی طرح کسی پیغمبر کے ذریعہ ایک الٰہی دین کے گذشتہ احکام کا منسوخ کیا جانا ان دونوں شریعتوں میں کسی بنیادی اختلاف کی دلیل نہیں کہاجائے گا۔مثال کے طور پر یہ حقیقت کہ حضرت عیسیٰ کے آنے کے بعد حضرت موسیٰ کی شریعت کے بعض احکام منسوخ ہوگئے بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے مذکورہ احکام خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

دور حیات میں منسوخ ہوگئے ہوں اور ان دونوں مفروضوں کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہے مختصر یہ کہ دو شریعتوں میںاختلاف کی یہ دوسری قسم بھی (پہلی قسم کی طرح)بنیادی طورپر کئی ادیان ہونے کا باعث نہیں ہے ۔اب اختلاف کی تیسری قسم کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟کیا اختلاف کی یہ قسم بھی کسی دین کے اندر واقع ہوئی ہے ؟ اسکے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بہ ظاہر اس طرح کا اختلاف ایک دین کے اندر ممکن ہے اور اس میں کوئی عقلی قباحت نہیں ہے یعنی ممکن ہے ایک شریعت کے بعض احکام کسی مخصوص گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اور بقیہ تمام احکام عام ہوں۔

بیان شدہ مطالب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مختلف ادیان الٰہی کے درمیان موجود اختلافات کو ایک ہی دین میں

.....

۱۔سورئہ نور آیت۳۔

اس کے مشابہ اختلافات کے وقوع یا امکان وقوع کی بنیاد پر ان کی ذات میں جدائی کا باعث نہیں قرار دیا جاسکتا ۔ اس اساس و بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی دین ایک ہی ہے اوروہ اسلام کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن زمانے کے تقاضوں کے اعتبار سے ان کے احکام کے دائرے اور ان پر عمل کرنے والوں کے لحاظ سے تبدیلی ہوئی ہے ۔اس بناء پر تمام ادیان الٰہی کی اساس و بنیاد ایک ہے اگر چہ زیر بحث اختلافات کی موجود گی کے تحت ایک طرح سے ادیان الٰہی کا کئی یاالگ الگ دین ہونا نظر میں رکھا جاسکتا ہے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حقیقت دین ایک ہی ہے اور یہ حقیقت واحدہ وہی اسلام (اپنے معنائے عام میں)ہے:(اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ) لیکن تاریخ کے طویل دور میں زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے مختلف شریعتیں انسانوں کے درمیان نازل ہوئی ہیں۔اس بناء پر دین الٰہی کا ایک ہونا شریعتوں کے کئی ہونے کے ساتھ بالکل سازگار ہے۔

عا لمی رسالت کا مفہو م

اولو االعزم انبیاء علیہم السلام کی رسالت کے عالمی ہو نے کے مسئلہ کا جوا ب عرض کر نے سے پہلے ایک اور بات مقدمہ کے طور پر بیا ن کر دینا ضرو ری سمجھتا ہو ں وہ یہ کہ رسالت کے جہا نی ہو نے سے مراد کیا ہے ؟اگر کسی بھی صو رت سے تما م قو مو ں سے رابطہ اور ملتو ں سے رابطہ بر قرار کر کے ان تک خدا کا پیغام پہنچانا ایک رسو ل کے فر ائض میں شا مل ہو تو اس کو عالمی رسالت کا حا مل رسو ل کہا جاتا ہے۔ اس کے با لمقابل ایک پیغمبر کی رسا لت اس وقت تک عالمی نہیں ہو گی کہ جب تک پوری دنیا تک اپنی دعوت پہنچانا ا س کے فر ائض میں شا مل نہ ہو بلکہ وہ ایک خا ص قوم کے لئے مبعوث کیا گیا ہو، یقینا ایک پیغمبر کے تمام لو گو ں کے لئے مبعوث نہ کئے جا نے کی مختلف وجہیں ہو سکتی ہیں :

ایک دفعہ ممکن ہے تمام قو مو ں سے رابطہ بر قرار کر نے کے مروجہ وسا ئل اس کے پا س نہ ہو ں، یا پیغمبر کے اختیار میں اصو لی طور پر اس طرح کا فریضہ انجام دینے کے لئے مو قع نہ ہو ۔ سب جا نتے ہیں کہ گز شتہ زما نوں میں دور دراز علا قو ں سے رابطہ بر قرار کر نا آسان کام نہیں تھا اور بعض دور دراز ملکو ں کا سفر کر نا عام طور پر ایک غیر ممکن امر شمار کیا جا تا تھا ۔ظا ہر ہے ایسے حا لات میں جبکہ سفر کے وسائل بالکل ابتدا ئی تھے اور ایک شخص کے لئے پو ری دنیا سے رابطہ بر قرار کر نے کا امکان نہیں تھا ۔

ممکن ہے کو ئی کہے اگر چہ گز شتہ زما نوں اور دور دراز علا قو ں سے عام طور پر رائج طریقو ں سے رابطہ بر قرار کر نا ممکن نہ رہا ہو لیکن الٰہی انبیاء علیہم السلام کے لئے کسی غیر معمو لی طریقے ، مثلاً معجزہ وغیرہ سے کام لیکر اس کام کا انجام دینا مسلم طور پر ممکن تھا ۔ ا س کے جوا ب میں اس بات پر توجہ دینی چاہئے کہ تا ریخی شو ا ہد کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی روش یہ رہی ہے کہ اس طرح کے مو قعو ں پر وہ غیرمعمولی طریقے یعنی معجزے وغیرہ سے کام نہیں لیتے تھے۔ خدا کے پیغمبر مخصوص مقا مات پر ہی معجزہ دکھا نے کا اقدام کیا کر تے تھے اور یہ مقا مات بھی صرف ان کی رسالت اور دعوتِ تبلیغ کے الٰہی ہو نے کی تائید سے تعلق رکھتے ہیں دعوت تبلیغ میں آسانی کے لئے وہ اعجاز کا سہا را نہیںلیتے تھے ۔

بہر حال یہ بات مسلّم ہے کہ تمام قو موں اور ملّتوں کے ساتھ رائج طریقہ سے رابطہ بر قرار کر نا تمام انبیا ء کے لئے ممکن نہیں تھا اور بظا ہر دنیوی وسائل سے ما فوق غیر معمو لی طریقوں سے استفا دہ کرنے پر وہ ما مور بھی نہیں تھے ۔ مذ کو رہ مفہو م کی بنیاد پر یہ ادّعا کیا جا سکتا ہے کہ صرف پیغمبر اسلا مؐکی رسالت پو ری دنیا کے لئے عا لمی رسالت تھی اور آپ اپنی دعوتِ تبلیغ میں غیر عرب اقوام تک الٰہی پیغام پہنچا نے کے لئے ما مور کئے گئے تھے لیکن بقیہ تمام انبیاء کی رسالت بظاہر عا لمی رسالت نہیں تھی ۔

یہا ں ، چند با توں پر تو جہ ضر وری ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پہلی بات یہ کہ جن قو مو ں میں تبلیغ کے لئے پیغمبر بھیجے گئے تھے ان سے مراد قو مو ں کی ایک ایک فرد نہیں بلکہ جو کچھ ان سے توقع تھی نیز جو چیز پیغمبر کے فرا ئض میں شا مل تھی اپنا پیغام قو مو ں کے سردار تک پہنچا دینا رہا ہے ۔
دوم یہ کہ تبلیغ رسالت کی ذمہ داری چا ہے پیغمبر اکرمؐکے دور حیات میں پو ری ہو یا اُنکی وفا ت کے بعد آپ کی وفا ت کے بعد آپکے او صیاء یعنی ائمہ معصوم کے ذریعہ پو ری ہو دو نوں کو شا مل ہے۔
سوم یہ کہ پیغمبر اکرمؐکا اپنی عمو می اور عالمی رسالت پر فا ئز ہو نا اس معنی میں نہیں ہے کہ اب اس کا م کی راہ میں حا ئل تمام عملی رکا وٹیں بر طرف ہو گئی ہیں بلکہ بہت سے مقا مات پر آپ کو تبلیغ میں رکاوٹوں کا سامنا کر نا پڑتا تھا اور ایسی صورت میں مسلمہ طور پر پیغمبر اکرمؐکے کا ندھو نسے اس کی ذمہ داری اٹھا لی گئی ہے ۔

تمام الٰہی انبیاء علیہم السلام پر ایمان ضروری ہے
ہم عرض کر چکے ہیں کہ تا ریخی شوا ہد کے مطابق پیغمبر اکرمؐسے پہلے کے انبیاء علیہم السلام کی رسالت عا لمی نہیں تھی لیکن اس بات کا ہر گز مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر ان انبیاء کی قو مو ں کے علا وہ کو ئی شخص ان کی دعوت سے آگا ہ ہو جا ئے تو اس کے لئے اس دعوت سے انکا ر جا ئز ہو ۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "راہ کی معر فت "میں بحث کے آخری حصے میں عرض کیا تھا کہ نبو ت ایک الٰہی سلسلہ ہے اور ہر مو من کے لئے تمام انبیا ء علیہم السلام پر ایمان لا نا ضروری ہے اس با رے میں قر آ ن کریم فرماتا ہے :
(ئَ ا مَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہِ وَالْمُؤْ مِنُوْ نَ کُ ُلّ ئَ ا مَنَ بِااللہِ وَمَلٰئِکَتِہِ وَکُتُبِہِ وَرُسُلِہِ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہِ---)(۱)
" رسول ان تمام با توں پر ایمان رکھتا ہے جو اس(خدا) کی طرف نا زل کی گئی ہیں او رمو منین بھی سب االله اور ملا ئکہ اور مر سلین پر ایمان رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم رسو لوں کے درمیان تفر یق نہیں کر تے ---"۔
اس بناء پر اگر کوئی کسی کو کسی پیغمبر کی رسالت کا علم دے اوروہ اس پیغمبر کی رسالت پر ایمان نہ لائے توگویا اس نے تمام انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا انکار کردیا ہے ۔یہ حکم اسی طرح ان افراد کے لئے بھی ہے جو کسی نبی کی قوم میں شمار نہیں ہوتے یعنی جس قوم کے درمیان پیغمبر مبعوث کیاگیا ہے ۔ان میں نہیں ہیں مثال کے طور پر چین میں زندگی بسر کرنے والا اگر اس بات سے باخبر ہوکہ مشرقی وسطیٰ میں اس علاقے کی قوموں کیلئے ایک پیغمبر مبعوث ہواہے تو اس پر اس پیغمبر اکرمؐکی دعوت کاقبول کرنا لازم ہے۔
اب ممکن ہے یہ سوال پیدا ہوکہ مذکورہ اصول کے تحت ایک شخص جو دو پیغمبروں کے دور حیات میں زندگی بسر کررہا ہو اگر دونوں پیغمبروں کی رسالت سے آگاہ ہوجائے اور ان دونوں پیغمبرونکی شریعت کے بعض احکام میں اختلاف بھی پایا جاتاہو توایسے میناس شخص کا کیا فریضہ ہے ؟اس سوال کے جواب میں کہناچاہیے کہ:اگر بالفرض دو ہم عصر انبیاء علیہم السلام کے درمیان اختلاف ہو تو یہ اختلاف صرف اسی صورت میں قابل تصور ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پیغمبر کسی خاص گروہ کیلئے خاص احکام لیکر مبعوث ہواہو اس صورت میں اگر منظور نظر شخص مذکورہ گروہ سے الگ ہو(جیسا کہ کچھ خاص احکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قوم یہود سے مخصوص تھے)تو اس پر ان مخصوص احکام کا بجالانا لازم نہ ہوگا مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی غیر یہودی شخص اگر آنحضرت کی رسالت سے با خبر ہوجائے تواس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن اس شخص پر یہودی قوم سے مخصوص احکام پر عمل کرنا لازم نہینہے جبکہ اس پر بقیہ تمام احکام وقوانین کی اطاعت لازم ہے ۔
قرآن کریم کی آیات کے مطابق اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جنونکا ایک گروہ حضرت موسیٰ پر ایمان لے آیااور اسکے بعد حضرت رسول خداؐکی رسالت کا علم ہوجانے کے بعد انھوں نے دین اسلام کو قبول کرلیا ۔ حالانکہ ہمارے پاس کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جو اس چیز پر دلالت کرتی ہوکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جنوں کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے تھے ان کا ایک گروہ توریت کے نازل ہونے کی خبر ملنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پرایمان

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۲۸۵۔

لے آیا۔ قر آن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَاِذْصَرَفْنَااِلَیْکَ نَفَراًمِنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرآنَ فَلَمَّاحَضَرُوْہُ قَالُوْاانْصِتُوافَلَمَّاقُضِیَ وَلَّوْااِلَیٰ قَوْمِھِمْ مُنْذِرِیْنَ*قَالُوْایٰقَوْمَنَااِنَّاسَمِعْنَا کِتَاباً

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

أنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسَیٰ مُصَدِّقاً لِمَابَیْنَ یَدَیْہ یَہدِیْ اِلیٰ الحَقِّ وَاِلَیٰ طَرِیقٍ مُسْتَقِیْمٍ)(۱)
"اور جب ہم نے جنات سے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں تو جب وہ حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموشی سے سنو پھر جب تلاوت تمام ہوگئی تو فوراً پلٹ کر اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر آگئے کہنے لگے کہ اے قوم والوہم نے ایک کتاب کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے یہ اپنے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور حق و انصاف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والی ہے "۔
جنوں نے یہ جو کہا ہے کہ:"مِنْ بَعْدِ مُوسَیٰ""موسیٰ کے بعد"اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیان میں کوئی ذکر نہ کرنا بتاتا ہے کہ ابھی تک وہ (جن)حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کررہے تھے اور قرآن سے آشنا ہوجانے کے بعد انھوں نے اپنی قوم کے پاس جاکران کو اسلام کی دعوت دی۔سورئہ مبارکہ جن میں بھی اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:
(قُلْ اُوحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَر مِنَ الجِنِّ فَقَالُوْااِنّاسَمِعْنَاقُرْآناًعَجَباًیَہْدی اِلیَ الرُّشْدِ فَآمَنَّابِہِ---)(۲)
"پیغمبر اکرم آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر قرآن کو سنا توکہنے لگے کہ ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی ہدایت کرتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں---"۔
بہر حال یہ آیتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ اگر کوئی مکلّف کسی پیغمبر کی رسالت سے باخبر ہوجائے تو اس کو اس پیغمبرؐ کی رسالت قبول کرنا چاہئے چاہے وہ پیغمبر اس قوم کی طرف مبعوث نہ کیاگیا ہواور رسالت قبول نہ کرنے کے بعد اس پیغمبر کی تعلیمات کو بھی صحیح سمجھے اور اس کے عام احکام کی (جو کسی قوم یا گروہ سے مخصوص نہ ہوں) اطاعت و پیروی کرلے ۔

.....

۱۔سورئہ احقاف آیت۲۹۔۳۰۔
۲۔سورئہ جن آیت۱۔۲۔

البتہ الٰہی انبیاء کی رسالت کے پیغامات پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ کسی قوم یا گروہ کے لئے مخصوص احکام انگلیوں پر گنے چنے ہی ملیں گے۔مجموعی طور پر انبیاء کی تعلیمات کی روح سبھی کے لئے مشترک احکام اور اصول پر استوار ہوتی تھی ۔
مثال کے طور پر نماز اور زکوٰۃ کی مانند عبادتیں تمام ادیان میں تھیں اور ان میں زیادہ سے زیادہ اختلاف ان اعمال کی شکل و صورت میں رہاہے اسی طرح دوسرے احکام جیسے ظلم اور زیادتی کرنے کم تولنے،غیبت کرنے ،شراب پینے زنا کرنے وغیرہ کی ممانعت اور معاشرتی اور خاندانی تعلقات سے متعلق قوانین تمام دینوں میں بیان کئے گئے ہیں ۔
بہر حال مندرجہ بالامطالب سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایک پیغمبر کی رسالت کے عالمی ہونے کا مسئلہ اور یہ کہ علم کی صورت میں ایک پیغمبر کی رسالت پر پوری دنیا کا ایمان لانا ضروری ہوتا یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں اور ایک دوسرے سے جداہیں اس بناء پر بہت سے انبیاء کی رسالت کے عالمی رسالت نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عوام الناس ان کی تائید یا تکذیب کے سلسلے میں آزاد و خود مختار ہونبلکہ اگر کسی پیغمبرؐ کی رسالت پر ایمان لاناہر مکلّف کا فریضہ ہے اور نبی کی تکذیب کی صورت میں اسکا عذر ہرگز قابل قبول نہیں ہے ۔
ہم پہلے یہ بات عرض کرچکے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک بعض انبیاء علیہم السلام کے فرائض دو قسم کے تھے:
پہلافریضہ: تو حید کی دعوت دیناتھا ۔دوسرا فریضہ :ان تمام اصول اور احکام کی دعوت دینا تھا جو کسی خاص قوم سے مخصوص ہوتے تھے ۔مذکورہ گز ارشات کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خیال درست نہیں ہے اس لئے کہ انبیاء کے تمام احکام و قوانین ان تمام افراد کے لئے لازم العمل ہیں جو ان کی رسالت سے آگاہ ہوجائیں قرآن کریم کے مطابق خدا کے پیغمبر جس طرح لوگوں کو خدا کی وحدانیت کی دعوت دیا کرتے تھے ان کو مطلق طور پر اپنی اطاعت اور پیروی کی دعوت بھی دیتے تھے قرآن کریم فرماتاہے :
(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ رَسُولٍ اِلّالِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللہِ---)(۱)
"اور ہم نے کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا ہے مگر یہ کہ حکم خدا سے لوگ ان کی اطاعت کریں ---"۔

.....

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۱۔سورئہ نساء آیت٦٤۔

قرآن کریم نے بہت سے انبیائے الٰہی کی زبانی اعلان کیا ہے :
(فَاتَّقُوْا اللہَ وَاَطِیْعُوْنِ)(١)
"پس تم خدا سے ڈرواور میری اطاعت کرو "۔
اور ایک آیت میں ار شاد ہو تا ہے :
(تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَیٰ عَبْدِہِ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْراً)(٢)
"بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا ہے تاکہ وہ سارے عالمین کے لئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والابن جائے "۔
اس بناء پر ایسا نہیں ہے کہ مثلاً مصر کے قبیلوں سے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت (چونکہ بنی اسرائیل کے ہم قوم نہیں تھے)اس بات میں محدودہوکہ وہ ان کو بھی بت پرستی چھوڑنے اور خدائے وحدہ لاشریک کی پرستش کرنے کی دعوت دیں لیکن ان کی اعتقادی یا عملی رخ سے اس منزل کی طرف رہنمائی سے پرہیز کریں ۔ ایسا نہیں ہے بلکہ (جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں)اگر یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شروع میں صرف بنی اسرا ئیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے تو بھی آپ کی دعوت کے دائرے میں قبطیوں کے آجانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام پر لازم ہوگیا تھاکہ ان کو بھی اپنی تعلیمات سے(تمام تفصیلات کے ساتھ)آگاہ کردیں اور خود ان (قبیلوں) کا بھی فریضہ تھاکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو قبول کریں اور اسکے تمام احکام پر (سوائے ان قوانین کے جو یہودی قوم سے مخصوص تھے) عمل کریں ۔
....

۱۔یہ تعبیر متعدد آیتوں میں متعدد پیغمبروں کی زبانی نقل ہو ئی ہے ۔مثال کے طور پر ملا حظہ فر ما ئیں سورئہ آل عمران آیت٥٠ اور سورئہ شعراء آیت١١٠ ،١٤٤ ، ١٦٣ ۔
۲۔سورۂ فرقان آیت ١۔

انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا عالمی ہونا

گفتگو کے اس حصہ میں بیان کئے گئے مطالب سے صاف صاف یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ایک معنی کے لحاظ سے اگر رسالت کے عالمی ہونے کا جائزہ لیں تو بہت سے انبیاء علیہم السلام کو پوری دنیا کیلئے نہیں بھیجا گیاتھا لیکن دوسرے معنی کے لحاظ سے تمام انبیاء علیہم السلام کی رسالت پوری دینا کیلئے تھی یعنی اگر رسالت کے عالمی ہونے کا مطلب یہ ہو کہ پیغمبر کا فریضہ ہے وہ اپنی تعلیمات صرف اپنی قوم تک محدود نہ رکھے بلکہ دنیا کی تمام یا کم از کم اہم قوموں تک ضرور پہنچائے تو اس معنی میں بہت سے پیغمبر یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی رسالت بھی عالمی رسالت نہیں تھی لیکن اگر عالمی رسالت کا مطلب یہ ہو کہ متعلقہ تمام "قوموں تک سابقے کی صورت میں اپنی رسالت کا پیغام پہنچانا نبی پر لازم ہے اور کسی نبی کی نبوت سے آگاہ ہونے کے بعد تمام مکلفین پر اس کی اطاعت و پیروی لازم ہے "تو اس معنی میں تمام انبیاء کی رسالت عمومی اور عالمی رسالت تھی ۔

پیغمبر اسلامؐکی رسالت کا عالمی ہونا
اگر چہ پیغمبر اسلامؐکی عالمی رسالت پر گفتگو ۔ نبوت خا صہ کی بحث میں(پیغمبر اسلامؐسے متعلق بحث کے تحت) کی جا تی تو زیادہ منا سب ہو تا مگر یہا ں مجمو عی طور پراس مسئلہ کا بیان کر دینا بھی شا ید بے جا نہ ہو گا ۔ بنیا دی سوال یہ ہے کہ " کیا پیغمبر اسلامؐعالمی رسالت کے حا مل تھے ؟"
ایسا محسو س ہو تا ہے کہ پیغمبر اسلامؐکی رسالت کا عا لمی ہو نا اسلام کے ضر وریات دین میں سے ہے ۔ پھر بھی منا سب معلوم ہو تا ہے (خا ص طور سے مخا لفین نے جو شبہات ایجا د کئے ہیں) ان کو بر طرف کر نے کے لئے فر یقین کی دلیلو ں کا جا ئزہ لیں اور اپنا مد عا علمی دلا ئل سے ثا بت کریں ۔ اس بحث میں اُن آیات کا جو اسلام کی عالمی رسالت کو ثابت کر تی ہیں اور ان آیات کا جن سے مخا لفین نے استفا دہ کیا ہے تحقیقی جا ئزہ لینا ضر و ری ہے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قرآن کریم کی کچھ آیات با لکل واضح طور پر دعو ت اسلام کے عا لمی ہو نے پر دلالت کر تی ہیں ایک آیت میں ارشاد ہو تا ہے :
(تَبَارَ کَ الَّذِ یْ نَزَّ لَ الْفُرْ قَا نَ عَلٰی عَبْدِ ہٖ لِیَکُوْ نَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِ یْراً)(۱)
"وہ ذات (خدا)بہت با بر کت ہے جس نے اپنے بندے پر فر قان (یعنی حق کو با طل سے جدا کر نے والی کتاب)نا زل کی تا کہ تما م دنیا ؤ ں کے لئے ڈ را نے والا ہو "۔
یہ آیت صاف طور پر دلالت کر تی ہے کہ پیغمبر اسلامؐتمام عالمین کے لئے "نذ یر " بنا کر مبعو ث کئے گئے ہیناور انذار یعنی خبر دار کر نے کا فریضہ (جو آپ کی رسالت اور پیغمبری کا حصہ ہے) کسی خاص قوم یا گروہ سے مخصوص نہیں ہے ایک اور مقام پر قرآن، نبی اسلا مؐکی زبا نی کہتا ہے:
.....

۱۔سورئہ فر قان آیت۱۔

(---وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرآنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمنْ بَلَغَ)(۱)
"---اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے وحی کیاگیاہے کہ مینتمہیناورجس شخص تک اس کاپیغام پہنچے اس کے ذریعہ اسے ڈراؤں---"۔
جیسا کہ آپ نے ملا حظہ فر مایا کہ اس آیت میں " مَنْ بَلَغَ "ایک عمو می تعبیر ہے "کہ جس تک بھی یہ پیغام پہنچے"یعنی اسلا می دعو ت کے تحت آنے وا لے تمام افراد چا ہے (وہ کسی بھی قوم و گروہ اور وہ کسی بھی جگہ اور زمانہ سے کیو ں نہ تعلق رکھتے ہو ں)سب شا مل ہیں ۔ قرآن ایک آیت میں فر ماتا ہے :
(وَمَااَرْسَلْنَاکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَلَمِیْنَ)(۲)
"اور (اے رسول)ہم نے آپ کو دنیا ؤں کے لو گو ں کیلئے سر ا پا رحمت بنا کر بھیجا ہے "۔
البتہ آخر ی آیت دلا لت کے لحا ظ سے پہلی دو آیتو ں کے ما نند نہیں ہے اس لئے کہ "پیغمبر کا تمام دنیا ؤں کے لئے رحمت ہو نا "صاف طو ر پر تمام دنیا ؤ ں کے لئے مبعوث ہو نے پر بھی دلالت نہیں کرتا لیکن اس کے با وجود آخری آیت سے بہ ظا ہر یہ مطلب بھی نکلتا ہے کیو نکہ پیغمبر اکرمؐکے رحمت ہو نے میں یقینی طور پر وہ رحمت شا مل ہے جو را ہِ حق کی ہدا یت اور امت کی رہنما ئی کے ذریعہ ان کو نصیب ہو تی ہے ۔
قر آ ن کریم کی بعض آیتیں اس چیز کو بیان کر تی ہیں کہ دینِ اسلام تمام ادیان پر غالب آجا ئے گا ۔ اور اس طرح کی آیا ت بھی اپنی جگہ پیغمبر اسلامؐکی رسالت کے عا لمی ہو نے پر دلالت کر تی ہیں :
(ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْ لَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّ یْنِ کُلِّہٖ وَ کَفٰی بِاللہِ شَھِیْداً)(۳)
" وہ وہی توہے جس نے اپنے رسو ل کو ہدایت کے(قصد) سے سچادین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیا نِ عالم پر غالب بنا ئے اور گو اہی کے لئے توبس خدا ہی کا فی ہے "۔
.....

۱۔سورئہ انعام آیت۱۹۔
۲۔ سورئہ انبیاء آیت۱۰۷۔
۳۔سو رئہ فتح آیت۲۸۔

اسی مطلب کو قر آ ن حکیم کی دو آیتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے خدا فر ماتا ہے:
(ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ)(۱)
"وہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسو ل کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنا ئے چا ہے مشر کین کو کتنا ہی نا گوا ر کیو ں نہ ہو "۔
یہ آیتیں صاف صاف اس چیز پر دلالت کر تی ہیں کہ دین اسلام دنیا کے تمام ادیان پر غالب و کا مران ہو گا اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا یا کم سے کم دو سرے ادیان پر دین اسلام چھا جا ئیگا اور یہ حقیقت دین اسلام کے عالمی ہو نے کے علاوہ اور کچھ بیا ن نہیں کر تی ۔
یہا ں یہ بات بھی لا ئق ذکر ہے کہ "غلبہ "کے مفہو م میں دو احتمال پا ئے جا تے ہیں :
۱۔غلبۂ تشر یعی ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔غلبۂ تکو ینی ۔
پہلے مفہوم سے جو بات لا زم آتی ہے وہ ہما رے مد عا سے بہت قر یب ہے اس لئے کہ اس کا کو ئی مطلب ہی نہیں ہو گا کہ دین اسلام تو عا لمی نہ ہو لیکن اس کے اصو ل و قو انین دو سرے تمام ادیان کے اصو ل و قو انین پر حا کم ہوجا ئیں اور اگر دوسرے معنی بھی مرا د لئے جا ئیں تو آیت کا سیاق اس چیز کو بیان کر رہا ہے کہ یہ غلبہ وہ استحقاق ہے جو دین اسلام کی ذاتی صلا حیتو ں کا نتیجہ ہے اور تمام ادیان پر غلبہ کی صلا حیت صرف اسلام کی عا لمی دعو ت کے ساتھ ہی معقول ہو سکتی ہے ۔ بنا بر این اگر اسلام کے تمام ادیان پر غالب آجا نے سے مراد حتی اس کا تکو ینی غلبہ ہو تو یہ غلبہ بھی اسلامی احکام و شریعت کے دو سرے تمام احکام و قو انین پر غالب آجا نے کو فرض کئے بغیر قا بلِ تصو ر نہیں ہے ۔
قر آ ن کی آیات کا دو سرا مجمو عہ وہ ہے جس میں پیغمبر اسلام کا " ناس "یعنی (انسانوں) کے درمیان مبعوث ہو نا اور قرآن کا " ناس "کے لئے نا زل ہو نا ذکر ہو ا ہے ۔ مثال کے طور پرسورئہ ابراہیم کا اس طرح آغاز ہو اہے :
(کِتٰاب اَنْزَلْنا ہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِ جَ النّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَیٰ النُّوْرِبِا ذْنِ رَبِّھِمْ اِلَیٰ صِرَاطِ الْعَزِیْزِالْحَمِیْدِ)(۲)
.....

۱۔سورئہ صف آیت۹،اور سورئہ تو بہ آیت۳۳۔
۲۔سورئہ ابرا ہیم آیت۱۔

" (اے رسول یہ قر آن وہ) کتا ب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اس لئے نا زل کی ہے تا کہ آپ لو گو ں کو حکمِ خدا سے تا ریکیو ں سے نکا ل کر روشنی مینلا ئیناس کی سیدھی راہ پر لا ئیں جو سب پر غالب اور سزا وا ر حمد ہے" ۔
اسی طرح دوسری آیت میں بیان ہو ا ہے :
(ھٰذَابَلٰغ لِلنَّا سِ وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ)(۱)
"یہ قرآن لو گو ں کے لئے ایک پیغام ہے (تاکہ اسی کے ذریعہ ہدایت یا فتہ ہو جا ئیں) اور اس کے ذریعہ (عذا ب خدا سے)ڈرتے رہیں "۔
کچھ دوسری آیتوں میں قر آن کریم کا ایک ایسی کتاب کے عنوان سے ذکر ہے جو سا ری دنیا کے لئے بھیجی گئی ہے :
(اِنْ ھُوَ اِلَّاذِکْرلِلْعٰا لَمِیْنَ)(۲)
" اوریہ(قر آن) تو عا لمین کے لئے سوا ئے نصیحت کے (کچھ نہیں)ہے "۔
(وَمَا ھُوَ اِلَّا ذِکْر لِلْعٰلَمِیْنَ)(۳)
"اور حا لانکہ یہ(قرآن)تو سا رے جہان کے وا سطے سوا ئے نصیحت کے اور کچھ نہیں ہے " ۔
چو نکہ " ناس" یعنی "لوگ " اور عا لمین "یعنی تمام دنیا ئیں "جیسے الفاظ صاف طور پر قر آ ن کریم اور پیغمبر کی رسالت کے مخا طبین کی عمو میت پر دلا لت کر تے ہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیات بھی رسالت اسلام کے مکمل طور پر عالمی ہو نے کی دلیل ہیں۔
.....

۱۔سورئہ ابرا ہیم آیت ۵۲۔
۲۔سورئہ یو سف آیت۱۰٤ ،سورئہ ص آیت۸۷اور سورئہ تکو یر آیت۲۷۔
۳۔سورئہ قلم آیت۵۲۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مخا لفین کی دلیلو ں پر ایک نظر

مذکو رہ آ یتو ں کے پہلو بہ پہلو دو سری آیات بھی ہیں جو ممکن ہے پہلی نظر میں دین اسلام کے عا لمی نہ ہو نے پر دلا لت کر تی محسو س ہو ں چنا نچہ ان آ یات کو بعض نے پیغمبر اسلامؐ کی دعو ت اسلام کے مخصوص ہو نے کے اپنے دعو ے کو ثا بت کر نے کے ثبو ت کے طور پر پیش بھی کیا ہے یہ شبہ اس لئے پیدا ہوا ہے کہ ان آ یات میں عرب قوم یا ان کے کسی مخصوص گرو ہ کو "انذار کر نے یعنی ڈرا نے کی بات کی گئی ہے جیسا کہ سورئہ شوریٰ میں ارشاد ہو تا ہے :

(وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ قُرْآناً عَرَبِیّاً لِتُنْذِرَاُمَّ الْقُرَیٰ وَمَنْ حَوْلَهَا)(١)

"اور ہم نے اسی طرح آپ پر عربی قر آن کی وحی بھیجی کہ آپ مکہ اور اس کے اطراف والو ں کو ڈرائیں "۔

(وَهٰذَاکِتَا بَاَنْزَلْنَاهُ مُبَارَک مُصَدِّ قُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلِتُنْذِرَاُمَّ الْقُرَیٰ وَمَنْ حَوْلَهَا)(٢)

"اور یہ (قرآن) وہ کتا ب ہے جس کو ہم نے برکت کے ساتھ نا زل کیا ہے اور (یہ کتاب) ان کتا بو ں کی تصدیق کر تی ہے جو اس کے پہلے آ چکی ہیں اور اس لئے نا زل کیاہے کہ آپ مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو ڈرائیں " ۔

ان آیات میں پیغمبر کے ذریعہ انذار یا ڈرا ئے جا نے کے مخا طب مکہ اور ا س کے اطراف کے لوگ بیان کئے گئے ہیں ۔

سورئہ مبا رکۂ یس اور قصص میں بھی آیا ہے:

(...لِتُنْذِرَقَوْماًمَا اُنْذِرَیٰ اٰبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُوْ نَ)(٣)

"تا کہ آپ ان لو گو ں کو کہ جن کے باپ دادا ڈرائے نہینگئے اور غفلت میں پڑے رہ گئے ڈراؤ "۔

(لِتُنْذِرَقَوْماًمَااُ تٰهُمْ مِنْ نَذِیْرٍ مِنْ قَبْلِکَ ...)(٤)

"آپ ان لو گوں کوجن کے پاس آپ سے پہلے کو ئی ڈرا نے والا نہیں آیاڈراؤ "۔

یہ آیتیں بھی اس چیز کو بیان کر تی ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ اس قوم کے انذار کے لئے مبعوث کئے گئے تھے کہ جس کے درمیان آ پ سے پہلے خدا وند عالم کی جا نب سے کو ئی انذار کر نے والا نہیں آیا تھا اور بہ ظاہر اس قوم سے مراد بھی اہل عرب ہیں ۔

سورئہ شعراء میں بھی آیا ہے کہ پیغمبرؐ اپنے اقرباء کو انذار کر نے کے لئے ہی مبعوث کئے گئے تھے:

(وَاَنْذِرْعَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ)(٥)

"پیغمبر آپ اپنے قریبی رشتہ دا روں کو ڈرا ئیے"۔

.....

١۔ سورئہ شوریٰ آیت ٧۔
٢۔سورئہ انعام آیت ٩٢۔
٣۔سورئہ مبا رکۂ یس آیت ٦۔
٤۔ سورئہ قصص آیت ٤٦ ۔
٥۔سورئہ شعراء آیت ٢١٤۔

جیسا کہ ہم اشارہ کرچکے ہیں پہلی نظر میں ان آیات سے یہی گمان پیدا ہو تا ہے کہ پیغمبر اسلا مؐ کی دعوت رسالت ایک خا ص جما عت سے مخصوص تھی لیکن ان آیات کے اسلوب و روش پر غور کر نے سے یہ بات وا ضح ہو جا تی ہے کہ ان میں سے کو ئی بھی آیت پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کو کسی جما عت میں منحصر و مخصوص ہو نے پر دلالت نہیں کر تی ۔ ان میں کچھ آیتیں اس بات کو بیان کر تی ہیں کہ پیغمبر عر بوں کے درمیان کیوں مبعوث ہوئے ؟اور بیان کر تی ہیں کہ اس کی ایک وجہ عر بو ں کا ایک عرصہ سے انبیا ئے الٰہی سے محر وم ہو نا تھا اور یہ مسئلہ خود اپنی جگہ اس بات کا سبب بنا کہ وہ عام طور پر جہالت و بے خبری کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ ظا ہر ہے کہ پیغمبر اسلا مؐ کا عربوں کے در میان مبعوث ہو نا کسی بھی طرح آپ کی رسا لت کا ان (عر بوں)سے مخصوص ہو نا نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ آیات بھی کچھ دوسری آیات سے ملتی جلتی ہیں جو بیان کر تی ہیں کہ عر بوں کے درمیان کیو ں خو د ان ہی کی قو م سے پیغمبر مبعوث ہوئے ارشاد ہو تا ہے :

(وَلَوْنَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۔فَقَرَاَهُ عَلَیْهِمْ مَاکَانُوْابِہِ مُوْمِنِیْنَ) (١)

"اور اگر ہم اس قر آ ن کو کسی غیر عرب زبان قوم میں نا زل کر تے اور (پیغمبر) ا ن کے سا منے پڑھتا تو وہ اس پر ایمان نہ لا تے" ۔

ہما ری بحث سے مر بوط بعض دو سری آ یتیں پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کے مختلف مر حلوں کو بیان کر تی ہیں۔ ہم جا نتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت اگر چہ سبھی کے لئے تھی پھر بھی تبلیغ کی راہ ہموا ر کر نے اور عملی رکاوٹوں کو بر

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

طرف کر نے کی غرض سے پیغمبر اسلامؐکی دعوت کا آغا زایک خاص دا ئرہ میں ہوا اور پھر بعد کے مرحلوں میں دا ئرہ وسیع ہو تا چلا گیا یہا ں تک کہ اپنے دور کی سب سے بڑی تہذیب و تمدن کو اس نے اپنا مخا طب قرار دیا۔ یہی وجہ ہے بعثت کے آغاز میں (وَاَ نْذِرْعَشِیْرَ تَکَ الْاَ قْرَبِیْنَ)"اپنے قر یبی خا ندان وا لوں کو ڈرائیے"والی آیتیں صرف پیغمبر اسلامؐکی تبلیغ کے ابتدا ئی مرا حل کے دا ئرے کو بیان کر تی ہیں (۱)بہر حال اگر چہ پہلی نظر میں ممکن ہے کہ ان آیات سے رسا لت اسلام کے محدود ہو نے کا گمان ہو لیکن ان آیات انذار پر غور و

.....

۱۔سورئہ شعرا ء آیت ۱۹۸۔۱۹۹ ۔

۱۔ظا ہری طور پر سورئہ شو ریٰ کی(آیت۷)کو سو رئہ انعام کی (آیت ۹۲)پر حمل کر تے ہو ئے رسالت کے عالمی ہو نے کے دو سرے مرحلہ کو جا نا جا سکتا ہے ۔
فکر کرنے سے (خاص طو ر سے ان آیات پر تو جہ کے بعد کہ جن میں رسالت کے عام ہو نے کا ذکر ہے) یہ گمان بھی ختم ہو جا تا ہے کسی غرض یا تعصب سے عا ری وہ شخص جو عمو میت پر دلا لت کر نے وا لی آیات کو ان آیا ت کے پہلو میں قرار دے کر دیکھتا ہے تو تصدیق کر تا ہے کہ پیغمبر اسلا مؐکی دعوت اسلام عر بوں سے مخصوص نہیں تھی ۔
اس کے علاوہ تا ریخ کے مسلم الثبوت شوا ہد بھی (مثلاً پیغمبر اکر مؐ کی جا نب سے تمام مما لک کے سر برا ہو ں کے پاس دعوت اسلام کے لئے اپنے سفیرونکابھیجاجانا)اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

تبلیغ اسلام کے تئیں جنونکا کر دار
یہا ں تک یہ بات روشن ہو جا تی ہے کہ تمام لوگ (ناس) پیغمبر اسلامؐکی تبلیغ کے مخا طب تھے اب سوال یہ پیدا ہو تا ہے کہ کیا یہ دعوت اسلام جنا ت کو بھی شامل ہے ؟
بہ ظا ہر قر آ ن کر یم میں یہ بات صاف طور پر بیان نہیں ہو ئی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہینکہ لفظ "ناس " (یعنی لوگ)(جو بعض آیات میں آیا ہے جیسے "ھُدیً لِلنّاسِ"،"کَا فَّۃ للنَّا س"ِ اور"بَلَا غ للنَّاسِ"بہ ظا ہر انسانو ں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اور جنو ں کو شا مل نہیں ہے البتہ سو رئہ "ناس " کی آخری آ یتوں میں یہ احتمال پایاجاتا ہے کہ ممکن ہے "ناس "میں جنو ں کو بھی شا مل رکھا گیا ہو:
(مِنْ شَرِّالْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِالنَّاسِ۔مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَ ا س)(۱)
"اند ر سے وسوسہ کر نے وا لے کے شر سے پنا ہ ما نگتا ہو ں جو لو گو ں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر تا ہے ۔وہ (وسو سہ پیدا کر نے والا)جنات میں سے ہو یا انسا نو ں میں سے "
عبا رت "مِنَ الْجِنَّۃِ وَ النَّا سِ "میں حرف "مِنْ "منِ بیانیہ ہے ۔ اس عبارت میندو احتمال پا ئے جا تے ہیں : ایک تو یہ کہ اس میں "خنّا س "کی وضا حت کی گئی ہے ۔ دو سرے یہ کہ اس "ناس " کے ذریعہ "فی صدورالنّا س" کی وضا حت کی گئی ہو ،چنا نچہ دوسری صورت میں آیات کے معنی یہ ہو ں گے "لو گو ں کے دلو ں میں" یعنی "جنا ت اور انسانو ں کے دلوں میں " البتہ حق یہ ہے کہ دو سرا احتمال بہت ضعیف ہے اور لفظ "ناس "کا ظاہری طو ر پر انسان سے مخصوص ہو نا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن دو سرے احتمال کو صرف احتمال کی حد تک ر د بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

.....

۱۔سورئہ ناس آیت ٤۔٦۔

بہر حال جن آیات میں لفظ " ناس "استعمال ہو ا ہے وہ صاف طور پر دلالت کر تی ہیں کہ جنا ت اسلام کی دعوت میں شا مل نہیں تھے لیکن جن آیات میں لفظ "عا لمین "استعمال ہو ا ہے ان سے یہ مطلب نکا لا جا سکتا ہے ۔اس لئے کہ "عا لمین "ہو ش و خرد رکھنے وا لے تما م عا قلو ں کو شا مل ہے اور اس اعتبار سے اس میں جنا ت کی جما عت بھی شامل ہے ۔
ان آیات کے علا وہ بعض روا یات میں بھی آیا ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) "ثقلین " کی جا نب مبعوث کئے گئے ہیں
(۱)سورئہ احقاف کی آیات بھی اسی مفہو م کی تا ئید کرتی ہیں ارشاد ہو تا ہے :
(وَاِذْصَرَفْنَااِلَیْکَ نَفَراًمِنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ---)(۲)
"اور جب (قوم) جن سے کچھ افراد آپ کے پاس بھیجے کہ قر آن کو سنیں ---"۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس آیت کو اپنا مد عا ثابت کر نے اور اس پر دلیل لا نے کے لئے میں نے اس لئے نہیں پیش کیا کہ معلوم ہے آیت میں اس بات کی کو ئی تصر یح نہیں کی گئی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے جنو ں کو اپنا پیغام سنا نے کے لئے دعو ت دی ہو بلکہ ممکن ہے خدا وند عالم نے خود کو ئی سبیل نکا لی ہو کہ جنو ں کا ایک گروہ خود آئے اور پیغمبر کی با تیں غور سے سنے ۔
دوسری بات یہ کہ حتی اگر ہم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ جن پیغمبر اسلامؐ کی دعو ت کے مخا طب نہیں تھے اور آپ کی تبلیغ انسا نو ں سے مخصو ص تھی تو بھی گز شتہ مطالب کی بنیاد پر جنو ں کا فر یضہ تھا کہ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت سے آ گا ہی کے بعد اس کو قبو ل کر ے اور اس پر ایمان لا ئے ۔

ظہو ر اسلام کے بعد بقیہ تمام ادیان کا غیر معتبر ہو نا
قر آن کر یم کی بعض آیات سے گما ن ہو تا ہے کہ ان آیات کے مطابق پیغمبر اسلامؐ کے مبعوث ہونے کے بعدبھی دو سرے ادیا ن کی قا نونی حیثیت باقی ہے ۔
گذ شتہ بحثو ں سے یہ وا ضح ہے کہ اس طرح کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اور ظہو ر اسلام کے بعد اسلام سے باخبر ہو نے وا لے ہر با لغ و عا قل پر اسلام قبو ل کر نا اور مسلما نوں کی صف میں شا مل ہو نا وا جب ہے ۔
اسی طرح قر آن میں ایسی آیات مو جو د ہیں جن میں اہل کتا ب کے بعض گرو ہ کی تعر یف کی گئی ہے ۔
....

۱۔ ملا حظہ فر ما ئیے: بحا ر الا نوار جلد ٦۳ صفحہ ۲۹۷ ،حد یث نمبر ٤ ۔ اور جلد ۱۰۲ صفحہ ۱۰۵ حدیث ۱۳۔
۲۔سورئہ احقاف آیت ۲۹۔

نمو نہ کے طور پر ہم سورئہ آل ِعمران میں پڑھتے ہیں :
(لَیْسُوا سَوَائً مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ اُمَّة قَائِمَةیَتْلُوْنَ ئَ اٰیٰتِ اﷲِ آنَائَ اللَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ)(۱)
"یہ لوگ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں ۔(بلکہ) اہلِ کتاب میں کچھ لوگ درست کر دا ر بھی ہیں جو راتو ں کو اُٹھکر خدا کی آیتیں پڑ ھا کر تے اور سجدے کیا کر تے ہیں "۔
اس آیت میں بعض اہل کتاب کی تعر یف سے ممکن ہے یہ گمان پیدا ہو کہ دین اسلام کے ساتھ ہی قر آن نے ان کی بھی تا ئید کی ہے اور ان کے دین کی قا نو نی حیثیت کو قبول کیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ اس آیت کا مطلب دو حال سے خا رج نہیں ہے :
پہلا احتمال تو یہ ہے کہ اس آیت میں ان اہل کتاب کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے کہ جنھو ں نے رسول اسلام کے دور حیات میں دین اسلام قبو ل کر نے سے انکار کیا تھا ۔ بلکہ اس کلیہ کو بیان کیا ہے کہ اہل کتاب کے در میان بھی (چا ہے ما ضی کی بات ہو یا حا ل کی)اچھے اور برے دو نوں طرح کے افراد رہے ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ تمام یہو دی یا عیسا ئی خدا نا شناس انسان رہے ہو ں ۔ اسی بنا پر کہا جا تا ہے کہ تمام اہل کتاب کی تمام زما نوں میں، ایک ہی طرح سے مذ مت نہیں کر نا چا ہئے بلکہ ان میں ایک گروہ خدا کی عبا دت اور آیا ت الٰہی کی تلا وت کر نے والا بھی رہا ہے ۔
دوسرا احتمال یہ ہے کہ مند ر جہ بالا آیت ان لو گو ں کے با رے میں ہو کہ جن تک اس وقت دعو ت اسلام نہ پہنچی ہو یا جن پر اﷲ کی حجت تمام نہ ہو ئی ہو ۔ لہٰذا جب بھی حجت تمام ہو جا ئے تو اہل کتاب کے اچھے افراد بغیر کسی شک و شبہہ کے اسلام قبول کر لیں گے ۔سورئہ مبا رکۂ ما ئدہ میں نصا ریٰ کے ایک گروہ کی اس طرح صفت بیا ن کی گئی ہے :
(وَاِذَاسَمِعُوْامَااُنْزِ لَ اِلَیٰ الرَّسُوْ لِ تَریٰ اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّ مْعِ مِمَّاعَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔۔)(۲)
"اور جب یہ لوگ اس (قرآن)کو سنتے ہیں جو ہما رے رسول پر نا زل کیا گیا ہے تو دیکھو کس طرح حقیقت سے آشنا ہو جا نے کے سبب انکی آنکھو ں سے بیسا ختہ آنسو جا ری ہو جا تے ہیں " ۔
یہ گرو ہ ان ہی لو گو ں کا ہے جو حجت تمام ہو نے سے پہلے اہل عبا دت و دعا تھے :
(اُ مَّةً قَائِمَةً یَتْلُوْنَ آیَا تِ اﷲِ)
....

۱۔سو رئہ آل عمران آیت۱۱۳۔
۲۔سورئہ ما ئدہ آیت ۸۳۔

"جو را توں کو اٹھکر خدا کی آیتو ں کی تلاوت کر تے ہیں "اور جب وہ قر آن سے آشنا ہو جا تے ہیں تو(تَریٰ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّ مْعِ ---)
" ان کی آنکھو ں سے بیساختہ آ نسو جا ری ہو جا تے ہیں "۔
اس بنا پر اہل کتاب کا وہ گر وہ جو حجت تمام ہو جا نے کے بعد بھی اپنے دین پر ڈٹا رہے قرآن کی نظر میں کسی بھی صورت قا بل ستا یش و تعریف نہیں کہا جا ئے گا ۔

انبیاء علیہم السلام کی امتیں
انبیاء علیہم السلام کے عا م طور پر مشتر ک اوصاف کی تحقیق و جستجو کے بعد اب "انبیاء "کی قوموں کے بارے میں گفتگو ضروری ہے لیکن بحث کے آ غاز سے پہلے خود اس بحث کے طریقہ و روش سے متعلق چند نکتے بیا ن کردینا مفید ہیں ۔میری نظر میں انبیاء علیہم السلام کی امتو ں کے با رے میں کسی قر آنی تحقیق و جستجو کے دوطریقے ہوسکتے ہیں :
ایک تو یہ کہ مختلف امتو ں سے متعلق آیات کو تفصیل کے ساتھ الگ الگ رکھ کر تحقیق کی جا ئے اور پھر آیات کی تقسیم بندی اور تحقیقی جا ئزے کے بعد ان سے حا صل ہو نے وا لے نتیجو ں کا جا ئزہ لیا جا ئے ۔ تحقیق کا یہ طریقہ طویل گفتگو کا طا لب ہے اور اس مقام پر اس کی گنجا ئش نہیں ہے ۔
دوسرا طریقہ جس کو ہم نے اپنا یا ہے یہ ہے کہ پہلے تو تمام امتو ں کے ما بین بعض مجمو عی اور مشترک موضوعات کو پیش نظر رکھا جا ئے اور پھر قر آ ن کریم کی آیات کی بنیاد پر ان کا جا ئزہ لیا جا ئے ۔
انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے با رے میں قر آ ن کریم سے ایک تو اس نکتہ کا پتہ چلتا ہے کہ ان تمام قو موں میں ہر ایک نے اپنے پیغمبر کے ساتھ کسی نہ کسی طرح مخا لف مو قف اپنایا اور ان کا مقا بلہ کر نے کے لئے اٹھ کھڑ ے ہو ئے ہیں بعض آیات اس بات کی شہا دت دیتی ہیں کہ تمام الٰہی انبیاء کو ان کی امتو ں نے جھٹلایا ہے ۔ اس تا ریخی حقیقت کو دیکھ کر جس کی قر آن کریم نے تا ئید فر ما ئی ہے چند سوا ل پیدا ہو تے ہیں ،کیا ایک قوم کے تمام افراد یکساں طور پر ایک دو سرے کے ہمراہ ہو کر اپنے پیغمبر سے مقا بلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہو تے یا شرو ع میں معا شرہ کے مخصوص افراد مخا لفت کا پرچم بلند کر تے اور اس کے بعد دو سرے گر وہ ان سے آکر مل جا یا کر تے تھے ۔
اس حقیقت کے پیش نظر کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت انسانی فطرت کے مطابق ہوا کر تی تھی اور دین اسلام (اپنے عام معنی کے لحا ظ سے)چو نکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے اور دین فطرت ہے لہٰذا دیکھنا چا ہئے کہ انبیا ء علیہم السلام کی طویل تا ریخ میں وہ کو نسے اسباب تھے جن کی وجہ سے تمام قو میں اپنے پیغمبر کی مخا لفت کے لئے کھڑی ہوجایا کر تی تھیں ؟ مخا لفین کا رویہ انبیاء علیہم السلام سے کس طرح کا تھا اور وہ انبیاء علیہم السلام سے مقا بلہ کے لئے کن طریقو ں سے فا ئدہ اٹھا تے تھے ؟ان گر و ہو ں کا انجام کیا ہوا؟اور وہ کس عا قبت کے منتظر ہیں ؟

مو جو دہ بحث کا علو م سما جیات ونفسیات سے رابطہ !
مذ کو رہ سوا لو ں کے جوابات تلاش کر نے سے پہلے منا سب معلوم ہو تا ہے اس بحث کے ساتھ مختصر طور پر علوم سما جیات اور اجتماعی نفسیات کے تعلق کے با رے میں کچھ گفتگو ہو جا ئے چنا نچہ اس سلسلہ میں چند سبق آموز نکات کہ جن کا قر آ ن کر یم سے استنباط کیا جا سکتا ہے ہم بیا ن کر تے ہیں ۔ ہم کو معلوم ہے کہ قر آن کریم کی روش یہ نہیں ہے کہ ہر بات تفصیل سے ،مختلف عنو ا نو ں کے تحت اور جدا جدا بیان کرے بلکہ کبھی کبھی قر آن کر یم بعض اہم مطالب صرف اشا رہ میں بیان کر جا تا ہے کہ اگر ان کے با رے میں غور کر یں تو انسان کے سا منے معر فت کے بہت سے ابواب کھل جا ئیں ۔ ایسے موقعوں پر ہم اگراپنے سوالات قر آن کے سا منے پیش کر یں تو قر آن کے مخصوص طریقہ کو سا منے رکھ کر اپنے سوا لات کے جوا بات حا صل کر سکتے ہیں ۔ اس صورت میں اشا روں میں بیان کی گئی قر آنی تعبیر یں ایسی بیش قیمت کنجی ثا بت ہو ں گی کہ جن سے علوم و معا رف کے بیش بہا خزا نو ں سے بھرے بڑے بڑے در وا زوں کے قفل کھو لے جا سکتے ہیں اور شاید مو جو دہ بحث کچھ اسی انداز کی ہے اگر اس مو ضوع سے متعلق قر آن کریم کی آیات پر غور کر یں تو سما جیات ،فلسفۂ تا ریخ ، اجتما عی اور انفرا دی نفسیات وغیرہ سے متعلق بہت سی ایسی با تیں معلوم ہو جا ئیں گی کہ جن سے ہر ایک کے با رے میں عرصۂ دراز تک تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس کی جا سکتی ہے ۔ آئندہ بحثو ں میں ایسے بعض مطالب جو قابل استنباط ہیں ہم اشا رہ کر یں گے ۔
اب ہم مختصر طور پر مو جو دہ بحث کے ساتھ دو اہم علوم یعنی سما جیات اور اجتما عی نفسیات کے تعلق پر گفتگو کر تے ہیں ۔ ہم کو معلوم ہے کہ سما جیات میں بنیا دی ترین بحث یہ ہے کہ اس میں مختلف موجو دات کے وجو د کے اسباب ، پیدائش کی کیفیت نشو و نما کے مرا حل اور تغییرات اور ان کے نتا ئج و اثرات پر گفتگو ہو تی ہے ۔ اس بنیاد پر مختلف

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

معاشروں میں لو گو ں کا پیغمبروں کی مخا لفت کر نا یہ خود ایک عجیب اور قا بل توجہ اجتما عی مسئلہ ہے کہ جس کی علم سما جیا ت کے نقطۂ نظر سے علل و اسباب کی تحقیق، سما جی ڈھا نچے کی بنا وٹ ،اس میں رو نما ہو نے وا لے تغییرات اور آثار و نتا ئج کا جا ئزہ لیا جا سکتا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ اس با رے میں قر آن کر یم سے سوا لو ں کے جوا بات حا صل کئے جاسکتے ہیں ، قر آن کر یم کا مخصوص تبصرہ معلوم کیا جا سکتا ہے ۔ چنا نچہ اس طرح کی تحقیقات ایک طرف تو سما جیات کے مبا حث کو کہیں زیا دہ مالا مال کر دے گی اور دو سری طرف ان سے حا صل شدہ نتیجو ں کی بنیاد پر علم سما جیات کے بہت سے اسلامی یا قر آنی نظر یا ت کا ایک بڑا حصہ معلوم کیا جا سکتا ہے ۔
یہ بحث اجتما عی نفسیات کے ساتھ بھی اسی بنیاد پر تعلق پیدا کر لیتی ہے کہ اجتما عی مسائل جیسے لو گو ں کا انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کر نا ، اس حیثیت سے کہ انسان کے ہی ایجا د کر دہ مسائل ہیں اور مخصوص د ما غی اور نفسیاتی وجوہات کے تحت پیدا ہو تے ہیں اس بنا پر کو ئی بھی اجتما عی عمل جومعا شرے کے کسی ایک طبقہ میں یا پو رے معا شرے میں رو نما ہو تا ہے اس طبقے یا معا شرے کی نفسیاتی خصو صیات کا نتیجہ ہو تا ہے اور ان نفسیاتی اسباب و عوا مل کا مطا لعہ اجتما عی نفسیات کے فر ائض میں سے ہے ۔
اس بنا ء پر امتو ں کی انبیا ئے الٰہی کے ساتھ مخا لفت اِن قو موں کی کو نسی نفسیا تی خصو صیت سے متأثر ہے اس بات کی تحقیق اجتما عی نفسیات کی بحثو ں کے دا ئرے میں شما ر ہو گی ، علاوہ بر این انبیاء کے خلاف اجتما عی مقا بلہ آرا ئی کے سا تھ افراد اور معا شرے کے با ہمی ار تباط کا مطا لعہ بھی ایک اور اہم مسئلہ ہے جس کو قر آن کر یم میں علم سما جیات کے اصول و نظر یات یا اجتما عی نفسیات کے نقطۂ نظر سے تحقیق و جستجو کا محور قرار دیا جا سکتا ہے ۔

خو د امتو ں کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب
سو شل سا ئنس کے بعض علو م کے ساتھ بحث کے بعض پہلو ؤنکے رابطہ کی طرف اشارہ کے بعد ہم گفتگو کے اس حصہ میں پہلے اُن آیات کا ذکر کر رہے ہیں جن میں گذشتہ امتوں کی جانب سے اپنے انبیاء علیہم السلام کی اصل مخالفت کو بیان کیاگیا ہے ۔
قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں کہ جو کسی نہ کسی انداز سے اس تاریخی حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں۔ ان میں سے بعض آیات میں (نمونہ کے طور پر) بعض قوموں کے نام لئے گئے ہیں اور پھر ان کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے خلاف مشترکہ رد عمل کو بیان کیا گیا ہے :
قر آن کریم میں ارشاد ہو تا ہے :(اَلَمْ یَا تِکُمْ نَبَؤُالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَعَادٍوَثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ لَا یَعْلَمُھُمْ اِلَّااللّٰہُ جَا ئَتْھُمْ رَسُلُھُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَرَدُّوْااَیْدِیَھُمْ فِیْ اَفْوَاھِھِمْ وَقَالُوْااِنَّاکَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہٖ وَ اِنَّالَفِیْ شَکٍ مِمَّا تَدْعُوْنَنَااِلَیْہِ مُرِیْبٍ)(۱)
.....

۱۔سورئہ ابراہیم آیت ۹۔

"کیا تمہا رے پاس ان لو گو ں کی خبر نہیں پہنچی جو ہم سے پہلے تھے (جیسے)نوح کی قوم اور عاد و ثمو د اور جو ان کے بعد ہو ئے ہیں جن کو خدا کے سوا کو ئی جانتا ہی نہیں؟ ان کے پاس ان کے انبیاء علیہم السلام واضح دلیلیں لیکر آئے لیکن ان لو گوں نے (اعتراض کے عنوان سے منھ بند کرنے کے لئے) ان کے ہاتھ ان کے منھ پر رکھ دیئے اور کہنے لگے : تم کوخدا کی طرف سے جو ذمہ داری دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کو نہیں ما نتے اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلارہے ہو تو اس کے بارے مینہم بڑے گہرے شک میں ہیں " ۔
آیت میں (وَالَّذین من بعد ھم ...)کی عبارت سے واضح ہے کہ یہ بات کچھ خاص قو موں سے مخصوص ہیں۔
بلکہ بہت سی قوموں میں جاری رہی ہے ۔ اسی طرح صیغۂ جمع (انبأئ)کے مقام پر صیغۂ مفرد(نبأ)کا استعمال اس چیز کی غمّازی کرتا ہے کہ ان تمام قوموں کی ایک مشترک داستان ہے : ان سب کے درمیان خدا کے پیغمبر مبعوث ہو ئے لیکن ان سب نے ان نبیوں کو جھٹلایا ۔ عبارت (فَرُدُّوااَیدِ یَھُمْ فِي اَفوَا ھِھِم) عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے جو ایسے مقام پر بولی جاتی ہے جہاں بات بالکل صاف صاف دو ٹوک کرنا ہوتا ہے چنانچہ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اپنے نبیوں سے بالکل صاف و واضح طور پر کہدیا تھا کہ ہم آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور ہمیں آپ کی دعوت کے صحیح ہونے میں شک ہے ۔
قرآن کریم کی بعض دوسری آیات مینپیغمبر اسلامؐکی تسلی اور دلداری کی گئی ہے کہ آپ کی رسالت کی مخالفت اور تکذیب صرف ان عرب مشرکوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ گذشتہ اقوام نے بھی اپنے انبیا ء علیہم السلام کی تکذیب کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہے سورئہ حج میں قرآن کریم رسول اسلامؐسے فرماتا ہے :
(وَاِنْ یُکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَعَاد وَثَمُوْدُ۔ وَقَوْمُ اِبْرٰھِیْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ۔ وَاَصْحَابُ مَدْیَنَ وَکُذِّ بَ مُوْسٰیٰ فَاَمْلَیْتُ لِلْکَافِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْ تُھُمْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ)(۱)
اور اگر پیغمبر یہ لوگ آپ کو جھٹلا تے ہینتو ان سے پہلے قوم نوح نے اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم نے اور اسی طرح مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے پیغمبروں کو)جھٹلایا ہے ۔اور موسیٰ (بھی)جھٹلا ئے جاچکے ہیں پس میں نے کافروں کو کچھ مہلت دیدی اور پھر (ان کا گر یبان)کس دیا دیکھئے تو میرا عذاب کیسا تھا "۔

.....

۱۔سورئہ حج آیت ۴۲ ۔۴۴۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَاِنْ یُکَذِّ بُوْکَ فَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُل مِنْ قَبْلِکَ۔۔)(۱)
"اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا ئیں تویقین ما نئے آپ سے پہلے (بھی)بہتیرے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں۔۔"
ارشاد ہو تا ہے :
(کَذَّ بَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَاَصْحَا بُ الرَّ سِّ وَثَمُوْ دُ۔وَعَاد وَفِرْعَوْ نُ وَ اِخْوَانُ لُوْط ۔وَاَصْحَا بُ الْاَ یْکَۃِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ کُلُّ کَذَّ بَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ)(۲)
" ان سے پہلے قوم نو ح کی قوم اصحا ب رس اور ثمو د نے بھی تکذیب کی تھی اور قوم عا دو فرعون اور برا درانِ لوط نے بھی اور اصحا بِ ایکہ اور قوم تبع نے(مختصر یہ کہ) سبھی نے ہما رے پیغمبروں کو جھٹلا یا(نتیجہ میں) ہما را (عذاب کا) وعدہ پو را ہو کر رہا "۔
سورئہ فاطر میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَاِ نْ یُکَذِّ بُوْکَ فَقَدْکَذَّبَ الَّذِ یْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ جَائَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰاتِ وَبِالزُّبُرِوَبِالْکِتٰابِ الْمُنِیْرِ۔ ثُمَّ اَخَذْ تُ الَّذِ یْنَ کَفَرُوْافَکَیْفَ کَا نَ نَکِیْرِ)(۳)
"اور اگر یہ لو گ آپ کو جھٹلا ئیں تو یقینا ان سے پہلے وا لو ں نے بھی (اپنے اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایاہے (حا لا نکہ)جب ان کے پاس ان کے پیغمبرواضح و روشن دلیلیں،صحیفے اور کھلی کتاب لیکر آئے تھے پس ہم نے ان لوگوں کو جو کا فر ہو بیٹھے تھے جکڑ لیا(دیکھئے تو) میرا عذاب(ان پر) کیسا (سخت) ہوا ؟" ۔
قرآن کریم میں ارشاد ہو تا ہے:
(فَاِنْ کَذَّ بُوْکَ فَقَدْ کُذِّ بَ رُسُل مِنْ ْ قَبْلِکَ جَائُ وْابِا لْبَیِّنٰاتِ وَالزُّبُرِ وَالکِتَابِ الْمُنِیْرِ) (٤)
"اگر انھو ں نے آپ کو جھٹلایاتوآپ یقین رکھئے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسو ل روشن معجزے ، صحیفے

.....

۱۔سورئہ فا طرآیت ٤۔
۲۔سورئہ ق آیت ۱۲ ۔۱٤۔
۳۔سورئہ فا طر آیت۲۵ ۔۲٦۔
٤۔سورئہ آلِ عمران آیت ۱۸٤۔

اورنو را نی کتاب لیکر آ چکے ہیں(جن کو جھٹلا یا گیا ہے)"۔
سورئہ سبا میں ارشاد ہو تا ہے :(وَکَذَّ بَ الَّذِ یْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَمَابَلَغُوْامِعْشَارَمَااٰ تَیْنٰھُمْ فَکَذَّبُوْارُسُلِی فَکَیْفَ کَا نَ نَکِیْرِ)(۱)
" اورجو لوگ ان سے پہلے تھے انھو ں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلا یا تھا حا لانکہ ہم نے جتنا ان لو گو ں کو دیا تھا یہ کفار (ابھی)اس کے دسو یں حصہ کو (بھی)نہیں پہو نچے پس ان لو گو ں نے میرے پیغمبر کو جھٹلا یاتو(دیکھا کہ) ہما را عذاب(ان پر) کیسا (سخت)ہوا "۔
مندر جہ بالا آیات کے علا وہ دوسری آیات میں بھی مخصوص قو موں کے جھٹلا نے کا ذکر ہے اور خدا وند عا لم کے پیغمبروں کی مخا لفت کا پردہ چا ک کیا گیا ہےہم یہاں ان آیا ت کے کچھ نمو نے پیش کر رہے ہیں :
سورئہ شعراء میں ارشاد ہو تا ہے :(کَذَّ بَتْ قَوْمُ نُوْ حِ الْمُرْ سَلِیْنَ)(۲)
" نو ح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا"۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس کے بعد اسی سورہ میں فر ماتا ہے:
(كَذَّ بَتْ عَا د الْمُرْسَلِيْنَ)(٣)
" (قو م) عا د نے خدا کے پیغمبروں کو جھٹلایا "۔
اور آگے بڑھکر کہتا ہے :
(كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ)(٤)
" (قو مِ) ثمو د نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا " ۔
اور اسی سورہ کی ایک اور آیت میں ارشاد ہو تا ہے:
(كَذَّ بَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ)(٥)
"اور قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا "۔(٦)

.....

١۔سورئہ سبا آیت٤٥۔
٢۔سورئہ شعراء آیت ١٠٥۔
٣۔سورئہ شعراء آیت١٢٣۔
٤۔سورئہ شعراء آیت ١٤١۔
٥۔سورئہ شعراء آیت١٦٠۔
٦۔اسی طرح سورئہ قمر آیت ٩ ،١٨، ٢٣ اور ٣٣ ملا حظہ فر ما ئیں ۔

انبیاء علیہم السلام سے جنگ کر نے وا لے سردا روں کی پہچان
گذ شتہ گفتگو کے پیش نظر قر آن کر یم کی آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ گذ شتہ تمام قو مو ں نے نبیو ں کو جھٹلایا اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنا ان کا معمول تھا۔اب یہ سوال ہے کہ کیا اس مخالفت میں معاشرہ کے تمام افراد برابر سے شریک تھے یا ابتداء میں کسی مخصوص طبقہ کے افراد مخالفت کیلئے اٹھتے اور پھر ان کی دعوت پر دوسرے لوگ پیغمبر کی مخالفت میں ان کے ساتھ ہوجایا کرتے تھے ؟
اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن نے دوسرے مفروضے پر زور دیا ہے اور کچھ مخصوص گروہوں کا انبیاء علیہم السلام سے جنگ کی ابتدا کرنے اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے میں پیش پیش رہنے کے عنوان سے تعارف کرا یا ہے ۔چنانچہ قرآن کے مطابق پہلے ایک خاص طبقہ کے لوگ ہی انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کیا کر تے تھے اور ا س کے بعد مختلف طریقو ں سے یہ گروہ یا افراد عامل لو گوں کے افکار کو منحر ف کر نے کے وسا ئل فر ا ہم کیا کرتے تھے ۔ قر آن کر یم نے انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کر نے وا لے سر دا روں کے کچھ او صا ف بیان کئے ہیں جن میں سب سے اہم صفت" اتراف " ہے ۔"اتراف" کا مطلب یہ ہے کہ انسان نعمتو ں کی فر ا وانی کی وجہ سے سر کشی اور طغیان پرتُل جا ئے اور مترف اس شخصکو کہتے ہیں جو ما دی نعمتوں اور لذّتوں میں غر ق ہو جا ئے قر آن کر یم کی متعدد آیات میں انبیاء کی مخا لفت کر نے والوں میں سب سے پہلے متر فوں کا تذ کر ہ ہوا ہے :
سورئہ سبامیں ارشاد ہو تا ہے :
(وَمَااَرْسَلْنٰافِيْ قَرْيةٍ مِنْ نَذِيْرٍ اِلّاَقَا لَ مُتْرَفُوهٰااِنَّابِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰافِرُوْنَ۔وَقَالُوْانَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوٰالاً وَاَوْلَاداً وَمٰانَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ)(١)
"اورہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا(پیغمبر)نہیں بھیجامگر یہ کہ وہا ں کے عیش پسندبڑ ے لوگ یہ کہہ اٹھے کہ جو چیز دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں ما نتے اور(یہ بھی)کہتے ہما رے پاس تو مال اور اولاد دو سروں سے کہیں زیا دہ ہے اور ہم پر عذاب نہیں ہو گا "۔
اس آیت سے چند نکتے حا صل ہو تے ہیں :
١۔ہر قوم کے درمیان سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کر نے والا گروہ اس قوم کے آرام پسند بڑے لو گو ں کا ہو تا تھا ۔یہ گروہ با لکل صاف صاف انبیا ء علیہم السلام کی دعوت قبو ل نہ کر نے کا اعلان کر تا تھا ۔

.....

١۔سورئہ سبا ٔ یت ٣٤ ۔٣٥۔
٢۔اِن بڑے لو گو ں کا یہ کہنا تھا کہ ہما رے خا ندان کاقوم و قبیلہ کے لحا ظ سے طا قتور ،دولتمند اور اجتما عی اقتدار کا حا مل ہو نا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انبیاء علیہم السلام سے ہر طرح بلند و بر تر اور ہر طرح کے عذاب سے محفو ظ ہو نے کا معیار ہے ۔

اُن کے اس فلسفے سے ایک دوسرا نکتہ یہ نکلتا ہے کہ ان معا شروں میں کسی طبقہ کی دو سرے طبقوں سے بلندی و بر تری کا معیار دولت و ثر وت اور انسانی طا قت و قوت کا زیا دہ ہو نا تھا ۔
قرآن میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَکَذَ لِکَ مَاارْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ فِیْ قَرْیَةٍ مِنْ نَذِیْرٍاِلَّاقَالَ مُتْرَفُوهَااِنَّاوَجَدْ نَا اٰبَاءَ نَاعَلَیٰ اُمَّةٍ وَاِنَّاعَلَیٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُوْنَ)(۱)
"اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرا نے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہا ں کے آرام پسند لوگو ں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا ؤنکو ایک آئین اور طریقہ پر پایاہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں "۔
اس آیت میں بھی دو لتمند طبقہ کے با رے مینگفتگو ہے اور ان کے ایک دو سرے بہا نہ کا ذکر ہے کہ ہم اپنے دادا کے طریقہ کو ہی جا ری رکھیں گے اور ہم کو کسی نئے طریقہ کی کو ئی ضر ورت نہیں ہے ۔
بعض آیات میں "ملأ "کا لفظ بھی آیا ہے نمو نہ کے طور پر قرآن کریم مینوح کی قوم کے متعلق خدا وند عالم ارشاد فر ماتا ہے :
(قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِہِ اِنَّا لَنَرٰکَ فِیْ ضَلَالٍ مُبِیْنٍ)(۲)
"ان کی قو م کے سر داروں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ ہم تم کو کھلم کھلا گمر ا ہی میں مبتلا دیکھتے ہیں "۔
اس بنیاد پر انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت میں پیش پیش افراد کی ایک صفت یہ ہے کہ قوم کے سر دار اپنے نبی پر کھلم کھلا گمرا ہی میں مبتلا ہو نے کی تہمت لگا تے تھے ہم اس با رے میں انبیاء علیہم السلام کے مخا لفو ں کے طریقوں سے متعلق بحث میں تفصیل سے گفتگو کر یں گے ۔
(قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوامِنْ قَوْمِہِ اِنَّالَنَرَیکَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَاِنَّالَنَظُنُّکَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ)(۳)

.....

۱۔سورئہ زخرف آیت۲۳۔
۲۔سورئہ اعراف آیت۶۰۔
۳۔سورئہ اعراف آیت۶۶۔

قوم ثمود کے با رے میں ار شاد ہو تا ہے :
"قوم کے سر دار جو کا فر تھے کہنے لگے ہم تو بیشک تم کو ایک طرح کی حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور پوری سنجید گی سے تم کو جھو ٹا سمجھتے ہیں "۔
اس آیت میں بھی ایک خاص طبقہ " ملأ "یعنی وہی قوم کے سر داروں پر زور دیا گیا ہے اور یہ زور دینا اس چیز کو بیان کر تا ہے کہ یہ گروہ مخا لفت کر نے میں آگے آگے تھا ایک اور آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ طبقۂ" ملأ "اہل استکبار کا مغرور و سر کش گروہ تھا خداوند عالم قرآن میں ار شاد فر ما تا ہے :
(قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوا مِنْ قَوْمِہِ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوا لِمَنْ آمَن مِنْہُمْ اَتَعْلَمُونَ اَنَّ صَلِحاً مُرْسَل مِنْ رَّبِّہ قَالُوْااِنَّابِمَاارْسِلَ بِہِ مُؤمِنُوْنَ ۔قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا اِنَّابِالَّذِیْ اٰمَنْتُمْ بِہِ کَافِرُوْنَ)(۱)
" ان کی قوم کے سر دار نے جن کوقوت و اقتدار نے بڑا بنا دیا تھا کمزو ر و محروم لو گو ں سے جو ان میں ایمان لائے تھے کہاکیا تمھیں معلوم ہے کہ صالح اپنے پر ور دگا ر کی طرف سے بھیجے گئے سچے رسول ہیں انھوں نے جواب دیا کہ بلا شبہ جن باتو ں کا وہ پیغام لا ئے ہیں ہما را تو اس پر ایمان ہے تب جن لوگوں کو (اپنی استکباری طاقت و قوت پر) گھمنڈ تھا کہنے لگے ہم تو جس پر تم ایمان لائے ہو اسے نہیں مانتے "۔
مستکبرین بذات خود حق قبول کر نے اور انبیا ء علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے سے انکار کے علا وہ دوسروں کو بھی بہکا نے ،چنگل میں جکڑ لینے اور ان کے دل و دماغ میں شک و شبہ کے بیج بو کر ان کے ایمان کو کمزور کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے ۔
بہر حال مذ کو رہ تمام آیتو ں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جا تی ہے کہ وہ خاص طبقہ جو انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کا جھنڈا بلند کر نے میں پہل کیا کر تا تھا معا شرے مینخو ش حال آرام پسند اور عیاش طبقہ تھا جو اپنی دولت اور اپنے قوم و قبیلہ کے بل بو تے پر افتخار و گھمنڈ کر تا تھا ۔

.....

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۱۔سورئہ اعراف آیت ۷۵۔۷۶۔اور سورئہ اعراف آیت ۸۸۔

راہ اور رہنما کی پہچان

انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کے نفسیاتی اسباب
اب سوال یہ پیدا ہو تا ہے کہ قوم کے سر دار اور مستکبرین کس وجہ سے انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کیا کر تے تھے تھے ؟ اس با رے میں قر آن کریم میں بہت سے نکات ذکر ہو ئے ہیں جن پر غور و فکر کر نے سے انسان علوم نفسیا ت کے بہت سے انفرا دی اور اجتما عی مسا ئل سے وا قف ہو سکتا ہے قر آ ن نے کچھ امو ر جذ بۂ مخا لفت کے عنوا ن سے بیان کئے ہیں کہ جن کی بنیاد پر شاید کچھ اصل اور بنیادی قسم کے اسباب و عوا مل ہا تھ آجا ئیں ۔ہم اس جگہ مخا لفت کے چند اہم جذ بو ں کو بیان کر رہے ہیں

استکبار (خود کو بڑا سمجھنا)
قرآن کریم سے معلوم ہو تا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کر نے وا لے قوم کے سر دار اپنی ممتاز سما جی حیثیت کی وجہ سے بڑا ئی میں مبتلا تھے اور اسی جذ بہ سے وہ انبیاء علیہم السلام کے پیغام سننے اور ان کی اطاعت کر نے سے دریغ کر تے تھے ۔ گو یا اس گروہ کے لئے انبیاء علیہم السلام کے کلام کو دل میں جگہ دینا ایک قسم کا ننگ و عار تھا یہ لوگ ہمیشہ دو سروں کو اپنے راستہ پر لگا نے اور ان کو ہر طرح سے اپنے افکا ر کا تا بع بنا نے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور یہی بڑا ئی کا تصور انبیاء علیہم السلام کی دعو ت قبول کر نے میں رکا وٹ بنتا تھا ۔قرآن کریم میں " استکبار "کی لفظ اسی مفہوم کو بیان کر تی ہے :
(قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْااِنَّابِالَّذِیْ اٰمَنْتُمْ بِہٖ کَافِرُوْنَ)(۱)
"جو لو گ بڑا ئی میں مبتلا تھے کہنے لگے ہم تو جس پر تم ایمان لائے ہواسے نہیں ما نتے "۔
ہم جا نتے ہیں کہ کسی حکم کا کسی مو ضو ع پر معلق اور وا بستہ ہو نا اس کی سببیت کا پتہ دیتا ہے ۔یعنی اس گروہ کا استکبار (خود کو دوسروں سے بڑا سمجھنا)ہی ان کے کفر کا سبب تھا اور استکبار کا سر چشمہ ان کی وہی غرور و تکبر کی حا لت ہے جو ان کے دل و دما غ میں رچ بس گئی تھی البتہ بعض مقا مات پر "استکبار" کو علت کے طور پر بیا ن بھی کیا گیا ہے ۔
(وَاَقْسَمُوْابِااللهِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ جَآئَ ھُمْ نَذِیْر لَّیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ فَلَمَّاجَآئَ ھُمْ نَذِیْر مَّازَادَ ھُمْ اِلَّانُفُوْرًا۔اِسْتِکْبَارًافِی الْاَرْضِ---)(۲)
"اور یہ لوگ تو خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھا (کر کہتے)تھے کہ اگر ان کے پاس کو ئی ڈرا نے والا (پیغمبر) آئیگا تو وہ ضرور دوسری کسی بھی امت سے زیا دہ راہ یا فتہ بن جا ئیں گے پھر جب ان کے پاس ڈرا نے والا (رسول) آ پہنچا تو نفرت کے سوا ان کے یہا ں کسی بھی چیز کا اضا فہ نہ ہوا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ رو ئے زمین پر خود کو سب سے .....

۱۔سورئہ اعراف آیت۷۶۔
۲۔سورئہ فاطر آیت۴۲و۴۳۔

بڑا سمجھتے تھے ---"۔
اِس آخر ی آیت میں لفظ " استکبار "مفعول لہ کے عنوان سے آیا ہے اور صاف طو ر پر بیان کر تا ہے کہ ان کے کفر (یعنی انکار) کی وجہ ان کا جذ بۂ استکبار ہے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے با رے میں آیا ہے کہ وہ آپ کی دعوت کے جواب میں حالت کفر پر با قی رہنے پر زور دیتے تھے اور " استکبار " سے کام لیتے تھے:
(۔۔۔وَاَصَرُّوْاوَاسْتَکْبَرُوااسْتِکْبِاراً)(۱)
"۔۔۔اور اَڑ گئے اور بہت شدت سے اپنی استکباری اکڑ کو بڑھا تے چلے گئے " ۔
اور فر عون کی قوم کے با رے میں ار شاد خدا وندی ہے :
(ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ هِمْ مُوْسَیٰ وَهَارُوْنَ اِلَی فِرْعَوْنَ وَمَلَائِہِ بِآیَاتِنَا فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُوْا قَوْماً مُجْرِمِیْنَ)(۲)
"پھر ہم نے اِن (پیغمبروں) کے بعد مو سیٰ و ہا رون کو اپنی نشا نیا ں دے کر فر عون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کے پاس بھیجا لیکن انھو ں نے اکڑ دکھا ئی اور یہ جرا ئم پیشہ برے لو گ تھے "۔
جب حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے فر عو نیوں کو تو حید کی دعو ت دی تو انھو ں نے آ پ کی اس دعوت کے جوا ب میں اکڑ اور بڑا ئی دکھا ئی اور وہ بلند مقام جس پر وہ خود کو فا ئز سمجھتے تھے جناب مو سیٰ علیہ السلام کی بات کو قبول کر نے میں مانع ہوا ۔ مذ کورہ آیت میں حضرت مو سیٰ علیہ السلام اور ان کے بھا ئی ہا رون کے مبعوث ہو نے کا ذکر کر نے کے فوراً بعد کہا گیا ہے " فَا سْتَکْبَرُوْا "یہ انداز اس چیز کی علامت ہے کہ ان کی مخا لفت کی وجہ ان کا وہی استکبار اور اکڑپن تھا ۔ ضمناً لفظ "مجر مین "سے بھی یہ استفا دہ کیا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رسالت کے انکار کا ایک اور سبب گنا ہو ں اور جرا ئم کا ارتکاب ہے ۔
کچھ دوسری آیات کہ جن میں انبیا ء علیہم السلام کی مخا لفت کا سبب غر ور و تکبر بیان کیا گیا ہے ان میں ایک مند ر جہ ذیل آیت بھی ہے ارشاد خدا وندی ہے:
(اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَٰدِلُوْنَ فِیْ آیٰاتِ اللهِ بِغَیْرِسُلْطَانٍ اَتَاهُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِ هِمْ اِلّاَکِبْر مَاهُمْ بِبَٰلِغِیْہِ ۔۔۔)(۳)
....

۱سورئہ نوح آیت۷۔
۲سورئہ یونس۷۵۔
۳سورئہ غافر آیت۵٦۔

" بیشک جو لوگ خداکی طرف سے کو ئی دلیل آ ئے بغیر خداکی آ یتوں کے با رے میں(خواہ مخواہ) جھگڑتے ہیں ان کے دلوں میں بڑائی جھا ڑ نے کے سواکچھ نہیں ہے حا لا نکہ وہ لوگ اس بڑائی تک کہ جس کی وہ آرزو رکھتے ہیں کبھی نہیں پہنچیں گے ۔۔۔ "۔
کچھ دوسری آیتو ں میں بھی انبیاء علیہم السلام کے مخا لفوں کے استکبار کے با رے میں ذکر ہے مثال کے طور پر قر آن مشر کو ں کی صفت بیان کر تے ہو ئے ار شاد فر ما تا ہے :
(اِنَّهُمْ کَانُوْااِذَاقِیْلَ لَهُمْ لَااِلٰہَ اِلّاَ اللهُ یَسْتَکْبِرُونَ)(۱)
"ان سے جب کہا جاتاتھاکہ خدا کے سواکوئی معبود نہیں ہے تو اکڑ دکھا تے تھے "۔
ظا ہر ہے صرف خدا ئے وحدہ لا شریک کی پر ستش کی دعوت ،استکبار کا سبب نہیں ہو سکتی لیکن جب اس دعو ت کا مطلب مشر کو ں کا گمراہ اور ان کے آباء و اجداد کے دین کا غلط ہو نا اور اس سے اپنے دیرینہ اعتقاد ات سے ہاتھ دھوبیٹھنا لا زم آ رہا ہو تو ان کا جذبۂ استکبار حق کو تسلیم کر نے میں رکا وٹ بن جا تا ہے ۔ بنا بر این مشر کو ں کے توحید کو نہ ماننے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خدا کی وحدا نیت پر کو ئی معقول اور وا ضح دلیل نہیں پا ئی جا تی یا حق ان پر پو شیدہ تھا ،ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے اندر کچھ ایسے جذ بات مخفی تھے جو ان کو کفر کی طرف کھینچ لے جا تے تھے ۔ایک دو سری آیت میں استکبار کو عا لم آخرت کے وجود سے انکار کا سبب قرار دیا گیا ہے :
(اِلَهُکُمْ اِلٰہ وَاحِد فَالَّذِیْنَ لَایُؤمِنُونَ بِالْآخِرَةِقُلُوبُهُمْ مُنْکِرَة وَهُمْ مُسْتَکْبِرُوْنَ)(۲)
"تمہاراپر ور دگارایک اور اکیلا ہے پس جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کے دل حق کے منکرہیں اوروہ ذا تی طور پر بڑے مغرورہیں "۔
ظا ہری طور پر آیت کے آخری جملے " وَهُمْ مُسْتَکْبِرُوْ نَ "میں وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دل سے قیامت کے منکر کیو ں ہیں ۔یعنی آخرت پر ایمان لا نے میں رکا وٹ مشر کو ں کا جذ بۂ استکبار ہے جو ان کے وجود میں پنہاں ہے ۔
دوسری طرف قر آن کریم بعض عیسا ئی علماء اور پا دریوں کی اس طرح تعریف کر تا ہے :
(۔۔۔وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِیْنَ آمَنُوْاالَّذِیْنَ قَالُوْااِنَّانَصٰرَیٰ ذَلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانَاوَاَنَّهُمْ لَایَسْتَکْبِرُوْنَ)(۳)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

....

۱سورئہ صافات آیت۳۵.
۲سورئہ نحل آیت۲۲.
۳سورئہ مائدہ آیت۸۲.

"اور قطعی طور پر وہ لوگ جو کہتے ہیں ہم عیسا ئی ہیں مو منین سے دو ستی کے میدان میں سب سے زیا دہ مردم دوست نظر آئیں گے کیو نکہ ان میں بعض وہ مذ ہبی رہنما اور دا نشور ہیں کہ جن میں بڑا ئی ہا نکنے کی عا دت نہیں ہے "۔
قر آن کی نظر میں اس گروہ کا امتیاز یہ ہے کہ ان میں غرور اور گھمنڈ نہیں ہے ۔ وہ منکسر المزاج افراد ہیں جب ان کو حق کی معر فت ہو جا تی ہے تو وہ اس کو تسلیم کر لیتے ہیں ۔

احساس بر تری
انبیا ء علیہم السلام کو جھٹلا نے کا ایک اور سبب جو کسی حد تک کبر و غرور سے مشا بہ ہے دو سروں پر بر تری کا جذ بہ ہے ۔ قر آن فر عون کی حا لت کو بیان کر تے ہو ئے فر ما تا ہے :
(ثُمَّ اَرْسَلْنَامُوْسَیٰ وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰ یٰتِنَاوَسُلْطٰنٍ مُبِیْنٍ۔اِلَیٰ فِرْعَوْ نَ وَمَلَا ئِہِ فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَا نُوْا قَوْماًعَا لِیْنَ)(۱)
" پھر ہم نے مو سیٰ اور ان کے بھا ئی ہا رون کو اپنی نشا نیوں اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے در با ر کے امرا کے پاس (رسول بنا کر)بھیجا تو ان لو گو ں نے بڑا ئی دکھائی اور وہ تھے ہی بڑے سرکش لو گ "۔
یہ لوگ معا شرہ میں دوسرو ں سے بر تری اور بلندو با لا مقام کی خو اہش رکھتے تھے اور اگر وہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو قبول کر لیتے تو ان کا کھو کھلا جاہ و حشم چھن جا تا لہٰذا انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہیں لا تے تھے ۔

ظلم
انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کا ایک اور سبب "ظلم " ہے ۔قر آن کر یم کی بعض آیات میں دو سروں سے بر تری کی ہو س کے ساتھ ظلم و ستم کی روش کا بھی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخا لفت کے دو سبب کے عنوان سے ذکر ہو ا ہے:
(وَ جَحَدُوْابِهَاوَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْماًوَعُلُوًّا۔۔)(۲)
" با وجو دیکہ ان کا دل ان کے معجزات کا قا ئل تھا ان لو گو ں نے سر کشی اور تکبر کے سبب سے ان کا انکار کیا " (بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّ ةٍ وَ شِقَاقٍ)(۳)
"ہا ں جنھو ں نے کفر اپنا یا تکبر اور عدا وت میں ہیں "
....

۱۔ سورئہ مومنون آیت۴۵و ۴۶.
۲سورئہ نمل آیت۱۴.
۳سورئہ ص آیت۲.

" عزّۃ کے دو معنی ہو سکتے ہیں :
۱۔ایک تو عمل کے اعتبار سے بہت زیا دہ اکھڑ اور اڑیل ہو جس کو جمو د کہا جاتا ہے ۔
۲۔ دوسرے معنی غرور اور خود پسندی کے ہیں دو سرے معنی کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ پیغمبر کی اطاعت کو ایک طرح کی ذلت سمجھتے تھے ،غرور اور خود کو دو سروں سے با لا تر سمجھنے کے سبب ان کو نظر میں نہیں لا تے تھے ۔
کچھ اور آیات میں آیا ہے کہ اصل میں ،کا فروں اور مشرکو نکے لئے پیغمبر کی دعوت قبول کر نا بہت سخت و گراں ہو تا تھا :
(کَبُرَ عَلَیٰ الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْ عُوْ هُمْ اِلَیْہِ ۔۔)(۱)
" تم مشر کین کو جس کی طرف بلا تے ہو اُن پر بہت شاق گزر تا ہے " ۔
بیشک شاق گزر نا ان ہی نفسیا تی اور اند رو نی حالات یعنی تکبر و غرور اور بر تری کے تصور کی وجہ سے تھا ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حضرت نو ح علیہ السلام نے بھی اپنی امت کے ساتھ بحث ومنا ظرہ کر تے وقت اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔سورئہ یونس میں ارشاد ہو تا ہے:
(وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَنُوْ حٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْ مِ اِنْ كَا نَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيَا تِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَ كَّلْتُ ...)(٢)
"تم ان کے سا منے نو ح کا حال پڑ ھ دو جب انھو ں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم والو ! اگر میرا (تمہارے درمیان) ٹھہر نا اور خدا کی آیتو ں کے ذریعہ نصیحت کر نا تم پر شاق و گراں گزر تا ہے تو(یا د رکھو) مینصرف خدا ہی پر بھر و سہ کر تا ہو ں "۔

نفسانی خوا ہشات
انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کر نے کا ایک اور اہم سبب نفسا نی خو اہشات کا غلبہ ہے البتہ یہ نفسانی خوا ہشات تمام معنوی عیو ب کو جنم دیتی ہے۔ چنا نچہ اس کو ظلم تکبر ،غرور اور جا ہ طلبی کی ما نندتمام بر ا ئیو ں کا سر چشمہ شما ر کیا جاسکتا ہے ۔ چو نکہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام فر ما تے تھے وہ مخا لفین کی خو اہشا ت نفسا نی سے میل نہیں کھا تا تھالہٰذا وہ ان کے مقا بل اکڑ دکھا تے تھے او ر ان کے فر مان قبول کر نے میں اپنی بے عزتی سمجھتے تھے ۔
.....

١۔سورئہ شو ریٰ آیت ١٣۔
٢۔سورئہ یو نس آیت ٧١۔

سورئہ بقرہ میں ارشاد ہو تا ہے:
(اَفَكُلَّمَاجَا ئَ كُمْ رَسُوْل بِمَا لَا تَهْوٰ ى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ)(١)
"پس کس لئے جب بھی کو ئی پیغمبر تمہا رے پا س تمہا ری نفسا نی خو اہشات کے خلاف کو ئی حکم لے کر آ یاتو تم نے اکڑ دکھا نی شروع کر دی "۔
اس آیت میں بنی اسرا ئیل سے خطاب ہے اور اُن کی سر زنش ہے کہ کیوں صرف اتنی سی با ت پر کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت تمہا ری خو اہش کے مطابق نہیں ہے تم اکڑ دکھا نے لگتے ہو ۔

گنا ہ میں آلو دہ ہو نا
بعض آیا ت مینروز قیا مت اہل عذاب سے خدا وند عالم کے سوال اور احتجاج کا ذکر ہے، کہ ایسا کیوں کیا ؟ اور ان میں بھی ان کی مخا لفت کے دو اسباب تکبر اور گناہ میں آلودہ ہو نے کا ذکر ہے سورئہ جا ثیہ میں خدا فر ماتا تا ہے :
(وَاَمَّا الَّذِ يْنَ كَفَرُوْا اَ فَلَمْ تَكُن آ يَا تِيْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُم فَا اسْتَكْبَرْ تُمْ وَكُنْتُمْ قَوْماً مُجْرِمِيْنَ)(٢)
"اور جنھو ں نے کفر اختیار کیا (ان سے کہا جا ئے گا)کیا تمہا رے سا منے ہما ری آیتیں نہیں پڑھی جا تی تھیں (لیکن) تم نے تکبر کیا اور تم لوگ تو گنا ہگار اور بد کار افراد تھے " ۔
اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جرا ئم اور گنا ہو ں کا مر تکب ہو نا بھی آیا ت الٰہی کے قبول نہ کر نے کا با عث ہوتا ہے ۔اس حقیقت کا سر چشمہ وہ رابطہ ہو تا ہے جو انسان کے عمل اور اس کے نفسانی ملکات کے درمیان بر قرار ہے اور اس قد رتی رابطہ کی بنیاد پر انسان کا گنا ہ میں آلو دہ ہو نا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ اس کے نفس میں کچھ ایسے رذائل اخلاقی پیدا ہو جا تے ہیں جو اس کو حق سے رو گر دانی کی طرف رغبت دلا تے ہیں ۔ ایک اور آیت میں حق سے منھ موڑنے میں تکبر کے اثر کو ایک دو سرے طریقے سے بیان کیا گیا ہے :
(قَدْ كَا نَتْ ءَ ايَا تِيْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ اَعْقٰبِكُمْ تَنْكِصُوْ نَ۔ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِراً تَهْجُرُوْ نَ)(٣)
"درحقیقت (جب) ہما ری آیتیں تمہا رے سا منے پڑھی جا تی تھیں تو تم الٹے پا ؤں پھر جا تے تھے تمہا ری
.....

١۔سورئہ بقرہ آیت٨٧۔
٢۔سورئہ جا ثیہ آیت ٣١۔
٣۔سورئہ مو منون آیت ٦٦۔ ٦٧۔

حا لت غرور و نکبت کی تر جمانی کر تی اور تم وقت شب (اپنی نشستوں میں) بد خلقی کی با تیں کیا کر تے تھے "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بعض آیا ت میں تعلیما ت انبیاء علیہم السلام کو جھٹلا نے میں گنا ہ کے اثر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔
(اَلَّذِیْنَ یُکَذِّ بُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَمَا یُکَذِّبُ بہ اِلَّا کُلُّ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ)(۱)
" جو لو گ روزِ جزا ء کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور اِس گناہ مینحد سے گزر جا نے وا لے افراد کے سوا کو ئی جھو ٹ نہیں سمجھتا " ۔
اس آیت میں قیا مت کے انکار کی ایک نفسیاتی وجہ کی طرف اشارہ ہے ۔ انسان جب گنا ہ کا عا دی ہو جا تا ہے ، ظلم و زیاد تی اور ستمگر ی اس کا پیشہ بن جا تا ہے تو آہستہ آہستہ ظلم اور گنا ہ کے آثار و نتا ئج سے اس کے دل و دماغ مانوس ہو جا تے ہیں اور وہ دل سے ان کا بندہ بن جاتا ہے ۔ایسی حا لت میں جو بھی اس کے عیش و آرام میں خلل پیدا کر ے یا اس کے گنا ہو ں کی راہ میں رکا وٹ ڈالے وہ اس سے جنگ کے لئے تیار ہو جا تا ہے اور چو نکہ حساب و کتاب اور روز آخرت پر یقین ،ظلم و زیادتی اور گنا ہ کے جا ری رہنے میں ایک اہم ترین رکا وٹ ہے اس لئے آسودہ خا طر ہو کر اپنے گندے اعمال انجام دیتے رہنے کے لئے برا ئی کا عا دی انسان حیات اخر وی کا ہی سرے سے انکار کردیتا ہے۔ اس بنا ء پر مندرجہ بالا آیت کی رو سے قیا مت کے انکار کا سبب ایک نفسیاتی محر ک ہے جو انسان کے وجود میں گناہ اور ظلم و زیا دتی کے زیر اثر پیدا ہو جا تا ہے ۔ اسی نکتہ پر سو رئہ قیامت میں زور دیا گیا ہے۔
(بَلْ یُرِیْدُ الاِ نْسا نُ لِیَفْجُرَاَ مَا مَہُ)(۲)
"مگر انسان تو یہ چا ہتا ہے کہ اپنے آ گے بھی(ہمیشہ) برا ئی کر تا چلا جا ئے "۔
قیا مت کے انکا ر کا سبب یہ نہیں ہے کہ قیا مت کا انکا ر کر نے وا لے قیا مت میں اپنی نئی زندگی کے سلسلے میں خدا وند عالم کے ہا تھو ں کو بندھا ہوا پا تے ہیں کہ خدا ان کو دو با رہ کیسے زندہ کر ے گا بلکہ اس کا اصل سبب وہی نفسیاتی محرک یعنی گنا ہ کی عا دت اور آزادانہ طور پر فسق و فجو ر کے ارتکاب کا شوق ہے ۔

بے نیا زی(بے فکری) کا احساس
انبیائے الٰہی کے خلاف اڑ جا نے کا ایک اور سبب اپنے کو دو سروں سے بے نیاز سمجھنا ہے۔ آدمی جب اپنے کو دوسروں خاص طور پر خدا کے نبیوں اور الٰہی رہنما ؤں سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے تو اس میں تکبر و غرور کی آگ کے

.....

۱۔سورئہ مطففین آیت ۱۱۔۱۲۔
۲۔سورئہ قیا مت آیت۵۔

شعلے بھڑ ک اٹھتے ہیں اور وہ حق کے مقابلہ میں اکڑتا اور سر کشی کر نے لگتا ہے قرآن کر یم اس حقیقت کو بڑے ہی اچھے انداز میں بیان کر تا ہے :
(کَلَّا اِ نَّ الْاِ نْسَا نَ لَیَطْغَیٰ ۔ اَنْ رَءَ اہُ اسْتَغْنَیٰ)(۱)
"بیشک انسا ن جیسے ہی اپنے کو غنی سمجھنے لگتا ہے سر کش ہو جاتاہے "۔
اب تک ہم نے امتوں کی جا نب سے انبیا ء علیہم السلام سے مخالفت کے اصل عوا مل کا قرآن کی رو شنی میں جائزہ پیش کیا ہے اب اگر ہم ان امور کے متعلق غور وفکر کریں تو ان عوا مل کے ایک ایسے مر کزی نقطہ پرپہنچیں گے کہ جس سے معلوم ہو تا ہے کہ ان عوامل کا ایک دوسرے سے خاص رابطہ ہے ان عوامل کا دوسرے بہت سے عوامل کے ساتھ طول میں رابطہ ہے یعنی ایک عامل دوسرے عامل کو اکساتا ابھارتا)ہے دوسرے گروہ کے اندر بھی یہ عوامل اسی طرح کا رابطہ رکھتے ہیں۔ مثال کے طورپر بہت سے نفسیاتی ا سباب (خاص کاموں کے انجام دینے کا سبب ہو تے ہیں اور وہ کام اپنے وقت ومقام پر مذکو رہ حالات کی عطاکردہ قوت کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ مذکورہ عوامل کے رابطہ کے با رے میں ایک طولانی بحث کی ضرورت ہے اور بہت زیادہ وسعت چاہتی ہے جو ہماری اس بحث کے دائرہ سے باہر ہے ۔

انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کے چند نمونے
اب تک ہم اس نتیجہ پر پہو نچے ہیں کہ ملأ،مترفان اور مستکبرین کی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخالفت کی وجہ ان نفسیا تی ملکات یعنی مادیات سے وابستگی اور نفسانی خواہشات تھی بیشک یہ حالات اور ملکات ایک خاص سانچے میں ظہور کر تے تھے اور ایک خاص عمل کا باعث بنتے۔ قرآن کریم کی بعض آیات میں ان نفسانی حالات کے کچھ جلوؤں کو بیان کیا گیا ہے ۔مثال کے طور پر کچھ مقامات پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب کا فروں کے درمیان کسی شخص

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کو مبعوث کیا جاتا تھا تو وہ تعجب کیا کر تے تھے ۔قرآن مجید حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی نقل کر تا ہے کہ آپ اپنی قوم سے عتاب آمیزلہجہ میں خطاب فر ما تے تھے:
(اَوْعَجِبْتُمْ اَنْ جَا ئَ کُمْ ذِکْر مِنْ رَبِّکُمْ عَلَیٰ رَجُلٍ مِنْکُمْ لِیُنْذِرَ کُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْ نَ)(۲)

.....

۱۔سورئہ علق آیت ۶۔۷۔
۲۔سورئہ اعراف آیت۶۳۔

"کیا تمھیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہا رے پر ور دگا ر کی طرف سے تم ہی میں سے ایک مرد پر ذکر (پند و نصیحت) نا زل ہو جا ئے کہ وہ تمھیں ڈرا ئے اور یہ کہ تم متقی بن جا ؤ اور شا ید تم پر رحم کیا جا ئے "۔
حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے گفتگوکر تے ہو ئے اسی مسئلہ پر زور دیا ہے:
(اَوْعَجِبْتُمْ اَنْ جَا ئَ کُمْ ذِکْر مِنْ رَ بِّکُمْ عَلَیٰ رَجُلٍ مِنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ وَاذْکُرُوْااِذْجَعَلَکُمْ خُلَفَائَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَزَادَکُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْطَۃً۔۔)(۱)
"کیا تم لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ تم تک ذکر خداتمھارے ہی کسی آدمی کے ذریعہ آجائے تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور (وہ وقت) یاد کرو جب (اس نے) تم کو قوم نوح کے بعد اُن کا خلیفہ(جانشین) بنایا اور تمہا ری خلقت و قوت میں اضا فہ کر دیا "۔
بہ ظا ہر ا ن کے متعجب ہو نے کی اصل وجہ (علیٰ رجل منکم)ہی ہو نا چا ہئے اس لئے کہ علی القا عدہ کو ئی صرف اس بات پر کہ خدا وند عالم نے اُن ہی کے در میان سے ایک شخص کو کیو ں پیغمبر قرار دیا ہے ؟کیوں حیرت میں پڑسکتا ہے انبیا ئے الٰہی بھی اس مسئلہ سے اچھی طرح وا قف تھے اور ہمیشہ یہ کو شش کر تے تھے کہ اس مسئلہ پر اُن کے تعجب اور حیرت کا بے بنیاد ہو نا آشکا ر کر دیں اور اپنی امت کو متنبہ کر یں کہ ان کے تعجب کی کو ئی وجہ نہیں ہے ۔یہی بات پیغمبر اسلامؐ کی امت کے با رے میں بھی ذکر ہو ئی ہے ۔
(اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبَاً اَنْ اَوْحَیْنَااِلَیٰ رَجُلٍ مِنْہُمْ اَنْ اَنْذِرِالنَّاسَ۔۔)(۲)
"کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک مردپر وحی کی ہے تا کہ وہ لوگوں کو ڈرائے ۔۔"۔
اس بات پر کا فروں کی حیرت کا مسئلہ کہ اُن ہی کے درمیا ن سے ایک شخص کو پیغمبر بنا دیا گیا ہے اس قدر سنجیدگی اختیار کر گیا تھا کہ سورئہ ص کی ابتدا ئی آیات میں اس پر بہت زیا دہ زور دیا گیاہے
(وَعَجِبُوْاَنْ جَائَ ھُمْ مُنْذِرمِنْھُمْ وَقَالَ الْکَافِرُوْنَ ھَذَاسَاحِرکَذَّاب)(۳)
"اور انھیں اس با ت پر حیرت ہے کہ انھیں میں کا ایک ڈرانے والا ان کے درمیان آیا ہے اور کافر لوگ کہتے ہینکہ یہ تو بڑاجادو گر اور پکّاجھوٹاہے "۔

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۶۹۔
۲۔سورئہ یونس آیت۲۔
۳۔سورئہ ص آیت۴۔

ظاہر ہے کہ جس کا نفس پاک اور سالم ہو کبھی اس بات پر حیرت نہیں کرے گا کہ خداوند عالم نے امت کے ایک سب سے قابل شخص کو دوسروں کی ہدایت کے لئے منتخب فرمایا ہے ۔ لیکن جو انسان حالات اور غلط قسم کے نفسانی جذبوں میں محصور اورمقید ہو اور استکباری تصورات ، دو سروں پر برتری کی خواہش اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں زندگی بسر کررہا ہو اُس کو ضرور اس مسئلہ پر حیرانی ہوگی بہر حال یہ حیرانی کا فروں اور منکروں کی نفسیاتی کیفیت کو ظاہر و آشکار کرتی ہے کہ جس سے قرآن نے پردہ اُٹھا یا ہے ۔ مذکورہ حالات اسی طرح کے کافروں کے مختلف بہانوں میں بھی جلوہ نما ہیں ۔ ان میں سے بعض بہانے خداوند عالم اور بندوں کے مابین تعلقات کے طریقۂ کار سے تعلق رکھتے ہیں مثال کے طور پر کفّار کا ایک ناروا مطالبہ یہ تھا کہ خداوند عالم ان سے براہ راست کلام کرے یااُن پر معجزہ ظاہر کرے :
(وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُونَ لَوْ لَایُکَلِّمُنَااللہُ اَوْتَتِینَا ئَ اٰیَۃ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِثْلَ قَوْلِھِمْ۔۔)(۱)
"یہ جاہلو ں کا کہنا تھاکہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا خود ہمارے لئے کوئی معجزہ کیوں نہیںآتا؟ اسی طرح ان ہی جیسی باتینوہ لوگ (بھی) کرچکے ہیں جو ان سے پہلے تھے"۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

آیت میں (کذلک قال الذین ---)سے معلوم ہو تا ہے کہ یہ بہانے تلاش کرنا کسی قوم سے مخصوص نہیں تھا جی ہاں یہ وہ بہانہ ہے جو عام طور پر رائج تھا لوگ کہتے تھے کہ خداوند عالم جو کچھ اپنے انبیا ء علیہم السلام کو عطا کرتا ہے وہ ہم کو کیوں نہیں عطا کرتا :۔

(وَاِذَاجَائَتْهُمْ آیَة قَالُوْالَنْ نُؤْمِنَ حَتَّی نُوْتَیٰ مِثْلَ مَااُوْتِیَ رُسُلُ اللهِ---)(۲)

"اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی توکہتے :جب تک ہم کوا(بھی)وہی چیز نہیں دی جائے گی جو پیغمبران خدا کو دی گئی ہے ہم ہر گز ایمان نہیں لائیں گے---"۔

قرآن نے بھی اس احمقانہ مطالبے کا جواب فیصلہ کن انداز میں دیا ہے :

(---اللَّهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ---)(۳)

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت۱۱۸۔
۲۔سورئہ انعام آیت۱۲٤۔
۳۔سورئہ انعام آیت۱۲٤۔

"---خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے ---"۔

کفّار کا دوسرا بہانہ یہ تھا کہ چو نکہ انبیا ء علیہم السلا م بھی انسان سے بالاتر نہیں ہیں لہٰذا اُن پر ایمان نہیں لائیں گے ۔

قرآن کریم نے متعدد آیات میں ان بہانوں کو نقل کیا ہے:

(قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللَّهِ شَکّ فَاطِرِ السَّمٰوٰاتِ وَالَرْضِ---قَالُوْااِنْ اَنْتُمْ اِلَّابَشَر مِّثْلُنَا---)(۱)

"ان کے پیغمبروں نے کہا کیا تم کو خدا کے بارے میں شک ہے جو سارے آسمان و زمین کوپیدا کرنے والا ہے؟ ---وہ کہنے لگے : تم بھی تو ہمارے ہی ایسے آدمی کے سوا کچھ نہیں ہو ---"۔

(وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُؤمِنُوْااِذْ جَائَ هُمُ الْهُدَیٰ اِلَّااَنْ قَالُوْا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَراً رَسُوْلاً)(۲)

"اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ان کو ایمان لانے سے کوئی شے مانع نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجاہے"۔

(ذٰلِکَ بِاَنَّهُ کَانَتْ تَاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَقَالُوْاأَبَشَر یَهْدُوْنَنَافَکَفَرُوْا وَتَوَلَّوا---)(۳)

"یہ(برا نتیجہ) اس وجہ سے ہے کہ ان کے درمیان ان کے انبیا ء واضح اور روشن دلیلیں لے کر آچکے ہینلیکن وہ لوگ کہہ دیا کرتے تھے کیا ایک آدمی ہماری ہدایت کرے گا ؟ پس یہ لوگ کافر ہو بیٹھے اور منھ پھر لیا ---" ۔

اس میں کو ئی شک نہیں ہے کہ کفار کا اس طرح کے بہا نہ تلاش کر نا اُن کے اُسی غرور و تکبر کے سوا کچھ نہیں تھا۔

حقیقت میں وہ انبیاء علیہم السلام سے کہتے تھے کہ تم بھی تو ہما رے ہی ایسے آدمی ہو اور جب تم کو ہم پر کو ئی بر تری وفو قیت حا صل نہیں ہے تو پھر کو ئی وجہ نہیں کہ تمہا ری بات مان لیں ۔

یہ وہ چند با تیں ہینجو انبیاء علیہم السلام کے مخا لفین کی نفسا نی کیفیت کو ظا ہر کر تی ہیں اب ہم یہ دیکھنا چا ہیں گے کہ انھوں نے انبیا ء علیہم السلام کا مقابلہ کر نے کے لئے کن طریقوں کو اپنایا لیکن اس سے پہلے مناسب ہے کہ استکبار کی بحث کو (انبیاء علیہم السلام سے جنگ و مقا بلہ کر نے کی ایک علت کے عنوان سے) مکمل کر نے کے لئے ہم قرآن کریم کے اندر مستکبروں اور مستضعفوں کا ایک جا ئزہ پیش کر دیں اور اس کے بعد اصل بحث کو آگے بڑھائیں۔

.....

۱۔سورئہ ابراہیم آیت۱۰۔
۲۔سورئہ اسراء آیت۹٤۔
۳۔سورئہ تغابن آیت٦۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مستکبر اور مستضعف قرآن کی نگا ہ میں

گذشتہ بحث میں قر آن کر یم کی رو سے یہ بات واضح و روشن ہو گئی کہ تقریباً تمام معا شروں مینسب سے پہلے معا شرہ کے مستکبر افراد ہی انبیاء علیہم السلام سے جنگ و مقا بلے کے لئے اٹھتے رہے ہیں اوراس کے بعد وہ محروموں اور کمزوروں کو اپنے ساتھ کر لیتے اور ان کو انبیاء علیہم السلام کے خلاف ابھا رتے تھے ۔ قرآن کر یم میں ان دونوں اصطلاحات "مستکبر "اور "مستضعف "کے استعمال اور ا س کے مفہوم کی اہمیت نیز ہما رے آجکل کے معاشرے میں ان دو نوں لفظوں کو جو خاص مقام حا صل ہے اُن کے پیش نظر ان دونوں اصطلاحات کے مفا ہیم کا قرآن کے نقطۂ نظر سے مختصر طور پر ایک جا ئزہ نا منا سب نہ ہو گا ۔اس بحث میں ہم پہلے استکبار اور استضعاف کے لغوی مفہوم کو بیان کر یں گے اور اس کے بعد قر آن کریم میں ان دو نوں لفظوں کے محل استعمال کا جا ئزہ لیں گے تا کہ ہم ان دونوں لفظوں کے با رے میں قر آن کر یم کے آخری فیصلے تک پہو نچ سکیں ۔

استضعاف اور استکبار کے لغوی معنی

"استکبار "اور "استضعاف "دو نوں اصطلا حیں ،مصدر اور باب استفعال سے ہیں ۔ استکبار کا مادہ "کِبر " "بڑائی "کے معنی میں ہے ۔ اس بنا پر "استکبار "مصدر متعدی " ہے جو مفعول کا محتاج ہو تا ہے ۔عام طور سے مستکبر کسی چیز یا کسی شخص کو بڑا شما ر کر تا ہے اگر چہ اکثر مقا مات پر استکبار کا مفعول بیان نہیں کیا جاتا ۔ مثال کے طور پر قر آن کر یم شیطان کے با رے میں فر ما تا ہے :(اَبَیٰ وَا سْتَکْبَرَ وَ کَا نَ مِنَ الْکَا فِرِیْنَ)(۱)

" اس نے نا فر ما نی کی اور اکڑ دکھا ئی اور کا فر ین میں سے ہو گیا "۔

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت ۳٤۔

اس آیت میں فعل "استکْبَرَ"کا کو ئی مفعول نہیں آیا ہے عام طور سے ایسے مقا مات پر استکبار کا مفعول وہی فا عل ہو تا ہے ۔یعنی وہی شخص اپنے کو بڑا سمجھتا ہے ۔

یہا ں ایک دوسری بات جس کو مد نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کلمۂ استکبار اور اس کے دو سرے مشتقات میں دو سرے فعل کے معنی شا مل ہو تے ہیں ۔یا نحویو ں کی اصطلاح میں دو سرے فعل کے معنی متضمن ہو تے ہیں اور زیا دہ تر ایسے مقا مات پر اس فعل کو حر ف جر "عن "یا "علیٰ " کے ذریعہ متعدی کیا جاتا ہے مثال کے طور پر قرآن کریم کے سورئہ غا فرمیں ارشاد ہو تا ہے :

(اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْ نَ عَنْ عِبَا دَتِیْ)(۱)

"در حقیقت جو لوگ ہما ری عبا دت کر نے میں اکڑ دکھا تے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم وا صل ہوجائیں گے "۔

کلمۂ "استکبار"کا حرف جر کے ساتھ متعدی ہو نا اس بات کی علا مت ہے کہ اس میں دو سرے فعل کے معنی متضمن اور شامل ہیں اور اکثر مقا مات پر حرف "عن "لا کر "اعراض اور اضراب (منھ پھیر لینا یا پیٹھ دکھا نا)اور حرف "علیٰ "کا استعمال کر کے "زیادتی "اور جا رحیت "کے معنی میں استعمال کر تے ہیں ۔اس بنا پر "اِسْتَکْبَرَ عَلیٰ فُلَا نٍ "کا مطلب ہے اس نے خود کو بڑا سمجھا اور یہ اپنے کو بڑا دیکھنا ہی سبب بنا کہ وہ دو سرے پر ظلم اور ا س کے حقوق میں زیا دتی کرے ۔

"اِسْتَکْبَرَ عَنْ شَیْئٍ"یعنی خود کو بڑا دیکھا اور اس کی وجہ سے اس نے ایک چیز سے منھ مو ڑلیارو گر دا نی کی ۔

لیکن لفظ "استضعاف "کا ما دہ "ضعف "ہے اور ا س کے معنی سستی اور نا توا نی کے ہیں ۔ "استضعاف " اپنی ہیئت کے اعتبار سے دو معنی رکھتا ہے :ایک تو کمزو ر شما ر کر نا یا کمزور جا ننا ہے ۔ "اِسْتَضْعَفَہُ "یعنی " رَاٰہُ ضَعِیْفاً " عَدَّ ہُ ضَعِیْفاً "اس کو کمزور دیکھا اس کو کمزور شما ر کیا۔

استضعاف کے دو سرے معنی : کسی شخص کو یا کسی چیز کو کمزور بنا نا یا کمزور کر دینا ہے ۔اس صورت میں "اِسْتَضْعَفَہُ "یعنی " حَمَلَہُ عَلیَ الضَّعْف "یعنی اس کو کمزو ر بنا دیا ۔

دو سرے لفظوں میں کلمۂ استضعاف اپنے دو محتمل معنی کی وجہ سے لفظ "استخفاف " کے مشا بہ ہے ۔ استخفاف بھی کبھی "ہلکا شما ر کر نے "اور کبھی "ہلکا کر دینے "کے معنی میں استعمال ہو تا ہے ۔قر آن کر یم نے فر عون کے با رے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ غافر آیت ۶۰۔

میں دو نو ں لفظیں استعمال کی ہینیعنی فر عون اپنی قوم کے ساتھ استضعاف بھی کر تا تھا اور استخفاف بھی :
(فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہُ فَاَطَاعُوْہُ)(۱)
"پس فر عون نے اپنی قوم کو (ذہن کا) ہلکا کر دیا اور وہ ا س کے تا بعدار ہو گئے" ۔
(۔۔وَجَعَلَ اَھْلَھاَ شِیَعاً یَسْتَضْعِفُ طَا ئِفَۃً مِنْھُمْ)(۲)
" اور ا س نے وہا ں کے رہنے وا لو ں کو طبقات میں با نٹ دیا اور ان میں سے ایک طبقہ کو محر وم اور زبوں حال کر دیا ۔"
مذکو رہ مطالب کی رو سے " مستضعف " کے دو معنی ہیں :
۱۔جس شخص کو کمزور شما ر کیا جا ئے ۔
۲۔جس شخص کو کمزور کر دیا جا ئے ۔

مستکبروں اور مستضعفو ں کی گفتگو
اس حصہ میں ہم پہلے ان آیات کو تحریر کر یں گے جن میں مستکبرین اور مستضعفین ایک دو سرے کے مقا بل کھڑے نظر آتے ہیں ۔ ان آیات کی رو سے ہر معا شرہ میں دو بنیا دی طبقے کے افرا د پا ئے جا تے ہیں : مستکبرین اور مستضعفین ۔اس کے بعد بحث سے متعلق تمام آیات کا جا ئزہ بھی لیں گے اور آخر میں نتیجۂ بحث کے عنوان سے یہ دیکھیں گے کہ قر آن کر یم میں اصو لی طور پر استضعاف اور استکبار کے معنی کیا ہیں اور مستضعفوں کی کتنی قسمیں ہیں ۔
قرآن کر یم کی کچھ آیات میں آخرت کی اس طرح نقشہ کشی کی گئی ہے کہ وہا ں مستکبرین اور مستضعفین ایک دو سرے کے آمنے سا منے (مقا بل کھڑے ہو کر) گفتگو کر یں گے ۔ یہ بات تین مقامات پر بیان ہو ئی ہے ۔ ایک جگہ ارشاد ہو تا ہے :
(وَ لَوْ تَرَیٰ اِذِ الظَّا لِمُوْ نَ مَوْ قُوْ فُوْ نَ عِنْدَ رَبِّھِمْ یَرْجِعُ بَعْضُھُمْ اِلَیٰ بَعْضٍ الْقَوْ لَ یَقُوْ لُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا لَوْلاَ اَنْتُمْ لَکُنَّا مُوْمِنِیْنَ)(۳)
"اور اے کا ش جب ظالموں کو ان کے پر ور دگا ر کے سامنے حا ضر کیا جا ئے گا تم دیکھتے (کہ کس طرح ان کے
.....

۱۔سورئہ زخرف آیت ۵٤۔
۲۔سورئہ قصص آیت ٤۔
۳۔سورئہ سبأ آیت۳۱۔

بعض افراد بعض)دو سرے افراد سے گفتگو کر تے ہیں ان میں جو کمزور اور ما تحت تھے بڑے لو گو ں سے جو سر داری کیا کر تے تھے کہہ رہے ہو ں گے کہ اگر تم نہ ہو تے تو ہم ضرور ایمان دار ہو تے "۔
اس آیت میں قابل تو جہ نکتہ یہ ہے کہ قر آن کر یم میں ابتداء میں تو مستکبروں اور مستضعفوں دو نوں کو ظالموں اور ستم گروں کے زمرہ میں شمار کیا ہے اور اس کے بعد ان کی آخرت میں ہو نے والی گفتگو کو نقل کرتا ہے ۔پہلے مستضعفین اپنی گفتگو کا آغاز کر تے ہو ئے متکبروں سے خطاب کر یں گے :
اگر تم نہ ہو تے تو ہم ضرور ایماندار ہو تے اور آج اہل دوزخ نہ شما ر ہو تے ۔اس طرح مستضعفین مقام عذر میں اپنی گمرا ہی کا ذمہ دار متکبروں کوٹھہرا ئیں گے اور ان کو اصلی قصور وار کے عنوان سے پیش کریں گے ۔ لیکن مستکبرین بھی چپ نہیں رہیں گے اور ان کا جوا ب اس طرح دیں گے :
(۔۔أَنَحْنُ صَدَدْنا کُم عَنِ الْھُدَیٰ بَعْدَ اِذْجَا ئَ کُمْ بَلْ کُنْتُمْ مُجْرِ مِیْنَ) (۱)
" کیا ہم نے (جب تمہا رے پاس خدا کی طرف سے ہدا یت آئی تھی) تم کو راہ ہدایت سے زبر دستی رو کا تھا ؟ (نہیں)بلکہ تم خود گنہگار ہو "۔
مستکبرین استفہا م انکا ری کے ذریعہ مستضعفو ں سے سوال کر یں گے کہ کیا ہم نے تم پر ہدا یت کا راستہ بند کردیا تھا ۔ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ تم خود مجرم ہو اور اس قصور کے تم خود ذمہ دار ہو مستضعفین دو با رہ لب کشا ئی کر تے ہوئے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جوا ب دیں گے :
(۔۔بَلْ مَکْرُاللَّیْلِ وَالنَّہا رِاِذْ تَا مُرُوْنَنَا اَنْ نَکْفُرَبِا اللهِ وَنَجْعَلَ لَہُ اَنْدَا داً)
" ۔۔۔(نہیں) بلکہ (تمہا ری)رات دن کی چال با زیوں نے ہم کو (گمراہ کیا کہ)اس وقت جبکہ تم لوگ ہم کو خدا کے نہ ما ننے پر ورغلا تے اور اس کا شریک ٹھہرا نے کا حکم دیتے رہتے تھے "۔
اور اس طرح دونوں گروہوں کا مناظرہ ختم ہوتاہے۔سورئہ مبارکہ ابراہیم میں بھی ان دونوں گروہوں کی گفتگو اس طرح نقل کی گئی ہے :
....

۱۔سورئہ سبأ آیت ۳۱۔

(وَبَرَزُواْلِلّٰہِ جَمِیْعاً فَقَالَ الضُّعَفٰٓئُ لِلَّذِ یْنَ اسْتَکْبَرُوْااِنَّاکُنَّالَکُمْ تَبَعاً فَہَلْ اَنْتُمْ مُغْنُوْنَ عَنَّامِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیئٍ قَالُوْالَوْ ہَدٰنَااللّٰہُ لَہَدَیْنَاکُمْ سَوَائٌ عَلَیْنَااَجَزِعْنَااَمْ صَبَرْنَامَالَنَامِنْ مَحِیْصٍ)(۱)
" اور تمام لوگ خدا کے سامنے آکھڑے ہونگے ۔پس کمزور و محروم لوگ متکبّرین سے کہیں گے :ہم تو بس تمہارے قدم بقدم چلاکرتے تھے تو کیا (آج) تم خداکا عذاب دور کرنے میں بھی ہمارے کچھ کام آسکتے ہو ؟وہ جواب دینگے :خدانے ہماری ہدایت کردی ہوتی تو ہم بھی ضرور تمہاری رہنمائی کردیتے خواہ بیقراری سے کام لیں خواہ صبر کریں اب تو ہمارے لئے (دونوں)برابر ہیں (کیونکہ عذاب سے)تو اب ہمیں چھٹکارا نہیں مل سکتا "۔
اس آیت میں اگر چہ "مستضعفین "کے مقام پر کلمہ"ضعفائ"استعمال کیا گیا ہے لیکن قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ضعفاء سے مراد وہی مستضعفین ہیں۔اس آیت کی بنیاد پر مستضعفین مستکبرین سے کہیں گے کہ:ہم تمہاری پیروی کرنے سے ہی گمراہ ہوئے اور اس دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں تو کیا اب یہ ممکن ہے کہ تم ہمارے عذاب میں بھی کچھ حصہ بانٹ سکو ۔
متکبرین جواب دیتے ہیں :اگر خدا نے ہماری ہدایت کی ہوتی تو ہم بھی تمہاری راہ راست کی طرف ہدایت کرتے اور دوسرا احتمال یہ ہے :اگر خداوند عالم نے (یہاں آخرت میں) ہماری جنت کی طرف راہنمائی کی ہوتی تو ہم بھی اپنے پیچھے پیچھے تم کو اپنے ساتھ جنّت میں لے جاتے اوردوزخ کے عذاب سے چھٹکارا دلادیتے ۔
بہر حال متکبرین مستضعفین کی نجات سلسلے میں اپنی ناتوانی کا اظہار کریں گے اور وہ نجات کے راستے اپنے لئے بھی اور ان کے لئے بھی بند پائیں گے لہٰذا وہ آخر میں کہیں گے:خواہ بیقراری دکھائیں خواہ صبر کریں جس چیز میں گرفتار ہوچکے ہیں اس کے تحمل کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔"مالنامن محیص"ہمارے لئے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے ۔
....

۱۔سورئہ ابراہیم آیت۲۱۔

ایک تیسرے مقام پر جہاں قرآن کریم نے ان دونوں گروہونکی گفتگو نقل کی ہے سورۂ غافر میں ارشاد ہوتا ہے :
(وَاِذْ یَتَحَاجُّوْنَ فِی النَّارِفَیَقُوْلُ الضُّعفآؤُالِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْااِنَّاکُنَّالَکُمْ تَبَعاً فَہَلْ اَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّانَصِیْباًمِنَ النَّارِ۔قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْااِنَّا کُلّ فِیْہَااِنَّ االلہَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبٰادِ)(۱)
"اور جب یہ لوگ جہنم میں آتے وقت ایک دوسرے سے کٹ حُجَتّی کریں گے تو کم حیثیت والے بڑے آدمیوں سے کہیں گے:ہم تمہارے ماتحت اور مطیع تھے تو کیا تم اس وقت دوزخ کی آگ کا کچھ حصہ ہم سے دور کرسکتے ہو سرکشی کرنے والے بڑے لوگ کہیں گے(اب تو)ہم اور(تم) سب ہی اس آگ میں پڑے ہیں خدا ہے جس نے بندوں کے بارے میں (جو کچھ)فیصلہ (کرنا تھا) کیا ہے"۔
جیسا کہ آپ نے دیکھا آیات کی روسے متکبرین اور مستضعفین دونوں قصوروار ہیں اور دونوں میں کوئی بھی دوسرے کے عذاب کا بوجھ اٹھانے کیلئے تیار نہیں ہے اس سلسلے میں دونوں بے بس ہیں۔ ہاں مستکبرین جنھو ننے کام کی ابتداء کی اور مستضعفین کو عذاب کے دہانے پر لاکر کھڑا کردیا لیکن یہ عمل متکبرین کی زبر دستی اور (مستضعفین) کی بے بسی اور ان کا اختیار سلب کرلینے کا مفہوم نہیں رکھتا اگر مستعضعفین چاہتے تو ان کی پیروی سے انکار کرسکتے تھے۔مختصر یہ کہ ایسا نہیں ہے کہ مستضعفین زبر دستی کا فر بنادئے گئے ہوں بلکہ وہ اپنے ارادئہ و اختیار سے کافر ہوئے ہیں لہٰذا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اسکے وہ خود ذمہ دار بھی ہونگے۔

قرآن میں مستکبر اور مستضعف کا مطلب
اب یہ دیکھنا ہے کہ قر آن کریم کی مذ کورہ آیات میں " ضعفاء "یا "مستضعفان "سے کون لوگ مراد ہیں ؟
جیسا کہ ہم پہلے بھی اشا رہ کر چکے ہیں کہ جس وقت انبیا ء ٪ لو گو ں کے سا منے اپنی رسالت کا اعلان کر تے تھے تو ان کا ایک گروہ جو خود کو قوی اور بر تر سمجھتا تھا اپنی بڑا ئی جتا نے پر اتر آتا تھا یہی "مستکبرین "ہیں لیکن ان کے نزدیک خود کو بڑا سمجھنے کا معیار و ملاک کیا تھا؟ یہ تو بعید ہے کہ وہ اپنی جسمانی خصوصیتوں (جیسے قد اور وزن وغیرہ)کی وجہ سے اپنے کو مستکبر سمجھتے رہے ہو ں ۔ بلکہ معقول بات یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے کو بڑا سمجھنے کا معیار و ملاک یا تو اپنے پاس مال و دولت کی زیا دتی کو بنا تے ہوں یا پھر وہ اپنی سیا سی معا شرتی حیثیت سے فا ئدہ اٹھا تے ہوں دو سرے لفظوں میں ان معا شروں پر حکمراں اقدار و معیارات اس کا تقا ضا کر تے تھے کہ ایک انسان کی بزر گی اور اہمیت کامعیار
....

۱سورئہ غافر آیت ۴۷.۴۸.

اس کی دولت اور مقام و منصب ہے ۔ایسے معا شروں میں جن کے ہاتھ مال و دو لت سے خا لی تھے اور جن کی پشت پر کو ئی گروہ ، خا ندان اور قبیلہ نہیں تھا ان کو مستضعفین کے گروہ میں شما ر کیا جاتا تھا کیو نکہ وہ بزرگی اور طاقت کے معیار و ملا ک سے عا ری تھے ۔
اس طرح یہ معا شرے عملی طور پر دو اہم گروہ میں تقسیم ہو جا تے ہیں اور ایسے حالات میں گروہ (مستکبرین) کی معا شرتی حیثیت اس بات کا تقاضا کر تی ہے کہ ان کی با تیں بڑی (حد تک) دو سرے گروہ پر اثر انداز ہوں اور خود مستضعفین بھی سماج پر حکمراں معیارات کو تسلیم کر تے ہوں اور ان کے ذہنوں میں مستکبروں کی بر تری کا تصور ایک سما جی حقیقت کا روپ اختیار کر چکا ہو ،اور وہ بڑے آرام وسکون کے ساتھ ما لدا روں کی پیروی کر رہے ہوں (اِنَّا کُنَّالَکُمْ تَبَعاً)۔ یہی نفسیا تی عمل (معا شرے پر حکمران جھو ٹے اقدار و معیارات اور یہ کہ دو لتمند اور بڑے قوم و قبیلہ کا مالک ہو نا بر تری اور بزر گی کا معیار و ملاک ہے)سبب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے مقا بلہ میں مستکبرین کی طرف سے کفر کی دعوت مستضعفین کے گروہ پر کا ر گر ثابت ہو تی تھی ۔
البتہ یہ اثر اتنا قوی نہیں تھا کہ وہ اپنا اختیار کھو بیٹھیں اور کفر پر مجبور ہو جا ئیں ۔ بیشک یہ گروہ مجرم نہ ہو تا صرف قاصر ہو تا تو ہر گز اہل دوزخ نہ قرار پاتا ۔خدا وند عالم اس سے کہیں زیا دہ مہر بان و کریم ہے کہ وہ ایک مجبور و قاصر شخص کو ان کے دشمن مستکبرین کے عذاب میں سزا دے ۔ لیکن جیسا کہ آخری آیت میں بیان ہوا ہے : (اِ نَّ اللهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَا د) خدا وند عالم کا فیصلہ ہے کہ دو نوں گروہ دوزخ میں ڈال دیئے جا ئیں ۔معلوم ہوا دونوں گروہ قصور وار ہیں لہٰذا دو نوں کو اپنے عمل کا بد لا ملے گا اور وہ ایک کے عمل کا بوجھ دو سرے اپنے کا ندھے پر نہیں اٹھا سکیں گے ۔
مندرجہ با لا مطالب کے مد نظر یہ بات واضح ہو جا تی ہے کہ مستضعفین گروہ نے ایک لحا ظ سے خو د بھی کمزوری دکھا ئی ہے اور شا ید اسی وجہ سے مذ کو رہ دو آیات میں ان کو ضعفا ء کے نام سے یاد کیا گیا ہے ۔اسی بناء پر یہ نہیں ہے کہ صرف دو سروں نے اس گروہ کو کمزور و محرو م بنا دیا ہے بلکہ وہ خود بھی کمزور تھے ۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ ان کی یہ کمزوری صرف دولت اور قوم قبیلے اور معا شرتی جاہ و حشم کے اعتبار سے تھی یا اس سے بھی با لا تر وہ عقل و معرفت کے اعتبار سے بھی ضعیف تھے ؟
تو بہ ظاہر ذکر شدہ آیات کے پیش نظریہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس گروہ کی کمزوری صرف پہلی جہت سے تھی یعنی مال و دولت اور معاشرتی جاہ و حشم کا کم ہو نا کیونکہ اگر کمزوری مذکورہ حالا ت یعنی اعتباری اور قرار دادی جہت سے ہو تو اُن کے اور مستکبّروں کے عذاب میں فرق کا سبب نہیں ہو گا ورنہ عقل اور معرفت میں کمی یا کمزوری انسان کے فرائض اور ذمہ داری کو کم کردیا کرتی ہے جو عذاب میں تخفیف چاہتی ہے ۔ بنابر ایں چو نکہ آیات سے اِن دو نوں گروہو ںکے مابین عذاب کی شدت میں کسی فرق کا پتہ نہیں چلتا اس لئے یہ نتیجہ نکا لا جاسکتا ہے کہ مستضعفین کی عقل اور ہو ش میں کوئی نقص نہیں تھا بلکہ اُن پر ماحول کے صرف وہی نفسانی حالات طاری تھے جو ان کو سرمایہ دار طبقے اور معاشرہ کے قوی و طاقت افراد کی اطاعت و پیروی میں لگائے ہو ئے تھے ۔ دوسرے لفظوں میں اس گروہ میں اندھی تقلید کا جذبہ حکمراں تھا یعنی جو کچھ معاشرہ کی صاحب اقتدا ر اقلیت انجام دے گی وہی یہ بھی انجام دیں گے : اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یہ جذبہ ان معاشروں پر ہی حکمراں ہو تا ہے جو تربیت الٰہی سے محروم ہوں ۔ افسوس کی بات ہے کہ آج بھی بہت سے ایسے مسلمان معاشرے ہیں جن میں مغربی معاشروں کی اندھی تقلید کا جذبہ مو جو د ہے ۔ مختصر یہ کے ان آیات کی بنیاد پر(مستضعفین)اور (ضعفائ) کا مصداق ایک ہی ہیں یعنی ان سے (معا شرتی اور اقتصادی اعتبار سے)معاشرہ کا وہ کمزور طبقہ مراد ہے عام طور سے محرومی کا شکار بھی بنا ئے جا تے رہتے ہیں ۔

مستضعفین سے متعلق آیات کا ایک جائزہ

قرآن کریم کی بعض آیات میں استضعاف کے با لمقابل استکبار کی طرف اشارہ کئے بغیر استضعاف کے بارے میں بحث کی گئی ہے ۔ ان میں سے ایک آیت مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مکہ میں مسلمانونکی صورت حال سے متعلق ہے :

(وَاذْکُرُوْااِذْاَنْتُمْ قَلِیْل مُسْتَضْعَفُونَ فِی الاَ رْضِ تَخَا فُوْنَ اَنْ یَتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُمْ وَاَیَّدَکُم بِنَصْرِہِ وَرَزَقَکُم مِنَ الطَّیِّبَاتِ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ)(۱)

" اور (مسلمانوں)وہ وقت یاد کرو جب سر زمین (مکہ)میں بہت مختصراور کمزور و بے بس تھے تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو اُچک نہ لے جا ئیں تو (خدا)نے تم کو پنا ہ دی اور اپنی مخصوص مدد سے تم کو قوی کیا اور تمھیں پاک و پا کیزہ روزی عطا کی تا کہ تم شکر گزار رہو "۔

اس آیۂ شریفہ میں مکہ کے مسلمانوں کو بے بس و کمزور کہا گیا ہے۔اگرچہ مسلما نو ں کے با لمقابل کسی کا ذکر نہیں ہے ۔ یقیناً ان کو مکہ کے مشر کو ں نے محروم ومستضعف بنا رکھا تھا ۔ یقیناً یہ کہنا درست ہو گا کہ مسلمان واقعی طور پر مشر کو ں کے مقا بلہ میں کمزور و محروم تھے ۔نہ یہ کہ صرف مشرکین مکہ اُن کو کمزور شما ر کر تے تھے ۔مسلمان افراد اور تعداد کے لحا ظ سے بھی اور اسلحہ اور جنگی ساز و سامان کے اعتبار سے بھی کمزور و محروم تھے ۔ لہٰذا یہا ں پر بھی " مستضعف "اور "ضعیف "دو نوں کا مصداق ایک ہے۔ قرآ ن مسلما نوں کو متو جہ کر رہا ہے کہ تم اپنے دشمنوں کی نظر میں بھی اور حقیقت

.....

۱۔سورہ انفال آیت ۲۶۔

علنی میں بھی کمزور و بے بس تھے لیکن خدا وند عا لم نے تمہا ری مدد کی اور تم پر اپنی نعمتیں نا زل کیں ۔

یہ نکتہ بھی روشن ہے کہ مشرکو ں کی بہ نسبت مسلما نوں کے کمزور ہو نے سے مراد عقلی اور فکری اعتبار سے کمزور ہو نا نہیں ہے اس لئے کہ بلا شبہ مسلمانوں میں عقلی رشد و ارتقا کا فر وں کی نسبت کہیں بہتر اور زیادہ تھا اور اسی عقلی ارتقا نے ان کو شرک و بت پرستی چھو ڑنے اور اسلام قبول کر نے کی طرف ما ئل کیا تھا ۔ بلکہ مسلمانوں کو مکہ میں ان کی معاشرتی حیثیت کمزور ہو نے کے لحا ظ سے کمزو ر کہا گیا ہے۔ چنا نچہ نتیجہ یہ نکلا کہ آیت میں لفظ "مستضعف "ان مسلمانو ں کے لئے استعمال ہوا ہے جو معا شرہ میں مقام و حیثیت اور وسائل و امکانات کے اعتبار سے دشمنوں کے مقابلہ میں کمزور تھے ۔

قر آ ن میں وہ دو سرا مقام جہا ں استضعاف کا مسئلہ ، اس کے با لمقابل استکبار کا ذکر کئے بغیر بیان کیا گیا ہے ، حضر ت ہا رون علیہ السلام کے با رے میں ہے ۔قر آن کر یم کی آیات کی بنیاد پر جب حضر ت مو سیٰ علیہ السلام مناجات کے لئے کو ہ طور پر گئے ہو ئے تھے ، بنی اسرا ئیل نے ایک گو سالہ کا مجسمہ بنا کر اس کی پر ستش شرو ع کر دی ۔ حضرت مو سیٰ علیہ السلام جب کو ہ طور سے وا پس پلٹے تو آپ نے دیکھا کہ بنی اسرا ئیل ایک گو سالہ کی پر ستش کر رہے ہیں۔ اس وقت آپ نے اپنے بھائی حضرت ہا رون علیہ السلام کی سر زنش کی کہ انھو ں نے بنی اسرا ئیل کو بت کی پرستش کر نے سے کیوں نہیں رو کا :

(وَاَخَذَ بِرَ ْسِ اَخِیْہِ یَجُرُّہُ اِلَیْہِ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ---)(۱)

"---اور(حضرت موسیٰ)نے اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو (ہارون) نے کہا: اے میرے مانجائے اس قوم نے مجھ کو ناتواں سمجھ لیا اور قریب تھاکہ مجھکو قتل کرڈالیں ---"۔

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں کہا :لوگوں نے مجھکو ناتواں سمجھا اور قریب تھا کہ مجھکو مارڈالیں ---گویا اس آیت میں بھی "استضعاف "کا مطلب ضعیف و ناتواں شمار کرنا ہے البتہ یہاں بھی حضرت ہا رون علیہ السلا م کو بنی اسرائیل کے ضعیف و نا تواں شمار کر نے کے ساتھ حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ضعیف و ناتواں تھے اس لئے کہ وہ بنی اسرائیل سے جنگ و مقابلہ کرنے اور بت پرستی سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تھے۔جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کلمۂ "استضعاف "اس آیت میں بھی اور اس سے پہلے والی آیت میںبھی
.....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۱۵۰۔

کوئی منفی پہلو نہیں رکھتا بلکہ اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ ایک شخص اور ایک گروہ کو دوسرے افراد کی نظروں میں کمزور وناتواں شمار کیا گیا ہے۔
قرآن کریم کی بعض آیات میں (ضعیف شمار کرنے کا)مسئلہ مصدر کی حیثیت سے کلمۂ استضعاف کا استعمال کئے بغیر بھی بیان کیا گیا ہے۔نمونہ کے طور پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم آپ سے کٹ حجتی کے دوران اس نکتہ پر بہت زیادہ زور دیا کرتی تھی کہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی نظر میں ایک کمزور شخص کے علاوہ کچھ اور نہیں ہیں اگر قوم کے درمیان ان کے رشتہ دار نہ ہوتے تو وہ کسی وقت بھی ان کو قتل کرڈالتی :
(قَالُوْا یَا شُعَیْبُ مَا نَفْقَہُ کَثِیراً مِمَّاتَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰیکَ فِیْنَاضَعِیْفاً وَلَوْلَا رَھْطُکَ لَرَجَمْنَاکَ وَمَاانْتَ عَلَیْنَابِعَزِیْزٍ)(۱)
"ان لوگوں نے کہا:اے شعیب جو باتیں تم کہتے ہو ان میں اکثر ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم ہمارے درمیان بہت کمزور ہو ،اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو (کب کا)سنگسار کرچکے ہوتے اور تم ہم پر کا میاب نہیں ہوسکتے "۔
جس وقت حضرت شعیب علیہ السلام لوگوں کو توحید،خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت ،فتنۂ وفساد سے پر ہیز اور کم فروشی نہ کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے لوگ کہتے تھے کہ ہم کو تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں اور تم توہمارے مقابلے میں بہت کمزور و ناتواں ہو:"انا لنرئک ضعیفاً "ہم تم کو کسی شمار میں نہیں لاتے لہٰذا آیت سے ظاہر ہے کہ جناب شعیب کی قوم نے بھی ان کو ضعیف شمار کیا اور وہ ان کے لئے کسی طاقت و قدرت کے قا ئل نہیں تھے ۔لیکن قرآن نے لفظ "استضعاف "کے بجائے "لنرئک فینا ضعیفاً"جیسے جملہ سے استفادہ کیا ہے ۔
بعض آیتوں میں لفظ "مستضعف "معاشرہ کے ضعیف و کمزور افراد کے لئے استعمال ہوا ہے :
(وَمَا لَکُمْ لَاتُقَٰتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیّاً وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْراً)(۲)
"اور تم کیوں خداکی راہ میں اور کمزور اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں (کی نجات)کے واسطے جہاد
.....

۱۔سورئہ ہودآیت ۹۱۔
۲۔سورئہ نساء آیت ۷۵۔

نہیں کرتے؟ وہی جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے ہم کو اس شہر سے کہ جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں باہر نکال دے اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست قراردے اور تو خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار بنائے "
اس آیہ شریفہ میں بھی مستضعفین وہی بوڑھے مرد بوڑھی عورتیں اور بچّے ہیں جو مکّہ کے مشرکوں اور کافروں کے مقابلہ میں ضعیف و ناتواں تھے ،ان میں اپنا دفاع کرنے کی طاقت نہیں تھی وہ نہ تو کفار سے جنگ و جدل کی طاقت رکھتے تھے نہ ہی ان میں مکّہ سے ہجرت کی ہمّت تھی، وہ بڑی بیچارگی کے ساتھ خداوند عالم کی نصرت کا انتظار کر رہے تھے ۔
اور اللہ نے مکہ سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کفّار کے ساتھ جنگ کریں اور کمزور و ناتواں و بے بس مسلمانوں کو نجات دلا ئیں ۔
قرآن کی بعض آیات کی روشنی میں مستضعفین کے دو گرو ہو ں کے درمیان فرق رکھا گیا ہے مستضعفین کا ایک گروہ وہ ہے جو اپنی ذمہ دا ری اور فر ائض سے فرارکے لئے اپنے کو کمزور و نا تواں ظا ہر کر تا تھا اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جس کی کمزوری کا عذر خدا وند عا لم نے قبول کیا ہے ۔ ان دو نوں گروہو ں کی حکایت سورئہ مبا رکہ نسا ء کی آیات میں اس طرح بیان کی گئی ہے:
(اِ نَّ الَّذِ یْنَ تَوَ فّٰھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ ظَا لِمِیْ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَاکُنْتُمْ قَالُوْاکُنَّامُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اَلَم تَکُنْ اَرْضُ اللهِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْافِیْہَا فَاُوْلٰئِکَ مَاوٰھُمْ جَہَنَّمُ وَسَاءَ تْ مَصِیْراً)(۱)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"بیشک جن لو گو ں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے جس وقت ان کی قبض روح فر شتوں نے کی ہے اُن سے سوال کیا ! تم کس حال میں تھے ؟تو وہ کہنے لگے :ہم کو زمین پر کمزور بنا دیا گیا تھا (جوا ب مینفرشتے کہتے ہیں)کیا خدا وند عالم کی زمین میں وسعت و گنجا ئش نہیں تھی کہ تم (کہیں) اور ہجرت کر کے چلے جاتے ؟پس ایسے لو گوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کتنا برا ٹھکا نا ہے" ۔

آیت میں پہلے تو قر آن کریم نے فر شتوں کی کا فروں سے ان کے مر نے کے بعد کی گفتگو نقل کی ہے ۔ یہ گروہ" اپنے آپ پر ظلم کر نے وا لے ""ظَا لِمِیْ اَنْفُسِھِمْ "ہیں کیو نکہ خود کو کفر میں غر ق کر دینا اور راہ حق سے روگرداں ہو جانا در حقیقت بہت بڑا ظلم و ستم ہے جو کا فر خود اپنے اوپر کر تا ہے فر شتے اس گروہ سے کہتے ہیں : تم کس حال میں تھے؟ یعنی تم ایمان کیوں نہیں لا ئے ؟را ہ حق پر کیوں نہیں چلے ؟مو منوں کی صف میں شا مل نہ ہو نے کا تمہا رے

.....

۱۔سورئہ نساء آیت ۹۷۔

پاس کیا عذر تھا ؟کفار اپنے استضعاف کا بہا نہ کر تے ہو ئے کہتے ہیں :ہم جس سر زمین پر زند گی بسر کر رہے تھے وہا ں مستضعفوں کے گروہ میں تھے ۔ اس وقت فرشتے اُن پر حجت قا ئم کر تے ہو ئے کہتے ہیں !کیا تمہا رے لئے سر زمین کفر سے ہجرت کر کے مو منوں سے مل جانا ممکن نہیں تھا اتنی بڑی زمین تنگ نظر آرہی تھی ۔ چنا نچہ استضعاف کا دعوی کرنے وا لے اس گروہ کا ٹھکانا مندرجہ ذیل(سورئہ نساء کی آیت۹۸) کی شہا دت کی بنیاد پر جہنم ہے ۔چونکہ وہ واقعاً قصور وار ہیں جس جگہ وہ کفر کی زند گی بسر کر رہے تھے وہا ں سے ان کے لئے ہجرت کر نا ممکن تھا ۔پھر بھی ایسا نہیں کیا اور پھر قر آن نے حقیقی مستضعفوں کی طرف اشا رہ کیا ہے اور ان کو خدا وند عالم کی طرف سے بخش دیئے جا نے وا لے افراد میں شما ر کیا ہے :

(اِلاَّالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَائِ وَالْوِلْدَانِ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃًوَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیلاً۔ فَأُوْ لٰئِکَ عَسیَ اللهُ اَنْ یَعْفُوَعَنْھُمْ وَکَا نَ اللهُ عَفُوّاً غَفُوْراً)(۱)

" مگروہ کمزور و محروم مرد اور عو رتیں اور بچے کہ جن کے سامنے کو ئی راہ تد بیر نہیں ہے جنھیںرہائی کی کو ئی صورت نظر نہیں آتی ،جو لوگ (فی الجملہ معذور ہیں)خدا ایسے لوگوں سے در گزر کرے گااورخدا تو بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے "۔

حقیقی مستضعفین وہ لوگ ہیں جو جسمانی ضعف و نا توانی کی وجہ سے کا فروں کا مقابلہ کر نے سے معذور و عاجز تھے اور مکہ میں رہنے ، جلنے اور کڑھنے اور حالات کے ساتھ سمجھو تہ کر لینے کے علا وہ اور کو ئی چا رئہ کار نہ تھا یہ گروہ اگر اپنے فر ائض کو سمجھنے یا اس پر عمل کر نے میں کا میاب نہ ہو سکا تو خداوند عالم کے نزدیک معذور ہو گا ۔

سورئہ مبارکۂ نساء میں ضعیف و نا تواں ، بے سہا را بچو ں کے با رے میں گفتگو ہے اور ان کو مستضعفین کا مصداق کہا گیا ہے :

(...وَ مَا یُتْلَیٰ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتابِ فِیْ یَتا مَی النِّسَائِ الَّتِیْ لَا تُؤْتُوْ نَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ وَالمُستَضْعَفِینَ مِنَ الوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمیٰ بِا لْقِسْطِ...) (۲)

"...اور قر آن میں تمہیں جن سے متعلق تلا وت کے ذریعہ بتا یا جا چکا ہے :ان یتیم لڑکیوں کے با رے میں ہے کہ جنھیں تم ان کا معین کیا ہوا حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کر لینا چا ہتے ہو اور ان کمزور اور نا تواں بچوں کے

.....

۱۔سورئہ نسا ء آیت ۹۸۔۹۹۔
۲۔سورئہ نساء آیت ۱۲۷۔

بارے میں ہے اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ کیسا بر تا ؤ کرو ..."۔

اس آیت میں خدا وند عالم فر ما تا ہے کہ لا وارث بچے ضعیف و نا تواں ہیں اور اپنے حق کا دفاع نہیں کر سکتے پس ان پر ظلم و ستم نہ کرو یہ ظا ہر ہے کہ اس مقام پر بھی جن افراد کو مستضعف کہا گیا ہے ۔حقیقت میں بھی وہ کمزور و ناتواں ہیں ،اور اپنی محدود فکری اور جسما نی طاقت کی وجہ سے وہ اپنے حقوق سے پو ری طرح استفادہ کر نے سے قاصر و نا تواں ہیں ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہم نے یہاں تک جن آیات کی وضا حت کی ہے ان میں " مستضعف " سے مراد وہ افراد ہیں۔ جن کو دوسروں نے کسی بھی دلیل کے تحت ، کمزور خیال کیا ہے ۔(یہ استضعاف کے مذکورہ دومعنی میں سے ایک ہے)البتہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ان آیات میں جن افراد کو مستضعف کہا گیا ہے وہ واقعی معنی میں ایک طرح کی کمزوری و ناتوانی کا شکا رتھے ۔مثال کے طور پر آخری آیات میں بچوں، عورتوں اور بو ڑھوں کے با رے میں گفتگو ہے جن میں عام طور پر جسمانی اور فکری کمزوری پائی جاتی ہے اور دوسرے بھی ان کو ضعیف شمار کیا کرتے ہیں ۔بنا بر این مذکورہ آیات میں استضعاف صرف "ضعیف شمار کرنے "کے معنی میں استعمال ہواہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا کچھ آیات ایسی بھی ہیں کہ جن میں استضعاف دوسرے معنی میں یعنی "کسی کو ناتواں کردینے"کے معنی میں استعمال ہو ا ہو؟

اسکا جواب یہ ہے کہ ہاں،بعض آیات میں دوسرے معنی کا بھی احتمال موجود ہے۔اگر چہ پہلے معنی میں ہونا بھی مکمل طور پر قابل انکار نہیںہے۔ان آیات میں سے ایک فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں ہے سورئہ قصص میں ارشاد ہو تا ہے :

(اِنَّ فِرعَونَ عَلاَ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَ َهَاشِیَعاً یَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ--) (١)

"فرعون نے (مصر کی)سرزمین میں بہت سراٹھایا تھا اور وہاں کے رہنے والوں کو طبقوں میں تقسیم کردیا اور ایک طبقے کو بہت ہی کمزور و ناتواں کر رکھا تھا --"۔

اس آیت میں احتمال پایا جاتا ہے کہ "یستضعف "سے مراد ضعیف و ناتواں شمار کرنا ہو لیکن زیادہ قوی احتمال یہ ہے کہ یہاں استضعاف کے دوسرے معنی یعنی ضعیف و ناتواں بنا دینا مراد ہیں اس احتمال کے تحت فرعون نے اپنی قوم کو کئی طبقوں میں تقسیم کردیا ۔ایک گروہ تو وہی اس کے در باریوں اور امیروں کا تھا جن کو اس نے علیٰ عہدوں پر فائز کررکھا تھااور اس کے خاص الخاص افراد ،شر فا اور امرائمیں شمار کئے جاتے تھے۔ان کے بر خلاف فرعون نے ایک طبقے کو

....

١۔سورئہ قصص آیت ٤۔

معاشرہ میں کسی بھی مقام ومنصب اورسماجی اقتصادی اقتدار سے محروم کررکھا تھا اور اس طر ح اس نے ان کے کمزور کرنے کے اسباب فراہم کردیئے تھے ۔پس احتمال قوی کی بنیاد پر اس آیۂ شریفہ میں استضعاف سے مراد کمزور و ناتواں کرناہے۔ قرآن کریم اس کے بعد کی (آیت٥)میں آگے بڑھ کر مستضعفین کے بارے میں خداوندعالم کے وعدے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

(وَنُرِیدُ اَنْ نَمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتَضْعِفُوافِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ)(١)

"اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ روئے زمین میں کمزور کردیئے گئے تھے ان پر احسان کریں اور ان ہی کو (لوگوں کا)پیشوا بنائیں اور ان ہی کو اس (سرزمین)کا مالک بنائیں "۔

اگر چہ اس آیۂ شریفہ میں ظاہری طور پر "الذین استضعفوا "کے ذریعے پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مراد وہ مستضعفین ہیں جن کو فرعون نے ناتوان اور کمزور کردیا تھالیکن بعض روایات میں بیان شدہ مطلب کے پیش نظر تاویل یا بطن آیہ امام زمانہ عج کے ظہور سے متعلق ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ امام مہدی عج کے زمانہ میں خداوندعالم ان افراد کو جو دوسروں کی نظر میں کمزور و ناتواں ہیں یا کمزوروناتواں کردیئے گئے ہیں طاقت و قوّت عطا کرے گا اور لوگوں کا ولی و سرپرست قرار دے گا۔بہر حال ان دو آیتونمیں لفظ "یستضعف " اور "استضعفوا"سے مراد استضعاف کے دونوں معنی ہوسکتے ہیں اور دونوں کا احتمال موجود ہے۔

ایک دوسر ی آیت میں بھی بنی اسرائیل کو مستضعفین کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے:

(وَاَوْرَثْنَاالْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْایُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَٰرِقَ الْاَرْضِ وَمَغَٰرِبَهَاالَّتِی ْبَارَکْنَافِیْهَا--)(٢)

"اور وہ گروہ کہ جن کو ہمیشہ کمزور و محروم رہنا پڑا تھا ،سرزمین فلسطین کا کہ جس میں ہم نے برکت پیدا کر دی تھی اسکے پورب پچھم سب کا وارث بنا دیا "۔

....

١۔سورئہ قصص آیت٥۔
٢۔سورئہ اعراف آیت ١٣٧۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نتیجۂ بحث

استکبار اور استضعاف سے متعلق آیات پر سرسری نظر کے بعد اب حاصل شدہ کلی نتائج کو بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے:
ہم یہ بیان کرچکے ہیں کہ استکبار کے معنی اور اسی طرح استضعاف کے معنی میں ایک طرح کا تقابل ملحوظ رکھا گیا ہے۔یعنی جو شخص اپنی بڑائی جتا تا ہے فطری طور پر خود کو کسی شخص یا گروہ کے مقا بلہ میں بر تر اور بڑا سمجھتا ہے ۔چو نکہ اگر اس طرح کا مقابلہ اور تقابل نظر میں نہ ہو تو بڑا اور چھو ٹا ہو نا کو ئی معنی نہیں رکھتا اس بنا ء پر مستکبر وہ شخص ہے جو خود کو بڑا سمجھتا ہے اور دو سروں کو چھو ٹا اور حقیر۔
اب یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ مستکبرین خود کو کس اعتبار سے بڑا سمجھتے تھے ۔ بعض آیات میں مستکبرین اور مستضعفین کے درمیان مقا بلہ اس بات کی غما ضی کر تا ہے کہ پہلا گروہ اس قوت و اقتدار کی بنیاد پر جو ان کو حا صل تھا اور دو سروں کو حا صل نہیں تھا ان کو ضعیف و نا تواں شمار کر تا تھا ۔بعض آیات میں کہ جن کا ہم نے ذکر کیا طا قت کا معیار و ملاک افرادی قوت کی زیا دتی اور فرا وانی تھی اور اسی بنیاد پر مکہ کے مسلمان مکہ کے مشرکو ں کے مقا بلے میں بہت کمزور و نا تواں تھے :" فَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ' یہ لوگ ممکن ہے بعض حالات میں جسمانی قوت یا ما دی دولت و ثر وت کے اعتبار سے قوی رہے ہوں لیکن چو نکہ ان کی تعداد بہت کم تھی ، قد رتی طور پر ان کی قوت و دولت مشرکین کی مجمو عی دو لت و طاقت کے مقا بلے میں کسی شما رمیں نہیں آتی ۔
لیکن اکثر آیات مینافراد کا کم ہو نا کمزور ہو نے کا ملاک اور بنیاد نہیں ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عقلی اعتبار سے کم ہو نا بھی کلمہ استضعاف کے استعمال کا معیار نہیں ہو سکتا ۔ بلکہ زیا دہ تر آیات میں سما جی حیثیت اور معاشرتی جا ہ و حشم ملا ک و بنیاد ہے جو مال و دو لت کی فرا وانی اور حسب و نسب کے افتخار اور خاندانی اور قبیلہ کے بڑے ہونے کے سبب ایک مخصوص گروہ کے استکبار اور خود کو بڑا سمجھ لینے کا باعث بنا ہے مختصر یہ کہ ایسے نظام میں جو کسی خاص اصول و معیار کی بنیاد پر (کہ جن کی قوانین و مذہب نے تا ئید نہ کی ہو)استوار ہوئے ہوں۔ایک گروہ کو معاشرہ میں خاص حیثیت اور اقتدار مل جاتا ہے اور دوسرا گروہ محرومی اور ناتوانی کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے یعنی ان کو ضعیف و ناتواں شمار کیا جانے لگتا ہے اور کبھی کبھی معاشرہ میں ان کو کمزورو محروم کرنے کے اسباب بھی فراہم کئے جاتے ہیں ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

استکبار اور استضعاف کی اہمیت
قر آ ن کی رو سے استکبا ر اور استضعاف کا مطلب بیان کر نے کے بعد یہ مطلب بیان کر دینا ضرو ری ہے کہ کیا قر آن کی رو سے استکبا ر اور مستضعفین کی خا ص اہمیت ہے ؟ یا اخلاقی لحا ظ سے ان کا بذا ت خود کو ئی مثبت یا منفی رخ نہیں ہے ؟
جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ استکبا ر میں چو نکہ اپنے کو بڑا سمجھنے ، فخر و مبا ہات کر نے اور ایک دوسرے پر بر تری جتا نے کے معنی پا ئے جا تے ہیں لہٰذا یہ اخلا قی اعتبا ر سے ایک بری صفت سمجھی جا تی ہے اور ہم یہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ (يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَا دَ تِیْ)کے مثل تعبیر و ں میں حق سے رو گر دا نی کر نا اور طغیا ن و سر کشی کر نے کے معنی پائے جا تے ہیں اور اخلا قی اعتبا ر سے یہ تمام صفتیں مذ مو م ہیں ۔ اس بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قر آ ن کر یم میں (استکبار) ایک گرا ہوا ،ناپسند اور منفی رخ کا حا مل امر ہے ۔
لیکن استضعاف کا مسئلہ دوسرا ہے استضعاف میں بذات خود منفی مفہوم نہیں پا یا جاتا۔کیونکہ یہ کلمہ حقیقت میں ایک شخص کے بارے میں دوسرے اشخاص کے رو یہ اور طرز فکر کو بیان کرتا ہے خود کسی شخص کی صفت بیان

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرنانہینہے اور اسی وجہ سے استضعاف کے افعال مجہول استعمال ہوتے ہیں معروف میں استعمال نہینہوتے : (اُسْتُضْعِفُواْ) یعنی کمزور شمار کیے گئے یا(کمزور)بنادیئے گئے؛(اِسْتَضْعَفُوْا) "یعنی کمزوری کا اظہار کرنااستعمال "نہینکرتے البتّہ جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں کہ زیادہ تر مقامات پر جہاں مستضعفین یعنی (کمزورو بنادیئے گئے یاشمار کئے گئے) استعمال ہواہے،اس کے مصادیق حقیقت میں بھی بعض پہلو سے کمزور و محروم تھے لیکن یہ کمزوری اور محرومی (مثال کے طورپر مادی اعتبار سے فقیر ہونا یا معاشرہ میں کسی عہد ہ پر فائز ہونا) بذات خود بری بات نہیں ہے ۔
دوسرا قابل توجہ نکتہ "استکبار"اور دولتمند ہونے کا تعلق ہے ۔بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دولتمند افراد مستکبرہیں اور کبھی کبھی ان دونونلفظوں کو ایک دوسرے کے مترادف شمار کرلیتے ہیں لیکن یہ تصور غلط ہے ۔جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ"استکبار" اس اعتبار سے کہ اس کا مطلب خود کو بڑا سمجھ لینا ہے اور اس کے اندر حق کے مقابلہ میں طغیان و سرکشی کرنا شامل ہے جو ایک مذموم بات ہے اورایک منفی رخ پایاجاتا ہے لیکن استکبار کا مطلب نہ تو دو لتمند ہوناہے اور نہ ہی دونونایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں لہٰذا استکبار سے متعلق آیات کی بنیاد پرقطعی نہیں کہا جاسکتا کہ دولتمندہونا با لذات نا پسند چیز ہے اورہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ تاریخ میں سب سے زیادہ دولت رکھنے والوں میں سے ایک حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ہیں ۔تو کیا پیغمبر خدا کو، صرف ان کے پاس دولت ہونے یا معاشرہ میں ممتاز مقام وحیثیت ہونے کی وجہ سے مستکبر کہا جاسکتا ہے؟قطعاًایسانہینکہا جاسکتا ۔تو معلوم ہواکہ کسی کو صرف اسکے دولتمندہونے یاکسی سماجی عزت و منصب پر فائز ہونے کے سبب مستکبر نہیں سمجھناچاہئے ۔اس مدعا کا دوسرا شاہد یہ ہے کہ قرآ ن کریم کی روسے ایک روزخود مستضعفین مقام ولایت وحکومت پر فائز ہونگے اور معاشرہ میں اعلی سماجی حیثیت حاصل کرینگے :(وَنَجْعَلَهُمْ اَئمِةً وَنجْعَلُهُمْ...)(۱)
"اورہم ان کو (لوگوں کا)پیشوا قراردیں گے اور ان کو (زمین کا)وارث بنادیں گے "
کیا یہ گروہ صرف وعدئہ الٰہی پورا ہوتے ہی واضح متکبروں کی صف میں شمارکیا جانے لگے گا ؟
اسی طرح قرآن کے بقول مستضعفین مستکبروں کے وارث ہو نگے اور ان کا اموال و اسباب سب کچھ اپنے اختیار میں لینگے :(وَاَوْرَثْنَاالْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْايُسْتَضْعَفُوْنَ مَشٰرِقَ الْاَرْضِ وَمَغٰرِبَهَاالَّتِيْ بٰرَكْنَافِيْهَا...)(۲)
"اور جن گروہ کو مسلسل محروم وکمزور رکھا گیاانھیں (سرزمین فلسطین کا)ایک مغربی اور مشرقی حصہ ہم نے وراثت میں عطا کردیا ..."۔

.....

۱۔سورئہ قصص آیت۵۔
۲۔سورئہ اعراف آیت ۱۳۷۔

عوام کا انبیا ء علیہم السلام کے ساتھ برتائو

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امت کے تمام لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور بعض آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ اس کا م کا آغاز لوگوں کے ایک خاص طبقے یعنی مترفین اور مستکبرین کے ذریعے ہوتا اور پھر ان کے پروپگنڈوناور دوسروں کے مطیع بن جانے کے سبب انبیاء علیہم السلام کی وسیع پیمانے پر مخالفت اورانہینجھٹلاناشروع ہوجاتا۔انبیاء علیہم السلام سے جنگ کرنے والے مستکبروں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے جھوٹے معیارات کی بنیا د پر معاشرہ میں اپنا خاص مقام بنائے ہوئے تھے اور اپنی دولت کی بنیاد پر عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے میں مصروف رہتے تھے،کمزور طبقہ کے لوگوں پر فخر و مباہات جتاتے اور معاشرہ میں اپنے مقام و منصب سے فائدہ اٹھاکر دوسروں کوبھی اپنی اطاعت پر مجبور کرکے لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کے خلاف جنگ کی دعوت دیا کرتے تھے ۔
اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ انبیائے الٰہی کی تعلیمات کفر و شرک کے علم برداروں کے ظالمانہ اقتدار کو نیست و نابود کرتی ،ان کے تسلّط کو پاش پاش کردیتی اور لوگوں کو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے قوانین کی اطاعت و پیروی کی دعوت دیا کرتی تھیں ۔اس طرح کے ماحول میں ظاہر سی بات ہے کہ کفّار و مشرکین مختلف طریقوں سے انبیا ء کے خلاف جنگ میں مشغول ہوجایا کرتے تھے وہ سمجھتے تھے اس طرح ان کی تبلیغ کے فر وغ کو روک دیں گے اور اپنے طاغوتی تسلّط کو ہمیشہ بر قرار رکھنے میں کا میاب ہو جا ئیں گے ہم گفتگو کے اس حصّہ میں قرآن کریم کی آیات کی روشنی میںانبیاء علیہم السلام کے خلاف (کفّار و مشرکین)کی جنگ کے اہم طریقوں کا جا ئزہ لیں گے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مذاق اڑا نا
بعض آیات میں ملتاہے کہ بلاکسی استثناء کے لوگوں نے تمام انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑا نے کی کو شش کی ہے:
(یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبادِمَایَا تِیْھِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلّاَ کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِئُ وْنَ)(۱)
" افسوس ان بندوں کے حال پر کہ جس کے درمیا ن کوئی رسول نہیں آیا مگر یہ کہ ان لوگوں نے اسکے ساتھ مسخرا پن ضرورکیا "
(وَمٰا یَأْتِیہِمْ مِنْ نَبِیٍ اِلّاٰکَانُوا بِہٖ یَسْتَہْزُؤُنَ)(۲)
"اور ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ ان لوگوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو "
(وَمَا یَ ْ تِیْھِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلّاَکَانُوْا بِہٖ یَسْتَہْزِئُ وْنَ)(۳)
"ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر ان لوگوں نے اس کی ضرور ہنسی اڑائی "
ان تینوں آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخا لفین کا ایک طریقہ ان کا مذاق اڑانا تھا لیکن یہ مذاق اڑا نے کا اندازکیا تھا ؟اس کے جوا ب میں ہماری راہنمائی کے لئے قرآن کریم کی بعض آیات موجود ہیں ۔نمونہ کے طور پر پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ کا فروں کے رویہ کے بارے میں ارشاد ہو تا ہے:
(وَاِذَارَئَ اکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْااِنْ یَتَّخِذُوْنَکَ اِلَّاھُزُواً َ ھٰذَاالَّذِی یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ...)(٤)
"اور جب تمھیں کفّار دیکھتے ہیں تو بس تم سے مسخر اپن کرتے ہیں (اور کہتے ہیں)کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برا بھلا)کہتا ہے ؟..."
مشرکین اپنے ان حقارت آمیز الفاظ سے (کہ کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبو دوں کو برے الفاظ سے یاد کرتا ہے ؟ پیغمبر اسلام کامذاق اڑا نے کی کوشش کیا کرتے تھے کہ ان کو لوگوں کی نظروں میں گرا دیں ۔اسی سے ملتی جلتی یہ تعبیر ایک اور آیت میں بھی نقل ہوئی ہے :
.....

۱۔سورئہ یس آیت ۳۰۔
۲۔سورئہ زخرف آیت۷۔
۳۔سورئہ حجر آیت۱۱۔
٤۔سورئہ انبیاء آیت۳٦۔

(وَاِذَارَئَ اکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا ھُزُواًأَھٰذَاالَّذِی یَذْکُرُ ئَ اٰلِھَتَکُمْ)(۱)
" اور (اے رسول)یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو محال نہیں کہ آپ کا مذاق نہ اڑائیں (کہ) کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برا بھلا)کہتا ہے؟"۔
مشرکین اپنے ان حقارت آمیز الفاظ سے (کہ کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے مبعو دوں کو برے الفاظ سے یاد کرتا ہے ؟) پیغمبر اسلا م کا مذاق اڑا نے کی کو شش کیا کرتے تھے کہ ان کو لو گوں کی نظروں میں گرا دیں ۔ اسی سے ملتی جلتی تعبیر سورئہ فر قان مینبھی نقل ہوئی ہے :
(وَاِ ذَارَئَ وْک اِن یتَّخِذُ وْنَکَ اِلَّا ھُزُواً اَھٰذَاالَّذِی بَعْثَ اللہُ رَسُوْ لاً ...)(۲)
" اور (اے رسول) یہ لوگ جب آپ کودیکھتے ہیں تو محا ل نہیں کہ آپ کا مذاق نہ اڑا ئیں (کہ) : کیا یہ وہی ہیں جنھیں (اللہ نے) رسول بنا کر بھیجا ہے "
بعض آیات میں مومنین کا مذاق اڑا نے کی باتیں بھی ملتی ہیں :
(اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْاکَانُوْامِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْایَضْحَکُوْ نَ۔وَاِذَامَرُّوْابِھِم یَتَغَامَزُوْ نَ۔وَاِذَا انْقَلَبُوْااِلَیٰ اَھْلِھِمُ انْقَلَبُوْافَکِھِیْنَ ۔وَاِذَارَأَوْھُمْ قَالُوْااِنَّ ھٰؤُلَائِ لَضَالُّونَ)(۳)
"ہاں، دنیا میں جو گنہگار، مو منوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے گذر تے تو آپس میں آنکھیں ما را کرتے تھے اور جب اپنے گھر والوں میں لو ٹ کر آتے تو ٹھٹے لگاتے اور جب ان (مو منین) کو دیکھتے تو کہتے تھے کہ(دیکھو) یہ لوگ توگمراہ ہو چکے ہیں " ۔
بہر حال انبیاء علیہم السلام کے مخالفوں میں رائج عام روش یہ تھی کہ وہ اپنے نبیوناور ان کے پیرؤوں کی رفتا ر و گفتار کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۔ وہ ان کا اتنا زیادہ مذاق بناتے کہ اگر انبیا ء علیہم السلام عام افراد ہو تے اورخداوند عالم کی قدرت اور حمایت پر اعتماد نہ کرتے تو یقیناً پیچھے ہٹ جاتے اور میدان چھوڑکر باہر ہو جاتے ۔ اس لئے کہ جب معاشرہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میں کسی شخص کا خاص و عام تمام افراد مضحکہ کرنے لگیں تو وہ بڑی مشکل سے ہی ان کے سامنے ٹھہر پاتا ہے اور ایسے مواقع پر اگر کو ئی مصلحت ا ند یش ہو ا تو وہ عام طور پر مسخرہ کرنے والے گروہ سے دوری اختیار کرلیتا ہے بلکہ اس معاشرہ ہی کو ترک کردیتا ہے لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام کی رسالت خداوند عالم کی عطا کر دہ رسالت تھی اور انھیںخدا

....

۱سورئہ انبیا آیت ۳٦ ۔
۲سورئہ فرقان آیت۱ ٤۔
۳سورئہ مطففین آیات ۲۹۔ ۳۲۔

کی طرف سے صبر و استقامت کا حکم تھا وہ جان پر بن آنے کے با وجود دشمنوں کی ہنسی مذاق کا مقابلہ کرتے تھے ۔

تہمت

جب مخالفوں کو ہنسی مذاق چھچھو ری حر کتونسے کو ئی فا ئدہ نہ ملتا اور انبیاء علیہم السلام اسی طرح محکم و استوار اپنا کام جا ری رکھتے تو وہ دوسرا طریقہ اختیار کرتے تھے جس کو آج کل کی اصطلاح میں " شخصیت کا قتل " یاخا تمہ کہا جاتا ہے ۔اس کا ایک طریقہ یہ تھا کہ نا روا تہمتینلگا ئی جا تی تھیں ۔ مخالفین تہمتوں اور ناروا نسبتوں کے ذریعہ یہ کوشش کرتے تھے کہ انبیا ء علیہم السلام کی کار کردگی کو مناسب اور الٹی تصویر پیش کریناور لوگوں کو انبیاء علیہم السلام کے قریب نہ ہو نے دیں ۔ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں عام طور پر رائج جس تہمت کا ذکر کیا ہے وہ جادوگری "سحر" اور دیوانگی " جنون" کی تہمت ہے ۔ قرآن کریم کی بعض آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم کے تمام انبیاء علیہم السلام پر یہ دو تہمتیں لگائی گئی ہیں :
(کَذَلِکَ مَا اَتَیَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّاقَالُوْاسَاحِر اَوْمَجَنُوْ ن)(۱)
" اسی طرح ان سے پہلے کے لو گوں کے درمیان بھی کو ئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ اس کو جادو گر کہتے یا دیوانہ کہہ دیا گیا "۔
اس کے بعد خدا وند عالم فرماتا ہے :
(اَتَوَاصَوْابِہِ بَلْ هُمْ قَومطَاغَوْنُ)(۲)
" کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کردیا کر تے ہیں ؟ (نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی سر کش " ۔
جا دو گری اور دیوانگی کے الزام کا منصوبہ اس وسیع سطح پر رواج پا چکا تھا کہ لگتا تھا لوگوں نے ایک دو سرے کو اس کام کی وصیت کردی ہو اور گو یا لو گوں نے ہر پیغمبر کو ان دو آفتوں سے متہم کرنے کی سازش رچ رکھی ہو البتہ حقیقت پو چھئے تو پہلے سے کسی سازش کے رچے جا نے کی بات نہیں تھی " بل هم قوم طاغون" بلکہ اس گروہ کی لو گوں سے سرکشی اس طرح تہمتیں لگانے کا باعث ہو تی تھیں۔
بعض آیات میں مخصوص انبیاء علیہم السلام کو جنون اور(دیوانگی) سے متہم کرنے کا ذکر بھی مو جود ہے مثال کے طور حضرت نو ح علیہ السلام کی قوم کے با رے میں آیا ہے :

....

۱سو رئہ ذاریات آیت ۵۲ ۔
۲سورئہ ذاریات آیت ۵۳۔

(کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَکَذَّ بُوا عَبْدَنَاوَقَالُوْامَجْنُوْن وَازْدُجِرَ)(۱)
" ان سے پہلے نوح کی قوم نے (بھی) جھٹلایا تھااور انھوں نے ہمارے بندے (نوح) کو جھٹلایا اور کہنے لگے : یہ تو دیوانہ ہے ۔ اور اس کے بعد ان کو جھڑ کا بھی " ۔
اور یہ بھی امت نوح کی زبانی نقل ہو ا ہے:
(اِنْ هُوَاِلّاَرَجُل بِہِ جِنَّة فَتَرَ بَّصُوْابِہِ حَتَّیٰ حِیْنٍ)(۲)
" وہ تو یو ں ہی بس ایک آدمی ہے جسے جنون ہوگیا ہے پس ایک خاص وقت تک اس سے دست بردار ہوجاؤ"
اور کبھی ان پر گمراہی اور ضلالت کی تہمت لگایا کرتے تھے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِہِ اِنَّا لَنَرَیٰکَ فِیْ ضَلَالٍ مُبِیْنٍ)(۳)
"ان کی قوم کے چند سرداروں نے کہا :ہم تو یقین ہے کہ تم کُھلم کُھلّا گمراہی میں ہو "۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اسی طرح کی آیات موجود ہیں کہ جن میں ان پردیوانگی کی تہمت کو نقل کیاگیا ہے ۔منجملہ ان کے سورئہ مبارکہ شعراء میں ہے :
(قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمْ الَّذِی اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُوْن)(٤)
"(فرعون)نے کہا (لوگو!)واقعاً یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ۔ہونہو دیوانہ ہے" ۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کٹ حجتی کی اور آپؑکے محکم و استوار جوابات کے مقابلہ میں کو ئی بس نہ چلا تو اس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیوانہ کہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا ۔اگرہم غور کریں تو مندرجہ بالا آیت فرعون کی تہمت نقل کرنے کے ساتھ اس کے مذاق اڑا نے کے لہجے کو بھی بیان کرتی ہے اس لئے کہ فرعون کی گفتگو کا انداز یہ ہے کہ جو شخص حقیقت میں پیغمبر نہ ہو بلکہ صرف پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ دیوانہ ہے ۔
فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دیوانگی اور جادو گری کی تہمت لگانے کا قصہ دوسری آیت میں بھی نقل ہواہے :
.....

۱۔سورئہ قمر آیت ۹۔
۲۔سو رئہ مو منون آیت ۲۵۔
۳۔سورئہ اعراف آیت۶۰۔
٤۔ سورئہ شعراء آیت۲۷۔

(فَتَوَلّٰی بِرُکْنِہِ وَ قَالَ سٰحِرٌاَوْمَجْنُوْن)(۱)
"پس(فرعون) نے منھ پھیر لیا اور کہا:(یہ شخص)جادوگر دیوانہ ہے "۔
چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں داخل ہونے کی اجازت بڑی مشکلوں کے ساتھ ملی تھی فرعون نے ایک دم لا پرواہی کے ساتھ منھ موڑتے ہوئے کہا :وہ یا توجادوگر ہے یا دیوانہ ہے ۔ عربی میں "تولّی بِرُکنہ" اس مقام پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں ایک شخص کسی دوسرے شخص یا چیز کی طرف سے لا پروا ہ ہوکر منھ پھیر لے ۔
حضرت ہود علیہ السلام پر بھی بے وقوفی اور کم عقل ہو نے کی تہمت لگائی گئی ہے :
(قَالَ الْمَلَأُ الَّذِینَ کَفَرُوْامِنْ قَوْمِہِ اِنَّالَنَرَیٰکَ فِی سَفَاھَۃٍ وَاِنَّالَنَظُنُّکَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ)(۲)
"ان کی قوم کے چند سردار کا فر تھے کہنے لگے :ہم کوتو تم حماقت میں (مبتلا) نظر آرہے ہو اور ہم کو یقین ہے کہ تم جھو ٹے ہو "۔
جنون و دیوانگی کی تہمت تو پیغمبر اسلامؐپر بھی لگائی گئی ہے :
(وَقَالُوایَاَیُّھَاالَّذِی نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُاِنَّکَ لَمَجْنُون)(۳)
"اور انھوں نے کہا :اے وہ شخص کہ جس پر قرآن نازل ہواہے یقینا تو دیوانہ ہے "۔
اس آیت میں کفا ر کا لہجہ فرعون کے لہجہ کی مانند ہے ۔وہاں اُس نے کہاتھا :
(اِنَّ رَسُولَکُمْ الَّذِی اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُون)
" (لوگو)یہ رسول جوتمہارے درمیان بھیجا گیا ہے ہونہ ہو دیوانہ ہے "اور یہانکفّار تمسخرآمیز لہجہ میں پیغمبر اسلامؐسے کہتے ہیں :اے وہ شخص کہ جس پر قرآن نازل ہواہے یعنی اے وہ جو خودپر آسمان سے کتاب نازل ہونے کا دعویٰ کررہا ہے توحقیقت میں دیوانہ ہے (ورنہ ایسی بات نہ کرتا)گو یایہاں بھی مخالفین نے پیغمبر پر بڑے پُرزور لہجے میں دیوانگی اور جنون کی تہمت لگائی ہے اس لئے کہ جملہ اسمیہ (اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ) اور حرف تاکید (اِنَّ)اور "لام"کا استعمال بتا تا ہے کہ انھیں اپنے دعوے پر زیادہ اصرارتھا ۔
.....

۱۔سورئہ ذاریات آیت۳۹۔
۲۔سورئہ اعراف آیت۶۶۔
۳۔سورئہ حجرآیت۶۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(۔۔وَیَقُولُونَ اِنَّہُ لَمَجْنُون)(۱)
"۔۔اوروہ کہا کرتے تھے :وہ واقعاً دیوانہ ہے :
(ثُمَّ تَوَلَّواعَنْہُ وَقَالُوامُعَلَّم مَجْنُون)(۲)
"پھر انھوں نے اس سے منھ چراتے ہوئے کہا یہ تو تعلیم یافتہ دیوانہ ہے "۔
دیوانگی کی تہمت کے علاوہ وہ لوگ پیغمبر کو بعض وقت سر پھرا شاعر بھی کہا کرتے تھے اورشاعری کی تہمت کو خاص طور پر اس وقت اور زیادہ بڑھتی تھی جب پیغمبر اکرمؐفصاحت و بلا غت سے لبریز قرآنی آیا ت زبان پر جاری فرماتے تھے ۔اس مقام پر پیغمبراکرمؐکے مخالفوں نے آپ کو ایک شاعری جاننے والا پیغمبر ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر آپ کو(اشعار کا)گویّا قرار دیا ہے :
(وَ یَقُولُونَ اَئِنَّا لَتَارِکُوْاٴَ الِھَتِنَالِشَاعِرٍمَجْنُوْنٍ)(۳)
"اور یہ لوگ کہتے تھے کہ کیا ایک پاگل شاعر کے لئے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑبیٹھیں ؟"۔
(بَلْ قَالُوْااَضْغٰثُ اَحْلٰمٍ بَلِ افْتَرَیٰہُ بَلْ ھُوَشَاعِر۔۔"(٤)
"بلکہ کہتے:(یہ قرآن تو) اس کے خوابہائے پریشان کا مجموعہ ہے (نہیں)بلکہ اس نے (اپنے جی سے) جھوٹ موٹ گڑھ لیا ہے بلکہ یہ شخص (خالص) شاعر ہے "۔
(اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِر نَتَرَبَّصُ بِہِ رَیْبَ الْمَنُوْنِ)(۵)
"یا یہ لوگ کہتے کہ (یہ)شاعر اور ہم اب اس کی مو ت کا انتظار کررہے ہیں یعنی موت کے سوا اب کو ئی چیز اس کا علا ج نہیں کر سکتی "۔
پیغمبر اکرمؐپر نا روا تہمتیں اور طرح طرح کی نسبتیںلگا ئی جاتی تھینحتیٰ کہہ دیا کہ پیغمبر پر جادو کیا گیا ہے اورآپ پر جادو گروں کے جادو کااثر ہے:
(ذْیَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلّارَجُلاً مَّسْحُوْراً)(٦)
....

۱۔سورئہ قلم آیت۵۱۔
۲۔سورئہ دخان آیت۱٤۔
۳۔سورئہ صافات آیت۳٦۔
٤۔سورئہ انبیاء آیت۵۔
۵۔سورئہ طور آیت۳۰۔
٦۔سورئہ اسراء آیت٤۷۔

"اور جب ظالم کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک (دیوانے)آدمی کے پیچھے بھاگ رہے ہوجس پر کسی نے جادو کردیا ہے "۔
اس طرح ایک طرف تو کفار پیغمبر اکرمؐپر جادوگری کاا لزام لگاتے تھے اور دوسری طرف آپ کی رسالت کو بے اعتبار کرنے کے لئے آپ کوجادو سے متأثر اور مسحور شخص کہا کرتے تھے ۔
پیغمبر اکرمؐپر کا ہن ہو نے کا الزام بھی لگا یا گیا ۔کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جس کاجنوں سے ر ابطہ ہو یا جس نے جن کو قبضہ میں کر رکھا ہو اوروہ ان (اَجِنَّہ) کے سکھا ئے پر عمل کر تا ہو چنا نچہ مشرکین نے جب دیکھاکہ پیغمبر کو ساحر ،شاعر اور دیوانہ کہنے سے کو ئی فا ئدہ حا صل نہیں ہو رہا ہے تو انھوں نے آپ کو کا ہن کہنا شروع کر دیا ۔
یہ بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے پیغمبراکر مؐپر لگائی جانے والی تہمتوں کے جواب میں چپ رہنا جائز نہیں سمجھا اور آپ کی ذات گرامی کا دفاع کرتے ہوئے جواب دیا ہے :
(اِنَّہُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۔وَمَاھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍقَلِیلاً مَّا تُؤْمِنُوْنَ)(۱)
"بے شک یہ (قرآن)ایک محترم ایلچی کا پہنچایا ہوا قول ہے کسی شاعر کی تک بندی نہیں ہے (کہ)تم میں بہت کم لوگ ایمان لائے ہیں"۔
(وَمَاعَلَّمْنَاہُ الشِّعْرَوَمَا یَنْبَغِیْ لَہُ۔۔)(۲)
"اور ہم نے نہ اس (پیغمبر)کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ شاعری ان کی شایان شان ہے "۔
(فَذَکِّرْفَمَااَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِکَاھِنٍ وَلَامَجْنُونٍ)(۳)
"تو (اے رسول)تم نصیحت کئے جاؤ (کیونکہ)تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ کا ہن ہو ا ور نہ مجنون "
(وَلَابِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلاً مَا تَذَکَّرُونَ)(٤)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"اور نہ کسی کا ہن کی (خیالی)بات ہے کہ تم لوگ (اس سے) کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو "۔
یہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہ انبیائے الٰہی پر لگا ئے گئے سب سے اہم الزامات کامحض ایک حصہ ہے ۔ یقیناً انبیاء پر دوسری تہمتیں بھی لگائی گئی ہیں جو بہت زیادہ رائج نہیں تھیں لہٰذا ہم ان کے بیان کرنے سے قطع نظرکرتے ہیں۔
.....

۱۔سورئہ حاقہ آیت ۴۰۔ ۴۱۔
۲۔سورئہ یس آیت۶۹۔
۳۔سورئہ طور آیت۲۹۔
۴۔سورئہ حا قہ آیت۴۲۔

راہ اور رہنما کی پہچان

بہانہ تلاش کرنا
گذشتہ قوموں کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اپنے انبیا ء کا مذاق اڑا تے اور اس کے بعد ان پر دیوانگی اورجادوگری کی ناروا نسبتیں دیتے لیکن جب انبیاء علیہم السلام سے معجزے ظاہر ہوتے اور مخالفین کی سا زشیں نا کام بنا دی جا تیں تو وہ دوسرا طریقہ اپنا تے اور بہا نے بنانا شروع کردیتے تھے کہ پیغمبرگھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جا ئے اور اپنی دعوت تبلیغ سے باز آجائے چنا نچہ ہم اس حصّہ میں مختصر طور پر ان بہانوں کوبیان کریں گے جوعام طور پر مختلف امتوں کے درمیان رائج تھے ۔
مخالفین کا ایک عام بہانہ اپنے آباؤ اجد اد کے دین پر باقی رہنا اور نئے دین کے انتخاب پر تیار نہ ہو نا تھا :
(وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْامَاانْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاوَجَدْ نَاعَلَیْہِ آبَائَ نَا ---)(۱)
"اور جب ان سے کہا جاتا :جو خدانے نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو (چھوٹتے ہی)کہتے : (نہیں!)بلکہ ہم تو اسی(طریقہ)پرچلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا"
کافروں کا ایک اوربہانا جس کا وہ سہا را لیتے یہ تھا :خدا کو ہم سے براہ راست گفتگو کرنا یا ہمارے لئے براہ راست معجزے بھیجنا چاہئے:
(وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْتَ ْتِیْنَا آیَۃ کَذٰلِکَ قَالَ الذین مِنْ قَبْلِھِمْ مِثْلَ قَوْلِھِمْ تَشَابَہَتْ قُلُوْبُھُمْ)(۲)
"اور جا ہل و نا دان افراد کہتے ہیں کہ خدا ہم سے (خود) کلام کیوں نہیں کرتا ؟ یا ہمارے پاس معجزہ کیوں خود نہیں آتا ؟ اسی طرح کی باتیں وہ لوگ کرچکے ہیں جو ان سے پہلے تھے اُن سب کے دل اور فکریں آپس میں ملتی جُلتی ہیں ---"
اس طرح کفار پیغمبر اکر مؐکی دعوت قبول کرنے سے بچنے کے لئے نار و اقسم کی خوا ہشیں کیا کرتے تھے بعض(خواہشوں) کے تو پورا نہ ہونے سے وہ خود بھی آگاہ ہو تے تھے ۔
قرآن نے اس آیت میں بیان کیاہے کہ اس طرح کے بہانے تلاش کرنا مکہ کے مشر کوں سے مخصوص نہ تھابلکہ گذشتہ قوموں کے درمیان بھی ایسے لوگ مو جود تھے اور یہ یکسانیت جو کافروں کے دلوں اور نیّتوں کی مشابہت کا
.....

۱۔سورئہ لقمان آیت۲۱۔
۲۔سورئہ بقرہ آیت۱۱۸۔

نتیجہ تمام زمانوں میں رہی ہے ۔
قرآن کریم نے سورئہ مبارکہ انعام کی آیات میں بھی اسی کے مشابہ بہانے تلاش کرنے کی طرف میں اشارہ کیاہے :
(وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَافِی کُلِّ قَرْیَۃٍاَکَابِرَمُجْرِمِیْ ْھَالِیَمْکُ ُرُوْافِیْھَاوَمَایَمْکُرُوْنَ اِلَّابِاَنْفُسِھِمْ وَمَایَشْعُرُوْنَ۔وَاِذَاجَائَتْھُمْ آیَۃ قَالُوْالَنْ نُؤمِنَ حَتّٰیٰ نُوْتَیٰ مِثْلَ مَااُوْ تِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ---) (۱)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

" اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے قصور واروں کواس کام میں لگادیاکہ ان میں مکاری کیا کریں اور وہ لوگ جو بھی مکاری کرتے ہینخود اپنے ہی خلاف کر تے ہیں اور اس کا شعور نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں : جب تک ہم کو وہ چیز نہ دی جائیگی جو پیغمبر اِن خدا کو دی گئی ہے ہم ہرگز ایمان نہ لائینگے ---" .

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرجس شہر اور جس جگہ بھی مبعوث کئے جاتے تھے وہا ں کے غنڈوں اور بد معاشوں کے سردار اور بڑے بڑے مجرمین مکروحیلے سے کام لیتے تھے اور ان کا ایک بہانہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایمان لانے کے لئے یہ شرط لگاتے تھے کہ خدا کو ان کے ساتھ بھی اپنے انبیاء جیسی رفتار کرنا چا ہئے اور جس طرح اس نے اپنے رسولوں کو معجزے عطا کئے ہیں ان کو بھی معجزے عطا کر ے .

اورکبھی کبھی مشر کین و کفا ر اس طرح کی بے عقلی کے مطالبے بھی کیا کرتے تھے کہ خو د ان کے پاس فر شتے کیوں نہیننا زل ہوتے یا وہ براہ راست اپنے پر ور دگا ر کو کیوں نہیں دیکھتے!

(وَقَالَ الَّذِیْنَ لَایَرْجُوْ نَ لِقَائَ نَالَوْ لَاأُ نْزِلَ عَلَیْنَاالْمَلاَ ئِکَةُاَوْنَرَیٰ رَبَّنَا)(۲)

" اور جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید نہیں ہے کہا کر تے ہیں کہ آخر ہم پر فر شتے کیو ں نہیں نا زل کئے گئے یا ہم اپنے پر ور دگار کو(کیو ں نہیں) دیکھتے ؟"

(لَوْمَاتَاتِیْنَابِالْمَلٰئِکَةِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ)(۳)

" اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو فر شتے کو ہما رے سامنے کیو ں نہیں لا کھڑا کر تے".

بعض او قات ان کا یہ بہا نہ ہو تا کہ پیغمبر پر (کیوں ایسا) فرشتہ نہیں نا زل ہو تا کہ جس کو ہم بھی دیکھیں ؟یا ان

....

۱سورئہ انعام آیت ۱۲۳۔۱۲٤.
۲سورئہ فر قان آیت ۲۱.
۳سورئہ حجر آیت۷.

کے ساتھ(فرشتہ) کیو ں نہیں چلتاپھرتا ؟اوریا خدا وند عالم آسمان سے اپنے پیغمبر پر خزا نہ کیو ں نہیں نا زل کرتا :

(وَقَالُوْالَوْلَااُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَک---)(۱)

"اور انھوں نے کہا :ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا ؟---".

سورئہ ہود میں ارشا د ہوتا ہے :

(لَوْلَااُنْزِلَ عَلَیْہِ کَنْزاَوْجَائَ مَعَہُ مَلَک---)(۲)

"ان پر خزانہ کیوں نہیں نازل کیاگیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا ؟---".

بعض آیات میں کفار کی زبانی یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ پیغمبر اکرمؐپر اعتراضات کیا کرتے کہ آخر ان پر کوئی آیت یا معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا :

(وَیَقُوْلُ الَّذَینَ کَفَرُوْالَوْلَااُنْزِلِ عَلَیْہِ آیَة مِنْ رَّبِّہِ---)(۳)

"اور جو لوگ کافر ہو گئے ہیں کہتے ہیں کیوں ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر کوئی معجزہ نازل نہیں ہورہا ہے ؟---".

(وَقَالُوالَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ آیَات مِنْ رَبِّہِ---)(٤)

"اور انھوں نے کہا :کیوں ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے معجز نمانشانیاں نازل نہینہوتیں ؟---"

اس طرح کی گفتگو سے کافروں کا مقصد کیا تھا اس بارے میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

۱۔اولاً:وہ یہ جتا نا چاہتے تھے کہ قرآن معجزہ نہینہے اور اس کی کوئی اہمیّت نہیں ہے اور پیغمبر اکرمؐاپنے ساتھ کوئی معجزہ لیکر نہیں آئے ہیں .

۲۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ (آیات من ربہ)سے ان کی مراد مطلق طور پر معجزہ نازل ہو نے سے انکار نہیں تھا بلکہ ان کے مد نظر مخصوص قسم کا معجزہ تھا جس کے بعد کوئی بھی پیغمبر کی مخالفت کی جرأت نہ کرے اور سب ان کے سامنے

....

۱سو رئہ انعام آیت ۸.
۲سورئہ ہودآیت۱۲.
۳سورئہ رعدآیت۷۔۲۷.

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۴سورئہ عنکبوت آیت۵۰سورئہ انعام آیت۳۷سورئہ طٰہٰ آیت۱۳۳۔

سر تسلیم جھکانے پر مجبور ہو جائیں ۔قرآن کریم نے سورئہ مبارکۂ شعرا ء میں اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر چہ یہ کام قدرت الٰہی کے دائرہ سے دور نہیں ہے لیکن خدا نے خود ایسا نہیں چا ہا ہے :
(اِنْ نَشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَآئِ آيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَاخَاضِعِيْنَ)(۱)
"اگر ہم چاہیںتو آسمان سے ان پر ایسا معجزہ نازل کردیں کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی گردنیںجھک جائیں "۔
بہر حال بہانہ ڈھونڈنے والے مشرکین اسی طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے کہ خداوند عالم اپنے پیغمبر پر معجزہ کیوں نہیں نازل کرتا ۔
کفّار کا ایک گروہ وہ بھی تھا جو قرآن سے متعلق بہانے تلاش کیا کرتا تھا کبھی وہ پیغمبر اکر مؐسے دوسرا قرآن لانے یا موجودہ قرآن میں تغیر و تبدل کرنے کی درخواست کرتے ہو ئے کہتے:
(وَذَا تُتْلَیٰ عَلَيْہِمْ ئَ ايَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِ يْنَ لَايَرْجُوْنَ لِقَائَ نَاائْتِ بِقُرْئَ انٍ غَيْرِ هَذَااَوْبَدِّلْہُ)(۲)
"اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جن کو ہماری ملا قات کی امیدنہیں ہے کہتے ہیں :(اس قرآن کے بجائے کوئی اور دوسرا قرآن لاؤیا اس کو بدل ڈالو)"۔
کفّار کا یہ عمل بڑا ہی ہو شیارانہ تھا وہ کہا کرتے تھے ا گر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں تو دوسراقرآن لے آئیے یا اس قرآن کو بدل دیجئے ۔اب اگر پیغمبر اکرمؐان مطالبوں کوقبول کرلیتے ۔ تو وہ یہ نتیجہ نکالتے کہ یہ حقیقی پیغمبر نہیں ہیںکیو ںکہ یہ جس کتاب کے آسمانی ہونے کے مدعی تھے اس میںانھوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے ردّو بدل کردی ہے یا اس کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔
اوراگر پیغمبر ان کے مطالبے کو قبول نہیں کرتے (اور حقیقتاً ایسا ہی ہو ا)تووہ کہہ سکتے ہیں :چونکہ آپ نے ہماری درخواست قبول نہیں کی لہٰذا ہم آپ پر ایمان نہیں لائے ۔قرآن کے بارے میں کفّار کے دوسرے بہانوں میں ایک اعتراض قرآن کے تدریجی طور پر نازل ہونے کے متعلق تھا :
(وَقَالَ الَّذِينَ کَفَرُوالَوْ ًلَانُزِّلَ عَلَيْہِ الْقُرآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً۔۔)(۳)
....

۱سورئہ شعرا ء آیت ۴۔
۲سورئہ یونس آیت۱۵۔
۳سورئہ فرقان آیت۳۲۔

"اور کفّار کہنے لگے کہ:ان پر قرآن ایک ساتھ کیوں نہیں نازل کیا گیا ۔۔؟"۔
کبھی کبھی اُن کے لبوں پر یہ شکوہ بھی ہو تاکہ یہ قرآن ایک عام انسان پر (کہ جس کے پاس نہ مال ہے نہ دولت اور نہ ہی معاشرہ میں کوئی مقام) کیوں نازل کیاگیا اور شہر مکہ یا مدینہ کی کسی بڑی شخصیت پر کیوں نہیں نازل ہوا :
(وَقَالُوا لَوْلَانُزِّلَ هَذَاالْقُرآنُ عَلَیٰ رَجُلٍ مِنَ الْقَرِيَتَيْنِ عَظِيٍمٍ)(۱)
"اور (کفّار) کہتے:یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑنے آدمی پر کیوننہیں نازل کیا گیا "۔
کفار کے کچھ اور بہانے جن کو الزامات کی ہی ایک قسم شمار کیا جاسکتاہے یہ تھاکہ پیغمبراکرمؐاپنی دعوت کے تمام مطالب دوسرے انسانوںسے ہی سیکھے ہیں خداوند عالم کی جا نب سے نہیں ہیں لہٰذا آپ پر ایمان لانے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی :
(ثُمَّ تَوَلَّوْاعَنْہُ وَقَالُوْامُعَلَّم مَّجْنُون)(۲)
"پس لوگوں نے ان سے رو گردانی کی اور کہنے لگے :یہ تو سکھایا پڑھا یاہوا دیوانہ ہے "۔
کفّار کے اس بہانہ کو سورئہ مبارکۂ نحل میں ذرا صاف طور پر بیان کیا گیا ہے:
(وَلَقَدْ نَعْلَمُ َ نَّہُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَايُعَلِّمُہُ بَشَر۔۔۔)(۳)
"اور ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ (کفّار) کہا کرتے ہیں :بجز اس کے کچھ نہیں کہ کو ئی آدمی ان کو پڑھا تا ہے ۔۔۔"
قرآن کریم کی بعض آیات میں کفّار کے مختلف بہانوں کو ایک ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے :
(وَقَالُوْالَنْ نُؤْمِنَ لَکَ حَتَّی تَفْجُرَلَنَامِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعاً اَوْتَکُونَ لَکَ جَنَّة مِنْ نَخِيْلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَالْاَنْہَارَخِلَٰلَهَاتَفْجِيْراًاَوْتُسْقِطَ السَّمائَ کَمَازَعَمْتَ عَلَيْنَاکِسَفَاًاَوْتَ ْتِیَ بِااللهِ وَالْمَلٰئِکَةِ قَبِيْلاًاَوْ يَکُونَ لَکَ بَيْتمِنْ زُخْرُفٍ اَوْتَرْقَیٰ فِی السَّمَائِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّکَ حَتّیٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَاکِتَابَاًنَقْرَؤُہُ)(۴)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

....

۱سورئہ زخرف آیت۳۱.
۲سورئہ دخان آیت۱٤.
۳سورئہ نحل آیت۱۰۳.
٤سورئہ اسراء آیت۹۳،۹۰.

"او ر انھوننے کہا :جب تک تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہینبہانکا لوگے ہم ہر گزتم پر ایمان نہ لائیں گے یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا اپنا باغ ہواوراس میں تم سب کے سا منے بیچ سے نہرینجاری کرکے دکھادو یا جیسا تم ادعا کرتے ہو ہم پرآسمان ہی کو ٹکڑے (ٹکڑے) کرکے گرادو یا خدا اور فرشتوں کو (ہمارے روبرو)گوا ہ میں پیش کرو یا تمہارے پاس کوئی طلائی محل ہو یا تم آسمان پر چڑھ کے د کھاؤ اور ہم تمہارے اوپر چلے جانے سے (بھی) مطمئن نہ ہونگے جب تک ہمارے پڑھنے کے لئے آسمان سے کو ئی کتاب نازل نہ کرو ".
قارئین کرام جیسا کہ آپ نے دیکھاکہ قرآن کریم نے ان آیات میں کفّار کے نا روا مطالبوں کو اور ناقابل قبول توقعات کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ کیسے اس گروہ نے اپنا ایمان لانا ان ناروا مطالبونکے پوراہونے کے ساتھ مشروط کر دیا ہے
مندرجہ ذیل آیت میں بھی اسی طرح کے کچھ اور بہانے نقل کئے ہیں :
(وَقَالُوامَالِ هٰذَاالرَّسُولِ یَ ْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْواقِ لَولَااُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَک فَیَکُونَ مَعَہُ نَذِیْراًاَوْ یُلْقَیٰ اِلَیْہِ کَنْزاَوْتَکُونُ لَہُ جَنَّة یَ ْکُلُ مِنْہَا)(۱)
"اور انھوں نے کہا :یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ؟ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں نا زل ہواتا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ڈرا یا کرتا ؟یا ان کے پاس کوئی خزانہ ہی نا زل کردیا جاتا یا ان کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا کہ اس سے کھاتے(پیتے)؟۔۔".
یہانیہ بات بیان کردینا بھی مناسب ہے کہ یہ بہانے تلاش کرنا مکہ کے مشرکوں سے مخصوص نہیں تھا بلکہ اہل کتاب کا بھی ایک گروہ اسلام قبول نہ کرنے کے لئے بہانے تلاش کیا کرتا تھا۔ قرآن کریم نے ان بہانوں کو بطور مفصّل بیان کیاہے یہ پہلی آیت یہودیوں کے بارے میں ہے :
(اَلَّذِیْنَ قَالُوْااِنَّ اللّٰہَ عَھِدَاِلَیْنَااَلاَّنُوْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّیٰ یَ ْتِیَنَابِقُرْبَانٍ تَ ْکُلُہُ النَّارُ)(۲)
"انھوں نے کہا کہ:خدانے تو ہم سے عہد با ند ھاہے کہ ہم اس وقت تک رسول پر ایمان نہ لا ئیں کہ جب تک وہ ہمارے لئے قربانی نہ لائے اور اس (قر بانی) کو (آسمانی)آگ (قبول ہو جانے کی نشانی کے طور پر)بھسم نہ کر دے) ".
....

۱سورئہ فرقان آیت۷.۸.
۲سورئہ آل عمران آیت۱۸۳.

اس طرح اہل کتاب اپنے لئے ایک مخصوص آسمانی کتاب کے خواہاں تھے :
(یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْہِمْ کِتٰبًامِنَ السَّمَآ ئِ فَقَدْسَاَلُوْاموسَیٰ اَکْبَرَمِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْااَرِنَااللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْہُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلْمِھِمُ)(۱)
"اہل کتاب تم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب پوری (ایک ساتھ) اترو ادو البتّہ یہ لوگ موسیٰ سے تو اس سے بھی بڑے مطالبے کرچکے ہیں چنانچہ وہ کہتے تھے :ہمیں خداکو کھلم کھلا دکھادو تب اُن کو اُن کی شرارت کی (سزا کے طور پر)بجلی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا".

ڈرانااوردھمکانا
جب مخالفین کی طرف سے تمسخر ،تحقیر اور تہمت کچھ بھی کارگر ثابت نہ ہوسکی اور ان کی بہانے بازیاں ان کے کسی کام نہ آئیں تو انھوں نے پیغمبر اکرمؐکو ان کے اہداف سے روکنے لئے دوسرے حربے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا یہ نیا حربہ انبیاء علیہم السلام کو ڈرانا، دھمکانا اورخوف زدہ کر نے کا حر بہ تھا :
(وَقَالَ الَّذِ یْنَ کَفَرُوْالِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِنْ اَرْضِنَااَوْلَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَاْ فَاَوْحَیٰ اِلَیْہِمْ رَبُّہُمْ لَنُہْلِکَنَّ الظّٰالِمِیْنَ)(۲)
"اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اپنے پیغمبروں سے کہا :ہم تم کواپنی سرزمین سے نکال با ہر کریں گے مگر یہ کہ تم پھر ہمارے مذہب کی طرف پلٹ آئو ۔پس ان کے پروردگار نے ان پر وحی کی کہ ہم ان ظا لمین کو ضرور ہلاک کردیں گے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

."

جملہ "لِرُسُلِهِمْ "سے یہ بات واضح ہے کہ ڈرانے یاد ھمکانے کا مسئلہ ایک یادو انبیاء سے مخصوص نہیں رہا ہے بلکہ کفّار کی تمام قومونکا یہی شیوہ تھاکہ جب مقابلے کے تمام راستے بے نتیجہ رہ جاتے تووہ اپنے انبیاء سے کہا کرتے تھے :یا تو تم اپنی دعوت سے باز آجائو اور ہمارے ہم مذہب بن جائو یا ہم تم کو اپنی سرزمین سے باہر نکال دینگے

....

١سورئہ نساء آیت١٥٣.
٢سورئہ ابراہیم آیت١٣.

البتہ جب یہ نوبت آجاتی تو خدا اپنے انبیاء علیہم السلام کو اطمینان دلاتاتھا کہ وہ ان کے مخا لفین کو ہلاک کردے گا
:دوسری آیت میں خداوند عالم ارشادفرما تا ہے :
(کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَالْاَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِیَ◌ْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْابِالبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْابِهِ الْحَقَّ فَ◌َخَذْتُهُمْ فَكَیْفَ كَانَ عِقَابِ)(١)
"ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد مخا لفین کے (دو سرے گروہوں)نے (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا اورہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان کو گرفتار کرلیں اور باطل باتوں کے ذریعہ جنگ و جدل سے کام لیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے حق کو اکھاڑ پھینکیں تو ہم نے بھی ان کو گرفت میں لے لیاپھرتم نے (دیکھا کہ ان پر) ہمارا عذاب کیسا (سخت)ہوا ؟".
مندرجہ بالا آیت حقیقت سے پردہ اٹھا دیتی ہے کہ نہ صرف پیغمبر اسلامؐکی قوم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی قوموں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلا یا ہے اور اس بات کی کو شش کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گرفتار کرلیں اوران کو باطل و بیہودہ بحثو نکے ذریعہ شکست دیدیں ۔
یہی طریقہ پیغمبر اسلامؐکے مقابل بھی اختیار کیاگیا ارشاد ہو تا ہے:
(وَاِنْ كَادُوالَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَاوَاِذَالَّایَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّاقَلِیْلاً۔ سُنَّةَ مَنْ قَدْاَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَاوَلَاتَجِدُ لِسُنَّتِنَاتَحْوِیْلاً)(١)
"اور تم کو اس سرزمین سے اکھاڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی تاکہ تم کو اس سے نکال باہر کریں اور اس صورت میں وہ (بھی)تمہارے بعد یہ لوگ چند روز کے سوا ٹھہرنے بھی نہ پاتے ".
مندرجہ بالا آیات سے اس اہم نکتہ کا پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم کی سنّت انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں اور ڈرانے دھمکانے والوں سے مقابلہ کرنے میں ہے .یہ خداوند عالم کی ایک سنّت ہے کہ جب بھی انبیاء کا مقابلہ اس حد تک پہنچ جائے کہ کوئی گروہ ان کی جان لینے کا قصد کرلے اور عملی طور پر ایسے حالات پیدا ہوجائیں جس سے لوگوں کی ہدایت کے تمام راستے بند ہوجائیں اور حق کے کامل طور پر مخفی ہونے کا خوف پیدا ہوجائے تو اس وقت خداوند عالم دشمنوں اور مخالفوں کی جماعت پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے .یہ وہ سنت ہے جو گذشتہ تمام اقوام میں جاری تھی :

....

١سورئہ غافر آیت٥.
٢سورئہ اسراء آیت٧٦.٧٧.

سورئہ احزاب میں ارشاد ہو تا ہے:(وَلَنْ تَجِدلِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلاً)(١)
"اور تم خداکی سنّت میں ہرگز تغیر و تبدیلی نہ پاؤگے ".
اور اصولی طور پر قرآن کریم میں اکثر وہ مقامات جہاں پر سنت خدا کے بارے میں گفتگوہوئی ہے وہ ان قوموں اور گروہوں پر عذاب نازل ہونے سے مربوط ہے جہاں ان کی مخالفت خداوندعالم کے رہبروں سے انتہا کو پہنچ چکی ہواور ان کی ہدایت کی کوئی امید کی کرن باقی نہ رہ گئی ہو ۔
یہاں یہ سوال ممکن ہے کہ اگر اس طرح کی سنّت موجود ہوتی تو کوئی پیغمبر ہی قتل نہ کیا جاتا اس لئے کہ جب تک انبیاء علیہم السلام کو شہر بدر کرنے اور قتل کرنے کی بات نہ چھڑے وہ اس وقت تک تبلیغ کرتے رہیں ،مخالفوں کا مقابلہ کرنے میں مقاومت کریں اور جب کام اس منزل (ان کو شہر بدر کرنے یا قتل کر نے کی نوبت آجا ئے) تک پہنچ جائے تو عذاب الٰہی نا زل ہو جا ئیگا اورانبیاء علیہم السلام کے تمام دشمن نیست و نا بود ہو جا ئیں گے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

حالانکہ قر آن کریم میں انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کے بارے میں آیات موجود ہیں :
(---وَقَتْلِهِمُ ٱلْنبِيَاءَ بِغَيْرِحَقٍّ---)(٢)
"---اور ان (بنی اسرائیل)کا ناحق انبیاء کو قتل کرنا ---"۔
ایک اور آیت میں ارشاد ہو تا ہے : (---فَلِمَ تَقْتُلُونَ اَنْبِيَاءَ االله ---)(٣)
"---پس تمہارے بزرگ کیوں خداکے پیغمبروں کو سابق میں قتل کیا کرتے تھے ؟---"۔
جواب:قرآن کریم میں یہ مطلب صاف طور پر بیان نہیں ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور ان کا مقابلہ دو طریقوں سے ہوتا :
کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگوں کے مابین خداوندعالم کی طرف سے کوئی کتاب شریعت نہیں ہوتی تھی اور ایسے ہی حالات میں ایک پیغمبر مبعوث کیا جاتا تھا تا کہ ان کو کفر و شرک سے نجات دلائے۔ ان پر اپنی حجت تمام کرے اور چراغ ہدایت کو روشن رکھے ۔ان حالات میں اگر وہ پیغمبر اپنی قوم کے ہاتھوں قتل کردیا جاتا تو چراغ ہدایت مکمل طور پر خاموش ہوجاتااور خداوند عالم کی پیغمبر کو مبعوث کرنے کی غرض نقض ہوجاتی ۔
.....

١۔احزاب آیت٦٢۔
٢۔سورئہ نساء آیت١٥٥۔
٣۔سورئہ بقرہ آیت٩١۔

اور جب لوگوں پر خداکی حجت تمام ہوجاتی اوروہ حق قبول کرنے سے انکار کردیتے تو عذاب الٰہی نازل ہوتاتاکہ پیغمبر اور مومنین کو چھٹکارامل جائے اور زمین، خداکی حجت سے خالی نہ رہنے پائے۔
لیکن بعض زمانوں میں لوگوں کے درمیان کتاب خدا اور شریعت الٰہی موجود تھی اورحق کے طالبوں کے لئے حق کی معرفت کا راستہ ہموار تھا۔اس طرح کے تاریخی دور میں مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام کا فریضہ لوگوں کو اسی دین اور کتاب کی دعوت دینا اور ارشاد کرناتھا۔مثال کے طورپر بنی اسرائیل کے درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت رائج تھی اور آپ کے بعد جو متعدد پیغمبر مبعوث کئے گئے وہ لوگوں کو آپ کی ہی کتاب و شریعت کی دعوت دیا کرتے تھے اور حقیقت میں وہ مولوی دین کے مبلّغین تھے ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ایک یا چند انبیاء علیہم السلام کا قتل ہونا حق کے کلی طور پر محو ہوجانے، سارے معاشرے کے گمراہ ہوجانے اور ہدایت کے تمام راستوں کے مسدود ہوجانے کے مساوی نہ تھا ۔خداوند عالم ایسے حالات میں اپنی حکمت بالغہ کی بنیاد پر لوگوں کے انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرنے یہاں تک کے لوگوں کو ان کے قتل کرنے تک کی فرصت عطا کرتاتھااور اسی وجہ سے بنی اسرائیل کے بہت سے پیغمبر کا فروں اور اپنے دشمنوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے ۔
ہم نے جو کچھ مندرجہ بالا حصّہ میں بیان کیا مختلف طریقوں سے لوگوں کے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برتاؤ کرنے کے بارے مینتھا۔اب ہم یہ بیان کریں گے کہ خداوندعالم نے انبیاء کی قوموں کے ساتھ کیابرتاؤ کیا ہے ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

امتوں کے ساتھ خدا کا طر یقۂ کار (الٰہی سنّتیں)
اس حصّہ مینہم خداوندعالم کی ان سنّتوں کا تذکرہ کریں گے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے درمیان یکساں طور پر جا ری رہی ہیں ۔البتہ اس مو ضوع میں داخل ہونے سے پہلے سنّت کی (اس بحث کے مطا بق حال) مختصر تعریف بیان کردیناہبتر ہے!!
یہانسنّت سے مراد خداوند عالم کے وہ افعال ہیں جو کسی زمان،مکان اور یا کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر دور کے لوگوں کے مختلف گروہ کے ساتھ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم نے ان عمومی افعال کو سنّت کے نام سے یاد

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کیا ہے
ارشاد ہو تا ہے: (سُنَّةَ اللهِ فِی الَّذینَ خَلَوامِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَلِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِیْلاً) (۱)
"جو لوگ پہلے گذر گئے ان کے بارے میں بھی خدا کی (یہی)سنّت رہی ہے اور تم خدا کی سنّت میں ہرگز تغیر تبدل نہیں پائو گے " ۔
البتّہ قرآن کریم میں جس مقام پربھی الٰہی سنّتوں کا تذکرہ ہے و ہا ں سنت سے مراد اکثر وہ عذاب ہیں جو گذشتہ قوموں پر نازل ہوئے ہیں پھربھی سنّت کا مفہوم نزول عذاب سے کہیں زیادہ عمومیت رکھتا ہے اس وضاحت کے بعد ہم ان آیات کاذکر کریں گے جن میں انبیاء کی امتوں کے درمیان خداکی سنّتوں کا تذ کرہ کیا گیا ہے۔
قرآن کریم کی آیات کے دو دستے جو تقریباً ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ان میں خداوندعالم کی تین سنّتوں کی طرف اشارہ ہے جو معمولاًترتیب سے اور تین مراحل میں متحقق ہوتے ہیں پہلے دستہ کے متعلق سورئہ مبارکۂ اعراف میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَمَاارْسَلْنَافِیْ قَرْیَةٍ مِنْ نَبِیٍّ اِلَّااَخَذْنَااَهْلَهَابِالْبَسَائِ وَالضَّرَّائِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُونَ۔ ثُمَّ بَدَّ لْنَا
.....

۱۔سورئہ احزاب آیت۶۲۔

مَکَانَ السَّیِّئَةِ الحَسَنَةَ حَتَّیٰ عَفَوْاوَّقَالُواقَدْ مَسَّ أَبَائَ نَاالضَّرَّائُ وَالسَّرَّائُ فَاَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَایَشْعُرُوْنَ)(۱)
"اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو سختی اور مصیبت میں مبتلاکیاتاکہ وہ لوگ گڑگڑائینپھر ہم نے بڑی (مصیبت) کو نیکی (نعمت)مینبدل دیا یہانتک کہ وہ لوگ (حد سے)بڑھ نکلے اور کہنے لگے :"ہمارے باپ دادائوں کو (بھی یقیناحکم قدرت سے) اس طرح کا تکلیف و آرام پہونچ چکا ہے پس ہم نے ان کو بے خبر ی کی حالت میں اچانک اپنے (عذاب میں)گرفتار کردیا "۔
مفسرین بیان کرتے ہیں "عَفْ"، "عَفَوْا" طول اور کثرت اور یہ "عفی النبات "سے ما خوذہے یعنی "گھاس اور بڑھکر لمبی ہوگئی "۔چنا نچہ بعض روایات میں بھی جو "اعفاء اللحیة"کا لفظ استعمال کیاگیا ہے وہ بھی اسی مادہ سے ہے اور اسکے معنی لمبی ڈاڑھی رکھنے کے ہیں ۔اس بناء پر" عَفَوْا"کا مطلب ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اوروہ سختی کے منھ سے نکل کر راحت وآرام کے مر حلہ میں پہونچ گئے ۔
بہر حال مندرجہ بالاآیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم لوگوں کے ساتھ تین طریقوں سے پیش آیاہے :
پہلے مر حلہ میں خداوندعالم نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا تاکہ وہ انسانوں کی ہدایت کریں اوران کے لئے استکبار و سرکشی سے دور رہنے کے راستہ فراہم کریں لیکن اکثر افرادنے ان راستونسے استفادہ نہ کیااورہدایت کا طریقہ اختیارنہیں کیا ۔
دوسرے مرحلہ میں خداوندعالم نے بندوں پر نعمتیں نازل کیں یہاں تک کہ وہ اپنی زندگی کی سختیوں اور مشکلوں کوعام بات شمار کر کے وہ خداوندعالم کی یاد سے غافل ہوگئے تیسرے مر حلے میں ان کی بڑھتی ہو ئی سخت غفلت کی وجہ سے ان پر اچانک عذاب نازل ہونا اور ان سب کو نیست و نابود کردینا ذکر ہوا ہے۔
دوسری قسم کی آیات میں بھی اسی قسم کی ملتی جلتی تعبیرات مو جود ہینارشاد ہو تا ہے :
(وَلَقَدْاَرْسَلْنَااِلَیٰ اُمَمٍ مِنْ قَبْلِکَ فَاَخَذْ نَا هُمْ بِالْبَاْسَائِ وَالضَّرّائِ لَعَلَّهُم یَتَضَرَّعُونَ۔ فَلَوْلَا اِذْجَائَ هُمْ بَاْسُنَاتَضَرَّعُوْاوَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطَانُ مَاکَانُوا یَعْمَلُونَ۔فَلَمَّا نَسُوْامَاذُکِّرُوابِهِ فَتَحْنَاعَلَیْهِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْ ئٍ حَتّیٰ اِذَا فَرِحُوابِمَااُوْتُوْااَخَذْنَا هُمْ بَغْتَةً فَاِذَاهُمْ مُبْلِسُون۔فَقُطِعَ دَابِرَالْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْاوَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ)(۲)
.....

۱۔سورئہ اعراف آیت۹۴۔۹۵۔
۲۔سورئہ انعام آیات۴۲۔ ۴۵۔

اور جو امتیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں ہم ان کے پاس بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہینپھر ہم نے ان کو سختی اور تکلیف میں گرفتار کیاکہ شا ید وہ روئیں اور گڑگڑا ئیں پس جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے تضرع و زاری کیوں نہیں کی؟لیکن(حقیقت یہ ہے)ان کے دل سخت ہوگئے تھے اور ان کے کاموں کو شیطان نے آراستہ کردکھایا تھاپھرجس کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انھیں یاد دہانی کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر امتحان کے طور پرہر طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں انھیں دی گئی تھیں جب ان کو پاکر خوشی میں کھوئے تو ہم نے انھیں اچانک اپنی گرفت میں لے لیا اوروہ ناامیدہو کررہ گئے پھر ظلم و ستم کرنے والے گروہ کی جڑکاٹ دی گئی اور تمام تعریفیں سارے جہان کے مالک اللہ کیلئے ہیں "۔

جملہ" مٰا ذُکِّرُوابِہٖ""جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی"میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خداوند عالم نے انھیں سختیوں اور مشکلات سے دو چارتھا کہ وہ بیدار ہو جائیں اپنے کو سنوار سکیں اور ان میں خداوند عالم کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے ۔

جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں ان دونوں دستوں کی آیات میں تین اہم الٰہی سنّتوں کا تذکرہ ہے ہم ان کو ذیل میں ترتیب سے بیان کررہے ہیں ۔ا لبتہ اس سے پہلے ان نکات کو بیان کردینا بھی مناسب سمجھتے ہیں جن سے علوم نفسیات ، سما جیات اور فلسفہ تاریخ وغیرہ کے با رے میں استفادہ کیا جاتاہے ۔

پہلا نکتہ انسانی نفسیات سے تعلق رکھتا ہے اگر چہ وہ بظاہر انسان کی انفرادی زندگی سے مربوط ہے لیکن جب معاشرہ کے اکثر افراد میں سرایت کر جائے توپھر سما جی پہلو بھی اختیار کرلیتا ہے کیو نکہ انسان کی سرشت ہی ایسی ہے کہ جب اس کے پاس بہت زیادہ نعمتیں اور آسائش وآرام آجا تا ہے تو اس کی روح میں استکبار ،سرکشی اور طغیان آجاتاہے ۔جیساکہ قرآن سورئہ علق میں ارشاد فرماتا ہے :

(کَلَّااِنَّ الاِنْسَانَ لَیَطْغَیٰ ۔اَنْ رَآہُ اسْتَغْنَیٰ)(۱)

"بیشک جب انسان اپنے کوغنی دیکھتا ہے تو سرکش ہوجاتاہے "۔

دوسری طرف عام طور پر انسان سختیوں اور مشکلا ت میں گھر جانے کے بعد خضوع اور خشوع کرنے لگتا ہے اور اس کی انانیت ختم ہونے لگتی ہے اوریہ حالت انسان میں آہستہ آہستہ وہ حالات فرا ہم کرتی ہے کہ انسان خود بخود اپنے رب سے لولگانے لگے ۔اس بناء پر قرآن کریم کی آیات سے نفسیات کے اس راز اور قا عدہ کا پتہ چلتا ہے کہ

.....

۱۔سورئہ علق آیت۶۔۷۔

راحت و آرام غرورو سرکشی کا سرچشمہ ہے ،اور مشکلوں میں گرفتار ہونے سے خضوع و خشوع پیدا ہوتاہے۔البتّہ ہم اس بات پر ز وردینا لازم سمجھتے ہیں کہ مندرجہ بالا حالات میں سے کوئی ایک حالت بھی اس طرح کے نفسیات کیلئے علّت تامّہ نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف ایک عام سبب اور ذریعہ ہے ۔اسی بناء پر ممکن ہے کہ کوئی شخص عیش و عشرت کی زندگی اور نعمتوں میں غرق رہکر بھی خداکی یاد سے غافل نہ ہو اور اس میں غرورو تکبر کی بو بھی نہ پائی جاتی ہواور اس کے بالمقابل یہ بھی ممکن ہے کہ کو ئی شخص مشکلات سے دوچار ہونے کے باوجود بھی خضوع اور خشوع سے محروم رہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں بیان ہوچکا ہے ۔

نفسیات کے ہی بارے میں سورئہ انعام کی آیات سے اس نکتہ کا بھی استفادہ ہوتاہے کہ انسان گناہ کا عادی ہوجانے اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے قساوت قلب اور سخت دلی سے دوچار ہوجاتاہے جبکہ اس کے بالمقابل غم و آلام کی حالت خشوع و نرم دلی لا تی ہے ۔ جیسا کہ خداوندعالم حقیقی مومنوں کے صفات اس طرح بیان فرماتا ہے :

(قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُونَ۔الَّذِ یْنَ ھُمْ فِیْ صَلَا تِہِمْ خَاشِعُوْنَ)(۱)

"بہ تحقیق وہ مومنین رستگار ہوئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں "۔

قلب خاشع وہ قلب ہے جس میندوسروں کے لئے جھکا ؤ پیداہوجائے اور سخت دل وہ دل ہے جو کسی کے لئے نہ جھک سکے اور اس حالت میں انسان کی روح اور اس کے وجود میں پو شیدہ مہر و محبت کے پہلو پر سخت اثر پڑتاہے اور قرآن سورئہ بقرہ میں ارشاد فرما تا ہے :

(...فَھِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَۃً...)(۲)

"...پس اسکے بعد (تمہارے دل)پتھر کے مثل یا اس سے بھی زیادہ سخت (ہوگئے)..."۔

ان آیات سے ایک اور بات واضح ہوجاتی ہے کہ سنگدلی اور قساوت قلب کے شکار افراد کے اندر شیطانی وسوسہ

.....

۱۔سورئہ مومنو ن آیت۱۔۲۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔سورئہ بقرہ آیت ۷٤۔

کا اظہار ہو نے لگتا ہے اور شیطان بھی ان کے اعمال کو خود ان کی نظر میں اور خو بصورت بناکر پیش کردیتا ہے۔
ان تمام نکات کے علاوہ ان آیات میں ہماری بحث سے مر بوط مندرجہ ذیل تین الٰہی سنّتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مشکلات کے ذریعہ ہدایت
الٰہی سنتو نمیں سے ایک ہدایت و رہنمائی بھی ہے ۔خداوندعالم اپنی سب کے لئے عام تکوینی ہدایت کی بنیاد پر تمام مخلوقات کی کمال مطلوب کی طرف راہنمائی کرتا ہے ارشاد ہو تا ہے:
(قٰالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطَیٰ کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَہُ ثُمَّ ھَدَیٰ)(۱)
"کہا:ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکے مناسب حال خلقت عطا فرمائی پھر اسکے بعد اسکی ہدایت فرمائی "۔
اس عام طریقۂ ہدایت کے علاوہ خد ا و ندعالم نے انسان کی ہدا یت، ایک ا و ر مخصوص طریقہ سے فرمائی ہے۔
اس ہدایت کا کچھ حصّہ انسان کے وجود میں قوۃ ادراک کے ذریعہ و دیعت کیاگیا ہے ارشاد ہو تا ہے :
(۔۔وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصٰرَوَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ)(۲)
"۔۔اور تمہارے لئے کان،آنکھیں اور دل قرار دیا شاید تم شکر کرو "۔
اور اس ہدایت کا دوسرا حصّہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کر کے انجام دیا لیکن اس سے پہلے ایک دوسری سنّت یہ رہی ہے کہ خداوندعالم نے لوگوں کے لئے حق کے سا منے تسلیم ہو نے اور انبیاء کی دعوت کو قبول کرنے کی کچھ شرطیں معین فرمادی ہیں ۔جیسا کہ مندرجہ بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی روح کی خا صیت یہ ہے کہ وہ سختی اور مشکلات کی حالت میں تضرع اور خضوع و خشوع کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے اور غرور و تکبّرکو فراموش کردیتی ہے چنانچہ خدا وند عالم کی یہ سنت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کر نے کے بعد قحط ،بیماری اورزلزلہ وغیرہ جیسی مصیبتیں اور معاشرتی بعض مشکلات پیدا کر دیتا ہے تا کہ سو ئے ہو ئے انسان خوا بِ غفلت سے بیدا ر ہو جا ئیں اور اپنی ذلت و ناتو ا نی کا احساس کر کے خدا سے نزدیک ہو جا ئیں ۔
اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہدا یتِ الٰہی کے دو پہلو ہیں :
.....

۱۔سورئہ طٰہٰ آیت ۵۰۔
۲۔سورئہ نحل آیت۷۸۔

ایک شناخت و معر فت کا مر حلہ جس میں انسان کی عقل درونی انبیاء علیہم السلام کا کر دار اور انبیا ئے الٰہی بیرونی ہدا یت و رہنما ئی کا کام انجام دیتے ہیں ۔
دوسرا پہلوجذ با ت و احساسات کا ہے :اس مینبیرونی حالات اس طرح فر اہم کرنا لازم ہے کہ انسان کے دل و جان ہدا یت الٰہی سے متا ثر ہوسکیں اور وہ حق قبو ل کر نے کے لئے آمادہ ہو جا ئیں اور جب بھی یہ دو نوں پہلو ایک دو سرے کے ساتھ ہو جا ئیں راہ را ست کے انتخاب کے لئے منا سب زمین فرا ہم ہو جا ئے گی اور خدا وند عالم نے تمام انسا نو ں کے لئے ان تمام راستو ں کوکھو ل رکھاہے اور جیسا کہ مندر جہ بالا آیات سے ظا ہر ہو تا ہے سختیو ں اور مشکلات کے نزول کی صورت میں جذ بات اور احساسات کے ذریعہ ہدا یت کاراستہ ہموار کر دیا ہے ۔

املاء اور استد راج کی روش
جب انسا نو ں مینحق قبو ل کر نے کے احساسات اور جذ بات بر انگیختہ ہو جا ئیں تو قاعد ے کے تحت انسان کو انبیا ء علیہم السلام کی دعو ت قبو ل کر کے صحیح راستہ منتخب کر لینا چا ہئے لیکن یہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ مذ کو رہ حالات راہ حق میں قدم اٹھا نے کے لئے علتِ تامّہ نہیں ہیں بلکہ باطل کے انتخا ب کا راستہ بھی اسی طرح کھلا ہو ا ہے خا ص طور سے اگر معنوی امراض کی بنا ء پر ہدا یت کا سدّ باب ہو جا ئے۔ ان میں بعض رکا وٹیں د رونی ہو تی ہیں جیسے سنگدلی (سخت دل ہو نا) اور بعض رکا وٹیں ظا ہری ہیں جیسے شیطان دنیا کو سجابنا کر پیش کر تا ہے اور با ہر سے حملے کر تا ہے اور یہ عو امل ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں کہ انسان کے اندر ہدا یت حا صل کر نے کی صلا حیت کو کار گر نہیں ہو نے دیتے ۔
اب اگر پہلے طریقۂ کار کا کو ئی نتیجہ حا صل نہ ہوسکے اور انسان مشکلو ں اور مصیبتوں کے با وجود خضو ع و خشو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ع نہ کر ے بلکہ اس کی سنگد لی اور شیطان کی آراستہ و پیرا ستہ کی ہو ئی چیزیں خدا وند عالم سے نز دیک ہو نے میں رکا وٹ بنی رہیں توخدا دوسری سنت جا ری کرتاہے ۔ یعنی ما دی نعمتو ں میں اضا فہ ہو تا ہے اس کے بعد بھی اگرانسان آسائش و آ رام کی زند گی میں خدا کو بھولا رہے تو اس کی غفلت میں اور اضا فہ ہو جا تا ہے اور وہ پہلے سے اور زیا دہ اپنے خدا سے دور ہو تا چلا جا تا ہے ۔ سنتِ الٰہی کے اس عمل کوبعض آیات میں "املا "اور "استدراج" کے نا م سے بیا ن کیا گیا ہے ۔

قرآ ن میں ارشا د ہو تا ہے :

(وَالَّذِ یْنَ کَذَّ بُوْابِآیَاتِنَاسَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَایَعْلَمُوْ نَ۔وَاُمْلِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن)(۱)

"اور جن لو گو ں نے ہما ری آیات کو جھٹلایا ہم انھیں اس طرح آہستہ آہستہ (جہنم)میں لے جا ئیں گے کہ انھیں خبر بھی نہ ہو گی میں ان کو مہلت دے رہا ہوں کیونکہ بیشک میری تد بیر بہت محکم و استوار ہے "۔

"استدراج "یعنی کسی کو زینہ بہ زینہ، درجہ بدرجہ مر حلہ وارکسی مقام تک لیجانااور "املاء "آزاد چھوڑ دینے کو کہتے ہیں یعنی مہلت اور ڈھیل دیدینا ۔"اَمْلَیْتُ للفرس"یعنی "اَرْخَیْتُ عِنَانَہٗ" "میں نے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑدی ۔"

وہ لوگ جو اتمام حجّت کے بعد بھی انبیاء علیہم السلام کو جھٹلاتے ہیں یا حق کی معرفت کے باوجود اس کی اتباع نہیں کرتے اور حق کوقبول کرنے میں اکڑدکھاتے ہیں اور جو لوگ سخت دلی کی وجہ سے اپنے لئے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کوقبول کرنے میں مدد گار تمام جذ باتی اور احساساتی راستے بند کر دیتے ہیں وہ خدا وند عالم کی نصرت و ہدایت قبول کر نے کے قا بلیت کھو دیتے ہیں ۔ اس لئے کہ خدا کی مدد اسی وقت تک شامل حال رہتی ہے کہ جب تک حق کی تلاش میں جبری اور زبر دستی کا پہلو نہ پیدا ہو جائے اسی طرح کے انسانوں کے لئے خداوند عالم اِملاء اور استدراج کی روش اپنا تا ہے ۔

استدراج کے شکاریوں کی اس طریقہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس کے تحت شکاری پہلے اپنا جال کسی مقام پر پھیلا تے ہیں ، اس کے بعد اپنے شکار اور جال کے درمیان تھوڑے فا صلے سے مختلف مقامات پر اپنے شکار کا من پسند چاراڈال دیتے ہیں ۔ شکا ر ایک مقام کا چا را ختم کرنے کے بعد دوسرے مقام کی طرف بڑھتا ہے اور اس کی حرص بڑھ جاتی ہے، وہ اسی طرح آگے بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخری چا رے کی فکرمینجال کے اندر جا کر پھنس جاتا ہے ۔ الٰہی استدراج یعنی خدا کی دی ہو ئی درجہ بہ درجہ چھوٹ میں گرفتار افراد کا قصّہ بھی کچھ یوں ہی ہے ۔ وہ ہر دن اپنی نعمتوں میں اضافہ دیکھکر بہت خوش ہو تے ہیں اور بسا اوقات تو وہ اپنے کو سب سے خوش قسمت سمجھنے لگتے ہیں اور اس بات سے غافل رہتے ہیں کہ ہر نعمت وہ دانہ ہے جسکو حاصل کرنے میں وہ جال سے چند قدم اورنزدیک کر تا جارہا ہے یہاں تک کہ جب وہ آخری مرحلہ پر پہو نچتے ہیں

(اَخَذْ ناھُم بَغتَۃً وَھُم لَا یَشْعَرُوْنَ)(۲)

" اچا نک الٰہی عذاب کی گرفت میں آجا تے ہیں اور انھیں اس کا شعور بھی نہیں ہو تاکہ وہ نعمتیں اس عذاب کا مقد مہ تھیں "۔

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۱۸۲۔ ۱۸۳۔
۲۔سورئہ اعراف آیت ۹۵ ۔

الٰہی جال اور اخلاقی اقدار کی ہم آہنگی

اس مقام پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا خداوند عالم کا یہ عمل جس سے بعض لوگ فریب کھا جا تے ہیں اور آہستہ آہستہ عذاب اور تاریکی میں ڈوب جا تے ہیں کیا یہ اخلاقی اصولونسے مطا بقت رکھتا ہے ؟ اس سوال کا کلّی جواب تو اس حقیقت پر تو جہ سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ جس گروہ کا ذکر ہے در اصل ایسے ہی بر تاؤ کا سزاوار ہے چو نکہ خداوند عالم نے ان کے لئے ہدایت کے تمام راستے کھول دیئے اور ان پر اپنی حجت تمام کردی پھر بھی انھو ں نے خداوند عالم کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کیا اور اپنی دشمنی اورکٹ حجتی کی بنیاد پر حق سے منھ مو ڑے رہے ظاہر ہے املاء اور استدراج کی سنت ایسے ہی افراد کے لئے ہے اورچو نکہ یہ خود انھیں کے اعمال کا نتیجہ ہے ان کے ساتھ ایسا برتا ؤ نہ صرف یہ کہ نادرست نہیں ہے بلکہ با لکل صحیح اور منا سب روش ہے ۔ مکر وفریب کی تدبیر اخلاقی اعتبار سے و ہانبری اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ناپسندہے جب مقصد باطل کی حمایت اور حق کی مخالفت کرناہو۔حالانکہ الٰہی جال عین حق ہے اور اسی وجہ سے خداوندعالم اپنے مکر وجال کے متعلق ارشاد فرماتاہے:

(اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن)(۱)

"بیشک میر ا جال بہت محکم اور استوار ہے"۔

اور شیطان کے جال کو باطل ہو نے کی وجہ سے ضعیف او رکمزور شمار کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے :

(---اِنَّ کَیْدَالشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفاً)(۲)

"---بیشک شیطان کا مکر(نہایت ہی)کمزور ہے "۔

املاء اور استدراج کی روش قرآن کریم کی دوسری آیات میں بھی بیان کی گئی ہے منجملہ سورئہ مبارکہ رعدمیں اعلان ہو تا ہے :

(وَلَقَدْاِسْتُہْزِیَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِکَ فَاَمْلَیْتُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُواثُمَّ اَخَذْتُہُمْ فَکَیْفَکَانَ عِقَابِ)(۳)

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۱۸۳۔
۲۔سورئہ نساء آیت۷۶۔
۳۔سورئہ رعد آیت۳۲

"تم سے پہلے (بھی)بہت سے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جاچکی ہے پس میں نے کافروں کو مہلت دیدی پھر انھیں (عذاب میں)گر فتار کر دیا۔پس (دیکھا)میرا عذاب کیساتھا؟"۔

اس آیت میں پیغمبر اسلامؐ کے دشمنوں کو یہ پیغام دیا جارہاہے کہ گذشتہ امتوں کے کفّار نے جب اپنے زما نے کے انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑایا اس کے باوجود خداوند عالم نے ان کو مہلت دی کہ وہ جتنا چاہیں کفر میں اترجائیں اور اس کے بعد عذاب الٰہی نے ان کو گھیر لیا۔اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عذاب کوئی مطلوب اور پسند یدہ چیز ہے؟اگر ایسا ہے تو تم بھی انھیں کا راستہ اختیار کرکے انھینکے انجام سے دوچار ہونا پسند کرلو۔اور اگر عذاب پسندیدہ انجام نہینہے تو اپنے کفر سے پلٹ آئو اور اپنے کو خداوند عالم کے عذاب سے نجات دیدو ---

بہر حال اس آیت میں بھی کافروں کو املاء یعنی(مہلت دینے)کی بات کی گئی ہے اوریہ ایسی مہلت ہے جس کا انجام خداوندعالم کے سخت عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے ۔

سورئہ قلم میں بھی املاء اور استدراج کی روش کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے :

(فَذَرْنِیْ ومَنْ یُکَذِّبُ بِہٰذَاالْحَدِیْثِ سَنَسْتَدْرِجُہُمْ مِنْ حَیْثُ لَایَعْلَمُونَ واُمْلِیْ لَہُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن)(۱)

"پس مجھے اس کلام کے جھٹلانے والے کے ساتھ چھوڑدو ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طرح جکڑلیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں اسلئے کہ میری تدبیر(سخت و)استوار ہے "۔

اس آیت کی بنیاد پر خداوندعالم کا مکراورتدبیرتقا ضا کرتا ہے کہ قرآن کو جھٹلانے والوں کے ساتھ استدراج سے کام لے یعنی آہستہ آہستہ ان کی نعمتوں میں اضافہ کیا جائے اور ان کو چھوڑدے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق جتنا چاہیں پیغمبر اکرمؐ اور قرآن کی مخالفت کریں لیکن آخر کار ایک دن یہ مہلت ختم ہوجائیگی اور یہی تدبیر ان کو خداوند عالم کے عقاب و عذاب کے جال میں پھنسا دے گی ۔

دوسری آیات میں خداوندعالم کا ارشاد ہو تا ہے

(وَاِنْ یُکَذِّبُوکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَہُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادوَثَمُوْدُ۔وَقَوْمُ اِبْرَاھِیْمَ وَقَوْمُ لُوطٍ۔وَ

.....

۱۔سورئہ قلم ،آیت ۴۴۔۴۵۔

اَصْحَابُ مَدْیَنَ وَکُذِّبَ مُوسیٰ فَاَمْلَیْتُ لِلْکَافِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُہُمْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ)(۱)

"اور اگر یہ تم کو جھٹلاتے ہیں تو یقینا ان سے پہلے نوح کی قوم اورقوم عاد،ثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور (اسی طرح)اہل مدین (بھی)(اپنے اپنے پیغمبروں کو)جھٹلاچکے ہیں اور موسیٰ بھی جھٹلائے جاچکے ہیں تو میں نے کافروں کو مہلت دی اسکے بعد ان کا (گریبان)پکڑلیا تو تم نے دیکھا میرا عذاب کیسا تھا ؟"۔

یہ آیت پیغمبر اکر مؐ کو گذشتہ قو موں کی جا نب سے ان کے پیغمبروں کی تکذیب کی یاددہانی کراتی ہے اور اس حقیقت کا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انکشاف کرتی ہے کہ وہ سب صرف ایک سنّت الٰہی کے دا ئرے میں آتے تھے یعنی خداوند عالم نے ان کو مہلت دی اور پھر ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا "نکیر "اور "انکار "کے تقریباًایک ہی معنی ہیں اوریہ اس کام کو کہاجاتا ہے جو دوسروں کے برے اور نا پسند فعل کے بالمقابل انجام دیا جاتا ہے ۔(فکیف کان نکیر)یعنی ان کے برے کردار کے مقابلے میں میرا عکس العمل کیسا تھا؟البتہ اس آیت میں "نکیر" سے مراد خداوند عالم کا عذاب ہی ہے ۔

سورئہ مبارکۂ آل عمران مینارشاد ہو تا ہے

(وَلَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوااَنَّمَانُمْلِی لَھُمْ خَیْر لِاَنْفُسِہِمْ اِنَّمَا نُمْلِی لَھُمْ لِیَزْدَادُوْا اِثْماً وَلَھُمْ عَذَاب مُھِیْن)(۲)

"اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے ان کو جو مہلت اور فارغ البالی دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں بہتر ہے ۔ہم نے مہلت اور فارغ البالی صرف اسی وجہ سے دی ہے تاکہ وہ خوب گناہ کرلیں اور ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے " ۔

اس آیت میں آشکارا طور پر یہ بیان کردیا گیا ہے کہ کافروں کو مہلت دینا تدبیر الٰہی ہے جو نہ صرف ان کے لئے فائدہ مند نہیں بلکہ اس دوران وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کو جو فرصت ملتی ہے اس میں وہ قدم بہ قدم ہدایت الٰہی سے دور ہو تے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ رسوا کرنے والے عذاب کے مستحق ہو جائیں ۔

.....

۱۔سورئہ حج آیت۴۲۔ ۴۴۔

۲۔سورئہ آل عمران آیت۱۷۸۔

راہ اور رہنما کی پہچان

سنّت عذاب

الٰہی سنتوں سے متعلق آیات جن کے با رے مینگفتگو چل رہی ہے ان میں تیسری سنّت، سنّتِ عذاب ذکرکی گئی ہے ۔ جب پیغمبروں کے مخالفین خداوند عالم کی تدبیر کے جال میں آ گئے اور اس کی طرف سے ملنے والی تمام مہلتوں سے بے پروا اپنے گناہوں میں اضافہ ہی کرتے چلے گئے تو ان پر عذاب نازل ہو نا ضروری ہو گیاتو سزا کے طور پر خدا کے عذاب کے علاوہ اور کچھ نہ پایا ۔ متعدد آیات میں گذشتہ قوموں کے اوپر عذاب نا زل ہونے کے تذکروں کے ذیل میں اس سنّت الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ متنّبہ کردیا گیا ہے کہ قرآن کے مخالفین بھی اگر گذشتہ لو گو ں کی عاقبت کے بارے میں غورو فکر سے کام نہ لیں گے تو انھیں کے انجام سے دو چار ہو نا پڑے گا لہٰذا اس بد بختی سے محفوظ رہنے کے لئے قرآن مجید میں باربار"سیروا فی الارض"یا "یسیروا فی الارض "کے ذریعہ گزشتہ لوگوں کے انجام سے عبرت حا صل کر نے کاحکم دیا گیا ہے جیسا کہ سورئہ مبارکہ فاطرمیں ارشاد ہوتا ہے :

(وَاَقسَمُوابِاللّٰہِ جَھْدَ اَیمٰنِھِم لَئِنْ جَاءَ ھُم نَذِیْرُ لَیَکُونُنَّ اَھدَیٰ مِنْ اِحدَیٰ الاُ مَمِ فَلَمَّاجَا ئَھُم نَذِیْرمَازَادَھُم اِلَّانُفُوراً)(۱)

" اور یہ لوگ خدا کی بڑی بڑی سخت قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کو ئی ڈرا نیوا لا آئیگا تو وہ ضرور (دوسری) کسی بھی امت سے زیادہ راہ پانے والے ہو ں گے (لیکن) جب ان کے پاس ڈرا نیو الا آیا تو ان کی نفرت میں ترقی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوا " ۔

یہ آیت پیغمبر اکرمؐکی امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس میں یہ بیان کیاگیا ہے کہ وہ لوگ پیغمبر اکرمؐکی بعثت سے پہلے اپنی پوری طاقت وقوّت کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے کہ اگر خداوند عالم کی طرف سے ان کے لئے کوئی رسول مبعوث کیاگیا تو وہ دوسری امتوں سے بہتر طریقہ سے ہدایت الٰہی قبول کریں گے لیکن جب ان کے درمیان رسول اکرمؐ مبعوث ہوئے تووہ حق سے فرار کرگئے۔ بعد والی آیت ان کے فرارکرنے اور جو سرنوشت ان کے انتظارمیں ہے اس سے پردہ اٹھارہی ہے ارشاد ہو تا ہے :

(اِسْتِکْبٰاراًفِی الْاَرْضِ وَمَکْرَالسَّیِّئِ وَلَایَحِیقُ الْمَکْرُالسَّیِّئُ اِلَّابِاَھْلِہِ فَھَلْ یَنْظُرُونَ اِلّاسَنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ فَلَنْ تَجِدَلِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاًوَلَنْ تَجِدَلِسُنَّتِ اللّٰہِتَحْوِیلاً)(۲)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"ان کے اس کام کا (مقصد)روئے زمین پر فقط سرکشی اور شرمناک حر کتیں تھیں اور شرمناک سازش توسازش کرنے والے کی طرف ہی پلٹتی ہے ۔تو کیا یہ لوگ اگلے لوگوں کی روش اور (بری سرنوشت) کے ہی منتظر ہیں؟

.....

۱۔سورئہ فاطر آیت ۴۲۔
۲۔سورئہ فا طر آیت۴۳۔

اور تم خدا کی سنّت میں ہرگز تبدیلی نہ پائو گے "۔
ان کی مخالفت کا سبب ان کا تکبّر، غرور اور فریب کا ریاں تھینایسی سا زشیں جو سا زش رچنے والونکے سوا کسی دوسرے کے دا منگیر نہیں ہوتیں اور ان کا انجام بھی عذاب الٰہی ہی ہے ۔اس آیت کے آخری حصّہ میں بھی سنّت عذاب کی طرف اشارہ کیاگیا ہے۔
یہانیہ بات بیان کردینا مناسب ہوگا کہ لفظ "سنّت "کبھی خداوندعالم کے با رے میں استعمال ہواہے اور کبھی لوگوں کے با رے میں استعمال ہواہے اور جیسا کہ اہل ادب نے اضافت کی بحث میں بیان کیاہے کہ اضافت کے صحیح ہونے کے لئے معمولی اضافت بھی کافی ہے چنا نچہ خداوندعالم کی طرف سنت کی نسبت اس لئے دی جاتی ہے کہ اس نے اس کوجاری کیاہے اور آدمیوں سے اس لئے نسبت دی جاتی ہے کہ سنّت ان کے بارے میں جاری ہوئی ہے اس آیت میں دونوننسبتوں کا استعمال ہواہے "سنَّۃالاولین "اور "سنَّۃ اللہ"البتّہ ان دونوں سے مراد وہی سنّت سزا اور عذاب الٰہی ہے لہٰذا اس آیت کے بعد خداوندعالم فرماتاہے :
(اَوَلَمْ یَسِیْرُوْافِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْاکَیْفَ کَانَ عٰاقِبَۃُ الَّذینَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَکَانُوْااَشَدَّمِنْھُمْ قُوَّۃً وَمَاکَانَ اللہُ لِیُعْجِزَہُ مِنْ شَیْئٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَافِی الْاَرْضَ اِنَّہُ کَانَ عَلِیْماً قَدِیْراً)(۱)
"تو کیا ان لوگوں نے روئے زمین پر سیر نہیں کی کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے اور ان سے زور و قوت میں بھی کہیں بڑھ چڑھ کے تھے دیکھیں ان کا کیا انجام ہوا؟اور آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز خدا کو عاجز نہیں کرسکتی کیونکہ بیشک وہ بڑا باخبر (اور)بڑی قدرت والاہے "۔

خدا کی سنّتوں کا ایک دوسرے میں مؤثر ہونا
مندرجہ بالاآیات اور اس کے مشابہ دوسری آیات دیکھنے کے بعد ممکن ہے ذہن میں یہ سؤال پیدا ہو :ان آیات کے مخاطبین کی کثیر تعداد گذشتہ قوموں کی راہ پر گامزن رہی اور وہ اسی طرح انبیاء کی مخالفت بھی کرتی رہی پھر ان پر خدا کا عذاب کیوں نہیں نا زل ہو ا ؟ کیا یہ بات سنّتِ الٰہی کے تبدیل ہونے کی نشا ندہی نہیں کر تی ؟ اس سوال کا جواب بعد والی آیت سے وا ضح ہو جاتا ہے ۔
خدا وند عالم ارشاد فر ماتا ہے :
(وَلَوْیُوَاخِذُ اللہُ النَّاسَ بِمَاکَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَامِنْ دَآبَّۃٍ وَلٰکِنْ یُؤَخِّرُھُمْ اِلٰی اَجَلٍ

.....

۱۔سورئہ فاطرآیت ۴۴۔

مُسَمّٰی فَاِذَاجَائَ اَجَلُھُمْ فَاِنَّ اللہَ کَانَ بِعِبَادِہِ بَصِیْراً)(۱)
"اور اگر خدا لو گو ں کے کر تو توں کی گرفت کر تا اور سزا دیتا رہتاتو روئے زمین پر کوئی چلنے پھر نے والا باقی نہ چھو ڑتا لیکن وہ تو لو گو ں کو ایک معین مدت تک مہلت دیتا ہے اور جب ان کا وقت آ جا ئے گا تو خدا اپنے بند وں کے افعال کو دیکھ رہا ہے ۔
اس آیت اور اس کے مانند قر آن میں موجود دوسری آیا ت پر غور و فکر کر نے سے خدا وند عالم کی سنتو ں کے بارے میں ایک بنیادی قا عدے تک رسا ئی ہو سکتی ہے اور اس اصل کی بنیاد پر اگرچہ کا فروناور گنہگا روں پر عذاب ہوناخدا وند عالم کی ایک نا قابل تغییر، ثا بت و استوار سنت ہے لیکن اس کا عملی جا مہ پہناناکچھ اور معینہ اصولوں سے وا بستہ ہے جو خدا وند عالم کی دو سری سنتو ں کے ذریعہ وقو ع پذیر ہو تے ہیں ۔ در حقیقت خدا وند عالم کی سنتو نمیں (عام معنی کے لحا ظ سے نہ کہ اُس خاص معنی میں جو قرآن میں صرف سنتِ عذاب سے مخصو ص ہے) کچھ ایسے رابطے حکمرانہیں جو ان کے عمل میں آنے کا طریقہ معین کر تے ہیں مثا ل کے طور پر ممکن ہے ایک سنت (اقتضا ئی) پہلو

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رکھتی ہو اور اس کا ظہور ایک وجو دی یا عدمی شرط کے ساتھ اس طرح مشروط ہو کہ خود اس شرط کا محقق ہو نا کسی اور سنت کے جا ری ہو نے پر مو قوف ہو، ظا ہری طور پر کا فر وں پرعذاب کی سنت بھی اسی قسم سے ہے اس لئے کہ عذاب کا عملی ہونااان کی موت آ جا نے کی شرط پر مو قو ف ہے جبکہ خود ان کی موت کا وقت معین کر نا خو د دوسری سنتو ں اورمخصو ص مصلحتوں اور بد عنوا نیو ں سے وابستہ ہے ان ہی سنتو ں میں سے ایک سنت کی بنیا د پر، اہل زمین تنا سل اور تو لید مثل کے ذریعہ دوسرے انسانو ں کو پیدا کر تے ہیں اور اسی طریقہ سے بہت سے مو منین کفر کی آغوش میں آنکھ کھو لتے ہیں

اور اپنے والدین کے بر خلاف حق کا راستہ منتخب کر لیتے ہیں ۔ اب اگر خدا وند عالم صرف تمام کافروں کو ان کا کفر ظا ہر ہو نے کے ساتھ ہی ہلا ک کر دے تو اُن کے اُن مو من فر زند وں کے پیدا ہو نے کا وسیلہ قطع ہو جا ئیگا جو ان کی نسل میں ہیں چو نکہ عام طور سے انسانو ں کے پیدا ہو نے کی سنت تنا سل کے ذریعہ ہی چل رہی ہے ۔ اس بنا پر بسا اوقات مومن فر زندو ں کی پیدائش اور نیک و صالح افراد کے بعد کی نسلو نمیں ظاہر ہو نے کی مصلحت ان کے کا فر اور گنہگا ر باپ داداکی ہلا کت میں رکا وٹ بن جاتاہے ۔ اسی وجہ سے حضرت نو ح علیہ السلام نے خدا وند عالم سے اپنی قوم کے کا فرو ں پر عذاب کی در خوا ست اس وقت کی ہے جب ان کو یہ اطمینا ن ہو گیا کہ ان کی نسل میں کو ئی مو من نہیں ہو گا :

(اِ نَّکَ اِنْ تَذَرْھُمْ یُضِلُّوْاعِبَا دَ کَ وَلَا یَلِدُوْااِلَّا فَاجِراً کَفَّاراً)(۱)

.....

۱۔سورئہ فا طر آیت۴۵۔
۲۔سورئہ نوح آیت ۲۷۔

" کیو نکہ اگر تو ان کو چھو ڑ دے گا تو یہ تیرے بند و ں کو گمرا ہ کر یں گے اور نا شکرے کا فر وں کے علاوہ ان سے کو ئی پیدا نہیں ہو گا " ۔

یقیناً کچھ دو سری سنتیں بھی ہوں گی جو عذاب نا زل ہو نے میں مو ثر ہیں لیکن ہم ان کو نہیں جانتے اوریہ تما م سنتیں ، بھلا ئیاں اور برا ئیا ں مل کر عذاب کے نا زل ہو نے کا وقت معین کرتی ہیں ۔

اس بات پر بھی تو جہ ضر وری ہے کہ الٰہی سزا ؤں کی مختلف قسمیں ہیں جیسا کہ دنیا وی عذاب دو طرح کے ہیں :

ایک تو جڑ کا ٹ دینے والا عذاب عذابِ استیصال ہے جس کے ذریعہ لوگوں کی ایک جماعت ہلاک اور نیست و نا بود کر دی جاتی ہے ۔

دوسرے وہ مشکلات و مصائب ہیں جو عذاب میں مبتلاء افراد کی مو ت کا سبب نہیں ہو تے ۔ اس طرح کے عذاب کا سلسلہ ہمیشہ جا ری رہتا ہے ،کبھی کبھی معا شرہ کے تمام افراد یاکسی خا ص طبقہ کے لو گو نیا کسی خا ص شخص پر بھی نا زل ہوجاتا ہے ۔اس قسم کے عذاب لوگوں کے گنا ہو ں کی سزا کا صرف ایک حصہ ہیں جیسا کہ آپ نے آخری آیت مینملاحظہ کیاکہ اگر خداوندعالم انسا نو ں کو ان کے تمام برے اعما ل کی سزا اسی دنیا میں دید یتا تو کو ئی بھی انسان زندہ نہ بچتا:

(مَاتَرَکَ عَلَیْھَا مِنْ دَابَّۃٍ)(۱)

"تو رو ئے زمین پر کوئی ایک جا ندا ر کو با قی نہ چھو ڑ تا " ۔

چنانچہ سنت الٰہی یہ ہے کہ آدمیو ں کے صرف کچھ گنا ہو ں کی سزا اس دنیا میں دید ی جا ئے او ر باقی سزا کو جہانِ آخرت (قیا مت) کے لئے چھو ڑ دی جا ئے اور اللہ کی یہ سنت بھی ایک ایسی سنت ہے جو سنت عذاب کو محدود اور اس کے وقت کو معین و مشخص کر تی ہے ۔ اس بنا پر الٰہی سنتو ں کی آخری حد یہ ہے کہ صرف کچھ لو گ وہ بھی مشخص و معین زما نوں میں عذابِ استیصال میں مبتلا کئے جا ئیں تا کہ اس طریقہ سے دوسرے لو گ عبرت حا صل کریں ۔ سورئہ نحل کی ایک آیت میں بھی اس حقیقت کی طرف اشا رہ ہے :

(وَلَوْیُوَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَاتَرَکَ عَلَیْھَامِنْ دَابَّۃٍ وَلٰکِنْ یُؤَخِّرُھُمْ اِلَیٰ اَجَلٍ مُسَمّیً فَاِذَاجَاءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَۃً وَلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ)(۲)

.....

۱۔سورئہ نحل آیت ۶۱۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔سورئہ نحل آیت ٦١۔

"اور اگر خدا وند عالم(سزا کے ذریعہ) لو گو ں کے ستم کا موا خذہ کر تارہتا تو روئے زمین پر کوئی ایک جا ندا ر باقی نہ چھو ڑتالیکن وہ ان کے (کیفر) کو ایک معین وقت کے لئے ٹالے رکھتا ہے اور جب ان کی اجل (موت) آپہنچتی ہے تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹاسکتے ہیں اور نہ آ گے بڑھا سکتے ہیں "۔
بعض آیات ایک دوسرے نکتہ پر زور دیا گیا ہے وہ یہ کہ انسان کا برا کر دارہی اس کو دنیا میں عذاب اور مصیبتوں میں مبتلا کر تا ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے کہ یہ عذاب اس کے تما م برے اعمال کا نتیجہ ہو بلکہ یہ صرف وہ عذاب ہے جو اُس کے بعض اعمال کے بدلہ میں مقرر کیا جاتا ہے اور اس کا مقصدبد کارو نکی تنبیہ کے علا وہ اور کچھ نہینہے ۔ نمو نہ کے طو رپر سورئہ مبا رکۂ شوریٰ میناس حقیقت کی طرف اشا رہ موجودہے ارشاد ہو تا ہے :
(وَمَاأَصَٰبَكُمْ مِن مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَت اَيْدِيْكُم وَيَعفُوْاعَن كَثِيْرٍ)(١)
" ا ور جو مصیبت تم پر پڑی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی بلائی ہو ئی ہے اور (خداتو) بہت کچھ در گزر کردیتا ہے "۔
بہت سے عذاب کے مستحق گنا ہو ں سے خدا وند عالم کا چشم پوشی کرنا سورئہ نحل کی اسی آیت کا مصداق ہے جس میں اعلان ہواہے : اگر خداوند عالم انسانوں کو ان کے تمام برے اعمال کی سزا دینا چاہے تو روئے زمین پر کوئی جاندارمنجملہ کو ئی بھی آدمی باقی نہ رہتا ۔ بنا بریں اس آیت سے دو نکتوں کا استفادہ ہو تا ہے :
١۔ انسان پر آنے والی ہر مصیبت اور عذاب خود اسی کے برے اعمال اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔
٢۔اگر چہ انسانوں کے تمام ناپسند اور برے اعمال پر ایک مخصوص سزا اور عذاب ہو نا چا ہئے لیکن خداوند عالم (اپنی حکمت با لغہ کی بنیاد پر) ان کے بہت سے اعمال کو بخش دیتا ہے اور ان کے مر تکب افراد کو اس دنیا میں عذاب دینے سے چشم پوشی کرتا ہے ۔
اس نکتہ کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ کبھی کبھی گنا ہگاروں کے بُرے اعمال کا اثر اتنا زیادہ وسیع ہو تا ہے کہ اس کی لپیٹ میں صرف ان اعمال کے مر تکب ہی نہیں بلکہ دو سرے بھی آجا تے ہیں ۔ اس حقیقت کومندرجہ ذیل آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے:
(ظَهَرَالفَسَادُ فِى البَرِّوَالبَحْرِ بِمَاكَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِ يْقَهُم بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُواَلَعَلَّهُم يَرْجِعُوْنَ)(٢)
.....

١۔سورئہ شوریٰ آیت ٣٠۔
٢۔سورئہ روم آیت ٤١ ۔

" خود لو گوں کے اپنے ہا تھوں کر توت کی بدولت خشک و تر میں برائی اور تباہی پھیلی ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کرچکے ہیں ان میں سے بعض کا مزہ (خدا)انھینچکھا دے کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں " ۔
اور اسکے بعدکی آیت میں خداوند عالم نے انسان کو زمین کی سیر کرنے اور گذشتہ لو گو ں کے انجام کے بارے میں غور و فکر کر نے کی دعوت دی ہے :
(قُلْ سِيْرُوافِى الأَرْضِ فَانْظُرُوْاكَيفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِن قَبلُ كَان اَ كثَرُهُمْ مُشْرِكِيْنَ)(١)
" کہدیجئے کہ ذرا رو ئے زمین پر چل پھر کر د یکھو تو کہ وہ لوگ کہ جن میں اکثریت مشرکین کی تھی اور اس کے قبل گذر چکے ہیں ان کا انجام کیا ہو ا ۔
جیسا کہ آپ ملا حظہ فر ما رہے ہینکہ آیت میں جن لوگوں پر عذاب کیا گیا ان کے مشرک ہو نے کی طرف اشارہ ہے ۔ ا لبتّہ عبارت (کان اکثرھم مشرکین) میں دواحتمال پائے جاتے ہیں :
پہلا احتمال یہ ہے : گذشتہ قوموں کی اکثریت جو مشرک تھی عذاب الٰہی میں مبتلاہوئی ۔اس بنیاد پرآیت کا مطلب یہ ہو گا کہ جن افراد پر عذاب ہوا وہ سب مشرک تھے اور یہ بھی کہ تمام مشرکوں پر عذاب ہوا ہے ۔
دوسرا احتمال یہ ہے :جن افراد پر عذاب ہوا ان میں سے اکثر مشرک تھے ۔اس صورت میں مطلب ہو گا کہ جن لوگوں پر عذاب ہوا ان میں سے بعض موحّد بھی تھے البتّہ اہل عذاب مشرکوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم تھی اور عذاب کے درمیان وہ اقلیت مینتھے اب اگر ہم اس احتمال کو قبول کرلیں تویہ سوال ذہن میں آتاہے کہ خدائے واحد کو ماننے والے افراداقلیت میں سہی کس بناء پر خداوندعالم کے عذاب کے مستحق قرارپائے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس سوال کے جواب مینیہ کہاجاسکتاہے کہ موحّدونکایہ گروہ فسق وفجور کا مر تکب ہو نے کی وجہ سے خداوندعالم کے عذاب کا مستحق قرارپایا ہوگاجیسا کہ قرآن میں اصحاب "سبت"کی داستان سے اس دعوے کی تا ئید ہو تی ہے، یہ جماعت مشرک نہیں تھی یہاں تک کہ وہ ظاہری طور پر خداوندعالم کے احکام کی پیروی کا ادعا بھی کرتی تھی یہی وجہ ہے جب سنیچر کے دن مچھلی کا شکار ممنوع ہوا تو انھوں نے شکار سے ہاتھ کھینچ لیا لیکن اس کے ساتھ چال یہ چلی کہ حوض کے مانند گڑھے کھو د دئے جن میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں اور پھر ان کا اتوار کے دن شکار کر لیا کرتے تھے یہ گروہ شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ احکام الٰہی سے کھلواڑکی وجہ سے مستحق عذاب ہوا اور قرآن کی گواہی کے اعتبار سے یہ لوگ بندر بنا دئیے گئے ۔

.....

۱۔سورئہ روم آیت ۴۲۔

(فَلَمَّاعَتَوْاعَنْ مَّانُهُوْاعَنْهُ قُلْنَالَهُمْ كُونُواقِرَدَةً خَاسِئِينَ)(۱)
"پھر جس بات سے انھیں منع کیا گیا تھا جب ان لوگوں نے اس میں سرکشی کی تو ہم نے حکم دیا کہ تم ذلیل اور راندے ہوئے بندر بن جاؤ"۔
بہر حال اگر ہم دوسرے احتمال کو تسلیم کرلیں توبھی آیت کے معنی یہ ہونگے کہ گذشتہ لوگونپر جو عذاب کیا گیا ان میں سے اکثر کے مشرک ہونے کی وجہ سے کیا گیا اگر چہ ان کے درمیان کچھ فاسق موحّد افرادبھی موجود تھے۔
بہر حال آخری آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کفر ،ظلم اورانبیاء علیہم السلام کو جھٹلانا و غیرہ آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیاوی عذاب کا باعث بھی ہیں جو کبھی انسانوں کی پو ری ایک جماعت کی تباہی اورہلاکت کا سبب بنے ہینلیکن یہ عذاب خداوندعالم کی دوسری سنّتوں کے زیر اثرہیں اور بعض اوقات مصلحتوں یا بد عنوانیوں کی وجہ سے کافروں اور گنہگاروں کی ہلاکت میں تاخیر کر دی جاتی یا کبھی کبھی بالکل ہی ٹال دی جا تی تھی اور ان کے عذاب کو آخرت کیلئے چھوڑدیا جاتاتھا۔جیسا کہ ہم اشارہ کرچکے ہیں انسانوں کی موت کا وقت جو خود بھی علم الٰہی کے خاص قوانین وضوابط کی اساس و بنیاد پر معین ہوتاہے ایک اصول ہے جو عذاب استیصال کے نازل ہونے کے وقت کو معین و محدود کردیتاہے ۔اس حقیقت کو قرآن کریم کی بعض آیات میں صاف طورپر بیان کیا گیاہے:
(لَوْلَاكِتَاب مِنَ اللهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَااَخَذْتُمْ عَذَابعَظِيْم)(۲)
"تم نے جو کہا ہے اگر خداکی طرف سے پہلے لکھانہ جاچکاہوتاتو یقیناتم پربڑا عذاب نا زل ہوتا"۔
اس آیت سے یہ پتہ چلتاہے کہ اگر اس گروہ کی موت کا وقت پہلے سے لکھا نہ ہوتا تو یقینا ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان پر بہت بڑا عذاب نازل ہوگیاہوتا۔متعددآیات میں (لَوْلَاكَلِمَة سَبَقَتْ مِنْ رَبِّکَ)کا جملہ استعمال ہواہے۔یہ آیات اس چیز کی عکاسی کرتی ہیں کہ اگر چہ آدمیوں کے بعض گروہ سخت عذاب و ہلاکت کے مستحق کیوں نہ ہونچو نکہ ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیاہے اور خداوندعالم کی جا نب سے ان کی موت مینتا خیر کا فیصلہ ہو چکاہے لہٰذا ان پر عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتااور وہ اپنی موت کے معینہ وقت تک زمین پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ لہٰذالوگوں کی موت کے وقت کا معیّن و مشخّص ہونا بھی خداوندعالم کی ایک ایسی سنّت ہے جو سنّت عذاب پر حاکم ہے اور اس کو معیّن و مشخّص کرتی ہے ۔

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت۱۶۶۔
۲۔سورئہ انفال آیت۶۸۔

معلوم ہوا یہ کہ خداوندعالم اپنی بعض مصلحتوں کی وجہ سے جس کا علم صرف اسی کو ہے، اپنے عذاب اور سزا کو اسکے مستحق افراد سے کچھ مدّت کیلئے اٹھالیتا ہے البتہ قرآن کریم کی ہی آیات سے جیسا کہ پتہ چلتا ہے کہ خداوندعالم کا یہ منصرف ہونے کا عمل مستحقین عذاب سے مخصوص ہے ،اور خداوندعالم کی نعمتونمیں جاری نہینہو تا۔ یعنی اگرچہ خداوندعالم اپنا عذاب ایک مدت کے لئے مستحقین سے دور کردیتا ہے لیکن کبھی اپنی نعمتوں کو نعمتوں کے مستحق بندوں کو عطا کرنے میں دریغ نہیں کرتا ۔
قر آن کریم کی بعض آیات میں صا ف طور پرموجودہے کہ خدا وند عالم جب اپنے بند و ں کو نعمت عطا کردیتاہے تو پھر واپس نہیں لیتا مگر خود بند وں کے اندرکو ئی ایسی تبد یلی آجا ئے کہ وہ اپنی پہلی لیا قت سے ہاتھ دھو بیٹھیں:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(ذٰلِکَ بِاَنَّ اللهَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِم)(۱)
"یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ جب خدا کسی قوم کو کو ئی نعمت دیتا ہے تو جب تک وہ لوگ خود اپنی قلبی حا لت (نہ) بد لیں خدا بھی اسے نہیں بدلتا "۔
اور سورئہ رعدمیں مطلق طور پر تغیر و تبدل نہ ہو نے کی بات کی گئی ہے :
(اِنَّ اللهَ لَا یُغَیِّرُمَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَابِاَنْفُسِهِمْ ---)(۲)
"در حقیقت خدا وند عالم کسی قوم کی حا لت نہیں بد لتا جبتک وہ لوگ خود اپنی حا لت نہ بد لے "۔
البتہ مفسرین کے ایک گروہ نے آیت کے مطلق ہونے کی بنیاد پر کہاہے کہ یہ آیت نعمت اور عذاب دونوں کو شامل ہے اب اگر یہ خیال درست مان لیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ خداوندعالم کسی گروہ کی طرف نا زل ہونے والے عذاب کو بھی نہیں بدلتامگر یہ کہ وہ گروہ خود مستحق عذاب نہ رہ جا ئے ۔یہ مفہوم اگرچہ آیت کے مطلق ہونے سے سازگار ہے لیکن آیات کے سلسلۂ کلام سے مناسبت نہیں رکھتاکیو نکہ ا ن آیات کے سلسلۂ گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تغیر و تبدّل کا مسئلہ نعمت سے مخصوص ہے یعنی خداوندعالم نعمتوں میں تغیّر و تبدّل نہیں کرتا مگر یہ کہ خود مستحقین نعمت اپنے استحقاق سے ہاتھ دھو بیٹھیں ۔نہ یہ کہ اگر کسی قوم پر کو ئی عذاب ہو نے والا ہو تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ قوم خود اپنے کو بدل ڈالے اور اس نظریہ کی تائید سورئہ مبارکۂ اعراف کی اس آیت سے ہوتی ہے:
(ثُمَّ بَدَّلْنَامَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ---)(۳)

.....

۱۔سورئہ انفال آیت۵۳۔
۲۔سورئہ رعدآیت۱۱۔
۳۔سورئہ اعراف آیت۹۵۔

"پھر ہم نے برائی (مصیبت)کی جگہ،نیکی (اور نعمت) دیدی---"۔
اس بناء پرلگتا ہے کہ سورئہ رعد کی گیارہویں آیت اور سورئہ انفال کی ترپنویں آیت دونوں کا مفہوم ایک ہی ہولہٰذایہ امکان پایاجاتاہے کہ خدا وند عالم مستحقین عذ اب سے کسی مصلحت منجملہ املااور استدراج کی وجہ سے بعض عذاب کودور کردے لیکن یہ عمل نعمتوں میں جاری نہیں ہوتا ۔
قرآن کریم کی آیات سے ایک دوسرے اہم مسئلہ کا پتہ چلتاہے کہ مصیبت اور سختی ہمیشہ عذاب اور الٰہی سزا نہیں ہوتی ۔اگر سختی اور مصیبت آدمی کے برے اعمال کا نتیجہ ہوتو یہ خداوندعالم کا عذاب ہوگی لیکن کبھی کبھی بعض سختیاں خود ایک قسم کی رحمت اور نعمت ہوتی ہیں جیسا کہ آپ نے پہلے کی آیات میں مشاہدہ کیا ہوگاکہ خداوندعالم انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کے بعد سختیوں اوربلائو نکو نازل کرتاتھاجن کا مقصد انسانوں کو خداوندعالم کی طرف متو جہ کر نا اور ان میں خضوع و خشوع کی حالت پیدا کرنا تھا :(لَعَلَّهُمْ یضَرَّعُون)اور ظاہر ہے کہ یہ سختی اور مصیبت عین نعمت ہے۔ پس ایسا نہیں ہے کہ ہمیشہ سختیاں گذشتہ اعمال کا نتیجہ اور سنّت عذاب کے تحت ہو بلکہ کبھی کبھی زیادہ عمومیت کی حا مل سنت یعنی آزما ئش اور امتحان کی سنت کے تحت ہو تی ہے۔ہم قرآن کی رو سے جانتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان کے پیدا کئے جانے کا مقصد اسکا امتحان لیناہے ۔
(---لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً---)(۱)
"---تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں عمل (کے اعتبار سے)مینزیادہ اچھاکون ہے---"۔
اور آزمایش و امتحان کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہے جوکبھی شر ہو تاہے اور کبھی خیر ہوتا ہے:
سورئہ انبیاء میں ارشاد ہو تا ہے :
(---وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِفِتْنَةً---)(۲)
"---اور ہم تمہارا برائی اور نیکی کے ذریعہ امتحان لیتے ہیں ---"۔
معلوم ہوا کہ کبھی کبھی سختیاں اورپر یشانیاں انسانوں کی آزمائش کا ذریعہ ہوتی ہیں اس کے اعمال کی سزا نہیں ہوتیں ۔
اب تک ہم نے الٰہی عذاب کے بارے میں اس عنوان سے گفتگوکی ہے کہ خداوندعالم کی یہ بھی ایک سنّت

.....

۱۔سورئہ ہود آیت۷۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲۔سورئہ انبیاء آیت۳۵۔

ہے جو انبیاء علیہم السلام کے مخالفوں کے با رے میں جاری رہی ہے لیکن قرآن کریم میں اس بحث کی وسعت اور اہمیت کے پیش نظر بہتر ہے کہ اس بارے میں قرآن کریم کے مختلف سوروں مینذکر شدہ متعدد آیات پر بھی ایک سرسری نظر ڈال دی جا ئے ۔
قرآن کریم کی بعض آیات میں گذشتہ قوموں پر ہونے والے عذاب کا کلی طور پر ذکر ہواہے کسی خاص قوم یا اقوام کا ذکر نہیں ہے۔نمونہ کے طور پر سورئہ انعام میں ارشاد ہو تا ہے
(اَلَمْ یَرَوْاکَمْ اَھْلَکْنَامِنْ قَبْلِھِمْ مِنْ قَرنٍ مَکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَکِّنْ لَکُمْ وَاَرْسَلْنَاالسَّمَائَ عَلَیْہِمْ مِدْرَاراًوَجَعَلْنَاالْاَنْہٰرَتَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہِمْ فَاَھْلَکْنٰھُم بِذُنُوبِہِمْ وَاَنْشَاْنَامِنْ بَعْدِھِمْ قَرْناً ئَ اخَرِیْنَ)(۱)
"کیا انھوننے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کرڈلا؟(وہ امتیں جن کو)ہم نے روئے زمین پروہ و سا ئل عطاکئے تھے جو تم کو نہیں عطا کئے اور آسمان سے ان پر لگاتار بارش کے ذریعہ ان کے(شہرونکے)نیچے بہتی ہوئی نہریں بنادیں (اور)پھر ان کے گناہونکی وجہ سے ان کومارڈالااوران کے بعدایک دوسرے گروہ کوپیداکردیا"۔
جیسا کہ آپ نے ملا حظہ فر مایا آیت میں کچھ گذشتہ امتوں پرخدا وند عالم کے عذاب نا زل کرنے کا بیان ہے مگرقو موں کے نام نہیں بیان کئے گئے ہیں اسی آیت کی ما نند دو سری آیتیں بھی ہیں جو اسی مطلب کو بیان کر تی ہیں ان میں سے کچھ آیات یہ ہیں :سورۂ انعام آیت۱۰۔۱۱،سورئہ انبیاء آیت۴۱،سورئہ ہودآیت۴۰،سورئہ عنکبوت آیت۵۲۔۵۳،سورئہ انفال آیت۵۲۔۵۳،رعد آیت ۳۲، حجر آیت ۱۰۔۱۳ ،روم آیت۴۷،۴۲،۹، فاطر ۲۵۔۲۶، مؤمن آیت۲۱۔۲۲، فصلت آیت ۸۲۔۸۵، زخرف آیت۷۔۸، حج آیت ۴۵۔۴۶،مریم آیت ۹۸، محمد آیت ۱۰ و ۱۳، ق آیت ۳۶۔۳۷ ۔
آیات کاایک سلسلہ اور ہے جس میں مخصوص قوموں پر عذاب کا تذکرہ کیاگیاہے ہم ہر قوم سے متعلق صرف ایک آیت بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہوئے بقیہ آیات کا حوالہ قارئین کرام کے لئے ذکر کر رہے ہیں ۔

الف)حضرت نوح علیہ السلا م کی قوم
سورئہ اعرا ف میں ارشاد ہو تا ہے :
.....

۱۔سورئہ انعام آیت۶۔

(فَکَذَّبُوْہُ فَاَنْجَیْنٰہُ وَالَّذِیْنَ مَعَہُ فِی الْفُلْکِ وَاَغْرَقْنَاالَّذِینَ کَذَّبُوْابِاٰیٰتِنَااِنَّھُمْ کَانُوْاقَوْماًعَمِیْنَ)(۱)
"پس انھوں نے ان (نوح)کو جھٹلا یا تو ہم نے ان کو اور جولوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایاان سب کو غرق کردیا کیونکہ یہ سب کے سب (دل کے) اندھے لوگ تھے"۔
قوم نوح علیہ السلام پر عذاب اور ان کی ہلاکت سے متعلق بقیہ آیات یہ ہینسورۂ یونس ۷۳،ہود۳۹ ۔۴۰، انبیاء ۷۷،مو منون ۲۷ ،فر قان ۳۷ ، شعرا ء ۱۲۰ ، عنکبوت ۱۴ ، صا فات ۸۲ ، ذاریات ۴۶ ، قمر ۱۱۔۱۵ ، اور سورئہ نوح ۲۵۔

ب) ہود علیہ السلام کی قوم(عاد)
سورئہ اعراف میں ارشاد ہو تا ہے:
(فَاَنْجَیْنٰہُ وَالَّذِیْنَ مَعَہُ بِرَحْمَۃٍ مِنَّاوَقَطَعْنَادَابِرَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْابِاٰیٰتِنَاوَمَاکَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ)(۲)
"پس ہم نے ان (ہود)کو اورجو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے نجات دے دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایاتھااور ایمان نہیں لائے تھے ہم نے ان کی جڑہی کاٹ دی"۔
قوم عاد پر عذاب سے متعلق اور بھی آیات اس طرح ہیں : سورۂ ہو د ۵۹۔۶۰، مو منون ۴۱ ، شعرا ء ۱۳۹ ، فصلت ۱۶ ، احقاف ۲۱۔۲۵ ،ذاریات ۴۱۔۴۲ ، قمر ۱۹ ۔۲۰ ۔اور سورئہ حا قّہ ۷ ۔

ج) صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود)
سورئہ اعراف میں ارشاد ہو تا ہے :
(فَاَخَذَ تْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْافِی دَارِھِمْ جٰثِمِینَ)(۳)
"تب ان (قوم صالح)کو زلزلہ نے اپنی گرفت میں لے لیا کہ وہ اپنے گھرہی میں سربہ زانو بیٹھے رہ گئے "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

مندرجہ ذیل آیات میں بھی قوم ثمود پر عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :
سورئہ ہود ٦٨، شعراء ١٥٨ ، نحل ٥١۔٥٢ ، فصلت ١٧ ، ذاریات ٤٤ ، قمر ٣١ ، حاقہ ٥ ، اور سورئہ شمس ١٣ ۔ ١٥ ۔
....

١سورئہ اعراف آیت٦٤۔
٢سورئہ اعراف آیت٧٢۔
٣سورئہ اعراف آیت٧٨۔

د) لوط علیہ السلام کی قوم
سورئہ اعراف میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَأَمْطَرْنَاعَلَیْہِمْ مَطَراًفَانْظُرْکَیْفَ کَانَ عٰقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ)(١)
"اور ہم نے ان (قوم لوط)کے سرپر(اولونکا)مینھ برسایا پس ذرا غور توکرو کہ گنہگاروں کا انجام آخر کار کیا ہوا"۔
قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کے متعلق مندرجہ ذیل آیات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے :سورئہ ہو د ٨٢، حجر ٧٣ ۔٧٤ ، نحل ٥٨ ، شعراء ١٧٣۔ ١٧٤ ،عنکبوت ٣٤۔٣٥ ،صافات ١٣٦ ،ذاریات ٣٢۔٢٧ اور سورئہ قمر ٣٤۔٣٩ ۔

ہ)حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر عذاب اور ان کی ہلاکت کے بارے میں صاف طور پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ۔ صرف سورئہ انبیاء میں اس سے متعلق یہ عبارت پا ئی جاتی ہے :
(وَاَرَادُوْابِہِ کَیْداًفَجَعَلْنٰہُمُ الْاَخْسَرِیْنَ)(٢)
"اور ان لوگوننے ابراہیم کے ساتھ چالبازی کرنا چاہی تھی تو ہم نے ان کوسب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والوں میں قرار دے دیا "۔
یہ آیت اگر چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالفوں پر عذاب کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن ان پر عذاب کی کیفیت بیان نہیں ہوئی ہے۔

و:حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم
خدا وند عالم سورئہ ہودمیں ارشاد فرما تا ہے:
(وَلَمَّاجَائَ اَمْرُنَانَجَّیْنَا شُعَیْباًوَالَّذِ یْنَ آمَنُوْامَعَہُ بِرَحْمَۃٍ مِنَّاوَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْاالصَّیْحَۃُ فَاَصْبَحُوا فِی دِیَارِھِمْ جَٰثِمِیْنَ)(٣)
....

١سورئہ اعراف آیت٨٤۔
٢سورئہ انبیاء آیت٧٠۔
٣سورئہ ہود آیت٩٤۔

"اور جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی مہربانی سے بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک چنگھاڑنے ہلاک کر دیاپھرتو وہ سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے "۔
حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافروں کی ہلاکت کے بارے میں دوسری کچھ آیات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے :سورئہ اعراف ٩١،شعرائ١٨٩۔١٩٠،عنکبوت ٣٧۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ز)حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی قوم (آل فرعون)
حضرت مو سیٰ علیہ السلام کی قوم(فر عو نیوں) کے بارے میں دو قسم کے عذاب کا ذکر ملتا ہے ۔ایک تووہی عذاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے بعد ان پر تنبیہہ کے طور پر نازل ہو ا تھاکہ شاید وہ خواب غفلت سے بیدار ہوکر خدا کو یاد کرنے لگیں ۔یہ عذاب مختلف صورتوں میں جیسے قحط ،خشک سالی اورطوفا ن وغیرہ کی شکل میں نازل ہوا اور بعض آیات میناس کی طرف اشارہ کیاگیاہے :
(وَلَقَدْاَخَذْنَائَ الَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِنَ الَّثَمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ)(۱)
"در حقیقت ہم نے فرعون کے لوگوں کو برسونکے قحط اور پھلوں کی پیداوارمیں کمی (کے عذاب)میں گرفتار کیا تا کہ وہ لوگ عبرت حاصل کریں"۔
اور دوسری جگہ ارشاد ہو تا ہے :
(فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الطُّوفَانَ والْجَرادوَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ ئَ ایٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُواقَوْماًمُّجْرِمِیْنَ)(۲)
"پس ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیوں ،جوئوں، مینڈکوں اور خون (کاعذاب)بھیجا جو سب جداجدا آشکار نشانیاں تھیں پھر بھی وہ لوگ سر کشی ہی کرتے رہے اوران کا ایک گروہ بدکار تھا "۔
موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر دوسرا عذاب، عذا بِ استیصال تھا جس کے تحت فرعون کو دریامیں غرق کر دیا گیا:
(فَانْتَقَمْنَامِنْھُمْ فَاَغْرَقْنٰھُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّھُمْ کَذَّ بُوْابِاٰیَاتِنَاوَکَانُوْاعَنْھَا غٰفِلِیْنَ)(۳)
"آخر کار ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو دریامیں غرق کردیا کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایاتھا اور .....

۱۔سورئہ اعراف آیت ۱۳۰۔
۲۔سورئہ اعراف آیت۱۳۳۔
۳۔سورئہ اعراف آیت ۱۳۶۔

ان سے غافل ہو گئے تھے "۔
دوسری بہت سی آیات بھی قوم فرعون کی ہلاکت کے بارے میں اشارہ کر تی ہیں جیسے :بقرہ کی آیت۵۰، یونس۹۱۔۹۲، ہود۹۹، اسراء ۲۰۳، طہ ۷۸، مومنون۴۸، فرقان ۳۶،شعراء ۶۶۔۶۷،نحل ۱۴ ، قصص ۴۰ ،مومن ۴۵ ، زخرف۵۵۔۵۶، ذاریات ۴۰ ،اور سورئہ نا زعات ۲۵ ۔
انبیاء علیہم السلام کی ان قوموں کے علا وہ قرآن کریم کی بعض آیات میں بعض دو سرے گروہونپر نا زل ہو نے والے عذاب کاذکر ہے مگر ان کے انبیاء علیہم السلام کے نام بیان نہیں کئے گئے ہیں ۔
ان میں سے بعض گروہ یہ ہیں :

الف)اصحاب سبت
سورئہ بقرہ میں ارشاد ہو تا ہے :
(...فَقُلْنَالَھُمْ کُوْنُوْاقِرَدَۃً خٰسِئِیْنَ)(۱)
"تو ہم نے ان (اصحاب سبت)سے کہا تم راندۂ درگاہ بندر بن جائو "۔

ب)قوم سب
سورئہ سبمیں ارشاد ہو تا ہے :
(فَاَعْرَضُوافَاَرْسَلْنَاعَلَیْھِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ...)(۲)
"پھر(قوم سب)نے روگردانی کی اور ہم نے ان پر بڑے زور کا سیلاب بھیج دیا ..."۔

ج)اصحاب رسّ
سورئہ فرقان میں ارشاد ہو تا ہے :
(وَعَاداًوَّثَمُودَوَاَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُوناًبَیْنَ ذَلِکَ کَثِیراً)(۳)
"اور(نیز)عاد اور ثمود اور اصحاب رس اور ان کے درمیان بہت سی جماعتوں کو (ہم نے ہلاک کرڈالا)" ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

....

۱سورئہ بقرہ آیت٦٥۔
۲سورئہ سبأآیت١٦۔
۲۔فر قان آیت٣٨۔

ہ)اصحاب فیل

سورئہ فیل میں ارشاد ہو تاہے:
(وَاَرْسَلَ عَلَیْہِمْ طَیْراًاَبَابِیلَ۔تَرْمِیْہِمْ بِحِجَارَۃٍ مِنْ سِجِّیْلٍ ۔فَجَعَلَہُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ)(۱)
"اور ان پر جھنڈکی جھنڈ(ابابیل)چڑیانبھیجدیں (جو)ان پر کھر نجوں کی کنکریاں پھینکتی تھیں تو (سر انجام خدانے)انھیں چبائے ہوئے بھوسہ کی طرح کردیا"۔
بعض آیات میں ایک خاص شخص پر نازل ہونے والے عذاب کی داستان بھی بیان کی گئی ہے مثال کے طور پر قارون کے بارے میں سورئہ قصص میں ارشاد خداوندی ہے :
(فَخَسَفْنَا بِہِ وَبِدَارِہِ الاَرْضَ فَمَاکَانَ لَہُ مِنْ فِئَۃٍ یَنْصُرُوْنَہُ مِنْ دُونِ اﷲِوَمَاکَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ)(۲)
"اسی وقت ہم نے(قارون)کو اس کے گھر بار سمیت زمین میں دھنسا دیااور خداکے(عذاب)کے مقابل کوئی اس کی مددکرنے والانہ تھااور (وہ خودبھی)اپنادفاع نہ کرسکا"۔
متعدد آیات میں ایک ساتھ کئی کئی قو موں پر عذاب کا تذکر ہ بھی ملتا ہے مثال کے طور پر قوم عاد و ثمود وفر عون کا تذکرہ کر نے کے بعدسورئہ فجرمیں ارشاد ہوتا ہے:
(فَصَبَّ عَلَیْہِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ)(۳)
"یہاں تک تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا دے ما را "۔

عذابِ استیصال کا، کافروں سے مخصوص ہونا
قرآن کریم کی آیات پر تدبر و تفکر سے ایک اور نکتہ جو حقیقت میں خدا کی دوسری سنّت بیان کرتاہے یہ ہے کہ عذاب استیصال کافرونسے مخصوص ہے خبر دارکرنے والے عذاب ممکن ہے کافروں اور مومنوں دونونپر نازل ہوں اور کافرونکے ساتھ مومنین بھی قحط اوربیماری جیسی مصیبتوں میں مبتلاہوجا ئینکیونکہ یہ مومن کیلئے امتحان
....

۱سورئہ فیل آیت٣۔٥۔
۲سورئہ قصص آیت٨١۔
۳سورئہ فجر آیت١٣۔

وآزمائش ہے اورجو کافر کے لئے تنبیہ ہے لیکن عذاب استیصال جس سے کسی کوہمیشہ کے لئے ہلاک کر دیاجائے صرف کافروں سے ہی مخصوص ہے اور اس عذاب کے نازل ہوتے وقت اگر کوئی مومن یا مومنہ کافروں کے درمیان موجود ہوتو خداوندعالم اس کو نجات د یدیتا ہے ۔
یہ بات متعدد آیات میں بیان کی گئی ہے۔ بعض آیات اس عمومی قانون کو بیان کرتی ہیں کہ بالآخر کار انبیاء کی کامیابی ایک سنّت الٰہی ہے ۔البتّہ واضح ہے کہ اس کا میابی سے مراد یہ نہیںہے کہ کوئی پیغمبر اپنی رسالت کی راہ میں شہادت کے درجہ پر فائز نہیں ہوتابلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ سرانجام انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا مقصد پورا اور ان کی دعوت نتیجہ مطلوب تک پہنچ جاتی ہے ۔اس کامیابی و کامرانی کی ایک علامت یہ ہے کہ انبیاء اور ان کا اتباع کرنے والے کبھی بھی عذاب استیصال میں گرفتار نہیں ہوتے اس سنّت الٰہی پر مندرجہ ذیل آیا ت دلالت کرتی ہیں :
(اِنَّالَنَنْصُرُرُسُلَنَاوَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْافِی الْحَیٰوۃِالدُّنْیَاوَیَوْمَ یَقُومُ الْأَشْہَٰدُ)(۱)
"ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی دنیوی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ اٹھ کھڑے ہونگے یقیناًمدد کریں گے "۔
اور سورئہ صافات میں ارشاد ہو تا ہے:

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَالِعِبَادِنَاالْمُرْسَلِيْنَ۔اِنَّہُمْ لَہُمُ الْمَنْصُورُوْنَ۔وَاِنَّ جُنْدَنَالَہُمُ الْغٰلِبُونَ)(۲)
"اور قطعاًاپنے بھیجے گئے بندوں کے بارے مینہمارا پہلے سے فرمان ہے کہ وہ (اپنے دشمنونپر) یقینا کامیاب ہوں گے اور ہمارا شکر یقیناغالب رہے گا "۔
بعض آیات میں مومنوں کی مخصوص قوم کے کامیاب ہونے کے بارے میں بھی ذکر ملتا ہے، نمونہ کے طور پر، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو کاروں کی آپ پرایمان نہ لانے والے بنی اسرائیل کے کافروں پر فتحیابی سورئہ صف مینبیان ہوئی ہے:
(یَاَیُّہَاالَّذِینَ ئَ امَنُواکُونُوْااَنْصَارَاللّٰہِکَمَاقَالَ عِیسَیٰ ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیِّیْنَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِقَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُاللّٰہِ فَئَامَنَتْ طَائِفَة مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَکَفَرَتْ طَائِفَة فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ

.....

۱۔سورئہ مومن(غافر) آیت ۵۱۔
۲۔سورئہ صافات آیت ۱۷۱۔۱۷۳۔

ٰامَنُوْا عَلَیٰ عَدُوِّہِمْ فَأَصْبَحُواظَاہِرِیْنَ)(۱)
"اے ایمان دارو خداکے مددگار بن جائو جس طرح مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہاتھاکہ خداکی طرف (بلانے میں)میرے مددگار کون لوگ ہیں ؟توحواریوں نے کہا: ہم خداکے انصار ہیں پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ان پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفراختیار کیاتوجو لوگ ایمان لائے ہم نے ان کو ان کے دشمنوں کے مقا بلہ میں مدددی یہاں تک کہ وہی غالب رہے "۔
اس آخری آیت سے پتہ چلتاہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے کفّار بھی ایک قسم کے عذاب مینمبتلا ہوئے اوروہ عذاب ان (کفّار)پر مومنونکی فتح تھی۔ایک دوسری آیت میں بھی اس گروہ پر ہونے والے عذاب کا تذکرہ کیاگیا ہے ۔اس آیت سے پہلے کی آیات مینحضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا ذکر ہے پھر ارشاد ہو تا ہے :
(فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِہِمْ فَوَیْل لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوامِنْ عَذَابِ یَوْمٍ اَلِیمٍ)(۲)
"یہاں تک کہ ان کی جماعتیں آپس میں اختلاف کرنے لگیں تو جن لوگوں نے ظلم کیا ان پر دردناک عذاب کے دن کی دائے ہو " ۔
البتہ یہ عذاب دنیا میں آنے والے عذاب کے بارے مینہے، مندرجہ بالاآیت میں صاف طور سے ذکر نہینہے لیکن یہ احتمال پایا جاتاہے کہ شاید اس عذاب سے وہی کافروں کی شکست مرادہو۔
اب تک ہم نے سنّت عذاب سے متعلق بعض آیات کا مختصر طور پر ذکر کیا ہے ۔اب منا سب معلوم ہوتا ہے کہ سنّت الٰہی سے متعلق بحث کی مناسبت سے قرآن کریم میں جو دو سری الٰہی سنتیں بیان ہوئی ہیں ان پر بھی سرسری نظر ڈال لی جا ئے :

.....

۱۔سورئہ صف آیت ۱۴۔
۲۔سورئہ زخرف آیت ۶۵۔

راہ اور رہنما کی پہچان

مستضعفین کا حاکم ہونا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

قرآن کریم کی آیات میں جن الٰہی سنتوں کا ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ قوم کے کچلے ہوئے مستضعفین مستکبروں کے تسلّط سے نجات پائینگے اورخدا روئے زمین پر انھینایک دن حاکم قرار دے گا ۔جیسا کہ ہم "استضعاف و استکبار "کی بحث میں اس چیز کی طرف اشارہ کرچکے ہیں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ فرعون نے لوگوں کی ایک جماعت کو بری طرح کچل رکھا تھاقرآن کریم فرماتاہے :

(وَنُرِيْدُاَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوافِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ۔ وَنُمَكِّنْ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهٰمٰنَ وَجُنُوْدَهُمَامِنْهُمْ مَاكَانُوْايَحْذَرُوْنَ)(١)

"اور ہم تو یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ روئے زمین پر کمزور کردئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان ہی کو لوگوں کا پیشوا بنائیں اور ان ہی کو اس (سرزمین)کا مالک بنائیں اور ان ہی کو روئے زمین پر پوری قدرت عطاکریں اور (دوسری طرف)فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروالوں کو وہ چیز یں دکھادیں کہ جن کی طرف سے وہ ڈرتے تھے "۔

اگر چہ یہ آیت بنی اسرائیل کے بارے میں ہے اور (اَلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا)سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو فرعون نے کمزور کردیا تھا لیکن قاعدئہ (القرآن یجری مجری الشمس والقمر)کے مد نظر خاص طور سے اس لئے کہ آیت میں فصل(نُرِيْدُ) مضارع ہے جو دوام و استمرارپر دلالت کرتاہے لہٰذا اس آیت سے ایک مستقل سنّت الٰہی کو اخذ کیا جاسکتا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں ہماری روایات میں آیا ہے کہ آخری زمانہ میں حضرت ولی عصر کے ظہورسے متعلق بھی اس آیت کی تاویل کی جاتی ہے ۔

خداوندعالم نے ایک دوسری آیت میں بھی اہل ایمان اور عمل صالح کرنے والوں سے وعدہ کیاہے کہ سرانجام وہ زمین پر مستقر ہوں گے اور اس وقت خود ان ہی کی حکومت قائم ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے :

(وَعَدَاللّٰهُالَّذِيْنَ اٰمَنُوْامِنْكُمْ وَعَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِىْ ارْتَضٰىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِخَوْفِهِمْ اَمْنًايَعْبُدُونَنِى لَايُشْرِكُونَ بِىْ شَيْئًاوَمَنْ كَفَرَبَعْدَذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ)(٢)

"تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کا م کئے ان سے خدانے یہ وعدہ کیاہے کہ ان کو اس سرزمین پر(اپنا)جانشین مقررکرے گا اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایاہے اس پر انھیں ضرور ضرور پوری قدرت دیگا اوران کے خائف ہونے کے بعد امن سے ضرور بدل دے گا (تاکہ)وہ میری عبادت کریناور کسی کو ہمارا شریک نہ بنائیں اور جو شخص اس کے بعد بھی کافر رہے گا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں "۔

.....

١۔سورئہ قصص آیت٥٦۔
٢۔سورئہ نورآیت٥٥۔

الٰہی امدادآنا

قرآن کریم کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خداوندعالم کی بہت سی سنّتیں عام ہینجو کسی نہ کسی خاص سنّت کے ماتحت ہیں ۔دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ خداوند عالم کی عام سنّتینخاص حالات اور تقا ضونکے تحت بعض مخصوص سنّتوں کی تابع ہوتی ہیں چنانچہ خداوندعالم کی عام سنّتوں میں سے ایک الٰہی ا مدادبھی ہے جس کی بنیاد پر خداوندعالم لوگوں پر اپنی حجت تمام کرنے کے بعد اس راستہ پر گامزن رہنے کے لئے جسے انھوننے منتخب کیاہے ان کی مدد کرتاہے اگر آدمی حق کی راہ کا انتخاب کرتاہے تو خداوندعالم اس سیدھے راستہ پر گامزن رہنے کے لئے اس کی مدد کرتا ہے اور اگر کوئی باطل راستہ کی طرف مائل ہو توبھی خداوندعالم کی امداداس کے شامل حال رہتی ہے۔یہی کافرونکی امداد وہ سنّت ہے۔جس کو املاء اور استدراج کانام دیا گیا ہے جس کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں ۔ چنانچہ املاء اور استدراج کی سنّت الٰہی امداد کی سنّت کی نسبت وہ خاص سنّت ہے جو کفّار کے بارے میں امدادالٰہی کے طریقہ کو مشخص کرتی ہے ۔

سورئہ اسراء کی چند آیات میں الٰہی امداد کی اس سنت کی طرف اشارہ ہے :

(مَنْ كَانَ يُرِيْدُالْعَاجِلَةَعَجَّلْنَالَهُ فِيْهَامَانَشَآئُ لِمَنْ نُّرِيْدُثُمَّ جَعَلْنَالَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰيهَا مَذْمُوما مَدْحُوْراًوَمَنْ اَرَادَالْآخِرَةَ وَسَعٰى لَهَاسَعْيَهَاوَهُوَمُؤْمِن فَاُولٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْراً۔ كُلّاً نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَائِ رَّبِكَ وَمَاكَانَ عَطَائُ رَّبِكَ مَحْظُوْراً)(١)

"اور جو شخص اس چند روزہ(دنیا)کا خواہاں ہو ہم اس کو جلدی سے جو کچھ چاہتاہے دیدیتے ہیں پھر اسکے بعد اسکے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلّت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا،اور جو شخص آخرت کا چاہنے والاہے اور اسکے لئے جیسی چاہئیے ویسی ہی کو شش بھی کرتا ہے اور صاحب ایمان بھی ہے تویہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی یقینا مقبول قراردی جائے گی ہم آپ کے پروردگار کی عطا و بخشش سے اِن کی اور ان سب کی مددکرتے ہیں اور آپ کے پروردگار کی عطا کسی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پر بند نہیں ہے "
ان آیات میں پہلے لوگ دو گرو ہ میں تقسیم کئے گئے ہو ئے ہیں :پہلا گروہ دنیا کا خواہاں ہے اورچند روزہ والی زندگی منتخب کرتا ہے اوردوسرا گروہ آخرت اورپائیدار سعادت کاخواہاں ہے۔اسکے بعدتیسری آیت میں اعلام ہوتاہے کہ خداوندعالم دونوں گروہوں کی ان کی منتخب کردہ راہ پر گامزن رہنے کے لئے مدد کرتا ہے۔ البتہ آخر میں دوسرے ....

۱. سورئہ مبارکہ اسراء آیت۱۸۔۲۰.

گروہ کی برتری کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے :
(اُنْظُرْکَیْفَ فَضَّلْنَابَعْضَہُمْ عَلَیٰ بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُدَرَجٰتٍ وَاَکْبَرُتَفْضِیْلاً)(۱)
"دیکھو ہم نے ان کے بعض کو بعض دوسرونپر کس طرح فضیلت دی ہے اورآخرت کے درجے تو یقینا کہیں برتر اور بہت زیادہ ہیں "۔
ایک دوسری آیت میں بھی الٰہی امداد کو مدّنظر رکھا گیا ہے میں ارشاد ہوتا ہے:
(مَنْ کَانَ یُرِیْدُحَرْثَ الْاَخِرَ ۃِنَزِدْلَہُ فِیْ حَرْثِہِ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُحَرْثَ الدُّنْیَانُؤتِہِ مِنْہَاوَمَالَہُ فِی الْأَخِرَۃِ مِنْ نَصِیْبٍ)(۲)
"جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہوہم اسکے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کردیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہوہم اس کو اسی میں سے دیں گے اور (لیکن)آخرت میں اس کوئی حصّہ نہ ہوگا "۔
قابل توجّہ بات یہ ہے کہ اس آیت میں آخرت کے خواہاں اور دنیا کے طلبگاروں کے لئے دو مختلف تعبریں استعمال ہوئی ہیں، طالب دنیا کے لئے صرف ان کا مطلوب دینے کا اعلان ہے لیکن آخرت کے چاہنے والے کے لئے "نزدلہ فی حرثہ" (ہم اسکی کھیتی میں اضا فہ کردیں گے استعمال ہواہے ،جو ان کی خاص قدر و منزلت کو بیان کررہاہے اور اس بات کی نشاندہی کررہاہے کہ ان پر خداوندعالم کی خاص عنایت ہے۔یقینا یہ فرق حق بجانب ہے کیونکہ انسان کا اصل مقصد معنوی کمال حاصل کرنااور بارگاہ خداوندعالم میں مقرب ہوناہے ۔اوریہ کہ بعض ان افراد کو خداوندعالم کی مددملنا جوان کے لئے ضرررساں ثابت ہو ایک ذیلی مقصد ہے ۔

شکران نعمت سے اضافہ اورکفران نعمت سے کمی
الٰہی سنت کے مطابق جوشخص خداکی نعمتوں کا شکر اداکرتا ہے اسکی نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور جوکفران یا ناشکر ی کرتاہے اسکی نعمتوں میں کمی ہوجاتی ہے اوریہ قانون مادی نعمتوں میں بھی جاری ہے اور معنوی نعمتوں میں بھی۔ جو شخص فقط مادی نعمتوں کا شکرادا کرتاہے اسکی مادی نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور جو معنوی نعمتوں کا بھی شکر گزار ہے اسکی معنوی نعمتوں میں بھی اضا فہ ہوتاہے۔
قرآن نے اس سنّت کو کلیہ کی صورت میں بیان کیاہے :
....

۱سورہ اسراء آیت ۲۱.
۲سورئہ شوریٰ آیت۲۰.

(لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیدَ نَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد)(۱)
"اگر تم نے شکر ادا کیا تو ہم نعمتو ں میں اضا فہ کر دیں گے اور اگر کفرا نِ نعمت کیا تو ہمارا عذاب بھی بہت سخت ہے "۔
مادی نعمتوں کی نا شکری کے متعلق قرآن میں ارشا د ہو تا ہے:
(وَضَرَبَ اﷲُمَثَلاًقَرْیَۃً کَانَتْ آمِنۃً مُطْمَئِنَّۃًیَاتِیْھَارِزْقُھَارَغَداًمِنْ کُلّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اﷲفَاَذَاقَھَااﷲُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَاکَانُوْایَصْنَعُوْ نَ)(۲)
"اور اﷲ نے اس قر یہ کی بھی مثال بیا ن کی ہے جو محفو ظ اور مطمئن تھا اور اس کا رزق ہر طرف سے فراواں تھا لیکن قر یہ وا لو ں نے اﷲ کی نعمتو ں کاکفران کیاتو خدا نے بھی انھیں بھو ک اور خوف کے کا مزہ چکھا دیا ،ان کے ان اعمال کی بنا ء پر جو وہ انجام دے رہے تھے''۔
اس آ یۂ کریمہ سے معلوم ہو تا ہے کہ کبھی کبھی انسان ما دی نعمتو ں کا شکر یہ ادا نہ کر نے کی وجہ سے فقر اور خوف جیسے مصا ئب میں گر فتار ہو جا تا ہے۔ شکر خداسے نعمتو ں میں اضا فہ ہو نے کے متعلق ایک اور آیت مینفر ما تا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرَیٰ آمَنُواوَاتَّقَوْالَفَتَحْنَاعَلَیْهِمْ بَرَکَتٍ مِنَ السَّمَائِ وَالْاَرْضِ وَلَکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُمْ بِمَاکَانُوْایَکْسِبُوْنَ)(۳)
"اگر اہل قر یہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم ان کے لئے زمین اور آ سمان سے بر کتو ں کے در وا زے کھو ل دیتے لیکن انھو ں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا " ۔
چونکہ تقویٰ اور پر ہیز گا ری کا لا زمہ ،خدا وند کریم کی معنوی اور ما دی نعمتو ں کا شکر ادا کر نا ہے، مندر جہ با لا آیت سے استفا دہ ہو تا ہے کہ معنوی نعمتو ں کا شکر ادا کر نا ما دی نعمتو ں کے اضا فے اور دنیا وی زند گی کے وسائل کی وسعت میں بھی مؤ ثر ہے ۔اسی طرح، ما دی اور معنوی نعمتو ں کا انکار عذا بِ الٰہی میں گر فتا ر ہو نے کا با عث ہو تا ہے۔ بعض آ یا ت مینبھی شکر اداکرنے سے معنوی نعمتو ں میں اضا فے کی طرف اشا رہ ہوا ہے :
(وَیَزِ یْدُااللهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْاهُدَیً)(٤)

....

١سورئہ ابراہیم آیت ٧۔
٢سورئہ نحل آیت١١٢۔
٣سو رئہ اعراف آیت٩٦۔
٤سورئہ مریم آیت٧٦۔

"اور خدا ہدا یت یا فتہ لو گو ں کی رہنمائی میں اضا فہ کر دیتا ہے "۔
اور سورئہ محمدمیں ارشا د ہو تا ہے:
(وَالَّذِیْنَ اهْتَدَ وْازَادَهُمْ هُدیً وَیَٔ اتٰهُمْ تَقْوٰیهُمْ)(١)
"اور جن لو گو ں نے راہ ہدایت اختیار کی خدا نے ان کی رہنمائی میں اضا فہ کر دیا اور تقوے کی توفیق عنا یت فرما دی " ۔
بعض مقا مات پر نعمتِ ہدایت میں اضا فہ کے مخصوص مصا دیق بیا ن کردئیے ہیں ۔ مثال کے طور پر اصحاب ِ کہف کے سلسلہ میں ارشا د ہو تا ہے:
(اِ نَّهُمْ فِتْیَة آمَنُوْابِرَ بِّهِمْ وَزِدْ نَاهُمْ هُدیً)(٢)
"یہ چند جوا ن تھے جو اپنے پر ور دگا ر پر ایمان لا ئے تھے اور ہم نے ان کی ہدا یت میں اضا فہ کر دیا "۔
مو منین کی ہدا یت میں اضا فہ ایک طرف سے الٰہی امدا د کی سنت کامصدا ق ہے اور دو سری طرف سے شکر ان نعمت کا بھی مصداق ہے کیو نکہ ایما ن لا نا اوررہنمائی کو قبو ل کر نا خو دبھی ایک معنوی نعمت کا شکر ادا کر نا ہے ۔
البتہ مو منین کے بر عکس جو لوگ نا شکری کرتے ہوئے ہدا یت قبول کر نے سے انکا ر کر تے ہیں ان کی گمرا ہی میں اور اضا فہ ہو تا رہتا ہے ۔ سورئہ مبا رکۂ بقرہ میں ارشا د ہو تا ہے :
(فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَض فَزَادَهُمُ االلهُ مَرَضاً)(٣)
"ان کے دلو ں میں بیما ری تھی پس خدا نے بیماری اور بڑھا دی "۔
اوریہ وہی الٰہی امداد ہے جو معنوی نعمتو ں کی ناقدری میں زیادتی سے حا صل ہو تی ہے ۔
قر آن میں ار شا د ہو تا ہے :
(فَلَمَّازَاغُوْااَزَاغَ االلهُ قُلُوْبَهُمْ)(٤)

....

١سورئہ محمد آیت ١٧۔
٢سورئہ کہف آیت ١٣۔
٣سورئہ بقرہ آیت ١٠۔
٤۔ سورئہ صف آیت٥۔

"جب وہ لوگ(حق سے)مڑگئے تو خدا نے بھی ان کے دلو ں کواور ٹیڑھا کر دیا " ۔
(اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰیهُ وَاَضَلَّهُ االلهُ عَلَیٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَیٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَیٰ بَصَرِهِ غِشٰاوَةً--)(١)
"توکیاآپ نے اس شخص کو بھی دیکھاہے جس نے اپنی ہوس کو خدابنالیا اور خدانے جان بوجھ کر اسے اورگمراہ کردیا ۔اور اسکے کان اور دل پر مہرلگادی اور اس کی آنکھ پر پردے ڈال دئے "۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

بہت ساری آیات میں اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جن لوگوں نے باطل راستہ اختیار کررکھاہے اور فسق و فجور کو اپنالیا ہے کفرسے کام لیتے ،ظلم و ستم کرتے ،اوردوسرونکو گمراہ کرتے ہیں خداان کی گمراہی کے اسباب بڑھاکر ڈھیل دیدیتا ہے:
(وَیُضِلُّ اللهُ الظَّالِمِیْنَ وَیَفْعَلُ اللهُ مَایَشَاءُ)(۲)
"اوراللہ ظالمین کو گمراہی مینچھوڑ دیتاہے اور اللہ جوبھی چاہتاہے انجام دیتاہے "۔
(کَذَالِکَ یُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَمُسْرِف مُرْتَاب)(۳)
"اس طرح خدا زیادتی کر نے والے شکی مزاج انسانوں کو گمراہی میں چھو ڑدیتا ہے "۔
(کَذَالِکَ یُضِلُّ اللَّهُ الْکَفِرِیْنَ)(٤)
"اسی طریقہ سے خدا کا فروں کو گمراہ کرتا ہے "۔
اللہ کی سنت اضلال کا دائرہ اس قدروسیع ہے کہ حتی قرآ ن جیسی سب سے بڑی کتاب ہدایت بھی نعمت ہدایت کا کفران کر نے والوں کے لئے ضلالت اور گمراہی کا سبب بن جاتی ہے:
(یُضِلُّ بِہِ کَثِیْراًوَیَهْدِیْ بِہِ کَثِیْراًوَمَایُضِلُّ بِہِ اِلَّاالْفَاسِقِیْنَ)(٥)
.....

۱۔سورئہ جاثیہ آیت۲۳۔
۲۔سورئہ ابراہیم آیت۲۷۔
۳۔سورئہ مومن آیت۳٤۔
٤۔سورئہ مو من آیت ۷٤۔
٥۔سورئہ بقرہ آیت ۲٦۔

"خداس (قرآن)کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں چھو ڑدیتا اور بہت سے لوگوں کی ہدایت کردیتا ہے اوراس سے گمراہ صرف و ہی ہوتے ہیں جو فا سق ہیں "۔
البتہ جیساکہ آیت سے صاف پتہ چلتا ہے ہے کہ یہ خود فاسقوں کا گروہ ہے جس نے اپنے اختیار کے غلط استعمال سے اپنی یہ حالت اور کیفیت بنا لی ہے کہ وہی قر آن جوبہت سے لوگوں کے لئے وسیلۂ ہدایت ہے ان کے لئے اور زیادہ گمراہی کا باعث بن گیا ۔
بہر حال ، الٰہی اضلال کے تمام موارد "وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد " اور "کُلًّانُمِدُّ هَؤُلَایِ وَهَؤُلَایِ مِنْ عَطَایِ رَبِّک "کے مصادیق میں شمار ہو تے ہیں ،چو نکہ یہ گروہ معنوی نعمتِ ہدایت کاکفران کر تا ہے لہٰذا عذاب الٰہی کا مستحق ہے اوران کا گمراہ ہو جا نا ہی ان کے لئے سخت عذاب ہے جو،ان کے قلب کواندھا اور روح کی بیماری میں اضافہ کردیتا ہے ۔
دوسری طرف ان کی گمراہی اورقلب کی تاریکی کے ساتھ ہی ساتھ مادی نعمتوں میں اضافہ کرتاجاتاہے کہ وہ اپنا بارگناہ اور وزنی کرتے جائیں اور اخروی عذاب کے اسباب زیادہ سے زیادہ مہیا کرلیں۔

راہ اور رہنما کی پہچان

انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کی سنت

الٰہی سنتوں میں سے ایک اور سنت جو بحث نبوت کے ساتھ بھی قریبی تعلق رکھتی ہے یہ ہے کہ الٰہی فیصلہ ہمیشہ سے یہ رہاہے کہ انسانوں اورجنوں کا ایک گروہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں صف آرایی کرے اور مخالفت کا پرچم بلند کرکے لوگوں کو فریب اور دھوکادیتا رہے ۔ اس سلسلے میں بہت ہی واضح بیان ، سورئہ انعام کی آن آیتوں میں ملتا ہے :
(وَکَذَٰلِکَ جَعَلْنَالِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّاشَیَٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلَیٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْراًوَلَوْشَاءَ رَ بُّکَ مَافَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَایَفْتَرُوْنَ۔وَلِتَصْغَیٰ اِلَیْہِ أَفْئِدَ ةُالَّذِ یْنَ لَایُوْمِنُوْنَ بِالآخِرَةِوَلِیَرْضَوْہُ وَلِیَقْتَرِفُوْامَاهُمْ مُقْتَرِفُوْنَ) (۱)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے جنات و انسان میں کچھ شیاطین کو ان کا دشمن قرار دے دیا کہ ان مینبعض ،بعض کو دھو کہ دینے کے لئے چکنی چپڑی باتینبناتے ہیں اوراگر تمہارا خدا چاہ لیتا تویہ ایسا نہ کرسکتے لہٰذا اب
.....

۱۔سورئہ انعام آیت۱۱۲۔۱۱۳۔

آپ انھیں ان کے جھوٹ اورافتراء کے ساتھ چھو ڑدیں اور یہ اسی طرح(مقرر کیا جاچکا ہے)تا کہ جن لو گوں کا ایمان آخرت پر نہیں ہے ان کے دل ان کی(غلط باتوں کی) طرف مائل ہو جا ئیناور وہ اسے پسند کر لیں تا کہ جو کچھ ان کے ہاتھ کرنا چاہتے ،ان کے ہاتھ آجائے "
بظاہرآیۂ مبا رکہ سے اس بات کا اظہار ہو تا ہے کہ یہ مسئلہ ایک الٰہی سنّت کے عنوان سے تمام نبیوناور ان کی امتوں میں جا ری اور ساری رہا ہے کہ جب بھی کو ئی پیغمبر مبعوث ہو تاان کے مقا بلہ مینجنوں اورانسانو نکے شیطانی گروہ صف آرائی کر تے تھے اور مخا لفت پر اڑ جا تے تھے البتہ وہ یہ مخا لفت اپنے ارادئہ واختیا ر سے کر تے تھے الٰہی مشیت و ارادہ ان کے کا مو ں میں ما نع نہیں ہو تا تھا تا کہ اس طرح سے حق و با طل کے دو نوں راستے آ شکا ر ہوجائیں اور لو گ دو نوں میں سے کسی ایک کا انتخا ب کر لیں۔اگر کو ئی ایسا گرو ہ نہ ہو جو با طل کی تبلیغ کر ے اور لو گو ں کو اس کی طرف دعوت دے تو انسانو ں کی آ زما ئش کے لئے ماحول فرا ہم نہیں ہو گاجبکہ خدا کی سنتو ں میں سے ایک سنت آزمائش بھی ہے اور بنیادی طور پراس دنیا میں انسان کی خلقت کا مقصدبھی اس کا امتحا ن ہے (لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً)اس میں کو ئی شک و شبہ نہیں امتحا ن کا لا زمہ یہ ہے کہ حق و با طل کے دو نو ں راستے کو انسان کے سامنے کھلے ہوناور ہر ایک کے مخصو ص مبلغ بھی ہوں ۔ حق کا راستہ دکھا نے وا لے پیغمبر اور (قرآن کی رو سے) باطل کی طرف دعوت دینے وا لے شیطا ن صفت انسان اور جنات ۔ معلوم ہوا اس نظامِ احسن میں اس گروہ کا ہو نا بھی ضرو ری ہے ورنہ الٰہی امتحا ن کے لئے کامل ماحول فرا ہم نہ ہو سکے گا ۔
شیطان صفت انسانوں کی جانب سے ہمیشہ انبیا ء علیہم السلام کی مخا لفت کے علا وہ اس آیت میں شیاطین کی مخا لفت کے طریقوں کی طرف بھی اشا رہ کیا گیا ہے (يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْ لِ غُرُوْراً) "یہ شیا طین آپس مینچکنی چپڑی دل فریب با تیناور اشارے کر تے ہیں " چنانچہ اگر وحی میں لفظ (یوحی) سے چپکے چپکے خفیہ قسم کی گفتگو مرادہو تو اس کا مصدا قِ تام جنوں کے وہ شیطا نی وسوسے ہوں گے جو غیر محسوس طور پر معصیت کار لو گو ں کے دل و جان مینشعلہ ور ہوجاتے ہیں ۔البتہ یہا ں یہ بھی ممکن ہے کہ عام معنی مد نظر ہو ں اور اس آیت میں (وحی) ہرطرح کی مخفی با ت کو شا مل ہو ۔ اس صورت میں آیت، انسا ن نما شیطا نوں کی کانا پھوسی کو بھی شامل ہو جا ئے گی یعنی وہ تمام خفیہ با تیں جو لو گو ں کو فریب دینے کے لئے آہستہ آہستہ کی جا تی ہیں ۔ بہرحال وحی کا واضح مصداق وہی شیطا نی وسوسے ہیں اس لئے "وحی" اصل میں چپکے چپکے اسرارو رموز میں بات کرنے کو کہتے ہیناورچو نکہ شیطان کا وسو سہ کھلم کھلا نہیں ہو تا اور انسان اس کی طرف متو جہ بھی نہیں ہوپا تا لہٰذا اس کووحی کہا گیا ہے ۔ اس بنا ء پر وحی کے معنی میں بہت زیادہ وسعت ہے حتی اس میں شیطا نی وسوسے بھی شامل ہیں ۔

وحی کی حقیقت
یہا ں پر وحی کے مفہوم سے متعلق مختصر طور پر ایک اہم بات کی وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے؛ ایک گروہ نے انبیا ء علیہم السلام پر ہو نے والی وحی کو ایک قسم کا انجانا ادراک قرار دیا ہے جس کو صرف نبی محسوس کر تا ہے ، اور اسی طرح انھو ں نے وحی کی علمی تفسیر کر نے کی کو شش کی ہے ان کی نظر میں انبیا ء علیہم السلام پرکی جا نے والی وحی کی با لکل اُس وحی کے جیسی ہے جو قر آ ن کے الفاظ میں شہد کی مکھی پر ہو ئی ہے دونوں کی حقیقت ایک ہے لیکن یہ نظریہ غلط ہے اس تا ویل کو نہیں قبول کیا جا سکتا؛ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ لغت میں وحی چپکے چپکے گفتگو کر نے کو کہتے ہیں چاہے وہ کسی کے ساتھ ہو ، لہٰذا اس آیت میں شیا طین کی مخفی گفتگو اور وسو سے کو وحی کہا گیا ہے ۔ اس بنا ء پر وحی کے مختلف مصا دیق ہیں جو حقیقت کے اعتبار سے مکمل طور پر ایک دو سرے سے جدا ہیں ۔ لفظی مشا بہت اس بنا پر ہم مختلف مقامات پر استعمال ہونے والے لفظ وحی کی حقیقت و ما ہیت کو یکساں خیال نہ کریں اس بات پر توجہ رہے کہ قرآ نِ کریم کی تفسیرمیں الفا ظ کے لغوی مادوں کو دیکھ لینا کا فی نہیں ہے بلکہ ان کے استعمال کے مقاما ت پر غور و فکر کے ساتھ ہر ایک کی خصو صیت کو تلاش کر نا چا ہئے ۔
بہر حال شیا طین چا ہے وہ انسان ہوں یا جنات ، ایک دوسرے کو اندر سے ور غلا تے ہیں اور لو گو ں کو دھو کا دینے کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نیت سے ایک دو سرے کے ساتھ چپکے چپکے باتیں کر تے ہیں اور ان کی گفتگو بھی چکنی چپڑی دلکش اور مؤثر ہوتی ہے ۔ خدا وند عا لم اس آیت میں اپنے پیغمبر کو آگا ہ کر نے کے لئے ایک بالا حقیقت سے پردہ اٹھا یاہے اور اعلان کیاہے کہ یہ سب کچھ ایک الٰہی سنت کے مطا بق ہے اور ان شیا طین کی صف آرا ئی سے نہیں ڈ رنا چا ہئے اگر چہ خدا وند عا لم ان کو روکنے پر قا در ہے مگر اس کی مشیت کا تقا ضایہ ہے کہ وہ آ زاد رہیں ۔ آیت میں آگے بڑھکر جس کی حکمت کی طرف اشارہ مو جودہے (وَلِتَصْغیٰ اِلَیْہِ اَفْئِدَ ۃُ الَّذِیْنَ لَاْ یُؤْمِنُوْنَ بِا لاٰ خِرَۃِ۔۔)"اور یہ اس لئے ہے کہ جن لوگوں کا ایمان آخرت پر نہیں ہے ان کے دل ان کی طرف مائل ہو جا ئیں ۔۔"یہ کا فروں کی و ہی آزمائش ہے ؛وہ لوگ جو اپنے اختیار سے غلط فا ئدہ اٹھا کر آخرت پر ایمان نہ لا ئیں اور دنیا کی محبت ان کے ایما ن مینرکا وٹ مینمانع بن جا ئے مزید گمراہی کے مستحق ہیں اور یہ شیا طین ان کی گمراہی کا وسیلہ فرا ہم کر تے ہیں ان کی یہ پر فریب با تینکا فرقبول کر لیتے اور دل و جان سے مان لیتے ہیں "اَصْغیٰ اِلَیْہِ "یعنی اس کو غور سے سننا ،لیکن آیت میں "لِتَصْغیٰ اِلَیْہِ اَفْئِدَۃ۔۔"کی حسین تعبیراستعمال ہوئی ہے یعنی کا فر کا نوں سے نہیں اپنے دل کے کا نوں سے شیطانی وسوسوں کا استقبال کرتے ہیں ،ان پر خوش ہو تے ہیں اور آخر میں اپنے برے انجام تک پہنچنے کی خا طر انھیں شیطانی کا موں کو انجام دیتے ہیں۔

درج ذیل آیت کا مضمون بھی مذکو رہ آیت کے مشابہت رکھتا ہے :

(وَکَذَالِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاًمِنَ الْمُجْرِمِیْنَ وَکَفیٰ بِرَبِّکَ ھَادِیاً وَ نَصِیْراً)(۱)

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے گنہگا روں میں سے کچھ دشمن قرار دیدئے ہیں اورہدایت وامداد کے لئے تمہارا پر ور دگار کا فی ہے " ۔

اس آیت سے بھی استفادہ ہو تا ہے کہ ہر ایک پیغمبر کے مقابلہ میں مجرموں کا ایک گروہ رہا ہے جو نبی کی مخالفت اور دشمنی کر تا چلا آیاہے ۔ہر چند الٰہی ہدایت اور نصرت بندونکے لئے کافی ہے مگر الٰہی امتحان کی سنت پر عمل در آمد ہو نے کے لئے ضروری ہے کہ ایک گروہ راہ حق کی مخالفت کرنے اور باطل راستے کی طرف راہنما ئی کرنے والا مو جود ہو ۔

اسی حقیقت کو سورئہ حج کی آیات میں ایک دوسرے طریقہ سے بیان کیا گیا ہے :

(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُوْلٍ وَلَانَبِیٍ اِلَّااِذَاتَمَنّیٰ اَلْقَی الشَّیْطَانُ فِی اُمْنِیَّتِہِ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِیْ الشَّیْطَانُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ یٰ اٰیَاتِہِ وَاللّٰہُ عَلِیم حَکِیْم)(۲)

"اورہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجامگر جب بھی اس نے تلاوت کا ارادہ کیا تو شیطان نے اپنے رسولوں کے ذریعہ اس میں رکا وٹ ڈالی تو پھرخدا نے شیطان کی رکا وٹ کو مٹا دیا پھر اپنی آیا ت کو مستحکم بنا دیا کہ وہ بہت جا ننے والا اور صا حب حکمت ہے "۔

اس آیت سے واضح ہے کہ جب بھی کو ئی پیغمبر دل میں سوچتا تھا کہ کس طرح الٰہی دعوت کو پھیلا یا جا ئے اور اہل دنیا کی ہدایت کی جا ئے تو شیطان سا زش کر تا کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ فکر عملی جامہ نہ پہن سکے لیکن خدا اس کے تمام

.....

۱۔سورئہ فرقان آیت ۳۱۔

۲۔سورئہ حج آیت ۵۲۔

ارادوں کو ناکام بنا دیتا تھا ۔رہا یہ مسئلہ کہ شیطان کی سا زشوں اور وسوسوں سے کیا آثار مر تب ہو تے تھے بعد کی آیت میں اس کی اس طرح وضاحت ہو تی ہے :

(لِیَجْعَلَ مَایُلْقِی الشَّیْطَانُ فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَرَض وَالْقَاسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ)(۱)

"تاکہ شیطان جو(وسوسہ) ڈالتا ہے تو خدا اسے ان لوگوں کی آزمائش (کا ذریعہ) قرار دے کہ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بیشک (یہ) ظالم (مشرکین) دور دراز کی مخا لفت میں (پڑے) ہو ئے ہیں"۔

اس بنا ء پرجن لوگوں کی روح بیمار ہے اورجن کا دل سخت ہو چکا ہے انبیاء کی دعوت کے مقابل کے ذریعے شیطانی وسوسوں کی وجہ سے ان کا امتحان ضروری ہے گمرا ہی کا راستہ طے کرنے مینان کی امداد کی جاتی ہے۔ دوسری طرف مو منوں کا بھی الٰہی امتحان ضروری ہے کہ شیطانی وسوسوں سے متأثر نہ ہوں اور یہ جا ن لیں کہ حق وہی ہے جو پیغمبر پر نا زل ہوا ہے اگرچہ شیطان ان کو گمراہ کرنے کے در پے رہے لیکن خدا اپنے اولیاء کو سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے:

(وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوْاالْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکَ فَیُؤْمِنُوْابِہِ فَتُخْبِتَ لَہُ قُلُوْبُھُم وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِالَّذِ یْنَ آمَنُوْااِلیٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ)(۲)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"اور اس لئے بھی کہ صا حبا نِ علم کومعلوم ہو جا ئے کہ یہ (قرآن) حق ہے(اور) آپ کے پرور دگا ر کی طرف سے ہے اور اس پر وہ ایمان لے آ ئیں اور پھر ان کے دل اس کی با رگاہ میں جھک جا ئیں اور یقیناً االله ایمان لانے وا لو ں کی سیدھے راستے کی طرف ہدا یت کر نے والا ہے " ۔
یہا ں تک تو ہم نے قر آ ن کی رو سے خدا وند عالم کی اہم سنتو ں کا جا ئزہ لیا ہے اب علوم سما جیات اور نفسیات کی شناخت کے بعض ایسے اصو لونکے با رے میں مختصر سی بحث منا سب معلوم ہوتی ہے جو مذ کو رہ آیات سے حاصل ہو تے ہیں ۔
ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ کی انبیاء علیہم السلام کے سا تھ لو گو ں کے رویّے اور ان کی امتوں کے ساتھ خدا کے

.....

۱۔سورئہ حج آیت ۵۳۔
۲۔سورئہ حج آیت ۵٤۔

رویّے سے متعلق جو آیات ہیں ان سے علوم سماجیات و نفسیات کے با رے میں اسلامی نقطۂ نگاہ سمجھنے کے لئے مسا ئل اخذ کیے جا سکتے ہیں اور ظا ہر ہے ان تمام مسا ئل کو اس طرح کی مختصر بحثو ں میں بیا ن نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ہم ان مسائل کی طرف صرف اشا رہ پر اکتفا ء کرتے ہیں کہ شاید اس سلسلے میں وسیع تحقیقات کے لئے زمین فراہم ہو جا ئے ۔

سما جیات میں اسلامی طرز تفکر سے متعلق چند نکات
۱۔پہلا نکتہ یہ ہے کہ قر آ نِ مجیدنے مو جودات عالم کی تشریح اور سماجی تغیرات کی تو ضیح میں بھی اپنی وہی مخصوص روش اپنائی ہے یعنی اپنے مطالب کو توحید کا رنگ دیاہے اور ہر مقام پر مو جودات عالم کے ساتھ خداوند عالم کے رشتے کو، جوتن تنہا حقیقی مؤثر ہے پیش نظر رکھا ہے، چنا نچہ جن آیات میں کسی بھی عنوان سے سما جی واقعات کا ذکر ہے اور ان کا جا ئزہ لیا گیا ہے اُن پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ ہمیشہ ان امور کو خدا وند عالم کی طرف منسوب کر نے پراسلام نے زور دیا ہے ۔
خدا وند عالم کی معرفت سے متعلق قر آنی بحثو ں میں ہم یہ بیان کر چکے ہینکہ یہ قر آ ن کریم کا خاص اور عدیم المثال طریقہ ہے جو تربیت کے قیمتی آثار سے خالی نہیں ہے قرآن جس طرح قو انین ہستی اور موجودات عالم کی تشریح کے وقت ہر چیز کو الٰہی قضا و قدر کی طرف منسو ب کر تا ہے اسی طرح معا شرتی واقعات کے جا ئزونمیں بھی اسی طریقہ کار کو اختیار کر تا ہے مثال کے طور پراس نے گز شتہ قو مو ں کے ختم ہو جا نے اور جدید قو مو ں کے ظا ہر ہو نے کی خدا وند عالم کی طرف نسبت دی ہے ۔ ارشا د ہو تاہے :
(فَاَ هْلَكْنَا هُمْ بِذُ نُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْ نَا مِنْ بَعْدِ هِمْ قَرْناًآخَرِيْنَ)(۱)
"پس ہم نے ان کے گنا ہو ں کی وجہ سے انھیں ہلا ک کر دیا اور ان کے بعد ایک دوسری نسل پیداکر دی "۔
اوراس سے بھی بڑھکر معا شرہ کے ایک خا ص طبقے سے مربوط اعمال جو مکمل طور پر وہ خودانجام دیتے ہیں اوروہی اس کے آغاز و انجام کے ذمہ دار بھی ہیں، ان کو بھی قرآ ن کریم الٰہی مشیت اور ارادہ سے بے تعلق نہیں سمجھتا ۔ جس عمل کو ایک جگہ کسی خا ص شخص ،گروہ یا قوم سے منسوب کیا گیا ہے دو سری جگہ اسی کو ذرا بلند مر تبہ پر خدا وند قدو س سے منسو ب کیا گیا ہے ، یہ وہی مسئلہ "امر بین الا مر ین' 'ہے یعنی تمام افعال اورمو جو دات عین اسی وقت کہ جب وہ اپنے قریبی فا علو ں سے نسبت رکھتے ہیں اور وہی ان کے ذمہ دار بھی سمجھے جاتے ہیناس سے با لاترسطح پر خدا کے

.....

۱۔سورئہ انعام آیت٦ ۔

افعال بھی شما ر ہو تے ہیں ۔
بہر حا ل یہ نکتہ قا بل غورہے کہ قرآن کریم نے اجتما عی موجودات کی تحلیل میں ایک بنیا دی اصل کے عنوان سے تا ریخ اور سما جیات کے میدان میں توحید افعالی اور ارادہ و مشیت الٰہی کے مسئلے کو بیان کیاہے اور ان امور کوالٰہی سرچشمہ سے الگ اور جدانہیں سمجھتا۔
۲۔ دوسرا نکتہ یہ کہ قر آ ن کریم نے کبھی بھی معا شرتی تبدیلیوں کا جا ئزہ لیتے وقت کسی کام کے انجا م دینے والے سے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

اس کی ذمہ داری کوسلب نہیں کیا ہے یعنی اگر چہ قر آ ن نے کسی بھی سماجی اور نفسیاتی محرک اور سبب سے غفلت نہیں برتی لیکن ان اسباب کو لوگوں کی ذمہ داری ختم ہو جا نے کی بنیاد بھی قرار نہیں دیا بلکہ اپنے تمام کا مو ں کے وہی ذمہ دار ہیں اِس پر تاکید کی ہے ۔ سورۂ مبا رکہ ٔ اسراء میناس بات کو بڑے دلچسپ انداز مینبیان کیا گیا ہے :
(مَنِ اهْتَدَیٰ فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِہِ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَایَضِلُّ عَلَیْهَاوَلَا تَزِرُ وَازِرَۃ وِزْرَاُخْرَیٰ وَمَاکُنَّامُعَذِّ بِیْنَ حَتَّیٰ نَبْعَثَ رَسُوْلاً۔ وَاِذَااَرَدْنَااَنْ نُهْلِک قَرْیَۃً اَمَرْ نَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْافِیْهَافَحَقَّ عَلَیْهَاالْقَوْلُ فدَ مَّرْنٰهَا تَدْمِیْراً)(۱)
"جو شخص بھی ہدا یت حا صل کر ے یہ اس کے اپنے فا ئدے کے لئے ہے اور جو گمرا ہی اختیار کر ے وہ بھی اپنا ہی نقصا ن کر تا ہے اور کو ئی کسی کا بو جھ اٹھا نے والا نہیں ہے اور ہم تو اس وقت تک عذاب نہیں کر تے کہ جب تک (اُن میں) کو ئی رسو ل نہ بھیج دیناور ہم نے جب بھی کسی قریہ کو ہلا ک کر نا چا ہا تو اس کوخوش حالی کی راہ پر لگا دیاپس انھو ں نے وہاں برائیاں پھیلائیناور فسق و فجور سے کام لیانتیجہ میں اس شہر پر عذاب لازم ہو گیا توہم نے اسے مکمل طو ر پر(زیر وزبر کر کے) تباہ کر دیا" ۔
پہلی آیت کے ابتدا ئی حصہ میں اس بات کی طرف اشا رہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کاخود ذمہ دار ہے اور کو ئی بھی کسی دو سرے کے گناہ کا بو جھ نہیں ا ٹھا ئے گا لیکن چو نکہ عمل کے سلسلہ میں ذمہ دا ری علم و آگہی کی بنیاد پر عائد ہوتی ہے لہٰذا آیت میں آگے بڑھکرخدا وند عالم فر ماتا ہے کہ ہم انبیا ء علیہم السلام کے بھیجنے اور ان پر حجت تمام کرد ینے سے پہلے کسی پرعذاب نا زل نہیں کر تے ۔ جی ہاں! کسی قوم پر خداوند عالم یوں ہی عذاب نازل نہیں کرتابلکہ وہ اس وقت عذاب کا فیصلہ کر تا ہے جب حجت تمام ہو جا ئے اور راہِ ہدا یت پوری طرح روشن ہو جا ئے اور اس کے با وجود

.....

۱۔سورئہ اسراء آیات۱۵۔۱۶۔

لوگ دشمنی اورہٹ دھر می کی وجہ سے راہِ حق کو قبو ل کر نے سے گریز کر یں ۔اِ س حا لت میں لوگ اپنے کفرکے خو د ذمہ دار ہیں اور عذاب کے مستحق ہیں پس ہر انسان یا جما عت اپنی رفتا ر و گفتار کی خود ذمہ دار ہے ۔
دو سری آیت مینیہ بیان ہوا ہے کہ کسی کا فر اور دشمن حق قو م کی ہلا کت کا الٰہی فیصلہ کس طرح جامۂ عمل پہنتاہے ۔ اس آیت کی تھوڑی سی وضا حت ضرو ری ہے ۔ کیو نکہ عبا رت "اَمَرْنَا مُتْرَ فِیْهَا" کے بارے میں مفسّرین کے در میا ن اختلاف ہے۔ ایک گر وہ نے فعل (اَ مَرْنَا)کی میم تشدید کے ساتھ قرائت کی ہے اور اس کے معنی "جَعَلْنَا مُتْرَفِیْهَا امرا ئ"یعنی (ثر وتمندوں کو رہبروحا کم قرار دیا) بیان کئے ہیں ۔ایک گرو ہ نے مذ کو رہ امر کوشرعی امر سمجھا ہے اور اس کے متعلّق کو محذو ف قراردیاہے (یعنی ہم نے ثر وتمند وں کو اپنی اطا عت کا حکم دیا)لیکن ظا ہری طو ر پر یہ تفسیرآیت کے ظا ہر ی معنی کے ساتھ سا زگا ر نہیں ہیں اور "امر "مذکو ر سے مرادامر تکوینی ہے ۔ اس بنا ء پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ جب بھی کو ئی قوم اپنے غلط انتخا ب کی وجہ سے مستحقّ عذاب ہو تی ہے تو ان کا معاشرہ نظام قدرت کے تحت ایسی سمت میں بڑھتا ہے کہ ان کے دولت مند افرادفسق اور فجور میں غر ق ہو جا تے ہیناور چو نکہ ثر وتمند وں کے اعمال اعلیٰ سطح پرخدا سے تعلق رکھتے ہیں ۔ یعنی خدا نے ہی دنیا کا نظا م ایسے رخ پر لگایا ہے کہ جس سے ایسے ثروتمندپیدا ہو ئے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے فسق و فجور کر نے لگے ۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے امر تکو ینی سے یہ کام انجام پایا ہے ۔ پس خدا نے فیصلہ کیا ہے کہ نظام احسن میں لو گو ں کا امتحا ن لیا جا ئے اور ایک گروہ اپنے اختیار کا غلط فائدہ اٹھاکر غلط راستہ اپنا یا اور عذا ب نا زل ہو نے کی زمین فراہم کرلی ۔
المختصریہ کہ مندر جہ بالا آیت میں خدا کے تکو ینی فیصلہ کی طرف اشا رہ لگتاہے تشریعی حکم کی طرف نہیں جیسا کہ ہم خدا وند عالم کے اوصاف سے متعلق گفتگو میں بیان کر چکے ہیں کہ خدا وند قدوس کے ارا دہ کی دو قسمیں ہیں :
۱۔تکوینی
۲۔تشر یعی
اور وہ سب کچھ بھی جو دنیا میں ہو تا ہے اطا عت ونا فر مانی ،کفر وایمان سب خدا کے ارادئہ تکو ینی کے تحت ا لٰہی قضا و قدرکے دائرے میں داخل ہے۔ البتہ اپنے مقا م پر یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ اس عقیدہ سے کسی بھی طرح سے جبر لاز م نہیں آتا ۔کیو نکہ انسان کے تمام اختیاری کام اس کے اپنے اختیار سے انجام پائے ہو تے ہیں اور فا علِ مختا ر کا انتخاب عمل اس کے ظہور کی علّتِ تا مہ کا ایک جزء ہے ۔بہر حال امرآیت میں الٰہی امر چا ہے تکو ینی ہو یا تشر یعی دولتمندونکے فسق و فجور کے بعد خدا کا قول ان کے سلسلہ میں متحقق ہو جا تا ہے اور یہ وہ قول یہ ہے کہ گنا ہگا روں کو عذابِ الٰہی میں گر فتار کر کے اُن کا کار وبار سمیٹ دیا جا ئے گااس آیت میں ایک قابل توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ دولت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

پرستونکے فسق و فجو ر اور ان کی ہلا کت دونونکو خدا وند عا لم کے ارادہ و عمل سے منسو ب کیاگیا ہے اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف ہم پہلے اشا رہ کر چکے ہیں ۔ یعنی اجتما عی امورکی وضاحت میں تو حیدِ افعا لی کا ظہور ؛قرآن کی نظر مینیہ تمام امور انسانی اختیار کو سلب کئے بغیرالٰہی ارادہ کے دائرہ میں انجام پائے ہیں ۔
یہی مفہوم سورئہ انعام میں اس طرح بیان ہو اہے :
(وَکَذٰ لِکَ جَعَلْنَافِیْ کُلِّ قَرْیَۃٍ اَکَابِرَمُجْرِمِیْھَالِیَمْکُرُوْافِیْھَاوَمَایَمْکُرُوْن اِلَّابِاَنْفُسِھِمْ وَمَایَشْعُرُوْنَ)(۱)
"اسی طرح ہم ہر قریہ میں بڑے بڑے مجر مین کو مقرر کر تے ہیں کہ وہ مکر و فریب سے کام لینلیکن (در اصل) مکا ری کا اثر خود ان کے علا وہ کسی اور پر نہیں ہو تا ہے اور انھیں اس کا بھی شعور نہیں ہے "۔
اس آیت میں بھی (جَعَلْنَا)سے مرا د تکوینی طور پر قرار دینا ہے اور اس لحاظ سے یہ بھی آیت (کَذٰ لِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوّاً)کی مانندہے ۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کا مکر و فریب کو ئی اچھا اور پسندیدہ کام ہے یا یہ کہ وہ لوگ اپنے کا مو ں کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ آیت میناس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ امور خدا کی مشیت اور اراد ہ کے دا ئرے سے با ہر نہیں ہیں اور خدا کا ارادہ ان کامونسے مغلوب بھی نہیں ہو ا ہے ۔ وہ خود یہ چا ہتا ہے کہ یہ انسان آزاد اور مختا ر رہیں اور انھوں نے یہ اپنے ارادہ و اختیا ر سے غلط فا ئدہ اٹھا کر اس طرح کے برے کام انجام دیئے ہیں لہٰذا وہ خودبھی ان کے ذمہ دار بھی ہیں ۔
مختصریہ کہ ہر شخص اور ہر معا شرے کا اپنے کام کے سلسلہ مینخود،ذمہ دار ہونا قرآن مجید کے سماجی اور معاشرتی اصولوں میں سے ایک بنیا دی اصو ل ہے ۔
۳۔تیسرا نکتہ جو بعض ماہرین سما جیات کے نظریہ کے بر خلاف ان آیات سے پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں معاشرے کے طبقات بندھے ہوئے یا ان کی راہیں بند نہینہیں جیسا کہ بعض معا شرو نمیں اس طرح کے افکا ر پا ئے جا تے ہیں کہ قدرت نے معا شرہ کومخصوص طبقوں میں اس طرح تقسیم کیاہے کہ ایک طبقہ کے

.....

۱۔سورئہ انعام آیت ۱۲۳۔

افراد دوسرے طبقہ میں نہینجاسکتے اور اس طر ح کی طبقہ بندی جو عام طور سے ذات پات،نسل و قوم یا اقتصادی حیثیت وغیرہ پراستوار ہو تی ہے قرآ ن کی رو سے غلط ہے البتہ انسانوں کے درمیان تکوینی اور پیدائشی اختلافات جو دنیا کے نظامِ احسن کا ایک جزء ہے موجود ہیں اورقرآن ِ کریم نے اس کی تا ئید بھی کی ہے لیکن اس کوسماجی اور معاشرتی طبقہ بندی کا معیا ر قرار نہیں دیاہے۔
بعض معا شرو ں میں نسلوں یا رنگوں کی بنیا د پر طبقہ بندی ہوتی ہے ۔ نسل پرست یانسلی امتیاز کے قا ئل معاشروں میں عام طور پرسفید فا موں کورنگین فا موں کے مقابلے میں سما جی حیثیت سے ممتاز مقام حا صل ہے ۔ قرآن ان نسلی اختلافات کو قبو ل تو کر تا ہے لیکن اس کو مقام و حیثیت کے تعین کا معیار قرار نہیں دیتا :
(یَاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍوَاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوبًاوَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوااِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقٰیکُمْ اِنَّ اللهَ عَلِیمٌخَبِیر)(۱)
" اے انسا نو! ہم نے تم سب کو ایک مر د اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تم کو قوموں اور قبیلونمیں تقسیم کر دیا تا کہ آپس میں ایک دو سرے کو پہچا ن سکو بیشک تم میں سے خدا کے نز دیک زیا دہ محترم وہی ہے جو زیا دہ پر ہیز گا ر ہے اور اللہ ہر شئ کا جا ننے والا اور ہر با ت سے با خبر ہے "۔
فطری عوامل کی بناء پر لوگوں کے درمیان نسلی اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور طرح طرح کے قبیلے بن جاتے ہیں ۔ان اختلافات کی بنیاد حکمت الٰہی پر استوارہے اور نظام عالم میں اس چیز کا ہونا ضروری ہے لیکن جیسا کہ آیت میں آیا ہے یہ اختلافات کبھی بھی لوگوں کے ایک دوسرے پربرترہونے کا سبب نہیں ہوسکتے بلکہ حقیقی برتری اور فضیلت کاسبب تقوی اور پر ہیز گاری ہے۔
دوسرے گروہ نے معاشرے کو لوگوں کی اقتصادی حیثیت کے معیارپر تقسیم کیا ہے ۔یہ مسئلہ خصوصاً مارکسزم میں خاص مقام رکھتاہے ۔اس نظریہ کے مطابق ہر معاشرے میں اس کے مخصوص معاشرتی نظام کے تحت ہمیشہ دواصلی طبقے پائے جاتے رہے ہیں ایک حکمراں طبقہ جو سرمایہ اور اقتصادی وسائل سے بہرہ مندہوتا ہے اور ایک رعایا اور عوام کا طبقہ ہے جو اقتصادی اور مالی وسا ئل سے محروم ہو تا ہے ۔کیا اسلام اس طرح کی طبقاتی تقسیم کو قبول کرتا ہے؟ قرآن کریم کی آیات اور اسلامی تعلیمات معمولی آشنائی اس سوال کا نفی میں جواب دینے کے لئے کافی ہے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

.....

۱۔سورئہ حجرات آیت ۱۳۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک گروہ نے نادانی کی بناء پر یہ خیال کر لیاہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات میں اس طرح کی طبقاتی تقسیم کو قبول کیا گیاہے اور بعض منحرف اور گمراہ کن فکر رکھنے والوں نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنے غلط تصور کے تحت اس طرح کے افکار پر اسلام کی تائیدی مہر لگادیں اور بعض آیات کی معا شرے اور تا ریخ کے با رے میں ما ر کسسٹ طرزفکر کے مطابق تطبیق کریں ۔ان کے اس طرح کے دعووں میں سے ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ مستضعف اور مستکبر کی تعبیرجو قرآن میں استعمال ہوئی ہے،یہ معاشرے کے دو ثروتمند اور فقیرطبقوں کی حکایت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اسلام اقتصاد کوایک تاریخی اور سماجی تغیرات کا سبب سمجھتا ہے ۔
ہم نے جوآیات استضعاف اور استکبار کی بحث میں نقل کی ہیں ان پر غورو فکر کرنے سے واضح ہو جاتاہے کہ اس طرح کا نتیجہ نکالناکسی بھی اعتبار سے قرآنی آیات کے ساتھ میل نہیں کھاتا جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا ، قرآن کریم نے مستضعفین کے کئی گروہ نقل کیئے ہیں۔ مستضعفین کا ایک گروہ وہ ہے جن کی مدد کرنا چاہیے اور قرآن کریم نے مومنین کو ان کی حمایت کی دعوت دی ہے :
(وَمَالَکُمْ لَاتُقَاتِلُونَ فِیْ سَبِیلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُولُونَ رَبَّنَااَخْرِجْنَامِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا)(۱)
"مستضعفین کا یہ گروہ ان سب ناتوان ،مردوں،عورتوناور بچوں پر مشتمل ہے جو کافر معاشرے میں گرفتار ہیں اور ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے ۔یہ لوگ مومن اور خدا شناس ہیں اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اس سے رہائی کی درخواست کرتے ہیں تاکہ کافروں سے الگ ہوجائیناور ایک مسلمان معاشرے مینزندگی گزاریں"۔
مکہ کے کمزور مومنین جو مشرکوں کے ظلم کا شکار تھے ور ہجرت کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے اسی گروہ سے ہیں۔ خدانے ان کی دعاقبول کی اورمومنوں کو حکم دیا کہ کافروں کے ساتھ جنگ کریں اور ان مستضعفین کو ان کے چنگل سے نجات دیں یہ گروہ اگر چہ مستضعف بنادیا گیا مگر اس نے خود کو معاشرے کے رنگ میں نہیں ڈھالا اور کفر کے آیندہ عقائد سے خود کو دور رکھا اپنے فکری استقلال اور خود مختاری کو محفوظ رکھا اگر چہ وسائل کی کمی کے سبب امداد اور حمایت کے مستحق تھے ۔
اس گروہ کے ذکر کے ساتھ بھی قرآن کریم نے مستضعفین کے ایک اورگروہ کی(مذمت) کی ہے چنانچہ موت کے بعد فرشتوں کے ساتھ ان کی گفتگو ان کے سخت انجام کی حکایت کرتی ہے :
.....

۱۔ نساء آیت۷۵۔

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُظَالِمِی اَنْفُسِهِمْ قَالُوْافِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْاکُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْااَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْافِیْهَافَاُولٰئِکَ مَاوٰیهُمْ جَهَنَّمُ وَسَائَ تْ مَصِیْراً)(۱)
"جن لوگوں کی ملا ئکہ نے اس حال میں روح قبض کی کہ انھوننے اپنے نفس پر ظلم کررکھا تھا اور جب ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے ؟انھو ں نے کہا ہم زمین میں کمزور بنا دئے گئے تھے ملا ئکہ نے کہاکہ کیا زمین خدا میں گنجائش نہیں تھی کہ تم وہانسے ہجرت کر جاتے؟!پس ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کس قدربد ترین ٹھکانا ہے "
مستضعفین کا یہ گروہ ہجرت نہ کرنے کے کی بناء پر مجرم قرارپایا اور خدانے ان سے جواب طلب کیا ہے ۔ پس ایسا نہیں ہے کہ اسلام ہر مستضعف اور کمزورکی تائید اور تمجید کردے یہ حقیقت ان آیات سے مزیدروشن ہوجاتی ہے کہ جن دو زخ میں مستکبر ین اور مستضعفین کے درمیان بحث وجدل کا ذکر ہے۔
مستضعفین کا یہ گروہ ، دو زخ میں مستکبر ین کا ہمنشین ہے اور یہ دونوںگروہ ایک ساتھ معذب ہوں گے ، ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نگاہ میں عنوان استضعاف بذات خود کسی مثبت پہلو کا حامل نہیں ہے ، ایسا نہیں ہے کہ معاشرے میں مستضعف طبقہ تمام اہمیتوں کامالک ہو ۔
اس بحث سے یہ نتیجہ نکالاجاسکتا ہے کہ مستضعفین سے امامت اور رہبری کا وعدہ صرف ان کے مستضعف ہونے کی وجہ سے نہینہے بلکہ یہ وعدہ انکے ایمان کی وجہ سے کیا گیا ہے اور آیت(وَنُرِیْدُاَن نَمُنَّ عَلَیَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْ ا)(۲)کامطلب

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یہ نہیں ہے کہ اس گروہ پرصرف اس کے مستضعف ہو نے کی وجہ سے خدا نے احسان کیا ہے بلکہ امامت کی لیاقت کا معیارانکا ایمان ہے۔ اس دعوے پر شاہد وہی مطلب ہے کہ جس کی طرف ہم نے اشارہ کیااور وہ یہ کہ خدا مستضعفین کے ایک گروہ کو دو زخ میں بھیجے گا ۔ بہت ممکن ہے ان لوگوں نے اپنی تمام عمر استضعاف میں گزاری ہو اورپھر ان کا انجام بھی دو زخ ہو اگرصرف استضعاف کا عنوان ہی فضیلت اور برتری کا معیار ہو تا تو یہ لوگ کبھی بھی دوزخ میں نہ جاتے ۔ یہ لوگ اگراپنی محرومیونکے ساتھ با ایمان ہوتے اور خدا کے احکام پر عمل کرتے تو جنت کے مستحق ہو تے۔معلوم ہواکہ مستضعفین کے ایک گروہ کی رہبری کا وعدہ کہ جس کی طرف آیت میں اشارہ ہوا ہے ان کے ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ہے صرف ان کے استضعاف کی و جہ سے نہیں ہے۔

....

۱۔سورئہ نساآیت۹۷۔
۲۔سورئہ قصص آیت۵۔

یہاںاس سوال کا امکان ہے کہ اگر مذکورہ بات صحیح ہے تواس آیت میں(الَّذِیْنَ استضعفوا)کے بجائے (الذین آمنوا)کیوں استعمال نہیں ہوا ؟

اس سوال کے جواب میں کہاجاسکتاہے کہ آیت میں استضعاف کی صفت کا استعمال ایک خاص نکتہ کے تحت ہے ۔زیربحث آیت سے پہلے آیت میں آیا ہے کہ فرعون نے لوگوں کے ایک گروہ کو ضعیف و محروم کردیاتھا یا ان کو ضعیف شمار کرتاتھااور اس کے بعد آیت میناس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے ان ہی ضعیف اور ناتوان لوگوں کوکہ جنھیں فرعون ضعیف شمار کرتاتھا اپنی مخصوص نعمتوں سے نوازا اور ان کو سرداری اور حاکمیت تک پہونچادیا ۔حقیقت میں اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ خداکی قدرت اور ارادہ عالم فطرت اورمعاشرتی اسباب وعلل سے برتر ہے۔ اور طاغوتی معاشروں پرحاکم معیارات کھوکلے اور بے قیمت ہیں؛ مادی طاقت و ثروت سرداری کا معیار نہیں ہے ۔

اسی آیت کے مشا بہ سورئہ اعراف میں آیاہے:

(وَاَوْرَثْنَاالْقَوْ مَ الَّذِیْنَ کَانُوْایُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا)(۱)

"اور ہم نے مستضعفین کو(سر زمین فلسطین کے)بعض مشرقی اور مغربی حصے (کہ جس میں برکت قرار دی تھی)میراث کے عنوان سے عطا کر دیئے "۔

قر آ ن یہ بات سمجھا نا چا ہتا ہے کہ اس گرو ہ کا ضعیف ہو نا اس بات سے ما نع نہیں ہے کہ خدا وند قدوس ان کو رفعت و بلندی عطا کرے اور انھیں حکومت تک پہنچا ئے اور ان کو زمین کی نعمتوں کا وا رث بنا ئے ۔

مختصر یہ کہ لو گو ں کی اقتصا دی حا لت کی بنا ء پر معا شرے کی دوطبقونمیں تقسیم اور مستضعفین او ر مستکبر ین کو ایک دوسرے کے مقا بل معا شرے کے طور پر دو بنیادی طبقو نمیں تقسیم کر دینا قر آن کے نز دیک قابلِ قبول نہیں ہے۔

یہاں پر ایک بنیادی نکتہ پر تو جہ ضرو ری ہے کہ اصولی طور پر غربت اور ثروت قرآن کی نگا ہ میں ایمان اور کفر یا حق اور با طل کے برابر نہیں ہے ۔ بہت ممکن ہے کچھ فقرا ء و مستضعفین قرآن کی نگا ہ مینبے وقعت ہو ں اورکچھ دولتمند قر آن کریم کی نگا ہ میں تائیدواحترا م کے لائق ہو ں ۔اب اگرہم ما رکسزم کی اصطلاح سے استعمال کر نا چا ہیں تو ایسا نہیں ہے کہ جو شخص بھی حکمراں طبقہ سے تعلق رکھتا ہو وہ اسلا م کی نگا ہ میں برااور قابل مذمت ہے ۔

ہما رے اس دعوے کا شا ہد، جیسا کہ ہم پہلے بھی اس کی طرف اشا رہ کر چکے ہیں یہ ہے کہ مستضعفین کا ایک گروہ جو دنیا میں بھی ما دی امکا نا ت سے محرو م رہا ہے آ خرت میں بھی وہ جہنم میںداخل ہو گا اور اس پر عذاب کیا جا ئیگا

....

۱۔سورئہ اعراف آیت۱۳۷۔

دوسری طرف قرآن نے بعض دولتمندوں اور معا شرہ میں بلند مقام رکھنے والوں کی تعریف و تحسین کی ہے ، بعض الٰہی انبیا ء علیہم السلام جیسے حضرت سلیمان ، داؤد ، اور یوسف علیہ السلام درجۂ نبوت، امت کی رہبری اور عصمت کی مانند معنوی مقا ما ت پر فا ئز ہو نے کے ساتھ ہی ساتھ سلطنت و حکومت کے بھی مالک تھے اور ممکن ہے یہ دعو یٰ بھی صحیح ہو کہ بعض او لو ا العزم انبیا ء بھی درجۂ حکو مت پر فا ئز رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسے گھرا نے میں پیدا

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہو ئے تھے جو دربار ِحکو مت سے وابستہ تھایا حضرت مو سیٰ علیہ السلام نے فر عون کے گھر میں پر ورش پا ئی اور جوا نی تک فر عون کے در بار میں رہے اسی طرح اصحا بِ کہف حاکم وقت کے دربا ریو ں میں سے تھے لیکن در با ر سے بھا گ نکلے ، خدا نے ان پر احسا ن کیا اور ان کومنفرد امتیا زات سے نوا زا ،" مو منِ آل فر عون " فر عو ن کے در با ریو ں میں سے تھے اوراس کے با وجود ایسا مستحکم ایما ن رکھتے تھے کہ قر آن کا ایک سو رہ (سورئہ مو من)کا ان ہی کے نام پر رکھاگیاہے ۔

بنا بر این، قر آ ن کی رو سے دولت مطلق طور پر عظمت و بلندی کی مخالف نہیں ہے جیسا کہ فقر و محرومی بھی بالذات بلندی کا معیار نہیں ہے بلکہ حقیقی معیار وہی ایمان و کفر اور اطا عت و عصیا ن ہے مو من چا ہے فقیر ہو یا امیر، خدا کے نزدیک ذیقدر ہے جیسا کہ آیت میں آیاہے:

(اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اﷲِ اَتْقٰکُمْ)

"بیشک تم میں سے خدا کے نز دیک زیا دہ محترم وہی ہے جو زیا دہ پر ہیز گا ر ہے "۔

اور کا فر چا ہے فقیر ہو یا امیر ،مردودبا رگا ہ ہے ۔

٤چو تھا نکتہ یہ ہے کہ کسی فرد یا معاشرے پر خدا کی نعمتوں کا نزول بذا ت خود، خدا کے نزدیک نہ اس فرد یامعاشرہ کے تقرب اور بلندی کی دلیل ہے اور نہ ان کی پستی اور ذلت کی نشانی ہے بلکہ مادی نعمتو ں کے ذریعہ طرح طرح کی الٰہی سنتیں جاری ہو تی ہیں کبھی نعمت مو منوں اور کا فروں کے امتحان کے لئے ملتی ہے جیساکہ ارشاد ہے :

(وَنَبْلُوکُمْ بِالشَّرِّوَالْخَیْرِفِتْنَةً وَاِلَیْنَاتُرْجَعُوْنَ)(١)

....

١سورئہ انبیا ٣٥.

"اور ہم تو اچھا ئی اور برائی کے ذریعہ تم سب کو آزما ئیں گے اور تم سب پلٹا کر ہما ری ہی بارگاہ میں لا ئے جا ؤ گے "

ایک دوسری آیت مینبھی یہی مفہوم بیان ہوا ہے

(فَاَمَّاالْاِنْسَانُ اِذَامَاابْتَلٰہُ رَبُّہُ فَاَکْرَمَہُ وَنَعَّمَہُ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ اَکْرَمَنِ۔وَاَمَّآاِذَامَاابْتَلٰہُ فَقَدَرَعَلَیْہِ رِزْقَہُ فَیَقُوْلُ رَبِّیْ أَهَانَنِ)(١)

"لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کے پر ور دگارنے اس کو آزمانے کے لئے عزت اور نعمت دیدی تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے با عزت بنایا ہے اور جب آزمائش کے لئے روزی کو تنگ کردیا تو کہنے لگا کہ میرے پر وردگار نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیاہے "۔

جیسا کہ آیت سے پتہ چلتاہے نعمت سے مالا مال لوگونکے لئے نعمت اور فقراء کے لئے فقرو غربت ایک الٰہی امتحان کا ذریعہ ہے؛ جناب سلیمان علیہ السلام جب خدا کی طرف سے مستحق انعام قرارپائے اور عظیم سلطنت اور حکومت پر فائز ہوئے تو قرآن کہتا ہے :

(قَالَ هٰذامِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْئَ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ)(٢)

"کہنے لگے :یہ میرے پر وردگار کا فضل و کرم ہے وہ میرا امتحان لینا چا ہتا ہے کہ میں شکریہ ادا کرتا ہوں یا کفران نعمت کر تا ہوں "۔

پس دنیا کی مادی نعمتوں کے سلسلے میں خدا کی عام سنتوں میں سے ایک سنت نعمت سے سر شار دولتمندوں کی آزمائش اور امتحان ہے اورپھر ان کا چھن جانا بھی ایک طرح کی آزمائش ہے ۔

اس کے علاوہ کہاجا سکتا ہے جیسا کہ پہلے بیان شدہ آیا ت میں آپ نے ملاحظہ کیا ،کبھی کبھی ممکن ہے کہ پریشانیاں ،مفلسی ،خشکسالی اوردنیا کی دوسری سختیاں حقیقت میں نعمت الہٰی ہونجوانسان کو خداکی یاددلانے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کر نے کا ذریعہ بن جا تی ہیں سورئہ انعام کی آیت٤٢ اور سورئہ اعراف کی آیت٩٤ میناس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد کہ خدا پیغمبروں کی بعثت کے ساتھ سا تھ لوگوں کے لئے سختیاں اور پریشانیاں

....

١سورئہ فجر آیت١٥۔١٦.
٢سورئہ نمل آیت٤٠ .

ہی نا زل کردیتاہے ۔تاکہ (لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُونَ)" شاید ہما رے سامنے گڑگڑائیں"(لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ) "شاید ہما رے سا منے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

گریہ و زاری کریں"اس تعبیر سے یہ واضح ہوتاہے کہ ان سختیوں اور دشواریوں کا باطن در اصل نعمت ہے چونکہ یہ انسان کی روح میں تضرع کی حالت اور خدا کی طرف متوجہ ہونے کی کیفیت پید ا کر تی ہیں ۔
دوسری طرف کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک چیز ظاہر میں تو نعمت نظر آتی ہے لیکن حقیقت میں خدا کے قہر اور عذاب کے علاوہ کچھ نہ ہوتی سو رئہ آل عمران میں ار شاد ہو تا ہے :
(وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْااَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْر لِاَنْفُسِہِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْا اِثْماًوَلَھُمْ عَذَاب مُّھِیْن)(۱)
"اور خبر دار یہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم جس قدر راحت و آرام دے رہے ہینوہ ان کے حق میں کو ئی بھلا ئی ہے ،ہم تو یہ بس اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ جتنا گناہ کر نا چا ہینکرلیں ورنہ ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے "۔
چونکہ خدانے کافروں کے اس گروہ سے اپنی عنایت کو دور کردیا یہ لوگ پستیوں میں چلے گئےخدا ان کو دنیاسے زیادہ استفادہ کی مہلت دیتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ پستی اور انحطاط کے راستے میں قدم بڑھائیں اور سخت ترین عذاب کے مستحق قرار پا ئیں۔
الٰہی نعمتوں کے سلسلے میں ایک اورسنت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی معاشرہ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرے تو خدا کی حکمت تقاضا کر تی ہے کہ اس معاشرے میں مادی نعمتوں کا نزول بڑھا دے کہ یہ لوگ مادی وسائل کے ذریعے معنوی ترقی اور کمال کی طرف زیادہ سے زیادہ قدم بڑھاسکیں ارشاد ہو تا ہے:
(وَلَوْاَنَّ اَھْلَ الْقُرٰی ئَ اٰمَنُوْاوَاتَّقَوْالَفَتَحْنَاعَلَیْہِمْ بَرَکَاتٍ مِنَ السَّمَائِ وَالْاَرْضِ---)(۲)
"اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرلیتے تو ہم زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے ---"۔
اسی طرح سے اہل کتاب کے بارے مینارشاد فرماتا ہے:
(وَلَوْاَنَّھُمْ اَقَامُوْاالتَّوْرٰۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَااُنْزِلَ اِلَیْہِمْ مِنْ رَبِّھِمْ لَاَکَلُوْامِنْ فَوْقِھِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِھِمْ---)(۳)
"اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور جو ان کی طرف پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اُن سب پرقائم ہوتے تو اوپر(آسمان) سے اور قدموں کے نیچے (زمین)سے سیر ہوکر رزق حاصل کرتے ---"۔
جی ہاں! اگر کسی معاشرے نے تقوٰئے الٰہی اختیار کیا اور خداسے لو لگا ئی تو اُس پر مادی نعمتوں کی فراوانی خداکے اکرام کی دلیل ہوسکتی ہے لیکن یہ کو ئی عام قاعدہ نہیں ہے کہ ہر انعام و نعمت عزت و احترام اور ہر سختی و مصیبت خدا کے نزدیک ذلت اور خواری کی دلیل ہو ۔

.....

۱۔سورئہ آل عمران آیت۱۷۸۔
۲۔سورئہ اعراف آیت۹۶ ۔
۳۔سورئہ مائدہ آیت۶۶۔

راہ اور رہنما کی پہچان

چند نفسیاتی پہلو
۱۔انبیاء علیہم السلام کی قوموں سے مربوط آیات سے کچھ اور نکات جو معلوم ہوتے ہیں ان میں نفسیاتی رنگ زیادہ پایاجاتاہے در اصل انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے ایساہے کہ نعمتوں کی فراوانی اور آسایش و آرام پاکر آہستہ آہستہ مست ومغرور ہوجاتا ہے اور اس قدر خوشی میں غرق ہوجاتاہے کہ اپنے پر وردگار کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے قرآن کریم کی بعض آیات میں اس طرح کے لوگوں کے بارے میں ایک دلکش تعبیر استعمال ہوئی ہے ؛سورئہ قصص میں ارشاد ہو تا ہے:
(وَکَمْ اَھْلَکْنَامِنْ قَرْیَۃٍبَطِرَتْ مَعِیْشَتَھَا---)(۱)

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

"اور ہم نے کتنی ہی بستیو ں کو ان کی معیشت کے غرور کی بنا ء پر ہلا ک کر دیا "۔
(بَطِرَتْ مَعِیْشَتَھَا)یعنی وہ اپنی زند گی میں مست تھے(روٹی روزی کی فروانی کے نشہ میں چور ہو کر زندگی بسر کر رہے تھے) اور عام طور سے اس طرح مستی ما دی نعمتو ں کی فرا وانی سے ہی وجود میں آتی ہے۔
اسی طرح سورئہ مبا رکۂ علق میں ارشاد ہو تا ہے :
(کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغَیٰ اَنْ رئَ اہُ اسْتَغْنَیٰ)(۲)
....

۱۔سورئہ قصص آیت۵۸۔
۲۔سورئہ علق آیت۶،۷۔

اس سر کشی اور غفلت کا ہی نتیجہ ہے کہ انسان حق سے منحرف ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی وہ حق سے دشمنی اور انبیا ئے الٰہی سے جنگ کر نے پر آما دہ نظر آنے لگتا ہے ۔پس بہت سے لوگ نعمتو نکی فراوانی اور آرام کی وجہ سے نفسیا تی طو ر پر انبیا ء اور ان کی دعوت کی مخا لفت کر نے لگتے ہیں جو ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جس کی طرف قر آن نے اشار ہ کیا ہے۔
البتہ یہاں اس با ت کو مدّ نظر رکھنا چا ہئے کہ اس نفسیا تی عمل کا مطلب انسان کوسر کشی پر مجبور کرنا اور اس کا اختیا رسلب کر لینا نہیں ہے ۔قرآن کریم نے اگرچہ ان کے مضر اثرات کاانسانوں پر مؤثر ہونا قبول کیاہے مگرجن کے نفوس ما دیت سے متا ثر ہو کر مغرور اور مست ہو جا تے ہیں ان کی مذمت بھی کی ہے، دوسرے لفظو ں میں، قرآن ان چیزوں کو گمراہی کااصل سبب نہیں سمجھتااگرچہ یہ اسباب لو گو ں کی گمرا ہی کے لئے راستہ ہموار کر تے ہیں ۔
اس گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ما دی نعمتوں سے انسان منحر ف تو ہوسکتا ہے مگر یہ انحراف کے لئے علت تا مہ نہیں ہیں یہ آیات نعمتو ں سے متعلق ایک نفسیاتی پہلو سے پر دہ اٹھا نے کے علاوہ ایک تربیتی پہلو کو بھی بیان کر تی ہیں یعنی جن آیات میں ان مطالب کی طرف اشا رہ ہے اور جو تعبیریں دو لتمندوناور مجرمو ں کی جانب سے انبیاء علیہم السلام کی مخا لفت کے سلسلہ میں استعمال ہو ئی ہیں وہ سب انسا ن کو یہ درس دیتی ہیں کہ وہ متوجہ رہیں کہ کہیں ما دی فائدے اس کو راہِ حق اور خدا کی یا د سے منحر ف نہ کردیں ارشاد ہو تا ہے:
(یٰٓأَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَٰلُکُمْ وَلَااَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِاللہِ ۔۔۔)(۱)
"ایمان والو خبر دارتمہا رے اموال اور تمہا ری اولاد تمھیں یا د خدا سے غا فل نہ کر دے "۔
۲۔قرآن کریم نے ایک اور نفسیاتی پہلو کی طرف بھی اشا رہ کیا ہے جو خود اپنے مقا م پر مؤثر اور اہم اثرات رکھتا ہے اورقرآنِ کریم نے اس کے اثر کو قبو ل بھی کیا ہے لیکن اس کو ذمہ دا ری بر طرف ہوجانے کا بہانا یا جبر و اکرا ہ کا باعث نہیں سمجھتا ۔البتہ اس نفسیاتی پہلو کی وضا حت سے پہلے ایک بات تمہید کے عنوان سے بیان کر نا ضروری ہے ۔
....

۱۔سورئہ منا فقون آیت۹۔

عالم خلقت کی خصو صیات میں سے ایک یہ ہے کہ انسا نو ں کی تخلیق مینمختلف قسم کے فرق پائے جاتے ہیں ، اس حقیقت کا انکا ر نہیں کیا جا سکتا کہ تما م انسان مختلف اعتبار سے جسم ،رنگ،جنس اور عقل و شعور وغیرہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔خدا وند قدوس نے اپنی حکمتِ بالغہ کی بنیاد پر یہ فرق رکھا ہے اور یہی فرق خلقت کے نظامِ احسن کا ایک حصہ ہے البتّہ کسی بھی انسان کو ان تخلیقی اختلافات پراعتراض کر نے کاحق نہیں کیونکہ کسی کا کو ئی حق خدا کے ذمہ نہیں ہے کہ وہ اس حق کے تلف ہو نے کو مد نظر رکھ کر پر ور دگا ر عالم پر اعتراض کر سکے ۔مثا ل کے طور پر کو ئی انسان خدا وند عا لم پر یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ مجھے ایسا کیو ں بنایااور ویسا کیوں نہیں بنایا؟!
اس"کیوں"کا کو ئی مطلب نہیںہے اس لئے کہ انسان خلقت سے پہلے معدوم تھا اور ظاہر ہے کہ ایک معدوم چیزوجود کے بعد موجدپر اعتراض کی قدرت نہیںرکھتی اور نہ ہی اسے اعتراض کا کو ئی حق ہے۔ خلقت کے بعد بھی جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب خدا وند عالم کا عطیہ ہے اور جو کچھ اس کے پاس نہیں ہے اس کی نسبت بھی اعتراض کا حق نہیں رکھتا ورنہ حقیقت مینیہ اعترا ض حکمتِ الٰہی پر اعتراض ہوگا اور اگر جان بوجھ کرکیا جا ئے اور عملی صورت اختیار کر لے تو یہ ایک طرح کا کفرہے ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

یقیناً خدا وند قدوس نے جب انسانو ں کو پیدا کیا اور ان میں سے ہر ایک کو مخصوص استعداد کا مالک بنا دیااور اُن پراُن کی استعداد اور توانا ئیوں کے مطابق احکام عا ئد کر دیئے تو اس مقا م پر خدا وند عالم نے خود اپنے ذمہ بندوں کے کچھ حقوق رکھے ہیں اور وہ یہ کہ اگر کو ئی شخص اپنی استعداد سے فائدہ اٹھاکراطاعتِ خدا کی راہ میں قدم بڑھا ئے تو خدا اس کو اپنے لطف و کر م سے جزا دے گا ۔ پس انسان کا خدا وند عالم پر اولاً جوحق ہے خود خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے نہ یہ کہ انسان اپنی طرف سے اس پر کو ئی حق رکھتا ہے دوسرے یہ کہ یہ حق صرف فرائض کی ادائیگی کے مر حلہ اور نیک اعمال کی جزاء کے عنوان سے ہے تکو ینی مرحلہ اور انسانو ں کو وجود عطا کر نے کے مو قع سے تعلق نہینرکھتاجیسا کہ خداوند عالم سورئہ روم میں ارشاد فر ماتا ہے :

(وَکَانَ حَقًّاعَلَیْنَا نَصْرُالْمُوْمِنِیْنَ)(۱)

"اور صا حبانِ ایمان کی مدد کر نا تو ہما را فرض تھا "۔

.....

۱۔سورئہ روم آیت۴۷۔

جی ہا ں، خدا وند عالم نے حقیقی مو منوں کی مدداپنا حق قرار دیا ہے اوریہ ذمہ داری اپنے ذمہ میں لی ہے لیکن تکوینی نظا م کے تحت مخلوقات میں فرق غیر قابلِ انکا ر ہے اور نظا مِ احسن کے اسباب میں سے ہے قر آ نِ کریم نے بھی اس حقیقت پر تا ئید کی مہر لگا تے ہو ئے سورئہ زخرف میناعلان کیا ہے :

(وَرَفَعْنَابَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضاًسُخْرِیّاً---)(۱)

"اور ہم نے درجات مینبعض کو بعض سے او نچا بنا یا ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لے سکے "۔

سورئہ انعام میں ارشا د ہو تا ہے :

(وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَایَ ا تَیٰکُمْ)(۲)

"اور بعض کے درجات کو بعض سے بلند کیا تا کہ تمھیں جو کچھ دیا ہے اس کے ذریعے آ زما ئے' '

البتہ چو نکہ یہ اختلاف حکمتِ الٰہی کے مطابق ہے لہٰذا قرآن اس کوایک مطلوب حالت سمجھتا ہے اور انسان کو دو سروں کو دی گئی نعمتو ں کی آرزو دل میں پالنے سے منع کر تاہے ۔ سورئہ نساء میں ارشا د ہو تا ہے :

(وَ لَا تَتَمَنَّوْامَافَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰیٰ بَعْض---)(۳)

"اور خبر دار جو خدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیا دہ دیا ہے اس کی تمنّا اور آرزو نہ کر نا "۔

بہر حا ل یہ تکو ینی اختلافات فطری طور پرمعا شرتی زند گی میں اثر انداز ہو تے ہیں جو شخص جسمانی طا قت ، ذہانت اور خلاقیت کی دوسروں سے بہتر صلا حیت رکھتا ہے جب اس استعداد و قابلیت سے صحیح استفا دہ کر تا ہے، مادی نعمتو ں سے زیا دہ بہرہ مندہو تاہے البتہ جیسا کہ ہم بیا ن کر چکے ہیں کہ ما دی نعمتیں انسان کی سعا دت اور کرامت کی علا مت نہیں ہیں ،بزر گی تواس وقت آتی ہے کہ جب انسان اپنے اختیار سے راہِ راست کا انتخاب کرے ۔ قرآ ن یہ نہیں کہتا "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَعْلَمَکُمْ "ممکن ہے کسی کے پاس بہت زیا دہ علم ہو لیکن ا س کے با وجود وہ جہنمی ہو ،بزر گی کا معیا ر تو تقویٰ ہے اور کچھ نہیں ۔

اس تمہید کے بعدآئیے اصل بحث کا جا ئزہ لیتے ہیں ؛ ما دی نعمتو ں کی فراوانی کبھی بھی فضیلت اور بزر گی کاسبب

.....

۱۔سورئہ زخرف آیت ۳۲۔
۲۔سورئہانعام آیت ۱۶۵ ۔
۳۔سورئہ نساء آیت ۳۲۔

نہیں ہوتی مگرقر آ نِ کریم اس با ت کو بھی قبول کر تا ہے کہ جب معا شرے کے کچھ افراد مادی وسائل کے سہارے مخصوص مقا م اور عہدہ حا صل کر لیں تووہ معا شرے کے دوسرے ا فرا د پر مؤثر ہو سکتے ہیں۔ہر شخص کے اندر ایک کمزوری ہے جو عام طور سے پا ئی جاتی ہے اور وہ بزرگوں کی اند ھی تقلید کر نا ہے ؛لوگونکے اندر یہ بچکا نہ صفت پائی جاتی ہے کہ وہ بڑے آ رام سے معا شرے کی ممتا ز شخصیتو ں کی پیر وی کر تے ہیں اور خود کو ان ہی کے کر دار میں ڈھالنے کی کو شش کر تے ہیں ۔ پس جس طرح دولت اورمعاشرتی مقام و حیثیت خودصا حبِ دولت و منصب کے غرور اور سر کشی کا سبب ہے اسی طرح دوسرو ں کو اندھی تقلید پر بھی ابھارتی ہے یہ جھکاؤ ایک نفسیا تی امرہے اور قرآ ن

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

نے بھی اس کو ایک حقیقت کے عنوان سے قبو ل کیا ہے ؛ اسی حقیقت کی بنا پر اہلِ دوزخ کے ایک گروہ کے با رے میں قرآن کہتا ہے :
(وَقَالُوْارَ بَّنَااِنَّآاَطَعْنَاسَادَتَنَاوَكُبَرَآئَنَافَاَضَلُّوْنَاالسَّبِيْلاَ۔ رَبَّنَائَ اتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَ ابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْناًكَبِيْراً)(١)
" اور وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے اپنے سر دا روں اور بزر گو ں کی اطا عت کی تو انھو ں نے ہمینراستہ سے بہکا دیا اب ان پر دو ہرا عذاب نا زل کر اور اور ان پر بہت بڑی لعنت کر " ۔
مگر قر آ ن کی طرف سے اس حقیقت کی تصدیق کا مقصدہر گز یہ نہیں ہے کہ ہم اس کو جبراور مجبوری قرار دے کر ذمہ داری کا سبب قرار دیدینکیونکہ جو لو گ اپنی گمرا ہی کی ذمہ داری قو م کے بڑے لو گو ں کی گر دن پر ڈالتے ہیں ان کا عذر قابلِ قبول نہیں ہے ۔ اگر چہ انسان میں تقلید اور بڑوں کے بتا ئے ہو ئے راستہ پر چلنے کا عنصر پا یا جا تا ہے اور اس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن تا ریخی تجربات کی روشنی مینخدا نے انسان کوان امو رکا مقابلہ کر نے کی قوت و صلاحیت بھی دی ہے ۔
ہما ری اس گفتگوکا لب لباب یہ ہے کہ اسلام انسان کے ارادہ اور اختیا ر کے سلسلہ میں بہت زیا دہ اہمیت قا ئل ہے اور اسی کو اصل سمجھتا ہے لہٰذا اختیاری کامو ں کے دائرہ وحدود میں کسی بھی عذر کو قبو ل نہیں کر تا ۔ اس بات کا شاہد کہ " ا س طرح کے نفسیاتی پہلو انسان پراس کے اختیار ات کے راستہ سرے سے بند نہیں کر تے "یہ ہے کہ بہت سے مستضعفین اگرچہ سماجی اعتبار سے ایک دم نچلے درجہ پر تھے مگر اس کے با وجود معا شرے کی بڑی شخصیتو ں سے متأثر

.....

١۔سورئہ احزاب آیت٦٧۔٦٨۔

ہوئے بغیر انبیاء پرایمان لے آئے۔ مثال کے طور پر حضرت نوح کی قوم کے سر کردہ افراد آپ سے کہا کر تے تھے :
(قَا لُوْاأَنُؤْمِنُ لَکَ وَ اتَّبَعَکَ الْأَرْذَلُوْنَ)(١)
" ان لو گو ں نے کہا ہم آپ پر کس طرح ایمان لا ئیں؟! جب کہ آ پ کے تمام پیر و طبقہ کے لوگ ہیں"۔
اور سورئہ ہود میں ارشا د ہو تا ہے :
(--- وَمَانَرَیٰک اتَّبَعَکَ اِلاَّالَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَابَادِیَ الرَّأْیِ---)(٢)
"اور ہم تمہا ری اتباع کر نے وا لو ں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہما رے پست طبقہ کے سادہ لو ح افراد ہیں " ۔
معلوم ہوا اس زمانہ کے غلط رسم و رواج کی بنا پر جو لوگ "اراذل "(نیچے طبقے والے)کہے جا تے تھے وہ خداکے پیغمبر پر ایمان لا کر اور قوم کے سر دا روں کی تقلید کے خلاف اقدام کر کے نجات پا گئے پس ایسا نہیں ہے کہ اگر معاشرہ کا کو ئی گروہ "ارذلین " (یعنی پست طبقے)کے زمرہ میں آتاہو تووہ معاشرہ کی فضا سے اتنا گھٹ جائے کہ اس سے ڈٹ کر مقابلہ کر نے کی قوّت ہی نہ رکھتا ہو ۔ مختصر یہ کہ انسان ایسے مستقل ارادہ کا ما لک ہے جس سے وہ ان تمام نفسیاتی اسباب کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا ہے ۔

فلسفۂ تا ریخ کے بارے میں ایک نکتہ
زیر بحث آیات سے ایک اور نتیجہ جو حا صل ہو تا ہے وہ فلسفۂ تا ریخ کی ایک بحث سے تعلق رکھتا ہے ۔فلسفۂ تا ریخ سے آشنا ایک گروہ کا خیال ہے کہ تا ریخی تغیرات ہمیشہ تر قی کی طرف گا مزن ہو تے ہیں اور جبر تاریخ اس چیز کا تقا ضا ہے کہ معا شرے ہمیشہ تر قی کر تے رہیں اور تا ریخ کا ہر دور پہلے والے دور سے ممتا زاورزیادہ کامل ہو ۔
قرآنِ کریم کی آیا ت کے تحقیقی جا ئزے سے یہ بات واضح و روشن ہو جا تی ہے کہ مند رجہ بالاعقیدہ قر آن کی رو سے درست نہینہے ؛ایسا نہیں ہے کہ ہر نیا معا شرہ قدیم معا شرہ سے معنوی اورما دی لحا ظ سے زیادہ کامل ہو ۔ مثال کے طور پر قرآن کریم معا شروں کی ما دی ترقی کے متعلق سورئہ روم میں ارشاد فر ماتا ہے :
(اَوَلَمْ یَسِیْرُوْافِیْ الْأَرْضِ فَیَنْظُرُوْاکَیفَ کَانَ عُقِبَةُ الَّذِیْنَ مِن قَبْلِهِمْ کَانُوْااَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَاَثَارُوْاالْأَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَکْثَرَمِمَّاعَمَرُوْهَا ---)(٣)
" کیا یہ لوگ رؤے زمین پر چلے پھر ے نہیں ہینکہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے گذر گئے ان کا انجام کیا ہوا؟

.....

١۔سورئہ شعراء آیت١١١۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

۲سورئہ ہود آیت ۲۷۔
۳۔ سورۂ روم،آیت۹۔

حالانکہ وہ لوگ قوّت میں ان سے کہیں زیادہ قوی تھے اور جس قدر زمین اُن لو گوں نے گوڑکرزراعت کے ذریعہ آباد کی ہے اس سے کہیں زیادہ زمین ان لو گوں نے آباد کی تھی ---" ۔
اس آیت سے یہ پتہ چلتاہے کہ پہلے کے بعض معاشر ے اور تہذیبیں علم اور ما وی صنعت کے اعتبار سے جدید معاشروں سے کہیں زیا دہ تر قی یا فتہ تھے ۔ بنیادی طورپرتا ریخ بشر یت میں بہت سی ایسی در خشاں تہذیبیں تھیں جو کچھ اسباب کی وجہ سے ختم ہو گئیں اور بعدمیںآنے والے معاشرے مد توں تک ان کے علمی آثار اورفنی وسائل سے محردم رہ گئے اس بنا پریہ لا زم نہیں ہے کہ انسانی تمدن ہمیشہ مادی ترقی کی راہ پرہی گا مزن رہاہو۔
روحانی ترقّیوں کے اعتبار سے بھی یہ بات روشن ہے ممکن ہے کہ ایک معاشرہ اپنے اختیار و انتخاب سے صحیح فائدہ اٹھاکر مو من ہو اور اس کی آئندہ نسلیں اپنے غلط انتخاب کی بنا پر کفر کا راستہ اختیار کرلیں ۔ لہٰذا کو ئی ایسی دلیل موجو د نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ جبر تاریخ کی بنا پر ہرمعاشرہ اپنے پہلے کے معاشروں کی ثقافت سے بالاترہو اور اس سے زیادہ روحانی اور اخلاقی اقدارر کھتا ہو ۔
البتہ اسلا م کی پیشینگو ئی کی بنیاد پر زمین پر ظا ہر ہو نے والا سب سے آخر ی معا شرہ ما دی اورمعنوی لحا ظ سے تا ریخ ِ انسانیت کا سب سے بہتر اور بلند معا شرہ ہو گا لیکن یہ معا شرہ جبرتا ریخ کی اساس و بنیا د پر نہیںبلکہ اپنے زما نہ کے لوگوں کے ذریعہ اختیار و انتخاب کے صحیح استعمال کے سبب مادی اور معنوی تر قیاںحاصل کر ے گا اور خداوند عالم بھی اپنے انعام و اکرام سے ان کی نعمتوں میں اضافہ کر دے گا ۔ اس نکتہ کو بھی یاد رکھنا چا ہئے کہ سما جیات اور فلسفۂ تاریخ سے متعلق قوا نین و ضوابط کہ جن میں جبراور ایک دم سے انسان کے ہاتھوں سے اسکے اختیارات سلب کرلئے جا نے کی باتیں ہیں یہ سب قرآن کے نز دیک ہر گز قابل قبول نہیں ہیں۔

خا تمیت
نبو ت کے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا خدا کی جا نب سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا یا کسی خاص زمانہ میں ختم بھی ہو سکتا ہے اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس سوال کا جواب با لکل واضح و روشن ہے اور کسی شک و شبہ کی گنجا ئش نہیں ہے؛ اسلام کے ضروریات میں کہ جن کا ما ننا ہر مسلمان کا فریضہ ہے ایک یہ ہے کہ رسول اسلامؐانبیاء علیہم السلام کے سلسلہ کے آخری نبی ہیں اور آنحضرتؐکے بعد کو ئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا اور نہ ہی اب مستقبل میں مبعوث کیا جائیگا ۔یہ اسلامی عقیدہ اتنا مشہور و معروف ہے کہ دو سرے مذاہب والے بھی بخوبی جا نتے ہیں کہ اسلام خاتمیت کا قائل ہے۔ اسلامی تعلیمات سے معمولی آشنائی رکھنے والا بھی اس بات کو بخوبی جا نتا ہے کہ مسلمانوں کے نظریہ کے مطابق پیغمبر اکرمؐ(خاتم الا نبیاء) اور آپ کا دین (خاتم الا دیان) ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن کریم میں اس عقیدہ کے شواہد مو جو د ہیں یا نہیں؟
ہم گذشتہ ایک بحث میں (پیغمبر اسلامؐکی دعوت کے عالمی ہو نے) سے متعلق کچھ آیات پیش کرچکے ہیں جن سے اِس بحث میں بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے ؛
سورئہ فر قان میں ارشاد ہو تا ہے :
(تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرْقَانَ عَلَٰی عَبدِهِ لِیَکُونَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا)(۱)
"با بر کت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق کو باطل سے جدا کرنے والی کتاب) نازل کی تا کہ وہ سارے جہان کے لئے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بن جا ئے"۔
اس آیت سے (ایک کامل آخری دین کی حیثیت سے) خاتمیت اسلام کا استفادہ کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ عالمین کسی خاص زمانہ سے مخصو ص نہیں ہے جب تک دنیا قائم ہے ہر ایک امت چا ہے وہ کہیں بھی ہو (عالمین)
....

۱سورئہ فرقان آیت ۱۔

کا جزء شمار ہو گی اور رسول اسلامؐبھی ان کے لئے(نذیر) یعنی ڈرانے والے ہوں گے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ آخر الزماں تک کو ئی دو سرا رسول و نبی مبعوث نہیں کیا جائیگاایک اور آیت میں ارشاد ہو تا ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(--- وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَاالقُرآنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ ---)(۱)
" اور یہ قرآن مجھ پر وحی کے ذریعہ اس لئے نازل کیا گیا کہ میں تمہیں اور جس جس تک (اسکی خبر پہنچے) اسکے ذریعہ اُسے ڈرائوں "۔
لفظ (مَن بَلَغ)رسو ل اسلامؐکے دور حیات میں مو جو د تمام انسانوں کے ساتھ آئندہ زمانے کے بھی تمام انسانوں کو شامل ہے اور اس کا مطلب وہی خاتمیتِ دین اسلا م ہے ۔
ایک اور جگہ ارشا د ہو تا ہے :(وَمَاارْسَلْنَاکَ اِلَّاکَافَّۃً لِلنَّاسِ بَشِیْراًوَنَذِیْراً---) (۲)
" اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام لو گو ں کے لئے خو شخبری دینے اور ڈرا نے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لو گ نہیں جا نتے "۔
مفسرین کے کہنے کی بنیا دپر لفظ "کا فۃً ""ناس " کے لئے حال کے طور پر استعمال ہو ا ہے اس لئے کہ ا ولاً "تائے تا نیث ' ' کے ساتھ آیا ہے دوسرے یہ کہ قرآ ن کریم میں دو سرے مقا مات پر بھی اسی عام معنی میں استعما ل ہواہے۔(۳)
اس بیان کے اعتبار سے آیت کا مد لول یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐکے ہم عصر افراد اور جو لوگ بعد میں آئیں گے سب انذار کے مخا طب ہیں، اور دعوت اسلام ان کو بھی شا مل ہے ۔ اس صو رت میں دو سرے نبی کا کو ئی تصو ر ہی با قی نہیں رہ جا تا ۔
اس طرح کی تمام آیات کے علا وہ بھی جن میں سے ہر آیت کسی نہ کسی عنوان سے ہما رے مد عا کو ظا ہر کر تی ہے،ایک آیت اور بھی ہے جو خا تمیت پر صاف صاف دلالت کر تی ہے ار شا د ہو تا ہے :
(مَاکَا ن مُحَمَّدَ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَا لِکُمْ وَلٰکِنْ رَسُوْ لَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ---)(٤)
.....

۱۔سورئہ انعام آیت۱۹۔
۲۔سورئہ سبأ آیت ۲۸۔
۳۔لفظ'' کا فَّۃً' زیربحث آ یت کے علا وہ بھی اور دو سری چا ر آ یتو ں میں استعما ل ہو ا ہے کہ ان سب مقامات پر عمومیت کے معنی پر دلالت کر تا ہے ''۔
٤۔سورئہ احزاب آیت ٤٠۔

"محمد تمہا رے مر دوں میں کسی کے با پ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اورخاتم انبیاء ہیں "۔
اگر چہ یہ آیت اپنے منھ بو لے بیٹے زید کی طلاق شدہ سے پیغمبر اسلامؐکی شادی کے جواز کو بیان کررہی ہے لیکن اس میں ضمناًخا تمیت کامسئلہ بھی بیان کیا گیاہے ۔
قبل از اسلام اپنے منھ بولے بیٹے کی مطلقہ سے بھی شادی نہ کرنے کا دستور تھا خداوند عالم نے اس غلط رسم کو منسو خ کرنے کی خاطر رسول اسلامؐکوحکم فرمایا کہ زید کی مطلقہ سے شادی کرلیں ۔ اس کے بعد آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐکے دور حیات میں کو ئی ایک بھی آنحضرتؐکا حقیقی بیٹا نہیں ہے اور زید بھی صرف آنحضرتؐکے منھ بولے بیٹے ہیں(حقیقی بیٹے نہینہیں) ۔ اس بناء پر زید کی مطلقہ سے شادی کرنے مینپیغمبر کے لئے کو ئی ما نع نہیں ہے۔
اس بناء پر صدرِ آیت ایک فقہی اور تاریخی مسئلہ سے مر بو ط ہے لیکن آیت کے ذیل میں"خاتم النبیین'کا لفظ رسول اسلامؐکی خاتمیت پرنص ہے ۔ قرائت مشہور کے مطابق
" خَا تَمْ " تا ء پر زبر انگشتری (انگو ٹھی)کے معنی میں ہے لیکن انگشتری کے لئے ایک لفظ "ختم" کے مادہ سے کیونبنا یاگیا اس کی دلیل یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں عام طور سے خطوط کے آخر مینپیغامات کو لپیٹ کر اُن کے لفافہ پر انگوٹھی کی مہر لگادیتے تھے چونکہ خطوط کی انتہا اسی پر ہو ا کرتی تھی لہٰذا اس کو خاتم کہا کرتے تھے ۔ اہل زبان کے بقول "خاتم "کا مطلب"مایخُتَمُ بِہٖ"ہے یعنی جس کے ذریعہ کو ئی چیز ختم ہو ۔ اس بنیاد پر "خاتم النبیین" یعنی "مَنْ یَختَم بِہِ النُبُوَّۃ"(وہ کہ جس پر نبوت ختم ہو جا ئے) اور اس معنی کو تمام اہل لغت نے بیان کیا ہے ،کسی نے بھی اس میں شبہ نہیں کیا ہے پس آیہ شریفہ کے اس حصّہ کا واضح مد لول یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے مبعوث ہو نے کے بعد انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے ۔
یہاں یہ بات بھی لا ئق ذکرہے کہ خاتمیت اسلام کی بات صرف قرآن سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ پر متعدد روا یات بھی دلالت کرتی ہیں جو ہماری کتب احا دیث میں مو جو د ہیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اسلامؐسے مروی ہے : نبوت ایک محل کی مانند ہے جس کی آخری اینٹ میں ہوں اور میرے آنے کے بعد اس محل کی عمارت مکمل

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ہو گئی ہے -(۱)
خلا صۂ کلام یہ کہ قرآن اور اسلامی روایات کی رو سے خاتمیت کے مسئلہ میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں پایا جاتا البتہ اس با رے میں بے شمار شبہات پیدا کئے گئے ہینجن کا ایک جا ئزہ پیش کر دیناقا رئین کرا م کے لئے ضرورمفید ثابت ہو گا ۔

.....

۱۔ مو جودہ دور کے ایک دا نشمند نے کتاب (معالم النبوّۃ) میں ٤٥ حدیثیں اس باب میں جمع کی ہیں او ر اس سے بڑھکر یہ کہ خاتمیت کے اثبات میں مبسوط بیان قلمبند کیا ہے ۔ رجوع فر مائیے : جعفر سبحانی معالم النبو ۃ فی القرآن الکریم بیر دت دار الا ضواء ٤٠٥ ھ صفحہ ١٤٨ سے ١٨٠۔

راہ اور رہنما کی پہچان

خاتمیت سے متعلق شکوک کا جا ئزہ
خاتمیت اسلام پر قرآنی دلالت کے با رے میں جو اہم ترین شکوک و شبہات بیان ہو ئے ہیں اس حصہ میں ہم انھیں بیان کرنے کی کو شش کریں گے:
۱۔ عربی زبان میں"خَاتَم"کے معنی انگشتری کے ہیں اور سورئہ مبارکہ احزاب کی چالیسویں آیت میں یہ مجازی طور پر زینت کے معنی میں استعمال ہواہے ۔اس بناء پر"خاتم النبیین" کا مطلب (انبیاء کی زینت)ہے اور مسئلہ خاتمیت پر کسی طرح دلالت نہیں کرتا ۔
جواب :عربی زبان مینلفظ خاتم کامجازی معنی میں زینت کے لئے استعمال ہونا عام طریقہ پررائج نہیں ہے اور لغت زبان کے ما ہرین میں کسی نے بھی اس آیت کے بارے میں اس طرح کااحتمال بیان نہیں کیاہے۔ ظاہر ہے آیت کا ایک غیرمشہور معنی بیان کرناجو اس کے ظاہر کے برخلاف ہو کوئی قیمت نہیں رکھتا اور اس سے خاتمیت پر آیت کی دلالت میں کوئی ضرر پیدا نہیں ہوتا۔
۲۔ اس آیت میں "خاتم النبیین"کالفظ استعمال کیاگیاہے "خاتم الرسل"کا نہینہے اور چونکہ "نبی"اور "رسول"میں فرق ہے لہٰذا اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پیغمبر اسلامؐکے بعد کوئی خداکا رسول مبعوث نہیں ہوگا؟
جواب :ہم "نبی"اور "رسول "کے مفہوم کی بحث میں یہ بات واضح کرچکے ہیں کہ ان دونوں کے مفہوم چاہے کتنے ہی ایک دوسرے سے مختلف ہوں لیکن مصداق کے لحاظ سے ان دونوں کے مابین عام خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے یعنی ہر رسول نبی بھی ہو تا ہے (لیکن ایسانہیں ہے کہ تمام انبیاء رسول بھی ہوں)اس بنیاد پر یہ کہناکہ پیغمبر اسلامؐکے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا یہ رسول کو بھی شامل ہے لہٰذا ختم نبّوت کا لازمہ ختم رسالت ہے ۔ (چونکہ نفی عام مستلزم نفی خاص ہوتی ہے)
۳۔قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ نتیجہ نکلتاہے کہ خداوند عالم نے زمانۂ مستقبل میں انبیاء علیہم السلام مبعوث کرنے پر بنا رکھی ہے ۔مثال کے طور پر ارشاد ہو تا ہے :
(یٰبَنِیْ آدَمَ مَّایَاْتِیَنَّکُمْ رُسُل مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ آیَاتِیْ---)(۱)
"اے بنی آدم اگر تم میں تمہارے ہی درمیان سے کچھ رسول آئیں اور تم سے ہمارے احکام بیان کریں ---"
ظاہرہے کہ یہ آیت حضرت رسول اللہؐکے زمانہ میں نازل ہوئی ہے اور اس میں اسی دور کے بنی آدم سے خطاب بھی ہے اب اس واقعیت و حقیقت کے مد نظر اور اس اعتبار سے کہ فعل "یَاْتِیَنَّکُمْ "صیغۂ مضارع ہے اور لفظ "رُسُل"جمع ہے یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت رسول خداؐکے بعد ،دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوں گے ۔لہٰذا اس طرح کی آیات کی موجود گی میں پیغمبر اسلامؐکی خاتمیت کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے ؟

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جواب :معترض کے اس شبہہ میں کو ئی استحکام نہیں پا یا جاتالگتا ہے وہ عربی زبان کی لطافت اور ا س کے قوانین سے بالکل آشنا نہیں ہے :
اولاً فعل مضارع تمام مقامات پرفعل کے زمانۂ مستقبل میں واقع ہونے پر دلالت نہیں کرتا ۔
دوسرے یہ کہ اس آیت میں لفظ"اِمّا"حرف شرط"اِنْ"اور "مائے"زائدہ سے مرکب ہے۔اس بناء پر آیت کا مضمون جملۂ شرطیہ کی صورت میں بیان کیاگیاہے۔یعنی اگر تمہاری طرف انبیاء علیہم السلام بھیجے جائیں تو ان کی اطاعت و پیروی کرنا اورہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جملۂ شرطیہ شرط کے محقق ہونے کا ضا من نہیں ہے اس بنا ء پر یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آخری نبی کے بعد قطعاً اور انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جائیں گے۔
اس کے علاوہ اس سے پہلے کی آیات کے سیاق سے یہ پتہ چلتاہے کہ اس آیت میں بنی آدم علیہ السلام کے مخا طب اس وقت کے لوگ ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام اورحواکو زمین پر بھیجا گیاتھا۔اس آیت سے پہلے کی آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ،ان کے بہشت میں آنے اورروئے زمین پر ان کے اتارنے کی داستان بیان کی گئی ہے اور اس کے بعد بنی آدم سے خطاب کر کے کچھ مطالب بیان کئے گئے ہیں اوریہ آیت بھی ان
ہی سے متعلق ہے۔تو معلوم ہواکہ اس آیت میں تمام لوگوں سے خطاب کیاگیاہے اور ان کو یہ حکم دیا گیاہے کہ جب کبھی بھی کوئی نبی تمہاری طرف بھیجا جائے تو اس کی اطاعت کرنا ۔رہا یہ مسئلہ کہ یہ انبیاء علیہم السلام کس زمانہ میں مبعوث ہونگے اور ان میں آخری نبی کون ہوگا آیت اس چیز کو بیان نہیں کررہی ہے۔

.....

۱۔سورئہ اعراف آیت۳۵۔

قرآن کریم کے بعض سوروں میں زیربحث آیت کی مانندااوربھی آیات ہیں جن پرغور وفکرکرنے سے یہ مفہوم اور بھی واضح اور روشن ہوجاتا ہے ۔
سورئہ بقرہ میں خداوندعالم ارشاد فرماتاہے :
(قُلْنَااهْبِطُوْامِنْهَاجَمِيْعًافَاِمَّايَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْف عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ)(۱)
"ہم نے کہا:سب نیچے اتر جائو۔پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے "۔
(...فَاِمَّايَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَايَشْقٰی)(۲)
"...پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ تو وہ گمراہ ہوگا اورنہ مصیبت میں پھنسے گا"۔
ان آیات کا سیاق ایک ہے فرق بس یہ ہے کہ آخری دو آیات میں ہدایت اور راہنمائی بھیجے جا نے کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور زیر بحث آیت (سورئہ اعراف۳۵)میں خداوند عالم کے فر ستا دہ ہادیوں یعنی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں گفتگو کی کئی ہے ۔
٤۔ قرآن کریم میں ہے :(...يُلْقِی الرُّوحَ مِنْ اَمْرِهِ عَلٰی مَنْ يَشَائُ مِنْ عِبَادِهِ...)(۳)
"...وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتاہے اپنے حکم سے روح (فرشتہ)نازل کرتاہے ...۔"
اس آیت کا صاف طور پر مدلول یاکنایہ یہ ہے کہ خداوندعالم جس شخص کو چاہے نبی بنا کر بھیج سکتاہے حالانکہ یہ آیت رسول اکرمؐ کے دو رحیات میں نازل ہوئی ہے ۔
یہ آیت صاف دلالت کر تی ہے کہ آپ کے بعد بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جائینگے ۔
جواب :یہ آیت بھی اس سے پہلے کی آیت کی طرح زمانۂ مستقبل کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ کسی بھی شخص کو پیغمبری کے لئے منتخب کرنا مشیّت الٰہی کے تابع ہے اور وہ کافرونکے مادی معیاروں

.....

۱۔سورئہ بقرہ آیت۳۸۔
۲۔سورئہ طہ آیت۱۲۳۔
۳۔سورئہ غافر آیت۱۵۔

کی اتباع نہیں کرتا۔خداوندعالم جس شخص کے لئے مصلحت دیکھتاہے اس پر وحی نازل کردیتا ہے اور اس کو رسالت کے

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

لئے منتخب کرلیتا ہے ۔بنا بر این زیر بحث آیت بھی مندرجہ ذیل آیت کے مضمون سے مشا بہت رکھتی ہے جس میں کہا گیا ہے :

(۔۔۔اَللہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہُ۔۔۔)(۱)

"۔۔۔اﷲبہتر جانتا ہے کہ کہاں اپنی پیغمبری قرار دے ۔۔۔"۔

مورد بحث آیت بھی اس آیت کی طرح اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ خداوند عالم زمانۂ مستقبل میں کسی نبی کو مبعوث کرے گا بلکہ اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ انسانوں کو رسالت کے لئے منتخب کرنا کچھ مصلحتوں کا تابع ہے جن کو خداوندعالم بہتر جانتا ہے ۔لہٰذا ان آیات میں فعل مضارع "یلقی"یا "یجعل"کسی طرح سے بھی مستقبل کے معنی میں نہیں ہے۔ بہر حال عربی زبان اور اس کے قواعد سے آشنا شخص بخوبی جانتاہے کہ مندرجہ بالا آیات میں کسی بھی عنوان سے خاتمیت کا انکار نہیں ہے یقیناً ہمارامدّعایہ بھی نہیں ہے کہ"یلقی الروح" خاتمیت کو بیان کرتاہے بلکہ بات صرف یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے بعد آئندہ زمانہ میں کوئی اورپیغمبرضرور مبعوث ہوگا اس پر آیت دلالت نہیں کرتی۔اب اگر رسول اسلامؐ کے بعد کسی اور دوسرے پیغمبر کے مبعوث ہونے کی بات ہوتی تو مذکورہ آیت میں وہ بھی شامل ہوتالیکن "خاتم النبیین"صاف طور پر ختم نبوت پر دلالت کرتاہے اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ رسول اسلامؐ کے بعد کوئی اور پیغمبر مبعوث نہیں ہوگا۔

خاتمیت سے متعلق کچھ اور شکوک و شبہات پیش کئے گئے ہیں جن کو مربوط کتابونمیں تلاش کیاجاسکتاہے لیکن ان کے اندر کسی قسم کی پائیداری نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان سے صرف نظر کررہے ہیں ۔

اختتام نبوّت کی وجہیں

ختم نبوّت کے متعلق ایک اہم سوال یہ کیا جاتا ہے کہ :جب خداوندعالم انسانوں کی ہدایت کے لئے یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتارہا تو اب ایک معین زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ منقطع کیوں ہوگیا؟ اس سوال کا قطعی جواب تو یہی ہے کہ

(اﷲاعلم حیث یجعل رسالتہ)خدواند عالم اپنی حکمت بالغہ اور اپنے علم مطلق کی بنیاد پر جانتاہے کہ

....

۱سورئہ انعام آیت۱۲٤۔

انبیاء علیہم السلام کو کہاں ُکب اور کس طرح مبعوث کرے؟ اور ہم اس مسئلہ کے راز سے کامل طور پر آگاہ نہیں ہیں ۔ حکمت الٰہی یہی ہے کہ رسول اسلامؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ بھیجا جائے ۔

لیکن قرآن کریم کی آیات سا منے رکھ کر کچھ ایسے نکات معلوم کئے جاسکتے ہینجو کسی حد تک ختم نبوت کی وجہوں کو واضح کرتے ہیں ۔اس کے باوجودتوجہ رہے کہ یہ ان ہی پر بات تمام نہیں ہوتی اور جیسا کہ ہم نے اشارہ کیاکہ اس مسئلہ کی اصل وجہ علم کے دائرے سے کہیں بالاترہے اورہم قرآن کے بعض مطالب کے ذریعہ اس مسئلہ کی حکمت کے محض بعض حصّوں تک رسائی حاصل کرسکے ہیں جو کچھ اس طرح ہیں :

۱۔انبیائے الٰہی خدااور لوگوں کے درمیان واسطہ رہے ہیں تاکہ لوگوں کی ابدی سعادت کی طرف رہبری کرینلیکن کچھ عرصہ بعد انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں تحریف ہوجایا کرتی تھی یا اس کو معاشرہ کے درمیان بالکل ہی ختم کردیا جاتاتھا ۔اس بناء پر انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں تحریف یا ان کی دعوت کے اثرات زائل ہوجانے کے بعد حکمت الٰہی تقاضاکرتی تھی کہ کوئی دوسرا نبی مبعوث کیاجائے تاکہ وہ دوبارہ دعوت الی اﷲکو زندہ کرے ،اور تحریفات کی اصلاح کرے اور رسالت الٰہی کو اس کے اصل راستہ پر پھر سے گامزن کردے :

قر آ ن میں ار شاد ہو تا ہے :

(وَمَاَانْزَلْنَاعَلَیْکَ الْکِتَا بَ اِلَّالِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْافِیْہِ۔۔۔)(۱)

"اور ہم نے تم پر(اس)قرآن کو نازل نہیں گیا مگر اس لئے کہ جن باتوں میں یہ لوگ آپس میں جھگڑا کرتے ہیں ان کو تم صاف صاف بیان کرو۔۔"۔

اس بنیاد پر نئے نبی مبعوث کرنے کی ایک حکمت یہ تھی کہ اس سے پہلے والے نبی کی شریعت میں تحریف اور ختم ہونے سے بچاناتھالیکن یہ مسئلہ دین اسلام اور اس کی آسمانی کتاب کے بارے میں صادق نہیں آتا چونکہ خداوندعالم نے اس کی ضمانت خود اپنے ذمہ لی ہے :

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

(اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَوَاِنَّالَہُ لَحَافِظُوْنَ)(۲)
"بیشک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اسکے محافظ بھی ہیں "۔
تو معلوم ہوا کہ خاتمیت اسلام کی ایک حکمت یہ ہے کہ خداوندعالم نے ا سے ہرطرح کی تحریف اور تغیر و تبدّل سے محفوظ رکھا ہے ۔

.....

۱۔سورئہ نحل آیت ٦٤۔
۲۔سورئہ حجر آیت۹۔

۲۔دوسرے پیغمبر کو مبعوث کرنے کی ایک دوسری وجہ زمانہ مستقبل کے معاشروں اور امتوں کے لئے پہلے نبی کی شریعت کا کافی نہ ہوناتھا ۔مثال کے طور پر ایک نبی ایک ایسے معاشرہ میں معبوث ہو جس میں بہت سادہ قوانین و ضوابط رائج ہوں یا ان کی فکر ی سطح پست ہو ۔ظاہر ہے ایسے معاشرہ میں دین کے اجتماعی احکام وسیع طور پر یا دین کے بلند و بالا اور عمیق معارف کا پیغام نہیں پہنچایا جاسکتا ہاناگر آہستہ آہستہ ، زمانہ گذرنے کے ساتھ معاشرہ کا ڈھانچاکچھ پیچیدہ ہوجائے اور لوگ فکر و ثقافت کے لحاظ سے ترقی کرلیں توایسے میں ان کو نئے نبی کی ضرورت پیش آئیگی کہ وہ ان کے حالات کے مناسب زیادہ کامل شریعت پیش کرسکے ۔لہٰذانئے نبی کو بھیجنے کی ایک اوروجہ یہ ہے کہ پہلی شریعت کی تکمیل کی جا ئے چا ہے گذ شتہ احکام کی تفصیل بیان کرنے یانئے احکام پہو نچا نے کی صورت مینہی کیوں نہ ہو ۔
لیکن قرآن کریم نے اسلام کے با رے میںاس ضرورت کی بھی نفی کر دی ہے کیونکہ یہ دین کامل ہے اور آنے والی نسلوں کو جن چیزوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے وہ سب اپنے ساتھ لیکر آیاہے۔ ار شاد ہو تا ہے :
(---اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ---)(۱)
"---آج میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا---"۔
اور پیغمبر اسلامؐسے بھی مروی ہے کہ آپ نے فر مایا ہے :
(مَامِنْ شَیٍٔ یُقَرِّبَکُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیُبَعِّدَکُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّاوَقَدْاَمَرْتُکُمْ بِہِ وَمَا مِنْ شَیٍٔ یُقَرِّبَکُمْ مِنَ النَّارِ وَ یُبَعِّدَکُمْ مِنَ الجَنَّةِ اِلَّاوَقَدْ نُہِیتکُمْ عَنْہُ---)
"جنّت سے قریب اور دوزخ سے دور کرنے والی ہر چیز کا حکم میں نے تم تک پہنچادیا اورہر وہ چیزجو تم کو دوزخ سے قریب اور جنّت سے دور کرتی ہے میں نے اس سے تم کو منع کر دیا ہے---"۔
اس نص و دلیل سے استفادہ ہوتاہے کہ اسلام دین کامل ہے اور اس کو پھر سے تکمیل تک پہنچانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں ہے لہٰذا کسی نئے نبی و رسول کے بھیجے جا نے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔
۳۔قرآن کریم میں بھی گذشتہ کتابوں کے مثل یہ مسئلہ موجود ہے کہ خداوندعالم نے کلی مسائل مختلف آیات کے ضمن میں بیان فرمادیئے ہیںاور ان کی تفصیل بیان کرنا پیغمبر کی ذمّہ داری قرار دی ہے۔مثال کے طور پر قرآن نے

.....

۱۔سورئہ مائدہ آیت۳۔

نماز کو واجب کیاہے لیکن اس کے جزئی احکام بیان نہیں کئے ہیں،یہ ذمہ داری پیغمبر کو سونپ دی ہے سورئہ نحل میں ارشاد ہو تا ہے:
(---وَاَنْزَلْنَااِلَیْکَ الذِّکْرَلِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْہِمْ ---)(۱)
"---اور ہم نے اس قرآن کو تم پر نازل کیا ہے تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں تم اسے صاف صاف بیان کرو---"۔
حضرت رسو ل خداؐنے بھی اپنے دورِ حیات میں اسی الٰہی نظام کے مطابق اپنا فرض ادا کیا ،احکام و معارف کی تفصیل امت کے سامنے بیان فرمادی اور اپنے اصحاب پر یہ اقوال و احا دیث آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کرنافرض قرار دیدیا۔ اس سے بھی بڑھکرپیغمبر کی دعوت تبلیغ جاری اور باقی رکھنے ، اور امت اسلامیہ کی دینی ضرورتوں، کو پورا کرنے اوران کے سوا لوں کے جوابات دینے کے لئے و صایت اور امامت کا سلسلہ جا ری کردیاجس کی بنیا د پر ،رسول اسلامؐ کے بعد لوگوں کے در میان معصوم اما موں کاایک گروہ موجودہے جو اگرچہ عہدۂ نبوت نہیں رکھتا اور ان پر (انبیاء کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

طرح) وحی نہیں نازل ہوتی لیکن وہ عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیناور حقایق الٰہی ان پر الہام ہو تے رہتے ہیں ۔ پیغمبر اکرمؐکے بعد احکام کی توضیح و تشریح اور قرآن کی تفسیر کرنا اس گروہ کی ذمہ داری ہے اور یہ امامت کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا یہاں تک کہ اگر رو ئے زمین پرصرف ددو آدمی زندہ رہیں تو ان میں سے ایک خدا کی حجت ہو گا ۔
خلاصہ کلام یہ کہ نئے پیغمبر کو مبعوث کئے جانے کا ایک سبب یہ ہے کہ وہ اگر شریعت کے احکام کی تفصیل بیان کرے اور اس کے ذریعے حجت خدا اور لوگوں کے ما بین رابطہ بر قرار رہے اور اسلام میں یہ مسئلہ رسول خدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعہ پوراہو جا تا ہے۔ لہٰذااس اعتبار سے بھی نئے پیغمبر کو مبعوث کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ پیغمبر اسلامؐکے مبعوث ہو نے کے بعد ختم ہو گیا اور دین اسلام قیامت تک استوار و محکم رہے گا ۔ نہ اس میں کو ئی تحریف کی جا سکے گی اور نہ ہی اس کے احکام میںنسخ کے ذریعہ کو ئی تغیر تبدل واقع ہو گا۔ قرآن کریم کی دوسری آیات بھی اس مدعا کی تا ئید کرتی ہیں :
(ـــ وَ اِنَّہُ لَکِتَاب عَزِیْز۔لَایَاتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَامِنْ خَلْفِہِ تَنْزِیْل مِنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ)(۲)
"اوریہ قرآن تو یقیناً ایسی گراں بہا کتاب ہے کہ با طل نہ تو اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے حملہ

.....

۱۔سورئہ نحل آیت ٤٤۔
۲۔سو رئہ فصّلت آیت ٤١۔٤٢۔

کر سکتا ہے یہ تمام خو بیو ں وا لے عالم و دانا (خدا) کی بارگاہ سے نا زل ہو ا ہے " ۔
اس آیت سے یہ بات واضح ہو جا تی ہے کہ قرآن کریم میں کسی قسم کی بھی کو ئی با طل(بات) رسول اکرمؐکی حیات طیبہ مینیا آپ کے بعد راہ نہینپا سکتی ہے ۔ قر آن کریم میں باطل کے راہ پا نے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اس طرح کو ئی چیز کم کر دی جا ئے یا کو ئی بات بڑھا دی جا ئے کہ اس کو پہچانا نہ جا سکے یا اس کے احکام منسوخ ہوجائیں اور آیت میں جملہ "یَا تِیْہِ الْبَاطِلُ " کی عمومیت کا تقا ضا یہ ہے کہ ان میں سے کو ئی ایک احتمال بھی قرآن کریم کے با رے میں محقق نہیں ہو سکتا پس اس آیت سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قر آن کریم کو نسخ کر نے والی کوئی کتاب اس کے بعد نا زل نہیں ہو گی اور نتیجہ میں ایسی کوئی کتاب لیکر آنے والا بھی مبعو ث نہیں ہو گا ۔
البتہ اس آیت اور اس سے پہلے والی آیات کے مفاد میں فر ق ہے ۔ اس لئے کہ اس آیت میں کسی نئے پیغمبر کے نئی آسمانی کتاب کے ساتھ مبعوث ہو نے کے فرض کی نفی کی گئی ہے لیکن اس آیت سے اس احتمال کا انکار نہیں کیا جا سکتاکہ خدا کسی ایسے پیغمبر کو مبعوث کر ے جو اسی قر آن کی تبلیغ و تر ویج میں مشغو ل ہو جا ئے کیو نکہ گز شتہ زمانہ میں کچھ ایسے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں جنھو ں نے دو سرے نبی کی کتاب کی تبلیغ کی ہے (مثال کے طور پر حضرت لوط ،حضرت ابرا ہیم کی کتاب(۱) و شریعت کے مبلغ تھے)۔ اس بنا ء پر آخری آیت سے صرف خا تمیت قرآن کے اعلان اور پیغمبر اسلامؐکے بعد کسی دوسرے پیغمبر کے آسمانی کتاب لیکرمبعوث ہو نے کے احتمال کی نفی کو ثا بت کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال آیت کے ذریعہ اپنے مد عا کو پوری طرح صاف صاف ثا بت کرنے کے لئے صرف سورئہ احزاب کی وہ آیت کا فی ہے کہ جس کا ذکر ہم نے کیا ہے۔
خیال رہے کہ قر آن کریم کی آیات کے علا وہ تواتر سے متعدد روا یات بھی مو جو د ہیں جن کو تمام اسلا می فرقوں نے نقل کیا ہے ۔ نمو نہ کے طور پر "حدیث منز لت "کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ حدیث تو ا ترکے ساتھ پیغمبر اکر مؐ سے نقل ہو ئی ہے کہ آ پ نے امیر المو منین حضرت علی علیہ السلام سے فر مایا :
"اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْ سَیٰ اِلَّا اَنَّہُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ "(۲)
"تم کومجھ سے وہی نسبت ہے جو جو ہا رون کومو سیٰ سے ہے مگر یہ کہ میرے بعد کو ئی نبی نہیں آئیگا " ۔
ہم نے خاتمیت سے متعلق جو قرآنی دلیلیں پیش کی ہیں وہ صر ف ایک علمی بحث کی حد تک ہے ورنہ مسئلہ خاتمیت اسلام کے ضر وریات میں سے ہے اور ضروری اعتقادات کے لئے استدلال کی ضرورت نہیں ہے ۔

.....

۱۔قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب کو (صحف)سے تعبیر کیا گیا ہے ۔
۲۔علا مہ مجلسی نے (منزلت)کے متعلق تمام روایات کتاب "تا ریخ امیر المو منین "باب ۵۳ سے نقل کی ہیں رجوع کیجئے بحار الانوار جلد ۳۷ (طبع جدید)صفحہ ۲۵٤۔۲۸۹۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

راہ اور رہنما کی پہچان

انبیاء علیہم السلام کے دوسرے منصب
مقا م نبوت و رسالت کے علاوہ قر آن کریم میں انبیائے الٰہی کے دوسرے اوصاف و کمالات و منصب بھی بیان ہو ئے ہیں ۔
ان اوصاف و کمالات کو دو حصو ں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔
۱۔وہ معنوی اور روحانی اوصاف جو خود ان ہی کی ذات سے متعلق ہیں اور ان کی مخصوص صلاحیت و استعداد ، ذاتی خصو صیات اور ان کی عبا دتو ں کے پیشِ نظر ان کو عطا کئے گئے ہیں ۔
۱۔انبیاء علیہم السلام کے وہ منصب جو سما جی اور معا شرتی ہیناور عوا م الناس کے ساتھ ان کے خاص روابط کی عکا سی کر تے ہیں ۔
پہلی قسم میں صفت مخلَص ہے یعنی وہ جس کو خدا وند عالم نے اپنے لئے خا لص بنا لیاہو ۔ مثال کے طور پر قرآن کریم حضرت مو سیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فر ماتا ہے :
(وَاذْکُرْ فِیْ الْکِتَا بِ مُوْسَیٰ اِنَّہُ کَا نَ مُخْلَصاًوَکَا نَ رَسُوْلاً نَبِیّاً)(۱)
" اور اس کتاب میں مو سیٰ کا تذکرہ کرو اس لئے کہ وہ مخلَص اور خدا کے فرستادہ پیغمبر تھے"۔
اس آیت میں حضرت مو سیٰ کے نبی اور رسول ہو نے کے علاوہ ان کے (مخلَص) ہو نے کی صفت بھی بیا ن کی گئی ہے، اور یہ وہی صفت اور مقام ہے جس کے لئے شیطان ابتداء سے ہی ایسے بندو ں کو گمرا ہ کر نے سے عا جز ی کا اعلان کر دیاہے ۔قرآ ن میں ارشاد ہو تا ہے :
(۔۔وَلَاُغْوِ یَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلَّا عِبَا دَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ)(۲)
.....

۱۔سورئہ مریم آیت۵۱۔
۲۔سورئہ حجر۳۹۔۴۰۔

"اور سب کو گمرا ہ کرو نگا مگر ان میں سے تیرے خا لص بندے میرے بہکا نے میں نہیں آئینگے "۔
یعنی کچھ نیک بندے ایسے ہیں جن کو خدا وند عالم نے اپنے لئے خا لص قرار دیا ہے ان کا وجود ہراس چیز سے صاف اور پا کیزہ ہے جو خدا سے بیگانہ کر دیتی ہے ، قرآن کریم نے کچھ انبیاء علیہم السلام سے متعلق اس مقام و منزلت کا تذکر ہ کیا ہے ۔ مثال کے طور پرحضرت یوسف علیہ السلام کے لئے ارشاد ہو تا ہے :
(اِنَّہُ مِنْ عِبَادِنَاالْمُخْلَصِیْنَ)(۱)
"بیشک وہ ہما رے خا لص بندوں میں سے تھے "۔
انبیاء علیہم السلام کا ایک اور رو حانی مر تبہ صدّیق ہو نا ہے ۔قرآن کریم حضرت ادریس علیہ السلام کے سلسلے میں ار شا د فر ماتا ہے :
(وَاذْکُرْ فِیْ الْکِتَا بِ اِدْرِیْسَ اِ نَّہُ کَا نَ صِدِّ یْقاً نَبِیّاً)(۲)
"اور قر آن میں ادریس کا تذ کرہ کرو بیشک وہ بڑے سچّے نبی تھے "۔
لفظ" صِدّیق "کا روا یات میں بھی تذکرہ ہے ۔ یہ "صدق " کا صیغۂ مبالغہ ہے یعنی صدیق اس کو کہا جاتا ہے جس کی رفتار و کر دار مکمل طور پر اس کی گفتار کے مطابق ہو اور اس کی گفتار و کردار میں کو ئی تنا قض نہ ہووہ تمام حقا یق پرعقیدہ رکھتا ہے اور ان سب پر عمل بھی کر تا ہے ۔ یہ صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں بھی سورئہ مر یم (آیت ۴۱) میں بیان ہوئی ہے ۔ اور اس (صدیق) کی مو نث (صدیقہ) سورئہ ما ئدہ آیت ۷۵۔ میں حضرت مر یم علیہا السلام کے لئے استعمال ہوئی ہے۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

انبیاء علیہم السلام کی دو سری قسم کی خصوصیات کے تذکرہ میں نمو نہ کے طور پر مقامِ(اما مت) کو پیش کیا جاسکتا ہے خدا وند عالم قرآن میں حضر ت ابرا ہیم علیہ السلام کے سلسلے میں ار شاد فر ماتا ہے :
(وَ اِذِ ابْتَلَیٰ اِبْرَاهِیْمَ رَبُّہُ بِکَلِمَاتٍ فَاَ تَمَّهُنَّ قَا لَ اِ نِّی جَا عِلُکَ لِلنَّا سِ اِمَاماً...)(۳)
"اور جب ابراہیم کا ان کے پر ور دگا رنے کچھ کلمات کے ذریعہ امتحا ن لیا اور انھو ں نے ان سب کوپو را

.....

۱۔سورئہ یو سف آیت ۲٤۔
۲۔سورئہ مریم آیت ٥٦۔
۳۔سورئہ بقرہ آیت ۱۲٤۔

دکھایا تو خدا نے فر مایا میں تم کولو گوں کا امام بنا نے والا ہو ں "۔
امامت وہ عہدہ اورمقام ہے جو نبوت ورسالت کے بعد حضرت ابراہیم کو عطا کیاگیا ہے یہ ایک سماجی اورمعاشرتی عہدہ ہے جس کا رابطہ لوگوں سے ہے:(لِلنَّاسِ اِمَاماً)اس بناء پر اس عہدے اور مقام کی وجہ سے لوگونپر کچھ فرائض عائدہوجاتے ہیں جیسے سیرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء اور ان کے احکام پر عمل کرنا۔
یہاں یہ بھی واضح کردینا مناسب ہوگا کہ زیر بحث اوصاف صرف انبیا ء علیہم السلام سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے اوصاف انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے افراد میں بھی مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔اس بات کی تائید سورئہ نسا ء کی اس آیت سے ہوتی ہے :
(وَمَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَائِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقاً)(۱)
"اور جن لوگوننے خدااو رسول کی اطاعت کی تویہی وہ لوگ ہیں جو انعام یافتہ حضرات کے ساتھ ہونگے یعنی جو انبیائ، صدیقین ،شہداء اور صالحین میں سے ہیں اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں"۔
اس آیت میں صدیقین ،شہداء اور صالحین کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ذکر کیاگیاہے۔اس بناء پر آخری تین گروہوں سے مراد غیر انبیاء ہیں اور یہیں سے یہ بات بھی روشن ہوجاتی ہے کہ یہ تین منصب انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں ہیں(اس آیت میں شہداسے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے اعمال کے شاہدہیں) بعض آیات میں صالحین کی صفت اہل کتاب کے مومنین کے لئے استعمال کی گئی ہے ارشاد ہو تا ہے :
(...وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَاُوْلٰئِکَ مِنَ الصَّا لِحِیْنَ)(۲)
" ... اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی لوگ نیک بندونمینسے ہیں "۔
بہر حال ہم اس بات کی طرف اشارہ کرچکے ہیں کہ قرآن کریم نے (صدیقہ)کی صفت کو حضرت مریم کی شان میں استعمال کیا ہے البتہ اس مقام پر ہماری بحث انبیاء علیہم السلام کے انفرادی او صاف کے متعلق نہیں ہے جوممکن ہے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دو سرے افراد میں بھی پائے جاتے ہوں بلکہ ہم توانبیاء علیہم السلام کے اجتماعی اور معا شرتی منصب و مقام کے بارے میں بحث کررہے ہیں۔

.....

۱۔سورئہ نساء آیت٦۹۔
۲۔سورئہ آل عمران آیت۱۱٤۔

۱۔وحی کی توضیح وتفسیر

انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور رسالت کا تقاضا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ خداوند عالم کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں اور خالق و مخلوق کے درمیان ایک اما نت دار کا کر داراداکریں ۔ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کئے جانے کالازمہ اور اس پرعقلی دلیل بھی یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ایسا ہو نا چاہیے کہ وہ پیغام خدا (وحی کی صورت) حاصل کریں اور لوگوں تک پہنچادیں ،نبوت ورسالت کا اصل کام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے اورلوگوں کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ پیغامِ خدا کو انبیاء علیہم السلام سے لیں اور اس پر ایمان لا ئیںاور خداوند عالم کے قوانین پر عمل کریں۔ در حقیقت

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ان پیغامونکے سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرنا ہی خدا کی اطاعت کرنا ہے ۔ چو نکہ اس مقام پر ان کا کام پیغام پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ارشاد ہو تا ہے:
(وَمَاعَلَیَ الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبلٰغُ---)(۱)
"(خدا)کے پیغمبر کی پیغام خدا پہنچانے کے علاوہ (اور) کوئی ذمہ داری نہیں"۔
اِن باتوں کے با وجود قرآن کریم کی آیات سے یہ نتیجہ حاصل ہو تا ہے کہ انبیاء علیہم السلام مقام نبوت و رسالت کے علاوہ وحی کی توضیح و تفسیرکے بھی ذمہ دار تھے یعنی ان دو نوں باتوں میں فرق ہے کہ کو ئی شخص پیغام حاصل کرے اور اس کو بالکل اسی طرح اپنے مخاطب تک پہنچادے اور یہ کہ اس پیغام کی اپنے مخاطب کے سامنے تفسیرکرے ۔ اصلِ نبو ت کا تقاضابس یہ ہے کہ خداکا رسول پیغام خداوندی کو اپنی امت تک پہنچادے ۔ مثال کے طور پر رسول اکرمؐتک قرآن کریم کی جو آیات کو وحی کے ذریعہ پہنچتی تھینلو گوں کے سامنے تلاوت فرمادیا کرتے تھے ۔ پیغمبر اکرمؐکا کام لو گو ں تک خدا کا پیغام پہنچا نا تھا لیکن لو گو ں کو کبھی کبھی مزید وضا حت کی ضرورت ہوتی یعنی بہت سے مقا مات پر لو گو ں کے لئے وحی کے مطالب تفسیر کے محتاج ہو تے تھے اس میں مجمل باتوں کو بیان کرنا ضروری تھاضرورت تھی کہ جز ئی مسائل کی بھی ان کو تعلیم دی جا ئے ،مثا ل کے طور پر قر آن کر یم فرماتا ہے :(اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ)(نماز قا ئم کرو)
اگر چہ اس جملہ سے نما ز کا اصلی وجو ب سمجھ میں آ تا ہے لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ معلوم نہیں ہوتا لہٰذاایسے مقام پر خدا وند عالم کی طرف سے کسی ایسے شخص کو معین ہو نا چاہئے جو نمازکی شرطیں،احکام اوراس کے پڑھنے کاطریقہ بھی بیان کرے۔
اس بنا ء پر انبیاء علیہم السلام (رسالت اور نبو ت کے علا وہ) وحی کی توضیح و تشریح کر نے کے منصب پر بھی فا ئز .....

۱۔سورئہ مائدہ آیت۹۹۔

تھے اور بعض آیات سے پتہ چلتا ہے کہ لو گو ں کو اس مر حلہ میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کر نی چا ہئے اور وحی سے متعلق جن چیزو ں کو انبیاء علیہم السلام بیان فر ما ئیں انھیں تسلیم کر نا چا ہئے چنا نچہ ارشاد ہو تا ہے :
(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ ---)(۱)
"اور ہم نے کو ئی رسول نہیں بھیجا مگر اس وا سطے کہ لوگ خدا کے حکم سے اس کی اطا عت کریں "۔
آیت میں مطلق طور پر حکم کے اندازسے یہ نتیجہ اخذکیا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چا ہے اصلِ وحی پہنچارہے ہو ں یا اس کی تشر یح و تفصیل بیا ن فر ما رہے ہو ں ہر حا ل میں ان کی اطا عت و پیر وی کر نی چا ہئے دو سرے لفظو ں میں اگر ہم لو گو ں پر اصل وحی کی اطاعت سے بڑھکرکسی اور چیز کی اطاعت کو واجب کر نا چا ہیں تو پہلے مر حلہ میں انبیاء علیہم السلام جو وحی کی تفسیر کر یناس میں ان کی اطاعت کر نی چا ہئے ۔
اصولی طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان یہ مر حلہ مشتر ک ہے ۔ اس لئے کہ خدا وند عالم کی طرف سے پیغام لا نے والا شخص فطری طور پر اس کی حقیقت جا ننے کے بعد اس وحی کے بھیجنے وا لے کے اصل مقصود کو سمجھ لیتا ہے لہٰذا ایک ایساشخص(پیغمبر) خدا وند عالم کے کلام کی تفسیر کر ے گا تو یقیناً اس کی تفسیر وا قعے کے مطابق ہو گی اور اسی لئے لو گو ں پر بھی اس کی با تو ں پر اعتماد کر نا اور ان کی پیر وی کر نا ضروری ہے ۔
البتہ لو گو ں کی ضرورتیں اسی مرحلہ پرتمام نہیں ہو تیں بلکہ ان کی کچھ دوسری ضرو رتیں بھی ہیں اگر چہ یہ ضرورتیں اس حد تک نہیں ہیں کہ عقلی دلیلوں کے ذریعہ خدا وند عالم پر ان ضرو رتو ں کا پوراکر نا لازم ہو بلکہ خدا وند عالم اپنے فضل و کرم اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ان ضر ورتو ں کو بر طرف کر تا ہے۔ یہ ضر ورتیں انبیاء علیہم السلام کے دوسرے سما جی عہدوں کے اسباب فر اہم کر تی ہیں ۔

۲۔قضاوت اورفیصلے کر نا
عوام الناس کو اختلافات کے وقت کسی ایسے مرجع کی ضرورت پڑتی ہے جو قوا نین الٰہی کی روشنی میں فیصلہ کرکے ا ن کے اختلافات دورکردے اور ایک قطعی حکم صادر کرے دوسرے الفاظ میں لو گوں کا احکام اور قوانین کی معرفت حاصل کر ناانھیں ا س قاضی سے بے نیاز نہیں کرسکتا جو اُن احکام کو ان کے خاص مصادیق پر مطابقت کردیتا ہے اور اسی مقام پر لوگ قاضی کی ضرورت کا احساس کرتے ہیں ۔ قاضی کلّی حکم سے آگاہ ہو تا ہے اور دلائل،شواہد اور

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

....

۱سورۂ نسا ء آیت ٦٤.

معتبر گوا ہو ں کی بنیاد پر ان کے مصادیق کو معین کرتا ہے البتہ قاضی کو ایسا ہو نا چاہئے کہ جھگڑا کرنے والے طرفین اس کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کریں اور اس کی رائے کے مطابق عمل کریں تا کہ اختلاف ختم ہو جائے ۔ یہ ایسی چیز ہے جس کی ضرورت تمام معا شروں کو تھی اورآئندہ بھی اس کی ضرورت باقی رہے گی ۔
خداوند عالم نے اپنے بندوں پر لطف و کرم کے طور پر اپنے انبیاء علیہم السلام کو عہدہ قضاوت عطا کیا ہے ۔ اب یہ سوال پیدا ہو تا ہے کہ کیا تمام انبیاء علیہم السلام کو یہ مقام عطا کیا گیا تھا ؟ اس مسئلہ کو صاف طور پر کسی آیت میں بیان نہیں کیا گیاہے ۔ صرف بعض آیات کے مطلق ہو نے کی بنیاد پر اس عہدے کوتمام انبیاء علیہم السلام سے منسوب کیاجاسکتا ہے :
(مَن یُطِعِ الرَّ سُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ۔۔)(۱)
"جس نے رسول کی اطاعت کی تواس نے اﷲ کی اطاعت کی ۔۔"۔
ان آیات کے مطلق ہو نے کے علاوہ کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جو صاف طور پر اس چیز کے او پر دلالت کرتی ہو کہ تمام انبیاء علیہم السلام مقام حکم و قضاوت کے حامل تھے ۔ بعض آیات میں یہ مقام صرف خاص انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے جا نے کی بات کی گئی ہے ۔ مثال کے طور پرخداوند عالم حضرت داؤ د علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے :
(یَادَاوُوْدُاِنَّاجَعَلنَاکَ خَلِیْفَةً فِی الاَرْضِ فَاحْکُم بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِ۔۔)(۲)
" اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں (اپنا خلیفہ اور جانشین) قرار دیا پس لوگوں کے درمیان با لکل حق سے فیصلہ کرلیا کرو اور خوا ہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو " ۔
اس آیت سے یہ پتہ چلتاہے کہ عہدۂ حکم و قضاوت نبوّت کے لوازمات میں سے نہیں ہے اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو پہلے نبوت عطا کی گئی اور اس کے بعد ان کو مسندِ قضاوت پر بیٹھنے اوراپنی امت کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ۔ تو معلوم ہوا کہ قضاوت ایسا منصب ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لئے جدا گانہ طور پر قرار دیا گیا ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام اس منصب پر فا ئز تھے ۔
....

۱سورۂ نساء آیت۸۰.
۲سورۂ ص آیت ۲٦.

۳۔حکو مت

لوگوں کی دوسری بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا قائدو رہبر ہو جو معاشرہ کے امور کی لگام اپنے ہا تھوں میں تھا مے اور ان پر حکومت کرے اسی بنیاد پر خدا وند عالم نے اپنے بعض انبیاء کو عہدۂ (حکومت) پر فائز کیا تا کہ لوگوں کی بنیادی اور اصل ضرورت بھی بغیر جواب کے نہ رہ جائے اور زمین پر انبیاء علیہم السلام کی حکومت نمونہ کے طور پرسب سے اچھی حکومت قرار پا ئے البتہ قضاوت جس کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں حکومت کی ایک ضرورت شمار کی جاسکتی ہے لیکن ہر حال میں یہ دونوں مقام ایک دوسرے سے جُدا ہیں ۔ قضاوت ان مقامات پر کی جاتی ہے کہ جہاں دو یا چند افراد کے در میان حقوقی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف پیدا ہو جائے لیکن کبھی معاشرہ کو اس کی ضرورت ہو تی ہے کہ ایک صاحب منصب کی طرف سے حکم واقعی اور یقینی اس طرح صادر ہو کہ متفاوت آراکے لئے ایک حتمی اور اٹل فیصلہ ہو اور تمام لوگ اس کی پیروی کرنا بذات خود لازم سمجھتے ہوں اور اسی مقام پر مسئلہ حکومت کی ضرورت پیش آتی ہے ۔
مثال کے طور پر ملک کی لا ئن آف کنٹرول (سرحد) پر دشمن کے حملہ کرنے کے مو قعوں اور ان سے دفاع کی خاطرمختلف نظریات بیان کئے جا ئیں۔ کبھی کبھی ان مسائل کے بارے میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر کوئی قطعی رائے یا مشورہ نہ ہو تو خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا ۔ جس فوج میں ہر فوجی اپنی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

رائے پر عمل کرتا ہو تو اس فوج کے سر پر کا میابی کا سہرا نہیں بندھ سکتا ۔ البتہ حکومت کی ضرورت صرف مسئلہ جنگ اور دفاع سے مخصوص نہیں ہے بلکہ جنگ کے مو قع پر اس کی ضرورت اور آشکار ہوجا تی ہے ۔
مختصر یہ کہ متعدد دلیلوں کی بنیاد پر معاشرہ کو ایک اچھی اور طاقتور حکومت کی ضرورت ہو تی ہے۔ اب ایسی صورت میں کیا ہر نبی کے لئے منصبِ حکومت پر فائز ہو نا بھی ضروری ہے ؟ ظاہری طور پر اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے نہ تو عقلی دلیل ہی ہمارے پاس ہے اور نہ ہی نقلی دلیل ہے جو اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہو سکے ۔ قرآن کریم سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام عہدۂ حکومت پر بھی فائز تھے اور اپنی امت کے درمیان حکمرانی بھی کرتے تھے لیکن قرآن مینکوئی ایسی آیت نہیں ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کے اس مقام پر فائز ہو نے پرباقاعدہ سے دلالت کرتی ہو بلکہ اس بات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یقیناً بعض انبیاء علیہم السلام اس منصب پر فائز نہیں تھے ۔
مثال کے طور پر قرآن کریم میں بیان کی گئی (طالوت) کی داستان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ کے پیغمبر منصب حکومت پر فائز نہیں تھے ۔ بنی اسرائیل کے بڑے بڑے افراد نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے آکر کہا کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کیجئے کہ وہ ہمارے لئے کو ئی حاکم معین فرمادے ۔قرآن کریم مینارشاد ہوتا ہے :
(... اِذْقَا لُوْا لِنَبِیٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِکاً نُقَاتِلْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ .... وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوتَ مَلِکاً...) (١)
" جب انھو ں نے اپنے نبی سے کہا : ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے تا کہ ہم راہ خدا میں جہاد کریں ...، اور ان کے نبی نے ان سے کہا : بیشک اللہ نے طالوت کو تمہا را بادشاہ مقررکیا "۔
اس آیت سے یہ ظا ہرہو تا ہے کہ وہ پیغمبر بذات خود حاکم نہیں تھے اور اگر وہ خدا کی طرف سے منصب حکومت پر فائز ہو تے تو ان کے جواب میں کہہ سکتے تھے : میں خود خدا کی جانب سے منصب حکومت پر فائز ہوں اور کسی دوسرے شخص کو با دشاہ یا حاکم معین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن قرآن کے نقل کے مطابق انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا : اگر خدا کوئی حاکم معین فرمادے تو کیا تم اس کی پیروی کروگے ؟ اور چونکہ انھوں نے مثبت جواب دیا تھا تو خداوند عالم نے طالوت کو ان کا حا کم قرار دیا ۔ معلوم ہو ا کہ ان آیات مینمذ کورہ پیغمبر منصب حکومت پر فائز نہیں تھے اور کوئی ایسی ظاہری دلیل بھی نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کو طالوت پیغمبر تھے بلکہ خداوند عالم نے کسی دوسرے شخص کو بنی اسرا ئیل پر سلطنت اور حکومت کے لئے منتخب کیا تھا ۔
پس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جو نبوت کے لئے حکومت کا ہو نا ثابت کرسکے بلکہ قرآن کریم کی بعض آیات سے استفادہ ہو تا ہے کہ ان دونوں منصبوں کے الگ الگ ہو نا ممکن ہے ۔ بعض آیات اور روایات سے یقینی طور پر آشکار ہو تا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام منصب حکومت پر بھی فائز تھے ۔
گذشتہ مطالب سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام منصب نبوت ورسالت پر فائز ہو نے کے ساتھ ساتھ وحی، قضاوت اور حکومت جیسے منصبوں پر فائز تھے ۔ ان منصبوں میں سے بعض معاشرتی منصب تمام انبیاء میں پائے جاتے تھے اور بعض دوسرے منصب صرف انبیاء علیہم السلام کے ایک گروہ سے ہی مخصوص ہو تے تھے ۔
.....

١۔سورئہ بقرہ آیت٢٤٦ ،٢٤٧ ۔

راہ اور رہنما کی پہچان

پیغمبر اسلامؐکے عہدے
اب دیکھنا یہ ہے کہ مندرجہ بالا سو شل سماجی عہدوں میں سے کو نساعہدہ پیغمبر اسلامؐکے بارے میں صادق آتاہے ۔
اکثر آیات سے یہ استفادہ ہو تا ہے کہ پیغمبر اسلامؐمذکورہ بالا تمام منصبوں پر فائز تھے ۔ وحی کی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

تفسیر کرنے میں آپکا کلام حجت تھا ، آپ کی قضاوت و داوری بھی حجت تھی، آپ لوگوں پر حکو مت بھی کرتے تھے اورآپ کے تمام حکومتی احکام کی اطاعت لوگوں پرواجب تھی۔

۱۔وحی کی تفسیر کا منصب
خدا وند عالم ارشاد فرماتا ہے :
(مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ---)(۱)
"جس نے رسول کی اطاعت کی تواس نے اللہکی اطاعت کی ---"۔
اس آیت مینلفظ"الرسول"میں "ال"عہد ہے جنس نہیں ہے اور "رسول" سے مراد بھی پیغمبر اسلام ہیں: البتہ اگر "ال"معنای جنس کے لئے بھی ہو تو بھی استدلال میں کوئی خلل نہیں پڑے گا چونکہ پیغمبر اسلام ہر حال میں اس کے مطلب میں شامل ہونگے ۔
بہر حال آیت میں بیان کیاگیاہے کہ پیغمبر اسلامؐ(یاتمام انبیاء علیہم السلام)کی اطاعت کرنا خداکی اطاعت کرناہے اور آیت کے اطلاق سے یہ پتہ چلتاہے کہ وحی کی تفسیر کرنے میں بھی پیغمبر اسلامؐحجت ہیں اور آپ کی اتباع کرنا واجب ہے
یہی معنی سورئہ نساء آیت٦٤سے بھی حاصل ہوتے ہیں :
(وَمَااَرْسَلْنَامِنْ رَسُوْلٍ اِلَّالِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ---)
"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجامگر اسلئے کہ خداکے حکم سے لوگ اسکی اطاعت کریں---"۔
یہ آیت بالعموم پیغمبر اسلامؐکو بھی شامل ہوتی ہے اور مطلق اطاعت ،اوروحی کی تفسیر کی اطاعت کرنے کو بھی شامل ہے ۔اس بناء پر ان آیات کے مطلق ہونے سے یہ واضح ہوجاتاہے کہ پہلا منصب (یعنی وحی کی تفسیر کرنا اور اس کو بیان کرنا)پیغمبر اسلامؐکے لئے ثابت ہے ۔
مندرجہ بالاآیات کے علاوہ دوسری آیات بھی ہینجواس مدعا کوصاف طریقہ سے ثابت کرتی ہیں ۔مثال کے طور پر خداوندعالم ارشاد فرماتاہے:(---وَاَنْزَلْنَااِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْہِمْ---)(۲)
"---اور ہم نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا تاکہ جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں تم ان کو صاف صاف بیان کرو "۔

.....

۱۔سورئہ نساء آیت ۸۰۔
۲۔سورئہ نحل آیت٤٤۔

اور ظاہر ہے کہ وحی بیان کرنے کامقام اس کے اصل متن کو پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور خداوندعالم ارشاد فرماتاہے:
(---یَتْلُوْاعَلَیْہِمْ آیَاتِہِ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ---)(۱)
"---جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھے اور ان کو پاک کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے ---"
یہ آیت پیغمبر اسلامؐکے بارے میں ہے اور آیات کی تلاوت اور کتاب کی تعلیم دینے کے درمیان فرق رکھا گیا ہے اور اسکاظاہری مطلب یہ ہے کہ دوسرے منصب سے تفسیر وحی کامنصب ہی مراد ہے ۔
اس اعتبار سے قرآن کریم کی آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ وحی الٰہی کی تفسیر اور دینی قوانین اور احکام کی تفصیل بیان کرنے میں پیغمبر اسلامؐکا کلام سب کے لئے حجت ہے اور اس بارے میں بھی لوگوں کو ان کے کلام کی پیروی کرنا چاہیے ۔

ب۔پیغمبر اسلامؐاور قضاوت کاعہدہ
دوسرا منصب مسئلہ قضاوت(فیصلہ کرنے)سے مربوط تھا۔قرآن کریم کی بعض آیات کی شہادت کی رو سے پیغمبر اکرمؐ کیلئے یہ منصب بھی ثابت ہے:
(وَاَنْزَلْنَااِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مَصَدِّقًالِّمَابَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُہَیْمِناًعَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَہُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَاتَتَّبِعْ اَہْوَاءَ ہُمْ عَمَّاجَاءَ کَ مِنَ الْحَقِّ---)(۲)
"اور ہم نے تم پر یہ کتاب (قرآن)بر حق نازل کی جو کتاب(اس کے پہلے سے)اس کے وقت میں موجود ہے اسکی تصدیق

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

کرتی ہے اور ان پر حاکم ہے پس ان کے درمیان جو کچھ خدا نے تم پر نازل کیا ہے اسکے مطابق تم بھی حکم دو اور حق بات جو خدا کی طرف سے آچکی ہے (اس سے کترا کے) خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرو ---"۔
اس آیت کی بنیاد پر ایک طرف تو قرآن کریم اپنی ما سبق آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور دوسری طرف ان پر حاکم بھی ہے یعنی ان کے احکام کو منسوخ کردیتا ہے اس کے بعد قرآن کریم میں فرماتاہے:اب جبکہ ہم نے تم پریہ کتاب نازل کردی ہے تو لوگوں کے درمیان احکام الٰہی کی اساس و بنیاد پر فیصلہ کرو۔یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐخداوندعالم کی جانب سے منصب قضاوت پر بھی فائز تھے ۔خاص طور سے یہ کہ

....

۱۔ سورئہ جمعہ آیت۲۔
۲سورئہ مائدہ آیت۴۸۔

خداوند عالم اسکے بعد بلافاصلہ یہ فرماتاہے : اے پیغمبر لوگوں کی ناحق خواہشات نفسانی اور ہوا و ہو س کی اتباع کرکے قضاوت نہ کرنا"یہ تعبیر اس چیز کی حکایت کرتی ہے کہ قضاوت کا حکم ایسا نا زک مر حلہ ہے کہ اس میں خواہشات نفسانی اور شیطانی ہواو ہوس کی بنا پر لغزشونکا زیادہ امکان پایاجاتا ہے ۔
البتّہ اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ پیغمبر اسلامؐبھی گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح ہر گناہ سے معصوم تھے لیکن قرآن کریم کی یہ تعبیر اور اس کے مانند دو سری تعبیریں جن میں پیغمبر اکرمؐکو مخاطب قرار دیا گیاہے یہ پیغمبر کے بجا ئے تمام انسانوں کی تربیت کے لئے ہیںاور عام طور پر خطر ناک اور اہم لغزشوں کی پہچان کرانے کے با رے میں استعمال کی گئی ہیں تاکہ لوگ پہلے سے ہی ان سے بچنے کے لئے آما دہ ہو جا ئیں ۔بہر حال مذکورہ آیت (فَاحْکُمْ بَیْنَہَمُ--)کی تعبیر کے مد نظر پیغمبر اسلامؐکے منصب قضاوت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور دوسری آیت میں اس طرح ہے
(اِنَّااَنْزَلْنَااِلَیْکَ الکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَااَرَاکَ اللہُ وَلَاتَکُنْ لِلْخَآئِنِینَ خَصِیْمَاً)(۱)
"ہم نے تم پر بر حق کتا ب اسلئے نازل کی ہے کہ جس طرح خدانے تمہاری ہدایت کی ہے اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو ہر گز خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنو"۔
یہ آیت بھی (لاتَکُن لِلْخائنین خصیما)جملہ کے مدنظر صاف طورپرپیغمبر کے منصب قضاوت پر فائز ہونے اور عدالت کے ساتھ فیصلہ کرنے پر دلالت کرتی ہے ۔اسی طرح سورئہ مبارکہ احزاب میںخداوندعالم ارشاد فرماتاہے :
(وَمَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَامُؤْمِنَةٍ اِذَاقَضَیَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہُ اَمْراًاَنْ یَکُونَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہُ فَقَدْضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِیْناً)(۲)
" کسی مومن اور کسی مومنہ کے لئے یہ مناسب نہیںہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے اس کا م (کے کرنے نہ کرنے)کا اختیار ہواور جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ شخص کھلم کھلا گمراہی سے دوچار ہوچکا ہے "۔
اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خداو رسولؐاگر کسی چیز کا فیصلہ کردیں یا کسی کام سے منع کر دیں توکسی

....

۱سورئہ نساء آیت۱۰۵۔
۲سورئہ احزاب آیت۳۶۔

کو اس کی مخالفت کرنے کا حق نہیں ہے ۔(قضیٰ)کی تعبیر اگر چہ قضاوت اور مشاجرہ کے دور کرنے میں منحصر نہ بھی ہو تب بھی یقینا اس کوشامل ہو گی۔
قرآن کریم کے سورئہ نساء کی آیت پیغمبر اکرمؐکے منصب قضاوت پر فائز ہونے پرصاف طور سے دلالت کرتی ہے :
(فَلَاوَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتَّیٰ یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَاشَجَرَبَیْنَہُمْ ثُمَّ لَایَجِدُ وْافِیْ اَنْفُسِہِمْ حَرَجاًمِمَّاقَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً)(۱)
"لیکن ایسانہیں ہے ،تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں اپنا حاکم (نہ)بنائیں،اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریںاور آپ کے فیصلہ کے سا منے سراپا تسلیم ہو جا ئیں "۔
آیت صاف دلالت کررہی ہے کہ اس وقت تک لوگ حقیقی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم کو اپنے اختلافات اورلڑائی

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

جھگڑوں میں اپنا حَکَم(قاضی) قرارنہ دیں اور اسکے بعد آپ جو بھی حکم صادر فرمائیں اسکو تسلیم کریں۔لوگوں کے مومن ہونے کے لئے صاف طور سے یہ شرط لگانااس چیز کی حکایت ہے کہ خداوند عالم نے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے پیغمبر اکرمؐکو منصب قضاوت عطا کیا ہے ۔
ما ل غنیمت سے مربوط بعض آیات سے بھی پیغمبر اکرمؐکے لئے منصب قضاوت ثابت کیا جاسکتا ہے۔نمونہ کے طور پر سورئہ حشرمیں مال غنیمت تقسیم کرنے کے طریقوں کو بیان کرنے کے بعد مسلمانوں سے یہ کہاگیا ہے کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے اور حصے معین کرنے میں پیغمبر اسلا مؐکے مشورہ کی عزت و توقیر کریں اور ان کے حکم کی پیروی کریں :
(---وَمَآئَ اٰتٰکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْہُ وَمَانَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا---)(۲)
"---اور جوکچھ رسول تم کو دیں اس کولے لو اور جس سے منع کریں اس سے ہاتھ کھینچ لو ---"۔
البتّہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت (غنائم جنگی)سے مخصوص نہیں ہے بلکہ "ما اٰتاکم"میں حرف"ما"شرعی امور اور احکام و قوانین کو بھی شامل ہوتاہے یعنی جس چیز کا بھی پیغمبرؐحکم دیں اس کو انجام دو اور جس چیز سے منع کریں اسکو چھوڑدو لیکن آیت سے پہلے اور آیت کے بعد والے قرینوں کے مد نظر آیت کے پہلے معنی ہی مناسب
.....

۱۔سورئہ نسا ء آیت۶۵۔
۲۔سورئہ حشر آیت۷۔

ہیں ۔یعنی مال غنیمت میں سے جو کچھ رسولؐتم کو تمہا رے حصّہ کے طور پر تم کودینتو لے لو اور اگر عملاًیا زبا نی طور پر منع کرینتو اس کو چھوڑدو ۔
بہر حال اس آیت سے یہ پتہ چلتاہے کہ مسلمانوں کے درمیان مال غنیمت تقسیم کرنے میں آپ کے حکم کا اتبا ع کرنا لازم و ضروری ہے۔

۳۔پیغمبر اسلامؐکا منصب حکومت
قرآن کریم کی بعض آیات پیغمبر اسلامؐکی حکومت اورولایت کے منصب کوبیان کرتی ہیں۔مثال کے طور پر قرآن کریم سورئہ مبارکہ احزاب میں پیغمبر اسلامؐکے مومنونکے ساتھ قریبی اور گہرے رابطہ کے بارے میں فرماتاہے :
(اَلنَّبِیُّ اَوْلَیٰ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ---)(۱)
"نبی تو مومنین پر خود ان کی جانوں سے بڑھکر حق رکھتے ہیں ---"۔
اس آیت سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبر اکرمؐکایہ ایک ایساعہدہ اور منصب ہے کہ آپ کا فیصلہ یاتجویز دوسروں کے فیصلوں اور تجویزوں حتی کہ ان کی ذات کے او پر بھی مقدّم ہے اور یہ وہی منزلت ہے جس کو "ولایت امر " سے تعبیر کیاجاتاہے ۔
اس کے علاوہ جس آیت کے ذریعہ حکومتی امور میں پیغمبر اکرمؐکی اطاعت کرنا لازم ہے وہ سورئہ مبارکہ نساء میں ہے :
(یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ ئَ اٰمَنُوْااَطِیْعُوْااللّٰہَ وَاَطِیعُوْاالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِمِنْکُمْ---)(۲)
"اے ایمان لانے والواللہکی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامرکی (بھی)اطاعت کرو " ۔
اس آیت میں لفظ "اَطِیْعُوْا"کی دو مرتبہ تکرار مینایک بار خداکی اطاعت اور دوسری مرتبہ پیغمبر اور صاحبان امر کی اطاعت کیلئے ہے اوردوسری طرف یہ ظاہرہے کہ" اُولواالامر"اسے کہتے ہیں جو حکومتی معاملوں میں دخا لت کرسکتا ہو اور بنیادی طور پر"اُولو االامر " "رسولؐکے ساتھ میں آیاہے اوردونوں کو ایک ہی "اطیعوا" سے مخاطب کیا گیاہے یعنی یہانپیغمبر کی اطاعت سے مراد وہ امورہیں جن میں عام طور سے میں "اولوا الامر"کی
.....

۱۔سورئہ احزاب آیت۶۔
۲۔سورئہ نساء آیت۵۹۔

طرف رجوع کیا جاتاہے یعنی جو امور حکومت سے تعلق رکھتے ہیں ۔

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

ا لبتّہ آیت کا بعد والاحصّہ (فَاِنْ تَنَزَعْتُمْ فِی شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ---)
"اور اگر تم کسی بات میں جھگڑاکرو تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو ---" بھی اسی مطلب کے صحیح ہونے پر شاہد ہے اور اس کی تائید بھی کرتا ہے۔کہ اس آیت میں اطاعت کا مطلب، وحی کے مضامین کو قبول کرنا یاتفسیر وحی کے مقام میں پیغمبرکے کلام پر عمل کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہاں پر پیغمبرؐکی اطاعت سے مراد آپ کی حکومت کے احکام و قوانین ہیں اس وجہ سے آنحضرتؐاور "اولواالامر"کی شان ایک ہے ۔
اس مختصر سی بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن کریم پیغمبر اکرمؐکے لئے منصب تبیین و تفسیروحی،قضاوت اور حکومت کی تائید کرتا ہے ۔

معصوم اماموں کے منصب
شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے علاوہ پیغمبرؐکے تمام منصب بارہ معصوم اماموں کے لئے بھی ثابت ہیں اور یہ عقیدہ شیعہ مذہب کے ضروری عقائدمیں شمار ہوتاہے اور اس مدعاکوسورئہ نسا کی اسی انسٹھویں آیت سے ثابت کیا جاسکتا ہے ۔
مذکورہ آیت کا مد لول مطابقی "اولوالامر"(صاحبان امر)کے لئے حکومت اور ولایت کا منصب ثابت کرناہے ۔جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کرچکے ہیں کہ اس آیت کے ظاہرکے مطابق صاحبان امر کی اطاعت کی ضرورت مملکت کے اندر اس طرح ہے کہ وہ اس میں حق د خالت رکھتے ہیں یعنی حکومتی معاملات کے اعتبار سے اور "اولواالامر"کا عنوان بھی اساسی اور بنیادی طورپر اسی معنی سے مناسبت رکھتاہے اس بناء پر صاحبان امر من جانب اللہمنصب ولایت و حکو مت پر فائز ہیں اور حکومتی معا ملات میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے
دوسری طرف اسلام میں قضاوت کا منصب حکومت کی فرعونمیں سے ایک فرع ہے۔پیغمبر اکرمؐجو لوگوں پر ولایت کے منصب پر فائز تھے آپ قضاوت کے معا ملات بھی انجام دیتے تھے اور آپ قاضیوں کو اس منصب پر تقررکرنے کا حق بھی رکھتے تھے ۔
اصولی طور پر اسلام میں قا بل اعتماد قاضی کا انتخاب اور تقرراسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ اس آیت کے مطابق صاحبان امر کے لئے حکومت کامنصب ثابت ہے تو قضاوت کا منصب بھی جو اسی کی ایک فرع ہے وہ بھی اسی کے ضمن مینان کے لئے ثابت ہوجاتاہے ۔
صاحبان امر کے منصب قضاوت کے مد نظران کا تیسرا منصب یعنی قرآن کریم کی آیات کی تفسیرمیں بھی ان کے کلام کا معتبر ہونا ثابت ہوجاتاہے۔جو شخص من جانب اللہمسندقضاوت پر جلوہ افروزہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وحی کے تمام مطالب کو صحیح طریقہ سے سمجھ سکتا ہواور معاشرے اور اسلامی قضاوت سے مربوط قوانین(جن کو قرآن میں تفصیلی طور پر بیان نہ کیا گیا ہے) ان کی صحیح معرفت رکھتاہو۔ اس بناء پر قرآن کریم کی آیات اور پیغمبر اسلام کی سنّت سے ایساشخص امت کے لئے معتبراور حجت ہوگا۔
اس وجہ سے اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صاحبان امر من جانب اللہمنصب حکومت پربھی فائز ہیں اور منصب قضاوت پر بھی اور نیز تفسیر وحی اورسنّت نبوی میں بھی ان کی رائے معتبر ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحبان امر کون لوگ ہیں ؟
ہم گذشتہ بحثوں میں یہ اشارہ کرچکے ہیں کہ شیعہ اور سنّی حضرات کی تائیدشدہ روایات کے مطابق صاحبان امر وہی بارہ امام علیہم السلام ہیں ۔اہل سنّت سے نقل ہواہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض اصحاب(منجملہ جابربن عبداللہانصاری)نے پیغمبر اکرمؐسے سوال کیاکہ خدااور رسولؐکی اطاعت کرنے کا مطلب تو سمجھ گئے لیکن یہ فرمائیے کہ اولواالامر سے مراد کون ہیں؟اسی مقام پر پیغمبر اکرمؐنے بارہ اماموں کے نا موں کے ساتھ اولواالامر کے عنوان سے انھینمعین فرمادیا۔
البتّہ اگر پیغمبرؐاور اولواالامر بذات خود کسی شخص کو معین کردیں تو خداوندعالم کی اطاعت کی بنا پر اس کی اطاعت کرنابھی واجب ہوگی۔جس طرح پیغمبر اکرمؐجب بھی کو ئی لشکر اسلام روانہ کر تے تھے تو کسی فوجی افسر کو معین فرماتے تھے توامت پر اس کی اطاعت کرنا واجب ہوجاتی تھی اسی بنیاد پر آپ نے اسامہ کے بارے میں فرمایا :"لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ جَیْشِ اُسامَۃ "
"جس نے بھی اسامہ کے حکم سے سرپیچی کی اس پر خداکی لعنت ہے "اس لئے کہ اسامہ کی اطاعت رسول خدا کی اطاعت کی بنا پر واجب قراردی گئی تھی پس جو بھی پیغمبرؐیااولواالامر کی جانب سے منصوب ہواس کی اطاعت کرنا واجب ہے ۔ولایت فقیہ کی دلیل بھی اسی سے حا صل ہوتی ہے۔ معصوم امام جو صاحبان امر ہیں انھوں نے غیبت کے زمانہ

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com

میں جامع الشرائط فقہاء کو اپنا نائب قرار دیا ہے اور مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب کی ہے اور حتیٰ کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ ان (فقہائ)کے قول کو رد کرنا ہمارے قول کو رد کرناہے اور جس نے ہمارے قول کو رد کیا وہ مشرک ہے۔پس اسی بنیا دپر ولی فقیہ کی اطاعت کرنا واجب ہے ۔

یہ مطلب بیان کردینا بھی مناسب ہے کہ اس آیت سے اصل ولایت فقیہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ۔یہ حق بات ہے کہ ہم پہلی ہی نظر میں اولواالامرکے مصادیق کو نہیں پہچان سکتے لہٰذا ہمیں اولواالامر کو مشخّص و معین کرنے کے لئے وحی کے مفسر یعنی پیغمبر اکرمؐکے دامن سے متمسّک ہوناچاہئے جیسا کہ متعدد روا یات کی بنیاد پر آنحضرتؐنے معصوم اماموں کا اولواالامر کے عنوان سے تعارف کرایاہے اور ائمہ علیہم السلام نے بھی اسی بات پر زور دیا ہے۔ حضرت امام محمد باقراور امام صادق کے زمانہ میں بنی امّیہ اور بنی عباس کے درباری علماء ان کی غاصبانہ حکومت کو ثابت کرنے اور اس کی شرعی حیثیت ثابت کرنے کے لئے اسی آیت سے استدلال کیا کرتے تھے ۔جیسا کہ آج بھی بعض مسلم حکمراناپنی حکو مت کو قا نونی اور شرعی ثابت کر نے کے لئے اسی آیت کا سہا را لیتے ہیں ۔

ائمہ معصومین علیہم السلام نے اپنے اصحاب کو اسی طرح کے اشخاص سے بحث کرنے کی تعلیم دی تھی۔ اسی تعلیم کی اساس و بنیاد پر اس طرح کے باطل دعوئوں کے جواب میں یہ کہنا چاہئے :کہ جس طرح نماز،زکاۃ،حج وغیرہ ۔۔سے متعلق آیات کے نازل ہونے کے بعد ان آیات کے معانی کو سمجھنے ،ان عبادات کے انجام دینے کے طریقہ کو سمجھنے اور ہر ایک عبادت کے خصوصیات کو جاننے کے لئے پیغمبر اسلامؐسے رجوع کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔اسی طرح آیۂ اولواالامر کے بارے میں بھی تمہارا وظیفہ و فریضہ یہ ہے کہ تم رسول خداؐسے رجوع کرو۔جس فعل کو آنحضرتؐکے چند اصحاب نے عمل کیااور آپ سے سوال کیااورآپ نے بھی ان کے جواب میں اولواالامر کے مصادیق کی تعیین فرمائی اور جہاں وحی کی تفسیر کرنے مینپیغمبر اکرمؐکا فر مان حجت ہے، آپ نے اولواالامر کے مصداق کو بارہ معصوم اماموں میں منحصر فرمادیا ہے اور اولواالامر سے خداوندعالم کی مراد بھی وہی بارہ معصوم امام ہیں لہٰذاتمام مسلمانوں پر ان کی اطاعت و پیروی کرنا واجب ہے۔

اس بناء پر آیۂ اولواالامر براہ راست ولایت فقیہ پر دلالت نہیں کرتی اگر چہ یہ اصل اپنی جگہ معتبرہے اور فقہا کا ائمہ کی طرف سے منصوب ہونا ثابت ہے۔اگر غیر معصو م کو بھی اولواالامر قرار دیا جائے(جیسا کہ اہل سنّت نے پہلے ایساکیا) تو اس سے سوء استفادہ کا راستہ صاف ہوجائیگا اور ممکن ہے کہ اس سے اصل ولایت فقیہ کے متعلق بھی خدشہ ہونے لگے۔اولواالامر کے معنی مینتوسیع ہوجانے کے بعدیہ امکان ہے کہ کوئی یہ کہے کہ فقیہ کو مسلمانوں کا ولی فقیہ ہوناچاہئے اس مطلب پر ہمارے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ یہ لازم ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات سے آشناہو اگرچہ یہ تقلید کی حد تک ہی ہو نہ کہ اجتہادکے ذریعہ ۔

نتیجتاً آیۂ اولواالامر سے اصل ولایت فقیہ کا استفادہ کرنا درست نہیں ہے البتہ ولایت فقیہ کی مشروعیت امام معصوم کے منصوب کرنے کی وجہ سے ہے :

"۔۔۔والرادعلیہم کالراد علیناوالراد علی اﷲوھوعلی حد الشرک"

ان (فقہائ)کے قول کو رد کرنا ہمارے قول کو رد کرناہے اور جس نے ہمارے قول کو رد کیا اس نے اللہ کے قول کو رد کیا وہ مشرک ہے۔

معارف قرآن کے مجموعہ میں سے "رہنماکی معرفت "کی بحث تمام ہوگئی ہم خداوند قدوس سے معارف قرآن کریم کے تمام حصّوں کے اتمام کے بارے میں مددچاہتے ہیں ۔

امید ہے کہ ہم خداوندعالم کی خاص عنایتوں کے ذریعہ اس راہ پرگامزن رہیں گے جس راہ کو اہل بیت علیہم السلام عصمت و طہارت نے ہمینقرآن اور احکامات کوسمجھنے کے لئے اچھی طرح ہمیں دکھلایاہے۔

پہلے ہم قرآن کریم کے معارف صحیح طرح سمجھیناس کے بعداپنی اوردوسروں کی سعادت و رستگاری کے لئے ان پر عمل کریں ۔

الحمد ﷲرب العالمین

Presented by http://www.alhassanain.com & http://www.islamicblessings.com